دو طلاق صریح دینے کے بعد شوہر نے کہا "فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" تو قول ثانی اول کا بیان سمجھا جائیگا یا مستقل طلاق ہو کر حرمت مغلظہ ہوگئی

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بی بی کے ساتھ جھگڑا کر کے کہا "ایک طلاق دو طلاق فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا" اب اس کی بی بی پر کتنی طلاق واقع ہوں گی؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مذکورہ میں اُس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی کیونکہ مُطلق کا بیان خبر بیان ہے اول قول کا یعنی پہلی دو طلاق، طلاق بائن ہیں کما فی الهداية المجلد الثانی صفحہ ۳۴۹ فاذا وصف الطلاق بضرب من الزيادة والشدة كان بائنا مثل ان يقول انت طالق بائن او البتة فيكون هذا الوصف لتعيين احد المحتملين الى الرجعي والبائن۔ پس معلوم ہوا کہ صورت مذکورہ میں اس کی بی بی پر دو طلاق بائن واقع ہوں گی، فقط واللہ اعلم۔

کتبہ احقر محمود اللہ عفی عنہ

الكلام على الجواب المذكور

یہ جواب غلط ہے اور صورت مسئولہ میں شخص مذکور کی بیوی پر تین طلاق واقع ہوگئیں۔ اور عبارت ہدایہ کا مطلب صرف اتنا ہے کہ جب طلاق کے ساتھ کوئی وصف مفید معنی زیادت وشدت ملحق ہوگا تو طلاق بائن ہو جائے گی اس کا مقتضا یہ ہے کہ شخص مذکور نے جو تیسری بار کہا فضل کی لڑکی کو طلاق بائن دیا تو وصف بائن سے یہ طلاق بائن ہوگئی۔ رہا یہ کہ اس وصف کے بڑھانے سے لفظ طلاق بائن دیا موجب وقوع طلاق نہ ہوگا بلکہ پہلے کلام کا بیان ہوگا عبارت ہدایہ اس پر دال نہیں والدليل على وقوع الثالث بقوله طلاق بائن دیا ما فی رد المحتار تحت قول الدر لا يلحق البائن البائن اذا امكن جعله اخبارا عن الاول كانت بائن ابنتك بتطليقة فلا يقع لانه اخبار فلا ضرورة فی جعله انشاء اه ما نصه اشار به الى انه لا يشترط اتحاد اللفظين فشمل ما اذا كان الاول بلفظ الكناية البائنة او الخلع او الطلاق الصريح اذا كان على مال او موصوفا بما ينبئ عن البينونة كما علم مما قدمناه بعد كون الثانی بلفظ الكناية البائنة كالخلع ونحوه مما يتوقف على النية ولو باعتبار الاصل كانت حرام

طلاق بالکتابت کی ایک صورت

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بچپن میں ہوئی ۔ مگر زید نے بالغ ہونے کے کچھ مدت بعد عمرو سے کہا کہ ایک طلاق نامہ لکھدو تو عمرو نے پوچھا کہ کیا تم اپنی بی بی کو طلاق دوگے؟ تو زید نے کہا ہاں تو عمرو نے تین طلاق لکھکر زید کو دیدیا اور زید نے اسے بکر کو دیا کہ اس کو پڑھکر سنادو زید نے سننے کے بعد طلاق نامہ پر دستخط نہیں کیا اور طلاق نامہ لیکر رکھ لیا ۔ کچھ روز کے بعد زید نے اس کو پھاڑ ڈالا ۔ اس کے بعد زید کے گھر والوں کو خیال ہوا کہ اس کی بی بی کو بلایا جائے تو زید نے کہا کہ میں

نے ایک طلاق نامہ لکھوایا تھا مگر اس پر دستخط نہیں کیا تھا۔ اگر طلاق واقع ہوگئی ہو تو نہ بلایا جائے اور اگر نہ واقع ہوئی ہو تو بلایا جائے اور پنچایت میں لوگوں نے پوچھا کہ یہ کیوں لکھوایا تھا تمہاری کیا نیت تھی تو زید نے جواب دیا کہ چھوڑنے کی نیت تھی آیا اسی صورت میں طلاق ہوگی یا نہیں؟

الجواب:- اگر واقعہ صرف اتنا ہی ہے جتنا سوال میں درج ہے کہ عمرو نے خود طلاق نامہ لکھ دیا زید نے مضمون نہیں بتلایا تو زید کی بیوی پر طلاق نہیں پڑی اور اگر زید نے مضمون طلاق نامہ اپنی زبان سے عمرو کو بتلایا کہ اس مضمون کا طلاق نامہ لکھدو تو اس مضمون کو بیان کر کے سوال دوبارہ کیا جائے۔

قال فی رد المحتار وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر انه کتابه اھ (ص ۴۰۲ ج ۲) واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۰ محرم ۱۳۴۹ھ

فصل فی تفویض الطلاق

تفویض طلاق کی ایک صورت اور اس کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ ایک شخص مسمی اسمٰعیل نے اس کے بڑے بھائی مسمی آدم کو کہا کہ یہ عورت مسمی خدیجہ کی طلاق دینا یا نہ دینا ہر حال میں تجھے اختیار ہے تو چاہے میری طرف سے طلاق دے یا نہ دے تو جیسا بھی کریں اس پر راضی ہوں اور تجھے طلاق دینے میں میری رضا ہے۔ اب یہ شخص مسمی آدم کو ایک شخص مسمی ابراہیم اور دوسرا شخص مسمی حسن نے پوچھا کہ تیرے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق کے بارہ میں تو کیا کہتا ہے تو آدم نے جواب دیا کہ ہمارے بھائی کی عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دی چھوڑ دی ہے اب گھڑی گھڑی طلاق دینے کی ضرورت نہیں اس کو تو طلاق ہی ہے طلاق ہے کیا آدم کے یہ کہنے سے دو آدمی کے سامنے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ وہ مع حوالہ کتب جواب دیجئے۔ بینوا توجروا۔

تنقیح:- (۱) مسمی آدم نے یہ الفاظ اسی مجلس میں کہے ہیں جس میں اسمٰعیل نے اسکو اپنی بیوی کی طلاق کا اختیار دیا تھا یا دوسری مجلس میں کہے ہیں؟ (۲) اگر اسی مجلس میں کہے ہیں تو ان الفاظ سے پہلے اور اسمٰعیل کے کلام کے بعد درمیان میں آدم نے کوئی کام یا کلام اجنبی کیا ہے یا نہیں؟ ان دونوں سوالوں کے جواب کے بعد حکم شرعی بتلایا جائے گا۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۰

جواب تنقیح :- (۱) مسمی اسمٰعیل نے آدم کو یہ اختیار پہلے دو چار روز پہلے بھی دیا تھا اور جس روز کہ یہ الفاظ کہے اس روز بھی چار گواہوں کے روبرو اسمٰعیل نے آدم کو تاکیداً یہ کہا کہ میری عورت مسمی خدیجہ کی طلاق چاہے اس مجلس میں دے ہر جگہ ہر مجلس میں تجھے اختیار ہے اور میری رضا ہے

۲ - جب اسمٰعیل نے یہ کلام کہا فوراً آدم اسمٰعیل کے مکان سے جس جگہ یعنی مسجد کے سامنے جماعت مومنین جمع ہو رہی تھی آیا اور مذکورہ حروف مذکورہ گواہاں کے روبرو کہدیے یعنی کہکر اور پھر خود کسی کام کے واسطے چلا گیا درمیان میں کوئی اجنبی بات آدم یا اسمٰعیل نے نہیں کی اور اسی وقت کا ذکر ہے مذکورہ حرف مذکورہ گواہ کے علاوہ بھی دیگر کئی شخص نے سنے ہیں فقط۔

الجواب :-

صورت مذکورہ میں جب اسمٰعیل نے آدم سے یہ الفاظ کہے کہ (میری عورت مسمی خدیجہ کو طلاق دینے کا تجھے اختیار ہے) اگر اسماعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی نہ تھی تو آدم کے ان الفاظ مذکورہ سے خدیجہ پر صرف ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے ایک سے زیادہ واقع نہیں ہوئی۔ عدت کے اندر اسمٰعیل اپنی بیوی سے رجعت کر سکتا ہے اور اگر اسمٰعیل کی نیت تین طلاق کا اختیار دینے کی تھی تو آدم کے ان الفاظ سے خدیجہ پر تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ اسنے تین مرتبہ طلاق کا لفظ استعمال کیا ہے اس صورت میں خدیجہ بدون حلالہ کے اسمٰعیل کے واسطے حلال نہیں ہو سکتی اور اگر اسمٰعیل کی کچھ نیت نہ تھی تب بھی ایک طلاق رجعی ہوئی۔

قال فی العالمگیریۃ: اذا قال لہا طلقی نفسک سواء قال لہا ان شئت او لا فلہا ان تطلق نفسہا فی ذلک المجلس خاصۃ و لیس لہ ان یعزلہا قال الرجل طلق امرأتی و قرنہ بالمشیۃ فہو کذلک اھ و فیہ اذ قال لہا طلقی متی شئت فلہا ان تطلق متی شاءت فی المجلس و بعدہ اھ قلت و فی الصورۃ مسئولۃ فوض الطلاق الیہ بلفظ العموم فہی نظیر الثانیۃ

تفویض طلاق میں مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ مسمی عبدل ولد پیر خان جو کہ مسماۃ چنیاں کمہارن غیر مسلمہ کے ساتھ تعلق ناجائز رکھتا تھا (جب مسماۃ حوراں بنت نبی بخش سے شادی کرنے گیا تو نبی بخش نے ناجائز تعلق کے سبب سے عبدل سے ایک اسٹامپ تحریر کرایا کہ اگر دوبارہ میں ایسا کام کروں گا تو نبی بخش کو اور میری عورت کو اختیار ہے جیسا کہ نمبر ۵ میں تحریر ہے کہ میں اپنے نکاح سے لادعوی ہوں - اب عبدل نے اس چنیاں کمارن کو دوبارہ

اپنے گھر لایا ہے اور ناجائز تعلق قائم کیا اور حوراں اپنے والد کے گھر چلی آئی ہے اور کہتی ہے کہ مجھکو اختیار دیا تھا اس لئے میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں - آیا یہ حوراں عبدل کے نکاح سے خارج ہوئی یا نہ؟ اور نمبر ۴ کا بھی عبدل مرتکب ہوا ہے - بینوا توجروا

المستفتی بلیفا احمد ولد کاول ملک گجرات
ضلع پنچ محال قصبہ دوحد

نقل اسٹامپ شامل استفتاء ہے ملاحظہ ہو -

اقرار نامہ

لکھنے والا میں بنام عبدل ولد پیرخان ساکن دھار محلہ چھتری پورہ ، لکھدیتا ہوں ایسا کہ نبی بخش ولد بخشا سلاوٹ ساکن دہاری محلہ کھاری باوڑی ان کی لڑکی مسماۃ حوراں سے میری شادی ہونا قرار پایا ہے اس کی نسبت چند کلمہ حسب ذیل بطور سند کے لکھدیتا ہوں -

(۱) ـــــ اوّل : لڑکی نبی بخش صاحب مسماۃ حوراں کی بھر منگنی دیگر جگہ ہوگئی اس کی نسبت جو جھگڑا جا پنچ یا عدالت سے بھرجاوے گا وہ دینا مجھکو منظور ہے -

(۲) ـــــ دوسری : ہیں لڑکی کو شہر دہار میں سے کہیں لیجانے کا مجاز نہیں روزگار وغیرہ کے لئے دیگر جگہ میں خود جاؤں گا -

(۳) ـــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف وغیرہ پہونچانے کا مجھے اختیار نہیں - اقرار مہر حوراں جب چاہے لے سکتی ہے -

(۴) ـــــ لڑکی کو کسی طرح کی تکلیف ہوگی تو میرے سسر نبی بخش کو اختیار ہے تو وہ میرے بغیر اجازت میرے مکان سے لے جانے کا اختیار ہے -

(۵) ـــــ میرا برتاؤ برخلاف اگر ظہور میں آوے گا تو میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہوگیا - اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہوسکتی ہے -

الجواب ـــــــــــــــــــ

صورت مسئولہ میں مسمی نبی بخش کو تو طلاق واقع کرنے کا اختیار نہیں ہے کیونکہ عبدل کے یہ الفاظ کہ میرے سسر صاحب کو مجاز ہے کہ میں اپنے نکاح سے گویا لادعوی ہوگیا - تفویض طلاق کے الفاظ نہیں البتہ عبدل کے یہ الفاظ (اسی قدر مجاز مسماۃ حوراں بنت نبی بخش کو بھی ہے وہ اپنے اقرار نکاح سے دور ہوسکتی ہے) تفویض طلاق کے الفاظ ہیں جو کہ برتاؤ برخلاف ظہور میں

آنے پر معلق ہے پس اگر مسمی عبدل کا برتاؤ اس کے وعدہ کے برخلاف ظہور میں آیا ہے تو مسماۃ حوراں کو اپنے نفس پر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس مجلس میں مخالفت کا علم ہوا ہے اسی مجلس میں فوراً اپنے کو طلاق دے اگر اس مجلس سے اٹھ جانے کے بعد طلاق اختیار کرنا چاہے تو وقوع طلاق نہ ہوگا جیسا کہ آگے آتا ہے۔ صورت سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ مسماۃ حوراں نے یہ الفاظ کہ میں نکاح سے خروج کو اختیار کرتی ہوں اپنے باپ کے گھر جاکر کہے مجلس علم مخالفت میں نہیں۔ اس لئے صورت مسئولہ میں اسپر طلاق واقع نہیں ہوئی اور اب اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ واللہ اعلم

فی مجمع النوازل لو قال للصکاک اکتب لها خط الامر علی انی متی سافرت بغیر اذنها فهی تطلق نفسها واحدة کلما شاءت یصیر الامر بیدها فی تطلیقة واحدة اھ ملخصا۔ عالمگیریہ ج ۲ ص ۸۰ وفیه (ص ۸۲ ج ۲) سئل جدیؒ عمن جعل امر امرأته بیدها اگر قمار کند ثم قامر فطلقت المرأة نفسها ثم اوعز الزوج انك قد علمت منذ ثلثة ایام ولم تطلقی فی مجلس علمك و قالت المرأة لا بل علمت الآن فطلقت نفسی علی الفور لمن یکون؟ اجاب: ان القول للمرأة کذا فی الفصول العمادیة اھ قلت والمسئلة نظیر الصورة الثانیة فی کون التفویض موقوفا علی المجلس، واللہ اعلم۔

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا نکاح ہندہ کے ساتھ کیا۔ جس کو عرصہ پانچ سال اور کچھ ماہ کا گزر گیا نکاح کے تین سال اور کچھ ماہ بعد بوجہ باہمی نااتفاقی کے ہندہ کو ایک اقرار نامہ بطور اطمینان کے بابت دینے نان ونفقہ اور نہ کرنے مارپیٹ و برتاؤ بے رحمانہ و ظالمانہ کے اپنے ہاتھ سے تحریر کرکے دیدیا اور ہندہ کو اپنے گھر لے گیا بعد کو قریب ایک ماہ کے بعد ہندہ کو مارپیٹ کر اور اس کی جہیز وغیرہ اتار کر اس کے والدین کے گھر بھیجدیا کہ جس کو عرصہ دو سال اور کچھ ماہ کا گذر گیا تاہنوز نان نفقہ کچھ نہیں دیا حالانکہ اپنے تحریری اقرار نامہ میں یہ تحریر کرچکا ہے کہ اگر کسی وجہ سے زوجہ منمقر سے نااتفاقی ہوجاوے اور عرصہ تین ماہ تک مبلغ دس روپیہ ماہوار کے اس کو نہ بھیجوں تو بموجب شرع محمدی کے اپنی زوجہ منکوحہ کو طلاق تفویض کردوں کہ وہ قید نکاح سے اختیار آزادی کا رکھتی ہے اب سوال یہ ہے کہ بموجب تحریر زید کے اگر ہندہ پر خلع واجب ہوگئی ہو تو فتویٰ دیجئے خداوند کریم اجر خیر دے

مقام شہر میرٹھ محلہ مہابیر پورہ ۔ منشی حبیب الرحمٰن

الجواب :- قال فی العالمگیریۃ وقد وردت الفتوی عمن قال لامرأتہ اگر بعداز دہ روز پیچ و نیاز بتو نرسانم فامرک بیدک لتطلقی نفسک متی شئت دہ روز گزشت وان زر سانید هل لها ان تطلق نفسها قلت نعم اھ (ص۴۲ ج ۲)

وفیها ایضا التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذ قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدها اذا علمت فی مجلسها الذی قدم فیہ الی ان قال ولو قال اذا مضی هذا الشهر فامرها بیدہ فلان فمضی الشهر فامرها بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شهرین لان التفویض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشهر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا هذا اھ (ص ۸۳ ج ۲) صورت مسئولہ میں جب تفویض کے بعد تین مہینہ بدون نفقہ گزرجانے پر عورت نے اپنے کو طلاق نہیں دی حتی کہ دو سال گزر گئے تو اب ہندہ اپنے اوپر خود طلاق واقع نہیں کرسکتی اس کو چاہیئے تھا کہ جب سے شوہر نے نفقہ بند کیا تھا اسی وقت سے دن شمار کرنا شروع کرتی اور اس وقت سے جب تین ماہ پورے ہوجاتے تو اسی ساعت اور اسی مجلس میں اپنے آپ کو طلاق دیدیتی مگر ہندہ نے ایسا نہیں کیا اس نے تین ماہ بدون نفقہ کے گزرنے کے بعد اپنے کو طلاق نہیں دی تو اب تفویض ختم ہوچکی وہ اپنے کو خود طلاق نہیں دے سکتی۔ (البتہ اگر زوج نے زبانی یہ بات کہی ہو کہ تین ماہ تک نفقہ نہ دوں تو ہندہ ہر وقت اپنے کو قید نکاح سے آزاد کرسکتی ہے تو ہندہ اب بھی اپنے کو طلاق دے سکتی ہے " واللہ اعلم)

تفویض طلاق کے اندر مجلس علم میں طلاق واقع کرنا شرط ہے

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین وشرع متین اس مسئلہ نکاح میں کہ ایک عورت کا شوہر عرصہ ۸ سال سے پردیس چلا گیا اور اپنی کسی حالت سے آگاہی نہیں دیتا اور وہاں سے نہ کچھ خرچ دیتا ہے لہذا اس عرصہ کے اندر چھ برس نوکری کرتے ہوئے بڑی مشکل سے گزری اور کسی طرح اپنے دن کاٹے اور اپنی عصمت کو قائم رکھا نیز کسی سبب سے اس کی ملازمت جاتی رہی پھر وہ ۳ برس بے کار رہ کر بڑی مصیبتیں اٹھاتی رہی جب بہت تنگ ہوئی تو خیالات کچھ تبدیل ہوتے ہوئے پھر برادریوں سے داد خواہ ہوئی لیکن برادری جواب دینے سے قاصر تھے جب بہت پیچھے پڑی تو برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم اس کی پرورش کرو اس کے بھائی نے انکار کیا اور کہا کہ میری ماں کی بات نہیں ہے اس وقت برادریوں نے اس کے بھائی سے کہا کہ تم ہم سب کی

طرف سے ایک پنچایت نامہ اس کے پاس تحریر کر کے جملہ پنچ تم کو بتاکید لکھتے ہیں کہ تم دیکھتے ہی خط کے بہت جلد آؤ یا تم اس کو طلاق دیدو کیونکہ اس کا گزر نہیں ہوتا ہے اس برادریوں کی تحریر پر اس نے یہ جواب تحریر کیا کہ ہم آپ لوگوں سے ۲ ماہ کی مہلت چیت بیساکھ کی اور مانگتا ہوں بیساکھ میں ضرور آجاؤں گا اگر میں اپنے وعدہ پر نہ آؤں تو اس کو اختیار ہے میرا سب برادریوں کو السلام علیکم لہٰذا اس تحریر پر اس کی طلاق ہوسکتی ہے یا نہیں چنانچہ پھر وہ ایک سال تک انتظار کرتی رہی بعد دس سال کے پریشانی اٹھا کر اپنا نکاح ثانی ایک برادری سے کرلیا۔ اب اس کے بھائی وغیرہ اس کے خلاف ہوکر یہ کہتے ہیں کہ اس نے بلا ہم لوگوں کی مرضی نکاح کیوں کیا اور ہر قسم کی جھوٹی دلیلیں کرتے ہوئے ستر برس عورت کے بیٹھے رہنے کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اس لئے تمام لوگوں کو بڑی تشویش اس مسئلہ میں ہو رہی ہے بھلا یہ ایسی صورت میں کس حد تک جائز سمجھا جاوے اور اگر وہ بیٹھی رہے تو کیا کھائے مفقود کی کوئی جائیداد نہیں جس سے گزر ہو اس کے خویش اقرباً اس کے شریک نہیں۔ عورت کے بھائی وغیرہ میں قوت کھلانے کی نہیں جو دو برس بھی نباہ سکے ستر برس تو کیا دس برس میں قلع قمع ہوگیا یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ پچھلا سا زمانہ نہیں ایسی عمریں اور ایسی نیتیں نہیں اس قدر مستقل مزاجی نہیں پھر اس قدر مدت دراز کی قید میں رہ کر کیسے گزر کرے اور کس طرح متحمل ہو سکے یہاں عیسائیوں کی پرفریب گھاتوں میں لانے والی باتیں ادھر ادھر پھیلائی جایا کرتی ہیں جس وقت غافل پاتے ہیں فوراً دام میں پھانس لیتے ہیں ایک واقعہ ابھی ایک عورت کا اسی طرح گزر چکا ہے جو پٹھان لوگوں نے اسے عرصہ تک جھلایا کیا اور اس کو بہت آزادی دیتے ہوئے ایک مدت سے تڑپا رہے تھے پریشانی اٹھاتے اٹھاتے تنگ ہوچکی تھی۔ گھبرا کر پھنس گئی اسی وجہ سے ایک برادری نے جب یہ دیکھا کہ یہ بھی قریب اس کے پہونچ جانے والی ہے جب دس برس کے بعد جب اس کے شوہر کی تحریر پر جواب پاتے ہوئے نکاح میں لے لیا۔ لہٰذا ان دونوں مسئلوں کا جواب بہت جلد برائے خدا مع ثبوت قرآن و حدیث اور چند علماء دین کی مہروں کے عنایت فرمایا جاوے۔

غلام محی الدین خان مدرس

ضلع گونڈہ مقام مسکنواں ڈاکخانہ مسکنواں بازار مکتب اسلامیہ متصل مسجد ہیں۔

الجواب:۔ فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ

الی ان قال ولو قال اذا مضی ھذا الشھر فامرھا بیدہ فلان فمضی الشھر فامرھا بیدہ فی مجلس علمہ وان علم بعد شھرین لان التفویض معلق بمضی الشھر والمعلق بالشرط یصیر مرسلا عند وجود الشرط ولو ارسل التفویض بعد مضی الشھر یقتصر علی مجلس علمہ فکذا ھذا ۔ اھ (صہ ۸۳ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر دو مہینے گزرنے کے بعد ہی فوراً اس مجلس میں جسمیں بروقت تمام ہونے مدت کے وہ موجود ہوتی اپنی زبان سے یہ کہدیتی کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں تب اس پر طلاق واقع ہو جاتی لیکن جب دو مہینہ کے بعد مدت گزر گئی اور عورت نے اپنے نفس کو اختیار نہیں کیا تو اب وہ اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کر سکتی لہٰذا جب تک شوہر طلاق نہ دے اس وقت تک کسی سے اسکا نکاح درست نہیں ہو سکتا پس جو نکاح دوسرا اس عورت نے کیا ہے ۔ وہ صحیح نہیں ہوا ۔ باقی جتنی باتیں سائل نے لکھی ہیں وہ سب فضول ہیں ساٹھ ستر برس کا انتظار مفقود کی زوجہ کے لئے اور صورت مسئولہ میں جب شوہر کے پاس خطوط پہونچے ہیں اور اس کی جگہ معلوم ہے تو وہ مفقود نہیں ہے اس صورت میں تو اگر شوہر سو برس تک بھی طلاق نہ دے جب بھی یہ عورت کسی سے نکاح نہیں کر سکتی اب صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ برادری کے لوگ شوہر کو مجبور کرکے اس سے جبرا طلاق دلوادیں باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے ۔ کہ عورت اس طرح کیونکر گزر کر سکتی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر کسی عورت سے کوئی شخص بھی نکاح نہ کرے تو وہ کیا کرے گی پس یہ عورت بھی وہی کرے جو ایسی عورت کیا کرتی ہے یعنی صبر کرے اور محنت و مزدوری سے اپنا کام چلائے اور اگر وہ معذور ہو تو مسلمانوں کو چاہیئے ایسی عورت کے لئے چندہ کرکے اسکی معیشت کا سامان کردیں تاکہ وہ کفار کے پھندہ میں نہ آجاوے ۔

۲۶ ر رجب ۱۳۴۱ھ

تفویض طلاق میں مجلس شرط ہے

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے بروقت نکاح ایک اقرار نامہ تحریر کیا اور اس اقرار نامہ کی رو سے یہ تسلیم کیا کہ اگر میں عقد ثانی کروں تو میری زوجہ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنے کو مطلقہ تصور کرے منجملہ دیگر شرائط یہ ایک شرط بھی ہے اب زید نے دو سال کے بعد عقد ثانی اس وجہ سے کیا کہ والدین زوجہ نے زید کی زوجہ کو زید کے ہمراہ جانے سے روکا ۔ اس شرط متذکرہ بالا کی بناء پر زید کی زوجہ خود کو مطلقہ تصور کرکے عقد کرتی ہے ایسی صورت میں یہ عقد جائز ہوگا ؟ اور زوجہ زید مطلقہ تصور کی جاسکتی ہے ؟

الجواب :۔ قال فی العالمگیریۃ والخیار اذا کان موقتا یبطل بمضی الوقت

سواء علمت او لم تعلم بخلاف ما اذا كان غير موقت كذا فى السراج الوهاج (ا ھ صـ ج ۲) وفیہ ایضاً التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقاً عن الوقت واما ان یکون موقتاً فان کان مطلقاً بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ الخ (صـ ۸۲ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر زوجۂ اولی زید نے عقد ثانی کی خبر سنتے ہی اسی مجلس میں یہ کہدیا تھا کہ میں طلاق کو اختیار کرتی ہوں تب تو وہ مطلقہ ہوسکتی ہے اور اگر خبر سننے کے بعد فوراً اسی مجلس میں ایسا نہیں کہا تو اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اختیار اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ۲ر شوال ۱۳۷۱ھ

تفویض طلاق کی ایک صورت

سوال :- گزارش یہ ہے کہ دو قلم از روئے بندہ نوازی تحریر فرماکے اس مسئلہ کے جواب سے مطلع فرمادیں صورت مسئلہ بعینہٖ یہ ہے کہ زید نے اپنے بھائی عمرو کے پاس ایک خط لکھا تھا کہ میں پردیس یعنی دوسرا ملک میں ہوں میری بیوی کا حق مجھ سے ادا نہیں ہوتا ہے اس لئے میری طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں اگر وہ چاہے تو دوسر جگہ نکاح بیٹھ سکتی ہے فقط اور کچھ تفصیل نہ کی۔

۱- عمرو نے اس خط کو اپنے پاس رکھا اور کچھ ظاہر نہیں کیا اس وقت منکوحہ مطلقہ ہوگی یا نہیں۔

۲- پھر اگر منکوحہ نے اس خبر کو سن کر طلاق اختیار کرے تو کتنے واقع ہوگا۔ فقط والسلام

احقر محمد بدیع الزماں نواکھالی

جواب :- صورت مسئولہ میں یہ صیغہ تفویض طلاق کا ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ جس وقت عورت کو تفویض کا علم ہوا اسی وقت مجلس علم میں ہی طلاق لے لیگی تو طلاق پڑجاوے گی اور اگر اس کو تفویض کا علم ہی نہ ہو یا علم ہو اور وہ طلاق نہ لے تو وقوع طلاق نہ ہوگا ایسے ہی اگر مجلس علم کے بعد طلاق لے تب بھی وقوع نہ ہوگا یا مجلس علم میں سنتے ہی کسی اور بات میں لگ جاوے جس کو تفویض سے کچھ علاقہ نہیں پھر اس بات کے بعد میں طلاق لے تب بھی کچھ نہ ہوگا۔

قال فی الدر فلھا ان تطلق فی مجلس علمھا بہ مشافھۃ او اخبارا و ان طال یوما او اکثر ما لم تقم لتبدل مجلسھا حقیقۃ او حکما بان تعمل ما یقطعہ مما یدل علی الاعراض اھ (صـ ۸۱ مع الشامی)

۲- صورت مسئولہ میں عورت بعد علم کے اگر تین طلاق لینا چاہے تو لے سکتی ہے کیونکہ شوہر کے الفاظ یہ ہیں کہ "میرے طلاق دینے کی جو طاقت اور قوت ہے وہ اس کو سپرد کرتا ہوں" اس سے

بظاہر تین طلاق تک کی تفویض مفہوم ہوتی ہے اور اگر شوہر کی نیت ان الفاظ سے تین طلاق سپرد کرنے کی نہ تھی بلکہ ایک ہی طلاق سپرد کرنے کی نیت تھی تو عورت صرف ایک لے سکتی ہے ۔ واللہ اعلم

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴۳ھ

ایک شخص نے باپ کو اپنی بیوی کی طلاق کا حق سپرد کیا باپ نے اس کے سسر کو اس کا اختیار دے دیا تو کیا سسر اس کی بیوی پر طلاق واقع کر سکتا ہے

سوال ۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق اپنے باپ کو سپرد کیا تھا کتنے روز کے بعد اس کے باپ نے وہ طلاق دینے کا حق اس شخص کے سسر کو سپرد کیا ہے ۔ اس شخص کے سسر نے طلاق دیکر اپنی بیٹی کو عدت کے بعد دوسرے سے نکاح دے سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔ بحوالہ کتاب معتبرہ زیادہ ، فقط والسلام

عاصی محمد یٰسین خان موضع الکدیہ پوسٹ بوگیا ضلع جسر

الجواب :۔ طلاق میں وکیل کو اختیار نہیں کہ دوسرے شخص کو وکیل بنائے اس لئے سسر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے ۔

فی الدر الوکیل لا یوکل الا باذن آمرہ وفیہ بعدأ سطر (والتفویض الی رأیہ کاعمل برأیک (کالاذن فی التوکیل) الا فی طلاق وعتاق (شامی ص ۶۳۴ ج ۴)

احقر عبد الکریم عفی عنہ

نوٹ :۔ اگر سسر کے طلاق دینے کے بعد عورت کے شوہر نے یا عورت کے خسر نے بھی کچھ کہا ہو تو اس کو لکھ کر دوبارہ سوال کیا جاوے ۔ ۱۲

ظفر احمد عفا اللہ ۵ ذیقعدہ ۴۴ھ

ان الفاظ سے کہ " زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہم کو تین طلاق دینے کے لئے میری اختیار زوجہ کو سپرد کیا ۔ بیوی کو طلاق کا حق مل سکتا ہے یا نہیں

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمأ دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ کو شادی کر کے پندرہ روز بعد پردیس چلا گیا ۔ قریب تین سال تک پردیس میں رہا ۔ نہ خود پوشش دے رہا نہ خط و خطوط سے خبر گیری کر رہا ۔ نہ خط لکھنے سے جواب دیتا ہے ۔ شادی کے وقت ایک کابین نامہ رجسٹری کر کے دیا تھا اب زوجۂ مذکورہ کو بہت تکلیف ہو رہی ہے اس صورت میں اس کابین نامہ کی شرائط کے مطابق وہ زوجہ اپنے آپ کو طلاق دے سکتی ہے یا نہیں ۔ بر تقدیر اول بلا اطلاع زوج ہو سکتا ہے یا نہیں ۔ بر صورت ثانیہ اطلاع کے بعد جواب نہ دینے سے طلاق کر سکتی ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

کابین نامہ کی دفعہ نمبر ۵ کا اردو ترجمہ حسب ذیل ارسال خدمت ہے :۔

اگر میں چھ مہینے سے زیادہ مدت تک کوئی پردیس میں رہوں یا دیس میں رہ کر بی بی مذکورہ کی خبر گیری نہ کروں یا شرائط بالا میں سے کوئی شرط کا خلاف کروں یا شرط کی کوئی جزو کے خلاف کروں یا پورا نہ کروں تو شرط کے خلاف کرنے کے بعد زوجہ مذکورہ جس وجہ سے چاہے ہر وجہ سے ہمکو تین طلاق دینے کے لئے میرے اختیار زوجہ مذکورہ کو سپرد کیا اس سپرد کردہ اختیار کی قوت سے جو کوئی وجہ سے طلاق دے تو میں کوئی عدالت میں زوجیت کا دعوی نہیں کر سکوں گا اور نہیں کروں گا اس بناء پر کابین نامہ لکھدیا۔

تنقیح بر سوال

یہ کابین نامہ نکاح کے قبل لکھا گیا ہے یا نکاح کے بعد؟

جواب **تنقیح**:۔ کابین نامہ نکاح کے بعد لکھا گیا ہے۔

الجواب:۔ اس کابین نامہ میں جو الفاظ طلاق ہیں وہ لغو ہیں اس واسطے اس کابین نامہ کی بناء پر عورت کو طلاق کا کوئی حق نہیں ہے فی الدر المختار انا منک طالق او بریٔ لیس بشئ ولو نوی به الطلاق وفی رد المختار لان محلیة الطلاق قائمة بها لا به فالاضافة الیه الی غیر محله فیلغو اھ، واللہ اعلم۔

تنبیہ:۔ ہمارے ملک میں اس جملہ مذکورہ فی السوال کے یہی معنی ہیں جو موجب طلاق نہیں یعنی ہم کو طلاق دینا ترجمہ ہے۔ تطلیقھا ایای کا۔ اگر بنگالہ میں جو فقرہ استعمال کیا ہے اس کا یہی مطلب ہے تو یہ کابین نامہ بیکار ہے جیسا کہ جواب میں لکھا گیا اور اگر ہم کو طلاق دینا بنگالہ میں ترجمہ ہوتا۔ تطلیقی ایاھا کا تو پھر کابین نامہ معتبر ہوگا اور عورت کو صورت مسئولہ بالا میں طلاق واقع کر لینے کا اختیار ہوگا اور خاوند کو اطلاع دینا وقوع طلاق کی شرط نہیں ہے۔

ولا یرد ان التفویض المعلق بحرف ان یقتصر علی مجلس وجود الشرط کما ھو المصرح به فی کتب الفقه وفی الواقعة المسئولة عنها تعلیق بحرف ان لان فی ھذه الواقعة علق التفویض بلفظه" مذکورہ شرط کے خلاف کرنے کے بعد الخ وحکمه ما فی العالمگیریة (ص ۸۳ ج ۲) من انه قال لها ان لم اوصل الیک خمسة دنانیر بعد عشرة ایام فامرک بیدک فی طلاق حتی شئت فمضی الایام ولم یرسل الیها النفقة ان کان الزوج اراد به الفور لها الایقاع وان لم یرد الفور لا تملک الایقاع حتی یموت احدھما کذا فی الوجیز للکردری اھ۔ والظاھر المتبادر ان الزوج فی ھذه الواقعة

المسئولة عنها لم يرد الفور فالمرأة بالخيار من حين وجود الشرط الى الموت ولا يقتصر خيارها على مجلس وجود الشرط فقط والسلام ۔

عبدالکریم عفی عنہ از تھانہ بھون مورخہ سنہ ۵۱ھ

تفویض طلاق بالتعلیق بلفظ، اگر میں عورت کو وقوع طلاق کا اختیار مجلس وقوع شرط و مجلس علم بالوقوع تک خاص ہوتا ہے

سوال ۔ ما قولکم ایہا العلماء العظام رحمکم اللہ تعالیٰ ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی صفی اللہ نے اپنی بی بی مسمات آسیہ خاتون کے کابین نامہ میں چند شرطوں کو اقرار کر کے دستخط کیا اور محکمہ سرکار میں رجسٹری کرایا منجملہ شرطوں میں سے چوتھی شرط یہ ہے کہ "اگر مرے رشتہ دار کے ساتھ آپ کی مخالفت ہو یا مرے گھر کی آب وہوا موافق نہ ہو ۔ آپ اپنی سکونت کے لئے جہاں چاہیں وہیں پردہ پوشی کر کے مسلمان شریف عورتوں کی طرح خود روپوش رہیئے اوقات بسر کرتے رہیں گے ۔ اپنی طبیعت خواہ مقام سے دوسرے مقام نہیں لے جاسکیں گے" اور شرط آخیر یہ ہے کہ "اگر مرقومۂ بالا شرطوں میں سے کسی شرط کو یا کسی شرط کے کوئی جزو کو خلاف کردں تب آپ کو مرے تین طلاق دینے کی اختیار ہے وہ آپ کو آج ہی سے سپرد کرتا ہوں ۔ آپ اختیار مفوضہ کی رو سے خود مختار ہو کے نفس نفیسہ کو ایک دو تین طلاق دے کے مرے زوجیت کے دعویٰ سے رہائی پا کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہیں" ۔ اب صفی اللہ مذکور نے بعض شرائط کابین نامہ کے مخالفت کی ہے خصوصاً شرط مرقوم الصدر کو ۔ لہٰذا آسیہ خاتون مذکور نے شرط اخیر کے مطابق اپنے نفس پر ایک دو تین طلاق واقع کر کے دوسرا شوہر قبول کر سکتی ہے یا نہیں آپ اس کا جواب بالتفصیل کتب فقہ سے دلویں اور خدائے بزرگ سے نعمت دارین حاصل کریں ۔

الجواب :۔ اگر اس اقرار نامہ پر صفی اللہ نے نکاح ہونے کے بعد دستخط کئے ہیں تو یہ اقرار نامہ صحیح ہے اور اس کے بموجب جب کسی شرط کا خلاف ہوا ہو اور اسی وقت منکوحہ نے اپنے اوپر طلاق واقع کی ہو تو طلاق ہو جائے گی ورنہ نہیں ۔

اور اگر دستخط بعد نکاح نہیں بلکہ نکاح سے پہلے ہوئے ہیں تو یہ اقرار نامہ لغو ہے ۔

محمد کفایت اللہ غفر لہ، مدرسہ امینیہ دہلی ۔

الجواب صحیح
محمد مظہر اللہ غفر لہ، امام مسجد فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
عبدالوحید عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی ۔

الجواب صحیح
خادم العلماء سلطان محمود، مدرسہ فتحپوری دہلی

الجواب صحیح
بندہ ضیاء الحق عفی عنہ مدرس امینیہ دہلی

الجواب صحیح
محمد شفیع عفی عنہ مدرس مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب مرحوم دہلی

الجواب صحیح
محبوب الٰہی غفرلہ مدرسہ مولوی عبد الرب صاحب دہلی

الجواب صواب
ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۰ر شوال ۴۸ھ

الجواب صحیح
عبد اللطیف عفا اللہ عنہ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور
۲۳ر شوال ۴۸ھ

قد صح الجواب بغیر ارتیاب
ریاض الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند
۱۴ر شوال ۴۸ھ

بندہ حسن عفا اللہ عنہ
مدرس دار العلوم دیوبند
۱۰ر شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب ہو الجواب
محمد اعزاز علی غفرلہ مدرس دار العلوم دیوبند
۱۴ر شوال ۱۳۴۸ھ

مہر مدرسہ دار العلوم دیوبند

للہ در المجیب المصیب حیث اجاد واصاب فیما اجاب انہ ہو الحق لاریب فیہ ولا مریۃ ولا ارتیاب فیہ ولا فریۃ وماذا بعد الحق الا الضلال ۔ کتبہ بقلمہ وقالہ بفمہ احقر العبد محمد نور اللہ النوا کھالوی غفرلہ ربہ دار العلوم دیوبند
جامعہ قاسمیہ ۲۷ر ۸ ۴۸ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام بتھانہ بھون

صورت مسئولہ میں تفویض طلاق بالتعلیق ہے اور تعلیق لفظ "اگر" سے ہے اور تفویض معلق کا حکم یہ ہے کہ جس وقت شرط کا وقوع ہو اور عورت کے سامنے وقوع ہو تو عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار مجلس وقوع تک ہے ۔ بعد انقضائے مجلس اس کو اختیار نہ رہے گا اور عورت کے سامنے وقوع شرط نہ ہو تو جس مجلس میں اُس کو وقوع شرط کا علم ہوا ہے ۔ اسی مجلس تک عورت کو ایقاع طلاق کا اختیار رہے اس کے بعد نہیں ۔ پھر لفظ اگر سے تعلیق ہو تو ایک بار وقوع شرط سے تعلیق باطل ہو جاتی ہے اس کے بعد وقوع شرط سے حکم تعلیق ثابت نہ ہوگا ۔

قال فی العالمگیریۃ التفویض المعلق بشرط اما ان یکون مطلقا عن الوقت واما ان یکون موقتا فان کان مطلقا بان قال اذا قدم فلان فقدم فلان فالامر بیدھا اذا علمت فی مجلسھا الذی قدم فیہ وان کان موقتا بان قال اذا قدم فلان فامرک بیدک یوما او قال الیوم الذی یقدم فیہ فالامر بیدھا فی

ذلک الوقت کلہ اذا علمت بالقدوم و لا یبطل بالقیام عن المجلس اہ ملخصا (صـ۸۲ ج۲) وفیہ ایضا الفاظ الشرط ان واذا واذا ما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی هذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتهت لانها لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانها توجب عموم الافعال الی ان قال والالفاظ التی للشرط بالفارسیۃ اگر وہمی وہمیشہ وہرگاہ وہرزمان وہربار فالاول بمعنی قولہ ان فلا یحنث الا مرۃ و الثانی بمعنی متی لا یحنث الا مرۃ والثالث کالثانی ومعناهما واحد وفی الرابع والخامس یحنث مرۃ لانہ بمعنی کل وهو الصحیح والسادس بمعنی کلما یحنث کل مرۃ کذا فی محیط السرخسی اہ (صـ۹۴ ج۲)

اور ظاہر ہے کہ کابین نامہ کی شرط اخیر میں تعلیق لفظ اگر کے ساتھ ہے کوئی لفظ معنی کلما کا مترجم نہیں اور تعلیق مطلق ہے موقت نہیں۔

لہٰذا عورت کو اس تفویض معلق کی وجہ سے ایقاع طلاق کا اختیار صرف اُس مجلس میں تھا جسمیں زوج نے عورت کے سامنے پہلی بار کسی شرط کی مخالفت کی تھی یا جس مجلس میں عورت کو مخالفت کا علم ہوا تھا اگر اس کے سامنے وقوع مخالفت ہوئی تھی اس مجلس کے بعد عورت کو ایقاع کا اختیار باقی نہیں رہا اور دوسری بار کسی شرط کی مخالفت سے بھی عورت کو اختیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ ایک بار مخالفت شرط سے تعلیق باطل ہو چکی ہے اور عورت نے پہلی بار مخالفت کے وقت مجلس علم مخالفت میں اپنے اوپر طلاق واقع نہیں کی جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے تو اب اس کابین نامہ کی وجہ سے جو اختیار اس کو حاصل تھا وہ باطل ہو چکا خواہ کابین نامہ کی تکمیل نکاح کے بعد ہی ہوئی اور اگر پہلے تکمیل ہو چکی تھی تو اس کا لغو ہونا تو ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۲۸ شوال ۴۸ھ

نکاح کے بعد عورتوں کو پیش آنے والے مصائب کا سہل علاج

سوال:- آج کل عورتوں کو نکاح کے بعد جس قدر پریشانیوں کا سامنا ہوتا ہے۔ محتاج بیان نہیں کبھی مرد ظلم کرتا اور بے رخی سے پیش آتا ہے کبھی بال بچوں سے بیفکر ہو کر پردیس چلا جاتا اور لاپتہ ہو جاتا ہے۔ کبھی نامرد نکلتا ہے۔ بعض دفعہ باکرہ کا نکاح ولی اپنی رائے سے کر دیتا ہے اور بعد نکاح عورت مرد میں توافق نہیں۔ بعض دفعہ مرد مجنون بھی ہو جاتا ہے۔ اگر ہندوستان میں قاضی شرعی کا وجود ہوتا تو ان سب پریشانیوں کا علاج تھا مگر اب جبکہ قاضی

ف کہ زوج سے مخالفت صادر ہو چکی اور عورت نے ہنوز ایقاع نہیں کیا بلکہ استفتاء کر رہی ہے ۱۲

شرعی موجود نہیں ۔ عورتوں کو سخت مصیبت کا سامنا ہوتا ہے وہ نکاح کو فسخ کرنے کے لئے عدالت میں دعویٰ دائر کریں تو بعض دفعہ حاکم غیر مسلم اس کا فیصلہ کرتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں بعض حاکم مسلم فیصلہ کرتا ہے مگر وہ قاعدۂ شرعیہ کی پابندی سے فیصلہ نہیں کرتا اس لئے وہ فیصلہ بھی قابل اطمینان نہیں ہوتا پس علماء سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس صورت کا کوئی سہل علاج ارشاد فرمائیں ۔ تاکہ عورتیں مصیبت کے وقت اس پر عمل کر کے ظلم و معصیت سے نجات پائیں ۔ بینوا توجروا ولکم الاجر الجزیل

الجواب :۔

حیلۃ اخری فی اصل المسئلۃ ان تقول المرأۃ للمحلل زوجت نفسی منک علی ان امری بیدی اطلق نفسی کلما ارید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدہا تطلق نفسہا کلما ارادت (عالمگیریۃ صـ ۲۶۲ ج۲)

صورت مسئولہ میں عورتوں کی اس مصیبت کا سہل علاج یہ ہے کہ عورت بوقت نکاح کے (یا اس کا وکیل قاضی نکاح خواں) مرد ناکح سے یوں کہے کہ میں نے اپنے آپ کو تیرے نکاح میں (یا قاضی یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں بنت فلاں کو تیرے نکاح میں اس شرط پر دیدیا کہ معاملہ کا اختیار مسماۃ فلاں کے ہاتھ میں ہوگا وہ جب اور جس وقت چاہے گی اپنے آپ کو طلاق دے سکے گی اس کے جواب میں مرد ناکح یوں کہے گا کہ میں نے قبول کر لیا تو معاملہ عورت کے اختیار میں ہوگا وہ جب اپنے اوپر مصیبت و ظلم دیکھے اپنے آپ کو خود ایک طلاق بائن دیکر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی اور اس صورت کے جواز میں علماء حنفیہ کا اختلاف نہیں ہے بعض لوگوں نے اس کو نکاح معلق میں داخل سمجھکر شبہ کیا ہے مگر درحقیقت یہ نکاح معلق نہیں بلکہ نکاح منجز ہے جو مشروط با اختیار معلق ہے ۔ نکاح معلق وہ ہے کہ اس وقت نکاح ہی نہیں جیسے عورت یوں کہے کہ میں نے اپنے کو نکاح میں دیدیا اگر میرا باپ راضی ہو یا مرد یوں کہے میں نے قبول کر لیا ۔ اگر زید راضی ہو اس صورت میں نکاح نہیں ہوتا اور اگر اصل نکاح کو معلق نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ کوئی شرط زائد لگائی جائے تو یہ جائز ہے ۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ مجلس عقد میں نکاح اسی وقت ہو رہا ہے مگر اس کے ساتھ ایک شرط ہے جس کو شوہر سے منوایا جاتا ہے ۔ فافہم واللہ تعالیٰ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون ۔ خانقاہ امدادیہ ۲۸ ذیقعدہ ۴۹ھ

فصل فی تعلیق الطلاق

"اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں"

سوال - کیا فرماتے ہیں علمأ دین متین اس مسئلہ میں

زید معہ اپنی زوجہ کے ایک مکان میں رہتے تھے اور وہ مکان ان کا ذاتی نہ تھا اور نہ وہ کرایہ دار تھے بلکہ صاحب خانہ کے دیرینہ مراسم کی وجہ سے وہ وہاں فروکش تھے کچھ عرصہ گزرنے پر کسی معاملہ میں زید کی ان مکان والوں سے لڑائی ہو گئی اور زید نے غصہ میں اپنی زوجہ سے یہ الفاظ کہے کہ اگر تو اس گھر میں آئی تو تجھے سات طلاق ہیں - یا اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں - یا تجھ کو اس گھر میں سات طلاق ہیں اور اسی وقت سے زید نے معہ اپنی زوجہ کے وہ مکان چھوڑ دیا اور الگ مکان کرایہ پر لے کر رہنے لگے جب سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر گیا تو زید کی اس پہلے مکان والوں سے جن سے اس کی لڑائی ہوئی تھی اور جس بنأ پر علیحدگی اختیار کی گئی تھی مصالحت ہو گئی - تو اب زید یہ چاہتا ہے کہ اپنی زوجہ کو اس مکان میں اپنی مرضی سے بھیجے - تو کیا زید اپنی مرضی سے اپنی زوجہ کو اس مکان میں بھیج سکتا ہے اور طلاق تو نہیں ہو گی؟

سید رشید احمد - فیض بازار محلہ قاضی واڑہ دہلی -

الجواب :- صورت مسئولہ میں اگر زید نے اپنی بیوی کو یہ الفاظ " اگر تو نے اس گھر میں قدم رکھا تو سات طلاق ہیں" - اس بنا پر کہے ہیں کہ ان گھر والوں سے لڑائی ہوئی تھی تو بعد مصالحت کے یہ طلاق معلق باقی نہ رہے گی اور بیوی کو وہاں بھیجنے سے طلاق نہ ہو گی - مثل السلطان اذا حلّف انسانا لیرفعن الیہ خبر کل داعر فی المدینۃ کان علی مدۃ اقامتہ ومثلہ تحلیف رب الدین الغریم ان لا یخرج من البلد الا باذنہ تقید بقیام الدین - شامی ص۸۲۹ ج۲ والحاصل ان الیمین تخصص بدلالۃ الحال والعادۃ و العرف صرح بہ فی الشامیۃ ص۸۵ ج ۲ - وقال فی باب یمین الفور انفرد الامام باظہارھا وکانت الیمین اولا قسمین مویدۃ اے مطلقۃ ومؤقتۃ وھذہ موبدۃ لفظاً موقتۃ معنیً تتقید بالحال اماباان تکون بناءً علیٰ امر حالی کما مثل اوتقع جواباً لکلام یتعلق بالحال اھ ص۱۳۰ ج ۳ -

باقی بہتر یہ ہے کہ بیوی کو اس گھر میں کبھی نہ بھیجے کیونکہ الفاظ زید کے عام ہیں اور مسئلہ اختلافی ہے اور اختلاف سے بچنا اولیٰ ہے - واللہ اعلم - حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۰ صفر ۴۰ھ

تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت اور اس کا حکم

سوال :- ایک مرد کا ایک عورت سے ناجائز تعلق ہے ایک روز اس مرد نے اس عورت سے کہا کہ اگر میں شادی بھی کسی اور عورت سے کروں اسوقت بھی اگر تجھ کو اپنے تصرف میں نہیں رکھوں گا تو میری بیوی طلاق ہو جاوے گی اھ اب وہ اس ناجائز تعلق کو چھوڑ کر اور کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا طلاق واقع ہو جاوے گی یا نہیں ۔

الجواب :- اگر قائل کا مقصود اس قول سے صرف اس فاحشہ کو راضی کرنا تھا اور منکوحہ آئندہ پر ایقاع طلاق کا قصد نہ تھا تو اس صورت میں اگر وہ کسی عورت سے شادی کر لے اور اس فاحشہ سے تعلق قطع کر دے ۔ منکوحہ پر طلاق نہ پڑے گی اور اگر ایقاع طلاق کا قصد تھا تو منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ۔ طلاق بائن پڑ جائے گی ۔

فی العالمگیریۃ اذا قال لامراتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفھا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقھا فان اخبر انہ کان حلف بطلاقھا یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط (ص۱۱۶ ج۲) اور وقوع طلاق کی صورت میں طلاق بائن بلا عدۃ کے ہوگی اور اس سے یمین ختم ہو جائے گی پھر اسی وقت اسی عورت سے دوبارہ نکاح کرے تو دوبارہ طلاق نہ ہوگی ۔

الفاظ الشرط ان واذا واذاما وکل وکلما ومتی ومتی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتھت لانھا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما اھ (ص ۹۴ ج۲ عالمگیر)

البتہ اگر یہ حیلہ کرے کہ کسی عورت سے خود نکاح نہ کرے بلکہ اس کی طرف سے کوئی دوسرا شخص بدون اس کے امر کے از خود ایجاب وقبول کر لے اور یہ زبان سے اس نکاح کو نافذ نہ کرے بلکہ عملاً نافذ کر دے کہ بیوی کے پاس چلا جاوے تو اس صورت میں منکوحہ پر بالکل طلاق نہ ہوگی ۔ فی الظھیریۃ فی الشافی من الطلاق لو قال ان تزوجت امراۃ فھی طالق ثلاثا فالحیلۃ فی ذلک ان یعقد فضولی بینھما عقد النکاح فیجیزہ بالفعل ، لا یحنث اھ کذا فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ (ص۴ ج۱) وفیہ ایضا صیغۃ المضارع لا یقع بھا الطلاق الا اذا غلب فی الحال صرح بہ الکمال بن الھمام اھ (ص۳۸ ج۱) * اور بظاہر اہل بنگالہ (طلاق ہو جاوے گی) کے لفظ کو بمعنی حال ہی استعمال کرتے ہیں لہذا وقوع طلاق کا حکم دیا گیا اور اگر بمعنی استقبال کے استعمال

ہوتا ہو تو وقوع طلاق نہ ہوگا ۔ الا اذا نوی الحال ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ ۱۵ ربیع الثانی ۴۳ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی بیوی ہندہ کو عمر کے یہاں جانے سے بحالت کہ زید و عمر میں خصومت ناچاقی تھی منع کیا اور اپنے اقامت کے شہر سے زوجہ ہندہ کو اس کے والدہ کے مکان پر جو عمر کی سکونت گاہ سے کچھ فاصلہ پر ہے روانہ کرتے وقت کہا کہ تجھے صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں ۔ ہندہ زید سے رخصت ہو کر میکے گئی اور تقریباً تین ماہ تک وہاں مقیم رہی حالانکہ عمر کا مکان بھی وہاں سے قریب ہی فاصلہ پر تھا مگر نہیں گئی ۔ اور اپنے شوہر زید کے پاس چلی آئی کچھ دنوں بعد پھر ہندہ کو میکے جانیکا اتفاق ہوا اس نے اپنے شوہر سے یہ اجازت طلب کی کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت درپیش آئے تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں؟ زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ ہاں اجازت ہے کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ کہیں جاسکتی ہے چونکہ گذشتہ بغض و عداوت اور طلاق والی باتیں زید، عمر و ہندہ کے خیال میں تھیں کہ جس شرط پر طلاق معلق تھا ان صورتوں میں اب اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ بھائی عمر کے ہاں کسی ضرورت سے جائے تو کیا زید و ہندہ کے درمیان طلاق واقعی ضرور ہوگا نہیں ؟ بینوا توجروا ۔

حافظ محمود احمد امام ہندوستانی مسجد سہر پودم (اپر برہما)

الجواب :۔ صورت مذکورہ میں جب ہندہ پہلی مرتبہ اپنے میکے گئی اور زید نے روانہ کرتے ہوئے اس سے یہ کہا کہ تجھکو صرف والدہ کے مکان پر جانیکی اجازت ہے مگر عمر کے یہاں کی اجازت نہیں اگر گئی تو تین طلاق ہیں اھ یہ طلاق اسی سفر کے ساتھ مخصوص تھی جب ہندہ اس سفر میں عمر کے یہاں نہیں گئی تو اس کلام سے آئندہ وقوع طلاق نہ ہوگا پس دوسری مرتبہ جب ہندہ اپنے میکے گئی اور شوہر سے اسنے پوچھا کہ اگر مجھے آپ کی غیر موجودگی میں کہیں جانے کی ضرورت پیش آئی تو مجھے یہ اختیار حاصل ہے کہ میں ہر حالت میں جاسکوں اور زید نے یہ کہکر رخصت کیا کہ تو اپنی والدہ کے ہمراہ ہر کہیں جاسکتی ہے ۔ اس سفر میں اگر ہندہ اپنی والدہ کے ساتھ عمر کے یہاں چلی جائے تو طلاق واقع نہ ہوگی ۔ لیکن اگر زید نے پہلے کلام سے ہمیشہ کے لئے ممانعت کا قصد کیا ہو اور ہمیشہ کے لئے کسیوقت کے جانے پر تین طلاق واقع کرنے کی نیت کی ہو تو اس صورت میں دوسری سفر میں اگر ہندہ اپنی ماں کے ساتھ بھی جائے گی تب بھی طلاق واقع ہو جائے گی واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ رجب ۴۳ھ

اگر اس گھر میں جاؤ گی تو طلاق ہو جاویگی، کا حکم

سوال ۔ معظم مکرم محترم بندہ حضرت مولانا محمد اشرفعلی صاحب دامت برکاتہم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ۔ یہ خاکسار بہ سرپرستی جناب دلدار خان صاحب کانپور ٹینری میں ملازم ہے دو قطعہ مکان کارخانہ کے ہیں قرب ومکانیت دونوں مکانوں کی یکساں ہے اور ایک دوسرے مکان میں جانیکا راستہ بھی ہے میں ایک قطعہ میں رہتا ہوں دوسرے میں داروغہ عبدالحلیم صاحب جو کارخانہ میں ملازم ہیں رہتے ہیں میں نے اپنی بھاوج بیوہ کے ہمراہ جن کے دو لڑکے ہیں بعض دور اندیشیوں کے خیال سے ایام رمضان شریف گذشتہ میں عقد کر لیا ہے ۔ اہلیہ سابق وحال دونوں اس مکان میں مشترک رہتی ہیں خورد ونوش نشست وبرخاست یکجا ہی ہے باہمی بظاہر کوئی شکایت نہیں ہے کل بروز بدھ قبل مغرب جب کارخانہ سے فرصت پاکر گھر گیا تو اہلیہ سابق کو غمگین دیکھکر دریافت کیا کیسا مزاج ہے انہوں نے میری ذات پر رنج کا اظہار کیا اور چند کلمہ جھوٹ کہے جس سے مجھکو ناگوار معلوم ہوا میں نے کہا نماز پڑھ لوں تو تمہارا انتظام کردوں وہ ناخوش ہوکر بالاخانہ پر جانے لگیں اسوقت میں نے روک کر کہا کہ چابی مکان کی اور زیور دیدو وہ چابیاں دیکر بالاخانہ پر چڑھکر اندر سے کواڑ بند کر لیا میں نماز مغرب میں مشغول ہو گیا نماز کے بعد بالاخانہ پر گیا معلوم ہوا نہیں ہیں ۔ داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں ہیں بعدہٗ اہلیہ کو بہت سمجھانے کے بعد گھر واپس آکر بالاخانہ پر چلی گئیں نہ مجھ سے مخاطب ہوئیں نہ معذرت کیا بہر صورت جب مجھ سے صبر نہ ہو سکا تو میں نے اپنے لڑکے فریدالدین کو پکار کر کہا کہ اپنی والدہ کو کھانے کے لئے بھیجدو بعد تامل وہ بالاخانہ سے اتر کر باورچی خانہ میں جاکر تنہا کھانا کھانے لگیں میں آنگن میں بیٹھا غصہ میں کچھ باتیں فراز ونشیب کی بطور نصیحت کرتا رہا اسی حالت میں یہ کہکر اٹھا کہ اگر اس گھر میں جاؤ گی طلاق ہو جاویگی اور متواتر اس کلمہ کو کہا اور دروازہ کھڑکی میں احتیاطاً قفل لگادیا کہ اس امر کا وقوع سہواً یا عمداً نہ ہو ۔ بہشتی زیور میں اس مسئلہ میں غور کیا گیا جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ بالکل مطابقت کرتے ہیں ۔

تنقیح از جانب حضرت مولانا تھانوی مد فیضہم

اس مقام پر بہشتی زیور کی عبارت نقل کرنا چاہیئے تاکہ مطابقت دیکھی جاوے ۔

(بقیہ خط بالا)

یہ میری سرگذشت سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ ان الفاظوں کو جو میں نے غضبناک ہوکر کہے ہیں اور یہ نیت نہیں ہے کہ اگر ایسا ہوگا تو یہ ہوگا بلکہ غصہ میں کہگیا کہ کسی شرعی حکم سے واپس لے سکتا ہوں اور اس کے بعد داروغہ عبدالحلیم صاحب کے گھر میں اہلیہ کے جانے کا کچھ حرج تو نہیں ہے ۔ داروغہ

عبدالحلیم کے گھر میں تنہا ہیں اور نہایت نیک اور حافظ قرآن ہیں اور ان کے بچہ ہونے والا ہے۔ کوئی ظاہری معاونت ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ان کو کوئی تکلیف بچہ پیدا ہونے کی حالت میں پہونچی تو مروت اور حق ہمسائیگی کے خلاف ہے اور حق تلفی ہے بایں وجہ قطع مراسم اچھا نہیں معلوم ہوتا موجودہ کبیدگی و کشیدگی کا باعث عقد ثانی ضرور ہے۔ اگر میں اہلیہ ثانی کو علیحدہ مکان میں رکھوں تو بھی ان کی کشیدگی مجھ سے دفع نہ ہوگی یہ خلقی مادہ ہے۔ زیادہ والسلام۔ السائل آپ کا خادم سعادت علی از کانپور ٹینری کانپور سہانہ پورہ۔

جواب تنقیح از جانب سائل

قبلہ حاجات حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، مزاج مقدس بموجب ارشاد حضور والا مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور جس سے اس نادان نے اپنے کلمات کو منطبق کئے ہیں ذیل میں درج کر کے اطمینان کا طالب ہے۔ زیادہ والسلام۔

مسئلہ مندرجہ بہشتی زیور حصہ چہارم صفحہ اپنی بی بی سے کہا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھکو طلاق۔

الجواب:۔ صورۃ مسئولہ میں سائل نے صیغہ مضارع کا استعمال کیا ہے جس سے طلاق کا وقوع اسوقت ہوتا ہے جبکہ مضارع کا استعمال بمعنی حال غالب ہوگیا ہو۔ اردو میں چونکہ حال و استقبال کا صیغہ جدا جدا ہے اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مضارع بمعنی حال غالب ہے۔ پس صورۃ مسئولہ میں سائل کا یہ قول کہ آئندہ اگر اس گھر میں جاؤگی طلاق ہوجاویگی۔ تعلیق طلاق نہیں بلکہ محض وعید اور دھمکی ہے جیسا کہ سائل کے بیان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسکا ارادہ تعلیق کا نہ تھا۔ لہٰذا اگر زوجہ اس گھر میں چلی جاوے گی تو شرعاً طلاق عائد نہ ہوگی۔ قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامرأتہ فی حالۃ الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفہا ففعلت ذلک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقہا فان اخبرانہ کان حلف یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق وان اخبرانہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط ص۱۰۶ ج۲

لیکن اگر زوج کی نیت محض دھمکی کی نہ تھی بلکہ طلاق کو معلق کرنے ہی کی نیت تھی تو اس گھر میں جانے سے زوجہ پر طلاق پڑجائے گی لہٰذا سائل اپنی نیت کو خود سوچ سمجھ لے اور اس صورت ثانیہ یعنی نیت تعلیق میں صرف طلاق رجعی ہوگی جس سے عدت کے اندر نکاح فسخ نہیں ہوتا۔ زبان سے بھی رجعت کرسکتے ہیں اور

تقبیل وغیرہ سے بھی رجعت ہو جاتی ہے اور ایک مرتبہ کے بعد پھر آئندہ اس گھر میں عورت کے جانے سے دوبارہ اس پر طلاق نہ ہوگی۔

لان ان و اذا و اذاما و کل و متی و متی ما ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین و انتھت لانھا لاتقتضی العموم و التکرار اھ (عالمگیری ص ۹۴ ج ۲)

واللہ اعلم

تنبیہ:- بہشتی زیور کی عبارت میں جس کا سائل نے حوالہ دیا ہے صیغۂ مضارع نہیں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں (مسئلہ) اپنی بی بی سے کہا تھا اگر اس گھر میں جاوے تو تجھ کو طلاق ہے اور وہ چلی گئی اور طلاق ہو گئی الخ (ص ۳۵ ج ۴) ان الفاظ کے ساتھ وقوع شرط پر وقوع طلاق لازمی ہے کیونکہ الفاظ انشاء صریح موجود ہیں اور سائل کے الفاظ میں (طلاق ہو جاوے گی) کا لفظ ہے جو کہ انشاء میں صریح نہیں۔ واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۸ محرم سنہ ۱۳۴۱ھ

اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کریگی تو تجھ پر تین طلاق اور پھر بعد میں خود تذکرہ کی اجازت دیدی تو کیا حکم ہے۔

سوال - ایک شخص (زید) نے اپنی بیوی سے ایک واقعہ بیان کیا اور اس کے پوشیدہ رکھنے کے لئے کہا مگر اس کی عورت نے کہا کہ میں اس کا تذکرہ ضرور کردوں گی خاوند (زید) نے اس بات کو پوشیدہ رکھنے کی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی عورت کو قسم دیدی۔ کہ اگر تو اس کا تذکرہ کسی سے بھی کرے گی تو تجھ پر تین طلاق، معاملہ رفع دفع ہوا اور عورت نے کسی سے تذکرہ نہیں کیا مگر یہ دونوں ایک ہی جگہ قیام پذیر رہے۔ بیس پچیس روز کے بعد ان دونوں میں کچھ عرصہ کے لئے جدائی ہونے لگی یعنی (زید کی) عورت جس کو قسم دی گئی تھی اپنے میکے یا کسی قریبی عزیز کے یہاں جانے لگی۔ چلتے وقت خاوند نے اپنی بیوی سے نہ معلوم کسی مصلحت سے یا ویسے ہی یہ کہدیا کہ اگر اس واقعہ کا جس پر مندرجہ بالا قسم دی گئی ہے کسی سے تذکرہ بھی کردے گی تو کوئی حرج نہیں ہے میں اپنی قسم واپس لیتا ہوں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اس اجازت دیتے وقت قسم دینے والے (خاوند) کی نیت بھی قسم کے واپس لینے کی تھی۔ اس قسم کے واپس لینے کے بعد سے ابھی تک عورت نے کسی سے تذکرہ تو نہیں کیا ہے مگر خیال ہے کہ مبادا اس خیال سے کہ خاوند نے اجازت تو دیدی ہے ذکر نہ کردے۔

اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ اگر وہ عورت جس کو قسم دی گئی ہے اس اجازت سے فائدہ حاصل کر کے ذکر کر بھی دے تو کیا اس عورت پر طلاق تو نہیں پڑے گی اور خاوند کو اس قسم یا شرط کے واپس لینے کا حق حاصل ہے یا نہیں ہے ایک امر اور بھی قابل ذکر ہے کہ خاوند کی نیت قسم دیتے وقت کوئی خاص نہیں

تھی یعنی وہ شرط کو واپس لے گا یا نہیں اور نہ اس وقت کسی اجازت کا خیال تھا البتہ اجازت دیتے وقت اس امر کی نیت ضرور تھی کہ اگر یہ کہدے تو کوئی طلاق نہ پڑے ۔

السائل جمیل احمد نائب تحصیلدار مقام الور للادیہ دروازہ

الجواب :-

صورت مسئولہ میں زید کا اپنی عورت کو اس طرح قسم دینا کہ " اگر تو اس بات کا تذکرہ کسی سے کرے گی تو تجھ پر تین طلاق " عرفاً اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جب تک اخفا کی ضرورت ہے اس وقت تک اگر کسی سے تذکرہ کیا تو یہ حکم ہے پس جب شوہر کے نزدیک اخفا کی ضرورت باقی نہیں رہی اس کے بعد اگر وہ عورت کسی سے تذکرہ کرے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی ۔

قال فی العالمگیریۃ رجل خرج مع الوالی و حلف بالطلاق ان لا یرجع الا باذنہ وسقط منہ شیئ ورجع لذلک لا تطلق و لو حلف علی امرأتہ بطلاقہا ان لا تخرج من الدار الا باذنی او حلف السلطان رجلاً بطلاق امرأتہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ او حلف صاحب الدین مدیونہ ان لا یخرج من البلدۃ الا باذنہ فالیمین مقیدۃ بحال قیام الزوجیۃ ۔ والسلطنۃ والدین بانت المرأۃ وعزل السلطان وسقط الدین وانحلت الیمین ثم لا تعود ابدا وان عادت الولایۃ للزوج والسلطان وعاد الدین اھ ص $\frac{111}{2}$ ج ۔ وفیہا ایضاً ولو قال لہا اگر تو با کسے حرام کنی فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ وابو یوسف رح یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوی اھ ص $\frac{10}{2}$ ج ۔ لیکن اگر صورت مسئولہ میں عورت احتیاط رکھے اور وہ بات کبھی کسی سے نہ کہے تو یہ بہتر ہے ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۲ محرم ۱۳۴۱ھ

سوال ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الاستفتاء ۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین

اگر اپنے بچہ کو فلاں قصبہ میں پانچ سال تک روانہ کروں تو اس کی ماں پر تین طلاق ۔ بعد میں بچہ کو خود وہاں لے گیا

اس مسئلہ میں کہ زید ایک شہر کا رہنے والا ہے جس کا نکاح ایک قصبہ میں ہوا جو بذریعہ ریل دو سو میل پر واقع ہے چونکہ زید کو اس کے سسرال والے اپنے قصبہ میں بود و باش اختیار کرنے پر مجبور کرتے تھے اس لئے جب کبھی زید کی منکوحہ اپنے پیہر (میکے) جاتی تو اس کی واپسی میں زید کے

خسرال والے کچھ نہ کچھ جھگڑا ضرور کرتے ایک مرتبہ زید کی بیوی اپنی بہن کی شادی میں شرکت کے لئے قصبہ میں بلائی گئی زید نے اپنی بیوی کو پندرہ روز کی اجازت دیدی مگر اپنے تین سالہ لڑکے کو اس خیال سے روک لینا چاہا کہ اس بچہ کے میرے پاس ہونے سے نہ تو خسرال والوں کو میری بیوی کے روکنے کی جرأت ہوگی اور نہ خود بیوی بھی بوجہ مہر مادری وہاں زائد قیام کر سکے گی - مگر زید کی بیوی نے بچہ کے اپنے ہمراہ لیجانے میں سخت اصرار کیا لیکن زید نے مذکورہ مصلحت کیوجہ سے اپنی بیوی کی بات نہ مانی، روانہ ہوتے وقت بیوی نے غصہ سے کہا تم دیکھنا میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں اس پر زید نے یہ قسم کھائی اگر میں بچہ کو کسی طرح بھی قصبہ کو پانچ سال تک روانہ کردوں تو اس کی والدہ پر تین طلاق جو متواتر کا حکم رکھیں - بیوی کے چلے جانے کے بعد ایک سال تک اس طرف سے لڑکے کی طلبی میں اور زید کیطرف سے بیوی کی طلبی میں خط وکتابت ہوتی رہی جس میں ایک خط مولوی ڈاکٹر عبدالرزاق صاحب نقشبندی کا وصول ہوا جو خسر زید کے ملاقاتی اور زید کے مشفق ہیں اس خط میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے خسر زید کے خاص الفاظ یوں تحریر کئے کہ " ہم آپ کو اپنی لڑکی کے روانہ کرنے میں کچھ عذر نہیں ہم کب نہیں کہتے (یعنی بھیجنے میں ہم کو انکار نہیں) وہ بچہ کو لائیں اور ان کو (بچہ کی والدہ کو) لے جائیں یہاں (قصبہ میں) جو لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ اب وہ ہرگز نہ آئیں گے اور اپنا قطع تعلق کرلیا ہے - وہ جھوٹے ٹھہریں اور لڑکا روانہ کرنے کی اگر قسم کھائی ہے تو ساتھ لانے میں قسم بھی نہیں ٹوٹتی مخالفین کی افواہ بھی رد ہوتی ہے - ہم روانہ کرنے سے انکار نہیں کرتے " چنانچہ اس خط سے جب زید نے اپنے خیال اور نیت کے موافق اپنے خسر کا بھی خیال لڑکے کے لیجانے اور قسم میں خرابی واقع نہ ہونے میں پایا تو بلحاظ سہولیت طرفین قسم کھانے کے ایک سال بعد بچہ کو اپنے ساتھ لے گیا - قسم میں الفاظ خاص "کسی طرح بھی روانہ کردوں" سے زید کی مراد اور نیت میں اس کا مقصد بہ استثناء خود دوسرے کے ساتھ کسی طرح بھی روانہ نہ کروں گا ہے - جو وجہ اور محل قسم یعنی زید کی بیوی کا غصہ سے یہ کہنا کہ تم دیکھنا کہ میں اپنے باپ کو بھیجکر بچہ کو کیسے بلاتی ہوں - اس کے جواب میں صاف ظاہر ہیں اور لفظ روانہ کردوں کے صریح وحقیقی معنی عرف میں دوسرے کے ساتھ بھیجنے کے ہوتے ہیں - لہٰذا زید کا یہی مطلب تھا - الحاصل مذکورہ صورت میں کیا زید کی بیوی پر طلاق واقع ہوسکتی ہے ؟

بینوا وتوجروا - المستفتی عبدالرحمن شاہجہان خان عفی عنہ

محلہ کالوپور سوداگر پول احمد آباد -

الجواب: قال فی العالمگیریہ ولو قال لہا (اگر تو بکسے حرام کنی) فانت طالق ثلثا فابانہا فجامعہا فی العدۃ طلقت عندہما لانہما یعتبران عموم اللفظ و ابو یوسف یعتبر الغرض فعلی قیاس قولہ لا تطلق وعلیہ الفتوٰی الخ ص ۱۰۷ ج ۲

صورت مسئولہ میں جب زید کی غرض اور نیت کلام مذکور میں یہ تھی کہ کسی دوسرے کے ساتھ کبھی نہ روانہ کروں گا تو لڑکے کو اپنے ساتھ لیجانے سے اس کی زوجہ پر طلاق واقع نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱ھ

اگر تو فلاں شخص سے بات کرے تو تجھ پر تین طلاق اور اپنے ذہن میں اجازت دینے کی صورت کو مستثنیٰ کرلیا

سوال: ایک شخص اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھ کو تین طلاق مگر اس کے خیال میں یہ بات تھی کہ موقع ضرورت پر بات کرنے کی اجازت دیدوں گا مذکور خطاب میں لفظ ہمیشہ وغیرہ جو دوام پر دلالت کرے نہیں ذکر کیا پس اس صورت میں اگر اپنی بیوی کو اس شخص سے بات کرنے کی اجازت دی تو وہ عورت بات کرسکتی ہے یا بات کرنے سے طلاق واقع ہوگی۔

مذکور خطاب عام ہے مقید بوقت محدود میں نہیں۔ خادم محمد عبد القادر۔ از مقام کلاں ضلع جنوبی ارکاٹ

الجواب: قال فی الدر المختار الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لا علی الاغراض اھ (ص ۱۱۰ ج ۳) وفیہ ایضا نیتہ تخصیص العام تصح دیانۃ اجماعا فلو قال کل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم قال نویت کذا لا یصدق قضاء وفی رد المحتار ومثلہ لا اتزوج امرأۃ وقوی حبشیۃ او عربیۃ فانہا بعض افراد العام لان الانسان انواع حبشی وعربی ورومی اھ (ص ۱۵ ج ۳) قلت وکذا الکلام متنوع الی ضروری وغیر ضروری فلو نوی احد النوعین یصح۔ صورت مسئولہ میں جبکہ زوج کی نیت اس کلام سے کہ اگر تو فلاں شخص سے بات کرے گی تو تجھکو تین طلاق، بے ضرورت دبے اجازت بات کرنا تو بوقت ضرورت شوہر کی اجازت سے اگر وہ بات کرے تو اس پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا۔ ۲ شوال ۴۱ھ

حالت اکراہ میں تعلیق طلاق کا حکم

سوال: چہ فرمایند علمائے دین متین رحمہم اللہ تعالیٰ اندریں کہ دو برادران مسمیان عبد الودود و عبد النصیر میاں جی بحضور مجمع عام کہ چندکس عالمان شریعت غرا نیز دراں حاضر بودند اقرار نمودند کہ روزے بوجہ خصومت گروہے متخاصمین برایشاں غلبہ کردہ ہر دو برادران را مکر ہا بخانہ بردند و صاحب خانہ کہ سرگروہ متخاصمین بود ایشاں را ہمی زد و میگفت کہ بگوئید کہ بخانہ لے پنڈت و امید علی منشی و یوسف ماتجھی ہیش بخواہد رفت چونکہ برادراں مذکور بدست متعلین عاجز آمدہ

بودند فی چارۂ رہائی نمی دیدند ناچار گفتند نخواہیم رفت باز گفتند کہ بگوئیکہ در تھانہ و در کچھری بے اجازت من نخواہید رفت برادران گفتند نخواہیم رفت باز پرسید اگر روید برزنان شما طلاق ثلث خواہد شد یا نہ برادران پاسخ دادند خواہد شد ۔ باز سوال کرد کہ چہ خواہد شد گفتند طلاق خواہد شد باز پرسید کہ چہ چیز طلاق خواہد شد گفتند آیا نمی دانید کہ چہ چیز طلاق شود باز سوال نمود زنان شما طلاق خواہد شد یا نہ گفتند آرے اکنوں سوال اینکہ در صورت مرقومہ بر تقدیر صحت معاملہ درحالیکہ برادران مذکور در خانہائے نامیدگان کہ ایشاں بالفعل باحیات باقی نیستند و در تھانہ د کچھری بلا اجازت متغلب آمد و شد نمودند حسب حکم مذہب حنفی برزنان مسمیاں طلاق ثلث واقع شود یا چہ واضح باشد کہ کسے از مسمیان مذکور و زنان ایشاں بر طلاق راضی نیست بلکہ برخلاف آن بخوف آنکہ فتویٰ عالمان دریں باب بر وقوع طلاق صادر یابد بسکہ غمگین ہستند و پیوستہ گریہ وزاری ہمی دارند تا آنکہ زنان ایشاں از نارسخ معاملہ خورد و نوش ترک گفتہ اند ۔ بینو توجروا ۔

(الجواب :۔ طلاق واقع نخواہد شد بچند وجوہ ۔ اوّل ایں کہ از جہت ثبوت تعلق جزا بالشرط اتصال کلام باید ۔ وسکوت و انفصال مانع تعلق است و فصل کلام صیرورت یمیں را نشاید ۔ کما فی فتاوی قاضی خان فی باب الایمان السکوت یمنع تعلق الجزاء بالشرط والیضافیہ رجل اخذہ السلطان واراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد فقال الرجل بایزد ثم قال السلطان کہ بروز آدینہ بیائی فقال الرجل بروز ادینہ بیایم فلم یات الرجل یوم الجمعۃ قالوا لم یحنث لانہ لما قال لہ قل بایزد وسکت صار فاصلا فلا یصیر یمینا بعد ذالک انتہی ۔

وجہ دوم آنکہ مسمیان مذکور حسب شرط یمین در خانہائے نامیدگان کہ پنڈت و امید علی منشی و یوسف ماجھی اند نرفتہ اند بلکہ در خانہائے ورثہ ایشاں رفتہ اند کہ بعد موت ایشاں خانہا درملک وارثاں انتقال یافتہ است کما فی فتاوی قاضی خان رجل حلف و قال لامراتہ طالق ان دخلت دار فلان فمات صاحب الدار فدخل ان لم یکن للمیت دین مستغرق لا یحنث لانہا انتقلت الی الورثۃ وان کان علیہ دین مستغرق الی قولہ قال الفقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ لا یحنث فی یمینہ و در فتاویٰ سراجیہ نوشتہ حلف لا یدخل دار فلان فدخل بعد الموت لہ یحنث انتہی ۔

پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور در تھانہ د کچھری رفتہ اند بوجہ فوات

شروط اوّل کہ رفتن درخانہائے نامیدگاں بود حنث لازم نیاید ۔ زیراکہ جزا برہر دوگونہ شرائط مترتب بود کما فی فتاوی سراجیہ ۔ حلف لا یکلم فلانًا و فلانا لم یحنث بکلام احدھما انتھی ۔ و فی فتاوی قاضی خان لو قال کل امراءۃ اتزوج ھا دمتما حیین او قال بالفارسیۃ ۔ ھر زنے کہ بخواھیم تا ایشاں زندہ اند تطلق کل امراۃ یتزوج فی حیوتھما لان کلمۃ کل توجب تعمیم النساء و ان مات احد ابویہ فتزوج امراۃ تکلموفیہ و عن محمد رحمہ اللہ انھا لا تطلق وتسقط الیمین بموت احدھما و بہ اخذ فقیہ ابو اللیث لان شرط الحنث التزوج فی حیوتھما و لم یوجد انتھی و فی الحمادیۃ رجل حلف لا یکلم فلانا و فلانا فھذا علی ثلثۃ اوجہ اما ان نوی ان یحنث بکلام کل واحد منھما او نوی ان لا یحنث حتی یکلمھما او لم ینو شیأ ففی الوجہ الاول اذا کلم احدھما یحنث لانہ نوی ما یحتملہ و فی الوجہ الثانی لا یحنث ما لم یکلمھما لانہ نوی حقیقۃ ما تکلمہ بہ و فی الوجہ الثالث کذالک انتھی ۔

پس بہرحال باولہ بالا مبرھن می شود کہ حنث لازم نیاید فلا تطلقان ولا احدھما ھکذا حکم الکتاب واللہ اعلم بالصواب ۔ الکاتب العاصی مختار احمد صدیقی

کالی پور

تنقیح الجواب من جامع احسن ادا الاحکام

قال فی العالمگیریۃ ص ۳۵۷ ج ۲ ۔ قیل لرجل الست طلقت امراتک فقال بلی تطلق کانہ قال طلقت لانہ جواب الاستفھام بالاثبات اھ و فیھا ایضا رجل قال لغیرہ اطلقت امراتک فقال نعم بالھجاء او قال بلی بالھجاء و لم یتکلم بہ یقع الطلاق کذا فی فتاوی قاضی خان اھ و فیھا ایضا قیل لرجل اطلقت امراتک ثلثا قال نعم واحدۃ قال القیاس ان یقع علیھا ثلث تطلیقات ولکنا نستحسن و نجعلھا واحدۃ اھ قلت وجہ الاستحسان زیادۃ قولہ واحدۃ بعد قولہ نعم فلو کان اکتفی بقولہ نعم وقعت ثلث تطلیقات کما لا یخفی و فیھا ص ۱۱۶ ج ۲ ۔ رجل اراد السفر فحلفہ صھرہ وقال ان غبت بعد ھذا عن امراتک

فلم ترجع الیها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسیة هست ولم یزد علی ذلک ثم غاب اکثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب کلام الصهر والجواب یتضمن اعادة ما فی السوال فتطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان اھ فقول القائل فی الصورة المسئولة اگر رویم بر زنان شما طلاق ثلث خواہد شد یانہ براداں پاسخ دادند خواہد شد - فهو بعینه نظیر هذه المسائل فصح التعلیق بالشرط فاذا وجد الشرط طلقت امرأتاهما و ما نقله المجیب من قاضی خان ان السکوت یمنع تعلیق الجزاء بالشرط - معناه ان ینطق بالشرط ویسکت ثم ینطق بالجزاء بعده مثلاً لو قال المتغلب للاخوین قولا اگر رویم وقالا اگر رویم ثم قال المتغلب قولا بر زنان ما طلاق ثلث خواہد شد و قالا بر زنان ما طلاق ثلث خواہد شد لا تطلق امرأتاهما فی هذه الصورة لان الجزاء قد انفصل عن الشرط وبقی قولهما " بر زنان ما طلاق ثلاث خواهد شد منفردا عنه ولا یقع به شیء لانه بمعنی الاستقبال لا للانشاء فی الحال واما فی الصورة المسئولة فان المتغلب نطق بالشرط والجزاء معًا فلا انفصال بینهما وقالا فی الجواب " خواهد شد و باز گفتند آرے فهو نظیر ما اذا قال نعم فی جواب قول القائل اطلقت امرأتک فافهم نعم لو نوی الاخوان بقولهما خواهد شد و بقولهما آرے معنی التنجیز ولم یروا معنی التعلیق بالشرط لا یقع الطلاق علی امرأتیهما لکونه بمعنی الاستقبال المنجز وقد عرفت عدم وقوع الطلاق بالاستقبال تنجیزا - ۰ وهذا انما هو فی الدیانة واما فی القضاء فلا یصح ارادتهما معنی التنجیز بهذا الکلام لکونه خلاف الظاهر قال العلامة الشامی قال فی الخانیة رجل حلف رجلا فحلف ونوی غیر ما یرید المستحلف ان بالطلاق والعتاق و نحوه یعتبر نیة الحالف اذ لم ینو الحالف خلاف الظاهر ظالمًا کان الحالف او مظلومًا وان کانت الیمین بالله تعالی فلو الحالف مظلومًا فالنیة فیه الیه وان کان ظالمًا یرید ابطال حق الغیر اعتبر نیة المستحلف وهو قول ابی حنیفة و محمد اھ قلت وتقییده بما اذا لم ینو خلاف الظاهر یدل علی

ان المراد باعتبار نية الحالف اعتبارها فى القضاء اذ لا خلاف فى اعتبار نيته دیانة وبه علم الفرق بينه وبين مذهب الخصاف فان عنده تعتبر نية فى القضاء ايضا ويفتى بقوله اذا كان الحالف مظلوما اھ (ص ۱۵۲ ج ۳) وعلى هذا فلا يجاب بعدم وقوع الطلاق ما لم يستفسر الزوجان عن نيتهما بقولهما خواہد شد وبقولهما آدے انهما هل اراد بذلك معنى التعليق او معنى التنجيز۔ واما قول المجيب فى الوجه الثالث پس درحالیکہ مسمیان بلا اجازت متغلب مذکور درتھانہ و کچہری رفتہ اند بوجہ شرط اوّل کہ رفتن درخانہائے نامیدگان بود حنث لازم نیاید زیراکہ جزا بر ہر دو شرائط مترتب بود کما فی فتاوی سراجیہ حلف لا یکلم فلانا وفلانا لم یحنث بکلام احدهما اھ ففیه نظر ايضا من وجوه: الاوّل لان ترتب الجزاء على مجموع الشرطين لا يظهر ما لم يبين الحالف او المستحلف انه اراد الترتب على المجموع كما نقله المجيب عن الحمادية فى قول رجل حلف لا يكلم فلانا وفلانا فهذا على ثلاثة اوجه الخ فلا يصح الجواب بعدم الوقوع قبل البيان والثانى لانه يظهر من السوال ان المستحلف حلف اولا على عدم الدخول فى بيوت الرجال المعلومين فلما اقر الاخوان بذلك اخذ منهما العهد ثانيا على عدم الذهاب الى ديوان الحكومة بغير اذنه فلم يجتمع الامران فى عهد واحد لا سيما اذا جعلنا السكوت فاصلا بين الكلامين فكيف يصح ترتب الجزاء على مجموع العهدين بل الظاهر ترتبه على شرط عدم ذهابهما الديوان بغير اذنه فقط وقد وجد ذلك فلا زمه وقوع الطلاق ولو سلم ان الكلام يحتمل ترتب الجزاء على المجموع ايضا فانما يجاب بعدم الوقوع اذا بيّنا انهما نويا ذلك او نويا الحنث بكل واحد منهما فلا شك فى الوقوع باحد الشرطين ولو لم يكن لهما نية فالظاهر الوقوع ايضا لان المتغلب انما اخذ العهد على كل واحد من الامرين على حدة على حدة وبعد ما اخذ العهد على امر ثم اخذ العهد ثانيا على امر آخر والسكوت يعد فاصلا فالاصل فى هذا الكلام تعلق الشرط بالعهد الثانى المتصل به فقط دون الاوّل فافهم۔ واللہ تعالیٰ اعلم صورت مسئولہ میں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ برادران مظلومین نے اپنے قول میں لفظ خواہد شد ولفظ آدے سے کس معنی کا قصد کیا تھا آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے افعال مذکورہ کئے تو ہماری بیبیوں پر طلاق ہو جائے گی یا تعلیق بالشرط کا قصد نہ تھا بلکہ تنجیز کا قصد تھا یا کچھ نیت نہ تھی اسی طرح بصورت معنی تعلیق آیا ان کا مطلب یہ تھا کہ اگر ہم نے یہ افعال مذکورہ مجموعی طور پر کئے تو طلاق ہو گئی یا علیحدہ علیحدہ ہر امر کے ارتکاب پر طلاق کو معلق کرنا مقصود تھا یا ان میں سے بھی کسی ایک شق کی نیت بھی جب تک اس تنقیح کا جواب نہ آجاوے اس وقت تک وقوع یا عدم وقوع طلاق کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۸ شوال ۴۱ھ

جواب تنقیح :- اگر تو زبان درازی کریگی تو تجھ سے تعلق نہ رکھونگا اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے۔

براستفسار از نیات ایشان ہر دو برادران صاف می گویند کہ ایشان نیت تطلیق مطلق نہ تعلیقاً نہ تنجیزاً بلکہ رہائی از دست المتغلبین منظور داشتہ چیزی گفتند ہر چہ گویا ندید۔ علاوہ این کہ این سوالات وجوابات کہ میاں ہر دو فریق رخت بیاریے وبالاتصال نبود بلکہ سائل در بیان سوالات خود گاہ گاہ بازفقایش توجہ می داشت وباہم شورک می کردند کہ در باب این دو برادران چہ کنند وچہا پند نیز ایک صاف وجہ یہ ہے کہ تھانہ اور کچہری میں حکام کی طلب پر مجبوری گئے (از خود نہیں گئے) اور اس سے حنث نہیں ہوتا ہے۔

الجواب :-

سوال وجواب سے معلوم ہوا کہ مسمیان نے تعلیق وتنجیز وغیرہ کا کچھ قصد نہیں کیا ان کا ارادہ صرف رہائی از دست متغلبین تھا۔ نہ مسمیان نے طلاق خواہد شد وآدے وغیرہ میں یہ نیت کی کہ یہ جزا مجموعہ شروط کیساتھ ہے یا صرف اول کی ساتھ ہے۔ نہ ثانی کے یا صرف ثانی کے ساتھ ہے نہ اول کے۔ پس اس صورت میں چونکہ لفظ طلاق صریح بولا گیا ہے جس سے ایقاع ووقوع بدون نیت کے بھی ہو جاتا ہے۔ نیت پر لفظ کنایہ سے وقوع موقوف ہوتا ہے۔ نہ صریح سے اور حنفیہ کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہے۔

ووجهه ان المبتلى اذا ابتلى ببليتين يختار اهونهما فالمكره اذا نطق بلفظ الطلاق للتوقي عن الضرب وجد منه اختياره للطلاق على الضرب وهذا بعينه هو الارادة لا يوجد الرضا في تلك الحالة والطلاق لا يتوقف عليه فثبت تعليق الطلاق من الرجلين المذكورين ولما لم ينويا ارتباطه بمجموع الشروط او واحد منها معينا فالظاهر ارتباطا بالشرط الاخير - لما ذكره السائل ان المستحلف قال اولاً بگوئید کہ در خانہای پنڈت وامید علی ویوسف مانجھی پیش نخواہید رفت، برادران گفتند نخواہیم رفت - باز گفت (يعني ثم قال بعد سكوته ليسير او زمان السكوت هو زمان اجابة الاخوين لكلامه ونحوه) بگوئید کہ در تھانہ وکچہری بلا اجازت من نخواہید رفت گفتند نخواہیم رفت پرسید اگر روید (يعني در تھانہ وکچہری لكونه مذكورا متصلا وماقبله صار منفصلاً بالسكوت ونحوه) بر زمان شما طلاق ثلث خواہد شد - یا نہ گفتند خواہد شد ولو سلمنا السكوت فاصلا بين كل واحد من الشروط فلا يخفى ان لفظة رويد يقتضي تقدير المفعول فلا بد منه - ولو نوى الحالف شيئا معينا يرجح ارادته وإلّا فالراجح الاقرب - وعلى كل حال قوله

اگر روید طلاق ثلث خواہد شد یا نہ لیس بمرتبط بمجموع الشروط بدون النیۃ بل الظاہر ارتباطہ بالاخیر فحسب وقد وجد الشرط فلابد من وقوع الثلث ظاہرا بقی ان وقوع الشرط لم یکن باختیار الحالفین بل کان بطلب الحکام وہو فی حکم الاکراہ - قلت نعم ہذا مما یرجح الافتاء بعدم وقوع الطلقات - لان شرط الحنث وجودی وہو الذہاب الی الدیوان وہو فعل اختیاری فیتوقف علی الاختیار - وینعدم بانعدامہ کما لو حلف لا اسکن ہذہ الدار فقید او منع او لم یمکنہ الخروج لعذر لیل ونحوہ لم یحنث لانہ لا یعد ساکناً لا ساکناً - فلم یتحقق شرط الحنث - حققہ فی رد المحتار (جلد ۳ ص۱۱۹ وج ۲ ص۸۵۲ و ۸۵۴)

وایضاً تقیید الذہاب الی الدیوان بما اذا کان لمخاصمۃ المستحلفین وللادعاء علیہم لا لو کان لغرض آخر فان غرض المستحلف انما ہو الاول لا الثانی - والیمین تتقید بمقتضی الحال ودلالتہا - ہکذا ینبغی ان یفہم ہذا المقام - خلاصہ یہ کہ اگر مسمیان عدالت وکچہری میں از خود بمقابلہ مستحلفین نہیں گئے بلکہ بطلب حکام گئے ہیں تو صورت موجودہ میں طلاق ان کی ازواج پر واقع نہیں ہوئی - اسی طرح اگر از خود بھی عدالت و کچہری میں جائیں - لیکن مستحلف کے مقابلہ کیلئے نہ جائیں - بلکہ کسی اور غرض سے جائیں تب بھی طلاق واقع نہ ہوگی - ہاں اگر مستحلفین سے خصومت کرنے کے لئے از خود کچہری میں بدون اذن مستحلف گئے ہوں یا جائیں تو طلاق واقع ہو جائے گی - اور اس صورت میں بھی اگر از خود نہ گئے ہوں بلکہ بطلب حکام گئے ہوں یا آئندہ جائیں تو طلاق کا وقوع نہ ہوگا - کما مر واللہ اعلم، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ - ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۴۱ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اس مسئلہ میں ایک شخص نے حالت غصہ میں اپنی بی بی سے کہا اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا کیونکہ وہ عورت زبان کی تلخ ہے اور اس وقت ان دونوں میں باہم تکرار تھی اور میاں نے یہ لفظ بہت مرتبہ کہا کہ تو سختی کلام سے باز آ مگر اس کلام سے یعنی باہم تکرار سے وہ عورت باز نہ آئی اس کے بعد بہت مرتبہ آپس میں تکرار ہوئی اور میاں کی نصیحت اس پر اثر نہ کی ابھی تک وقتاً فوقتاً جھگڑا ہو ہی جاتا ہے اس واقعہ کو ہوئے تخمیناً چھ برس ہوا جب سے تین بچے بھی ہوئے اب شوہر کے دل پر یہ وسوسہ غالب ہوا کہ جب میں نے بی بی سے کہا کہ اگر تو سخت کلامی سے باز نہ آئے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا اسی وقت یہ بھی دو ایک مرتبہ کہہ دیا کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا مگر شوہر کے خیال میں یہ بات تھی کہ کوئی ایسی لفظ نہ نکل جائے جس سے طلاق ہو جائے فقط عورت کو دھمکی دیتا تھا کہ شاید عورت اس بات کے کہنے سے کھٹکا کرے کہ ایسا نہ ہو میاں طلاق دیدے مگر وہ اپنی حرکت سے باز نہ آئی اس واقعہ کے بعد بہت مرتبہ تکرار ہوئی - اب شوہر اس بات پر نادم ہے

اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا" اور نیت کچھ نہیں کی تو کیا حکم ہے؟

کہ میں نے حالت غصہ میں یہ بھی دو ایک مرتبہ کہدیا ہے کہ اگر پھر سخت کلامی کرے گی تو تعلق نہ رہے گا کبھی تو دل کہتا ہے کہ یہ بات کہا اور کبھی دل کہتا ہے کہ نہیں یہ لفظ نہیں کہا کیونکہ اس کا خیال تھا کہ کوئی لفظ ایسا نہ نکل جائے جس سے طلاق ہوجائے اب نہ دل یکدم ہاں کہتا ہے اور نہ یکدم نہیں کہتا اور جب یہ واقعہ ہوا تھا اس وقت کوئی بات نہ تھی بعد تین یا چار برس کے دل پر خلجان اور شک غالب ہوا ایسی پس وپیش میں تھا آج چھٹے برس حضور کے پاس تحریر کیا اب حضور غور سے ملاحظہ فرمائیں طلاق ہوئی کہ نہیں اگر ہوئی تو دوسرا نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں کیونکہ تعلق نہ رہے گا ایک یا دو مرتبہ کہا تھا یا طلاق بائن پڑ گئی ۔ حضور صاف اردو زبان میں جواب تحریر فرمائیں ۔ تاکہ سمجھ میں آجائے اور جبکہ یہ کہا تھا کہ تعلق نہ رکھوں گا تو اس وقت کوئی گڑبڑ نہ تھی ۔ کیونکہ اس وقت کوئی بات کا یہ خیال نہ تھا کہ میں نے ایسی بات کہدیا جس سے طلاق ہوا ۔ بہت دنوں کے بعد یہ خیال ہوا کہ شاید میں نے اسی غصہ کی حالت میں یہ لفظ تعلق نہ رہے گا دو ایک مرتبہ کہدیا ہے مگر اس میں بھی شک ہے کبھی تو دل کہتا ہے ہاں کہا اور کبھی کہتا ہے نہیں کہا اور نہ اس جگہ پر کوئی دوسرا شخص تھا کہ اس سے دریافت کیا جائے ۔ کہ کیا لفظ کہا ۔ فقط والسلام ۔

الجواب :-

قال فی العالمگیریۃ اذا قال لامراتہ فی حالت الغضب ان فعلت کذا الی خمس سنین تصیری مطلقۃ منی واراد بذلک تخویفھا ففعلت ذالک الفعل قبل انقضاء المدۃ التی ذکرھا فانہ یسئل الزوج ھل کان حلف بطلاقھا فان کان اخبر انہ کان حلف یعمل بخبرہ ویحکم بوقوع الطلاق علیھا وان کان اخبر انہ لم یحلف بہ قبل قولہ کذا فی المحیط اھ ص ۱۰۶ ج ۲ ــــــ

جب صورت مسئولہ میں شوہر کی نیت عورت کو دھمکانے کی تھی خصوصا جبکہ اس نے الفاظ کنایہ استعمال کئے ہیں صاف طلاق کا لفظ نہیں بولا اور کنایہ سے وقوع طلاق بعد نیت کے ہوتا ہے جو کہ یہاں مفقود ہے تو شوہر کے اس قول سے کہ اگر تو زبان درازی کرے گی تو تجھ سے تعلق نہ رکھوں گا یا تعلق نہ رہے گا عورت پر طلاق نہیں ہوئی ۔ واللہ اعلم ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ر شوال سنہ ۴۱ھ ازخانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۔

اگر تو نہ آویگی تو تین طلاق " شوہر کا یہ کہنا اور طلاق کا آخر زندگی میں واقع ہونا | **سوال** :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص بنام بقریدی بن عبدل کی طرف سے مریم بنت رسول بخش کو لکھتا ہے کہ معلوم ہو کہ میں نے سنا ہے کہ تیرا باپ مجھ پر فریادی کرے گا تو وہ فریادی کر کے میرا کیا

اکھاڑلے گا تو بھی آنے کو بولی مگر آئی نہیں ابھی بھی کہتا ہوں کہ تو چلی آ - باپ کے سکھانے پڑھانے میں مت پڑ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق تو میری بیٹی میں تیرا باپ دیکھ پھر بھی کہتا ہوں کہ تو آئندہ بہت پچھتائے گی ورنہ چلی آ - میں نے تیری خطا معاف کی تجھ سے کچھ نہ کہوں گا نہیں تو تیرا پیچھا ہرگز نہ چھوڑوں گا فریادی کا خیال بھول جا یہ خط پڑھ کر پھاڑ پھاڑ کر پھینک دینا - فقط - بقریدی بن عبدل نے جو ایسی صورت میں تین طلاق لکھا ہے تو تین طلاق واقع ہو گئے یا نہیں اور لکھا تو میری بیٹی میں تیرا باپ اس لفظ کے کہنے سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں - اور بقریدی نے کوئی دن تاریخ وقت مقرر لکھا نہیں ہے ایسی صورت میں تین طلاق واقع ہوئی یا نہیں شرعاً حکم کیسا ہے خلاصہ تحریر فرماویں ؟

الجواب :-

جب بقریدی بن عبدل نے صرف یہ لکھا ہے کہ اگر تو نہ آوے گی تو تجھ پر تین طلاق، اور کوئی مدت آنے نہ آنے کی متعین نہیں کی تو اگر اس کی نیت میں بھی کوئی مدت نہ تھی تو ابھی اس کی زوجہ پر طلاق نہیں پڑی بلکہ زندگی بھر نہ آوے تو آخر وقت زندگی میں طلاق پڑے گی -

لانه طلاق معلق على العدم والعدم متحقق مستمر لكنه لما علق بالمستقبل صلح لجميع زمان الاستقبال لوجوده فلا يتعين له وقت الى ان ينتهى الى آخر جزء من الحيوٰة فيتضيق فيقع اھ كذا فى الشامى (ص ۸۱۱ ج ۲)

اور اگر اس نے معنی فور کی نیت کی تھی اور مطلب یہ تھا کہ اگر خط دیکھتے ہی فوراً نہ آوے گی تو طلاق یا کوئی خاص مدت ذہن میں تھی مثلاً اس ماہ میں نہ آوے گی تو طلاق - اس صورت میں جب اس کی نیت کے خلاف عورت کی طرف سے عملدرآمد ہوا اسی وقت طلاق پڑ جائیگی - بہرحال اس مسئلہ میں طلاق کا واقع ہونا یا نہ ہونا اس پر موقوف ہے کہ شوہر نے کسی مدت تک نہ آنے کی نیت کی تھی یا کچھ نیت نہ تھی - صورت اول میں اس مدت تک نہ آنے سے طلاق ہو جائیگی اور دوسری صورت میں زندگی بھر نہ آنے سے طلاق ہوگی اب شوہر اپنی نیت کا حال سوچ کر عمل کرے - واللہ اعلم قال فی الدر ونية تخصيص العام تصح ديانةً اتفاقاً (ص ۱۵۱ ج ۳)

وفيه ايضا فى "لا تخرجى الا باذنى" لو نوى الاذن مرة دين وامثالهما (ص ۱۲۷ ج ۳)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ رجب ۴۲ھ

اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی اس صورت میں طلاق کا حکم

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کا نکاح اپنے تائی کے لڑکے مسمی

محمد ابراہیم کے ساتھ سنہ ۱۹۱۱ء میں ہوا - تقریباً پانچ سال تک مسمی محمد ابراہیم نے اپنے مسماۃ ہاجرہ بیگم سے اپنے بدچلن اور آوارگی کے باعث بے اتفاقی رکھی - چنانچہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کے رشتہ داروں نے جو مسمی محمد ابراہیم کے رشتہ دار بھی تھے مورخہ ۳۱ مئی سنہ ۱۹۱۷ء کو تنگ آکر اپنی برادری کے چند معزز اشخاص کو اکٹھا کر کے مسمی محمد ابراہیم سے اس مضمون کا ایک اقرار نامہ - جس کی نقل استفتاء ہذا ہے - لیا پڑا کہ اگر مسمی ابراہیم اپنا چال چلن درست نہ کرے اور اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو نان ونفقہ خورد ونوشتن وبود وباش میں اسائش نہ دے اور حق زوجیت جو بروئے شرع شریف اس پر لازم وواجب ہے - کما حقہ ادا نہ کرے تو شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہونے پر وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن تصور ہوگی - اقرار نامہ دینے پر بھی مسمی محمد ابراہیم نے اپنا چال چلن درست نہیں کیا - عرصہ تیرہ چودہ سال میں ایک کوڑی گھر میں نہیں دی - اور نہ اپنی زوجہ مسماۃ ہاجرہ بیگم کو گھر میں آباد کیا - مسماۃ ہاجرہ بیگم اپنے چچا کی لڑکی مسماۃ سکینہ بیگم کے گھر میں گزر اوقات کرتی رہی - اور اپنے والد کی زمین کی جو اناج وغیرہ آتا تھا اور آتا ہے اس سے اپنا پیٹ پالتی رہی - اتفاقاً اس کی ہمشیرہ سکینہ بیگم کو اپنے والد کے پاس بردوان جانا پڑا - مسماۃ ہاجرہ بیگم بھی اس کی ہمراہ بردوان بدیں خیال چلی گئی کہ چونکہ اس کا خاوند وہاں اپنے چچا کے پاس موجود ہے - ممکن ہے وہ اس کے وہاں جانے سے التفات کرنے لگے - مسمی محمد ابراہیم کے چال چلن اور آوارگی میں فرق نہ آیا - لیکن چونکہ خاوند بیوی کا ملنا جلنا وہاں ہوتا تھا - مسمی محمد ابراہیم کے نطفہ سے مسماۃ ہاجرہ بیگم کو حمل قرار پاگیا - وضع کے لئے مسماۃ ہاجرہ بیگم واپس امرتسر آگئی - لڑکا جس کا نام محمد یٰسین ہے - اور جس کا عمر تقریباً پانچ سال ہے تولد ہوا - مسماۃ ہاجرہ بیگم کا خیال تھا کہ اس کا خاوند شاید صاحب اولاد ہو کر درست ہوجائے - لیکن لڑکے کی ولادت کے بعد آج تک مسمی محمد ابراہیم نے ایک حبہ تک بھی اپنی زوجہ کو نہیں بھیجا نہ خطوط کا جواب دیا - اور نہ خود آج تک امرتسر آیا - نہ ہی اس کو مسماۃ ہاجرہ بیگم کے آباد کرنے کا خیال ہے - چونکہ ان حالات میں مسماۃ ہاجرہ بیگم کی باقی عمر کا گذرنا محال ہے - اس لئے التماس ہے کہ جو شرعی حکم اسبارہ میں ہو اس سے مطلع فرمادیں کہ آیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ مطلقہ ہوچکی ہے یا نہیں تاکہ مسماۃ مذکورہ کا عقد نکاح کسی دوسرے شریف آدمی کے ہمراہ کرادیا جاوے - اور وہ باقی ماندہ زندگی آرام سے گذارے -

خادم العلماء احقر فتح محمد خواجہ عفی عنہ - پوسٹ ماسٹر ڈگشائی -

کیا مسماۃ ہاجرہ بیگم بروئے اقرار نامہ لڑکے کی ولادت سے پہلے ہی مطلقہ ہوچکی ہے یا نہیں ؟

(نقل اقرار نامہ جو ایک روپیہ کے کاغذ پر لکھا گیا تھا)

منکہ محمد ابراہیم ولد محمد رمضان قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کہریا سنگھ کوچہ سلطان پہلوان کا ہوں جو کہ مظہر کا عقد نکاح بروئے شرع محمدی ہمراہ مسماۃ ہاجرہ بیگم بنت کریم شیخ قوم کشمیری ساکن امرتسر کٹڑہ کرم سنگھ نے پڑھا ہوا ہے اور مسماۃ مذکورہ بخانہ مظہر بطریق منکوحہ عورت کے آباد ہیں ۔ اب عرصہ تخمیناً پانچ سال سے باعث بے اتفاقی مظہر باہمی فریقین میں شکر رنجی ہے ۔ اس لئے اب مظہر بہ ثبات عقل و بقائمی ہوش بلا ترغیب تحریری اقرار کرتا ہے اور لکھ دیتا ہے کہ مظہر مقر مسماۃ ہاجرہ بیگم منکوحہ خود کو ہر طرح سے نان و نفقہ و خورد و پوشش و بود و باش میں آسائش دیا کرے گا ۔ اور ہر طرح کے حقوق زوجیت جو بذمہ مظہر بروئے شرع شریف واجب و لازم ہیں ۔ کا حق ادا کیا کرے گا ۔ کسی طرح کی تکلیف مسماۃ ہاجرہ بیگم مذکورہ کو نہ دے گا اور اپنے چال چلن میں جو آوارگی آج سے سابق تھی ترک کرکے نیک چلن بن کر گزراوقات کیا کرے گا ۔ اگر شرائط متذکرہ صدر میں سے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی مظہر مقر سے ثابت ہوگی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن کے تصور ہوگی جس میں میرا کچھ عذر قابل سماعت نہ ہوگی ۔ اور مسماۃ مذکورہ مطلقہ سمجھی جاویگی اس لئے یہ چند حروف اقرار نامہ تحریر کردئے کہ سند رہے اور وقت ضرورت کے کام آویں ۔

تحریر بتاریخ ۱۳ مئی ۱۹۱۷ء بقلم غلام رسول ، عرضی نویس کٹڑہ کرم سنگھ

العبد محمد ابراہیم مذکور داغ دنبل بر بنڈلی چپ ۔ عمر ۳۳ سال ۔

دستخط محمد ابراہیم ۔

دستخط گواہ شدہ ۔ خواجہ محمد عبدالعزیز ولد خواجہ عبدالوہاب قوم کشمیری سوداگر ۔

دستخط ۔ میاں عبدالسبحان ولد امیر الٰہی قوم کشمیری ۔ دستخط ۔ محمد عبداللہ ولد محمد رمضان قوم کشمیری

الجواب :۔

بموجب عبارت اقرار نامہ مذکورہ کے جس وقت مسمی ابراہیم کی طرف سے زوجہ کے نان و نفقہ وغیرہ میں خلاف ورزی اقرار کی ظاہر ہوتی ہے ۔ اسی وقت سے مسماۃ ہاجرہ بیگم مطلقہ بائنہ ہوگی (حکم طلاق بلفظ اگر شرائط کی خلاف ورزی کی تو وہ خلاف ورزی بمنزلہ طلاق بائن متصور ہوگی) اور اگر اس وقت سے اس وقت تک اس کو تین حیض آچکے ہیں تو وہ عدت سے بھی فارغ ہوگئی ۔ فراغ از عدت کے بعد وہ اپنا دوسرا نکاح جس جگہ چاہے کرسکتی ہے ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ مقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون صفر ۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت || **سوال :۔** اس کابین کے بارے میں منکہ ناکح سید احمد ولد بخش علی حاجی مرحوم ساکن یوپی شمالی ۔ ضلع اکیاب بستم مسماۃ شوالی بنت منور علی مرحوم ساکن ایضاً بعوض مہر مبلغ نصفا سیم و رائج باصحت ذات و ثبات عقل بلا جبر و اکراہ بہ ہمیں یک شرط مرقومہ الذیل در حبالہ عقد خود در

آوردم وآن شرط موصوف الصدر این کہ با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل صاحب ساکن وغیرہ ایضاً کہ الحال منکوحۂ منست بوجہ عدم موافقت در خانہ پور بطور ناشزہ سکونت می ورزد تا زوجیت شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند ہرگز ہر آئینہ امرزن وشوئی بظہور نیارم واگر خلاف این ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ سہ ۳ طلاق واقع خواہد شد این چند کلمہ بطور کابین نامہ دادم تا عند الحاجت بکار آید - این کابین بالا مذکورہ کو ایک مولوی صاحب نے لکھا وہ جس کے واسطے لکھا وہ بھی مولوی اور ناکح مولوی صاحب نے محض دستخط کیا اور زبان سے اقرار نہیں کیا - اور دستخط ہرگز نہ کرتا لیکن ان کے مربیوں نے بہت اصرار کئے - اور عبارت کابین میں بھی نقص معلوم ہوا وہ نقص یہ ہے کہ اگر خلاف این ورزم بر ماجدہ خاتون مذکورہ سہ ۳ طلاق واقع خواہد شد کہ واقع خواہد شد صیغۂ استقبال ہے اور صیغۂ استقبال سے بغیر ارادہ طلاق، طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ واقع خواہد شد خبر ہے - والخبر یحتمل الصدق والکذب الا والموضع للاخبار قد استعمل فی الانشاء یہ خلاف قیاس ہے اور خلاف قیاس اپنے مورد میں منحصر ہے وہ ماضی ہے نہ لفظ واقع خواہد شد اور وقوع طلاق کے واسطے انشاء ہونا چاہئے - خواہ تعلیق ہو یا تنجیز ہو یہ نقص خیال کر کے دستخط کی اگر یہ شبہ نہ ہوتا - ہرگز دستخط نہ کرتا کیونکہ طلاق کا منشاء بالکل نہیں ہے - اب عند وجود شرط طلاق، طلاق واقع ہوگی یا نہیں اگر ہوگی پس اس کا مطلب کیا ہے

ان فعلت کذا الی خمسین سنۃ تصیری مطلقۃ بطاقہا بل قال علی وجہ التخویف لم یقع ویکون القول قول الزوج کتبہ فی الخانیۃ بینوا توجروا -

الجواب عند وجود الشرط :-

صورت مذکورہ میں مسماۃ ماجدہ خاتون پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں قضاءً لان المضارع فی القضاء بالشرطیۃ غالب للانشاء فدعوی خلاف الظاہر فلا یقبلہ القاضی ولا المرأۃ لانہا کالقاضی لا تعلم الا الظاہر پس ماجدہ پر واجب ہے کہ اپنے کو مطلقۃ الثلث سمجھے اور زوج سے علیحدہ ہو کر عدت تمام کر کے وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور عبارت عالمگیریہ سے استدلال نہیں ہو سکتا - کیونکہ اس میں تعلیق طلاق علی فعل المرأۃ ہے اور عورت کی فعل پر طلاق کو معلق کرنے میں تخویف کا احتمال بعید نہ تھی بلکہ دھمکانے کے طور پر کسی کام سے روکنے کے لئے ایسا کر دیا کرتے ہیں لہذا وہاں نیت زوج کا اعتبار ہے اور یہاں تعلیق علی فعل الزوج ہے - اس میں تخویف وغیرہ کا احتمال نہیں لہذا نیت زوج معتبر نہیں - لان لفظ الطلاق صریح فقط واللہ اعلم -

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲ صفر سنہ ۴۳ھ

لفظ طلاق واقع خواہد شد سے تعلیق طلاق پر شبہ کا جواب

سوال :- عرضداشت آنکہ شخصے کہ خویشتن را از زمرہ علماء شمارد حسب ہمیں ترتیب باز اول بزن دوم معیت ، زن اولش در خانہ پدر خویش بزن اول یک کابین نامہ کہ صرف ازاں ما نحن فیہ در قرطاس منقول بداد وجہ کابین دوم این کہ او ظلم میکند بلفظ واقع خواہد شد کہ در کابین اول جزائے شرط واقع شدہ باستقبالیت آن طلاق عند الشرط واقع نگردد۔ چنانچہ در تنجیز نگردد۔ و صالح تنجیز نباشد مر تعلیق را ہم صالح نباشد کہ جزائے شرط قبل تعلیق تنجیز و فعل مستقبل مر تنجیز را نشاید۔ ہمچنیں مر تعلیق را نیز و حکم ہر دو دریں باب یکیست عبارت کابین اول و آں یک شرط موصوف الصدر ایں کہ تا زوجیت مسماۃ شوابی در سلک ازدواج من منسلک ماند با مسماۃ ماجدہ خاتون بنت مولوی عبد الجلیل ساکنہ سیندنگ حلقہ ایضاً علاقہ مذکورہ ضلع مزبورہ کہ الحال منکوحہ ست و بعد اتفاق و موافقت در خانہ پدر خویش سکونت ورزد ہرگز امر زن شونی بظہور نیارم و اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ موصوفہ سہ طلاق واقع خواہد شد۔ فقط

تصحیح الجواب :-

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ سئل فی رجل قال لزوجتہ تکونی طلقۃ ثلثا بصیغۃ المضارع وغلب استعمالہ فی الحال عرفا یقع الطلاق (الجواب) نعم کما افتی بہ الخیر الرملی واطال الکلام علی ذالک فی حاشیتہ علی البحر فراجعہا (ص ۴۶ ج ۱)

صورت مسئولہ میں زوج کا یہ قول " اگر خلاف ورزم بر مستورۂ ماجدہ سہ طلاق واقع خواہد شد " ع فا تعلیق طلاق ہے اور خواہد شد … اس موقع میں وعدہ کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انشاء طلاق بوقت وجود شرط پر دلالت کرتا ہے اور تعلیق چونکہ امر مستقبل ہی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے واسطے مستقبل کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے پس عرفاً یہ کلام وقوع طلاق ثلث بوقت شرط کو مقتضی ہے اور قضاءً وقوع ہی کا حکم کیا جائے گا والمرأۃ کالقاضی کے قاعدہ سے عورت کو بھی لازم ہے کہ اپنے کو مطلقہ ثلث سمجھے اگر شرط کا وقوع ہو گیا ہے تنبیہ :- سائل نے جو بہشتی زیور کی عبارت سے استدلال کیا ہے وہ استدلال بالکل غلط ہے کیونکہ بہشتی زیور کی عبارت صراحۃً معنی وعدہ پر دلالت کر رہی ہے وہذا … کسی نے کہا یوں تجھ کو طلاق دونگا تو اس سے طلاق نہیں ہوتی اسی طرح کسی بات پر یوں کہا کہ اگر فلانہ کام کرے گی تو طلاق دیدوں گا تب بھی طلاق نہیں ہوتی اھ (ص ۳۰ ج ۲) ان الفاظ میں معنی وعدہ تخویف مرأۃ کا احتمال ہے اس لئے طلاق نہیں ہوتی اگر سائل بھی یوں کہتا کہ :- " اگر خلاف ورزم ماجدہ را سہ طلاق دادہ خواہد شد۔ تو اس پر بھی وقوع کا حکم نہ ہوتا باقی اس

کے موجودہ الفاظ میں تو وعدہ و تخویف کا کوئی احتمال ہے ہی نہیں صاف تعلیق انشأ طلاق ہے ۔

واللہ اعلم ۔

"ہمارے سوا کسی سے نکاح کریں تو اس کو طلاق ہوگی" سے تعلیق طلاق کا حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہونا جبکہ شوہر کی نیت اور

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نہایت اہم کام کے لئے آں قبلہ کو تکلیف دینے کو مستفید ہوا امید قوی کہ حضور احقر کی گستاخی معاف فرما کر جواب شافی سے احقر کو مطلع فرما کر مطمئن و سرفراز فرمائیں اور للہ اس ناچیز کے ہر طرح کی دینی و دنیاوی بہبودی کے لئے دعا فرمادیں احقر نے اپنی اہلیہ سے کسی بات پر اس طرح وعدہ کیا تھا کہ اگر تمہارے سوا کسی سے نکاح کروں تو اس کو طلاق ہوگی میری اہلیہ کو آج تقریباً تیرہ برس ہوئے انتقال ہوگیا جیسے میں اس خوف سے کہ شاید اور نکاح کرنا جائز نہ ہوگا اس مدت دراز تک بغیر نکاح کئے رہا اب مجھ سے رہا نہیں جاتا طبیعت بھی اکثر ناساز رہتی ۔ علاج سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا میری کل عمر ۳۶ برس کی ہے ۔ اب حضور سے التجا ہے کہ اس کے جواز کی شرعاً کوئی صورت ہے یا نہیں اگر ہے تو کس طریقہ سے یہ جائز ہو سکتا ہے ازراہ کرم خلاصہ تحریر فرما کر اس ناچیز کو سرفراز فرمائیں ۔ اطباء کی بھی یہی رائے ہے کہ بغیر نکاح کے صحت ٹھیک نہیں ہوگی ۔

تنقیح :- ان الفاظ کے کہتے ہوئے کچھ نیت بھی تھی یا نہیں یعنی یہ نیت کہ زندگی میں کروں تو طلاق یا یہ نیت تھی کہ کسی وقت بھی کروں تو طلاق یا کچھ نیت نہیں تھی یا نیت یاد نہیں نیز طلاق کا لفظ ایک دفعہ کہا تھا یا زیادہ اس کا جواب دیا جائے ۔ فقط

۱۲ ربیع الاول ۴۳ھ از تھانہ بھون

جواب تنقیح :-

ایک بار تو یوں اپنی اہلیہ کو اعتبار دلانے کی غرض سے کہ سوائے ان کے اور نکاح نہ کروں گا اور اگر کروں گا تو طلاق ہوگی وعدہ کیا تھا پھر اسی مجلس میں ان سب باتوں کے آخر میں یہ بھی کہا تھا مگر تمہاری اجازت دینے سے ضرور ہم کر سکیں گے مطلب یہ تھا کہ تمہاری اجازت دینے سے یہ شرط باقی نہ رہے گی زندگی یا موت کی بات یاد نہیں اور طلاق کا کئی دفعہ کہنا بھی یاد نہیں چند روز بعد مرض الموت میں ہم کو نکاح کی اجازت دی تھی ۔ مجھے یہ فکر ہے کہ اخیر میں یہ بات جو میں نے کہی شرعاً معتبر ہوگی یا نہیں اور اس مجلس میں سوائے ان سب باتوں کے اور کوئی ذکر نہ تھا

(سید سراج الحق)

الجواب : صورت مسئولہ میں یہ تعلیق طلاق حیات زوجہ کیساتھ مقید تھا ۔ لہذا اس کی موت کے بعد سائل کو نکاح درست ہے ۔ قال الشامی تحت قول الدر حنث لا یرجع الدار ثم رجع لشئ نسیه لا یحنث ما نصه والحاصل ان هذه المسئلة تخصصت الیمین فیها

بدلالة العادة و العادة مخصصة كما تقرر في كتب الاصول ونظير ذلك ما في الخانية اتهمته امرأته بجارية فحلف لا يمسها انصرف الى المس الذي تكره المرأة اھ (ص ۸۵۰ ج ۲) ونظيره ولو حلف الوالي ليعلمنه بكل مفسد تقيد بحال ولاية اھ شامی (ص ۸۲۳ ج ۲)

اور ظاہر ہے کہ شوہر نے یہ قسم عورت کو اعتبار دلانے اور راضی کرنے کے لئے کھائی تھی پس حیات زوجہ کے ساتھ مقید ہوگی اور بہتر یہ ہے کہ عورت سے نکاح کیا جائے اول قلیل مہر پر جو ادنیٰ مقدار مہر ہے باذن ولی و اذن امرأۃ نکاح کیا جائے اور قبل دخول اس مہر کا نصف عورت کو ادا کیا جائے اس احتمال پر کہ شاید تعلیق میں نیت دوام کی کی ہو اور اس پر طلاق واقع ہوگئی ہو پھر اسی عورت کے ساتھ معاً دوسرا نکاح اس کی اجازت سے مہر کامل پہ کرلیا جائے - واذا نسی طلاق واحدۃ ام ثنتین او ثلثا یحمل علی الادنی اور ایک بار طلاق کے بعد دوبارہ طلاق واقع نہ ہوگی کیونکہ حکماً وغیرہ الفاظ عموم میں سے کوئی نہیں ہے فقط واللہ اعلم

حررہ المولینا الصوفی الاستاذی مکرم ظفر احمد صاحب عفا اللہ عنہ از خانقاہ - امدادیہ تھانہ بھون ۱۳۴۲ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

سوال :- میں اُن تکالیف کو محسوس کرتے ہوئے جو میری زوجہ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمن صاحب مرحوم کو میری طرف سے اس وقت تک میری لاپرواہی اور بدسلوکی کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں - حسب ذیل تحریر با پنے ہوش حواس اور بلا کسی جبر کے اس کی تسکین کے لئے پیش کرتا ہوں کہ آج بتاریخ ۲۲ جولائی سنہ ۴۷ء سے لے کر ۶ ماہ کے اندر اندر میں اپنی بیوی موسومہ بالا پر ثابت کر دوں گا میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے جس کا ثبوت میری بیوی کی تصدیق ہوگی گویا صرف میری بیوی کو حق ہوگا کہ وہ میرے تعلقات خوشگوار یا ناخوشگوار کو ظاہر کرے اگر میں مقررہ متذکرہ بالا میعاد یعنی چھ ماہ میں اس قسم کے تعلقات ثابت نہ کرسکا اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا تو میری طرف سے اس کو تین طلاق ہوگی - گویا میرا اور اس کا تعلق شرعی قائم نہ رہے گا (دستخط عبدالحمید)

(استفتاء :-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی عبدالحمید نے اپنی تحریر کے مطابق اس عرصہ میں مجھ کو خوش نہ رکھا اور نہ یہ ثابت کیا کہ وہ مجھکو آئندہ خوش رکھیں گے بلکہ اس عرصہ میں بھی برابر مجھکو تکالیف و مظالم کا شکار بنائے رکھا میرا بیان ہے کہ وہ اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے میعاد مقتضی ہوچکی اس لئے میں فتویٰ علماء دین سے طلب کرتی ہوں کہ اس تحریر کے مطابق میرا اس سے قطع تعلق ہوگیا یا نہیں ؟ بینوا توجروا - (نوٹ) اس چھ مہینے کے بعد سے میں اپنے والدین کے یہاں مقیم ہوں

تنقیح :-

صورت مسئولہ میں مسمّی عبدالحمید کیا کہتا ہے کیا وہ بھی اس کو تسلیم کرتا ہے کہ شرط طلاق متحقق ہوگئی یا وہ تحقق شرط سے انکار کرتا ہے ۔ اس کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائے گا ۔ نیز عبدالحمید کی تحریر میں جو یہ لفظ ہے " اور یہ کہ میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " اس میں حرف (یہ کہ) کیا ہے یہ محض فضول لکھا ہے یا اس سے عطف مراد ہے اس کا یہ تو مطلب نہیں کہ " میں اس قسم کے تعلقات کو ثابت نہ کرسکا یا میری بیوی نے اس کے خلاف ظاہر کیا " بہرحال سائل کے ذہن میں اس عبارت سے جو مطلب آیا ہو اس کو بیان کرے اور اپنی بستی کے دو چار عقلاء سے بھی پوچھے کہ اس عبارت سے کیا مطلب مفہوم ہوتا ہے ۔ فقط

احقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۵ / محرم ۴۵ھ

جواب تنقیح بالا :

۱ ۔ مسمّی عبدالحمید کوئی جواب کسی تحریر کا نہیں دیتا بلکہ سنا ہے کہ وہ اپنے مکان پر بھی نہیں ہے اس کو نوٹس اور رجسٹری خطوط بھجوائے گئے مگر جواب نہیں دیا اس کی خاموشی بظاہر اسی پر دال ہے کہ وہ طلاق کا مقر ہے ۔

۲ ۔ (یہ کہ) سے تجدید اپنے پہلے قول کی ہے جو یہ ہے کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا اور یہ ہے کہ میرے تعلقات خوشگوار رہیں گے بظاہر یہ مراد ہے کہ خورد و نوش وغیرہ کی کفالت اپنی حیثیت کے موافق رکھوں گا یہ فقرہ اوّل کی مراد ہے اور فقرہ دوم سے یہ مراد ہے کہ میرے دوسرے تعلقات زن و شوہر کے بھی خوشگوار ہوں گے مگر دونوں باتوں میں وہ ناکام رہے نیز لفظ (یہ کہ) بطور عطف کے واقع ہوا ہے ۔

۳ ۔ مستفسر کے ذہن میں تو دونوں امور کے متعلق بھی آتا ہے جو عرض کیا گیا اور اس کے متعلق چند دوسری جگہ فتوی بھجوایا تھا اس کی عبارت بجنسہ یہی تھی جو اس استفتاء کی ہے وہاں سے جواب حسب ذیل آئے ہیں جو نقل ہیں

از دیوبند الجواب ۔

شوہر کے تحریر کے مطابق مسماۃ محمودہ بیگم بنت شیخ عزیز الرحمن پر تین طلاق واقع ہوگئی اور زوجین کا باہمی قطع تعلق ہوگیا اب علاقہ نکاح کا مابین ان کے باقی نہیں رہا ۔ مسماۃ مذکور کو اختیار ہے کہ بعد ختم ہونے عدت دوسرے شخص سے حسب قاعدہ شرعیہ نکاح کرے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ مفتی دارالعلوم دیوبند ۱۶ محرم ۴۵ھ

الجواب از مدرسہ ارشاد العلوم راہپور :- الجواب اللہ سبحانہ الموفق للصواب

جبکہ شوہر نے طلاق کو اپنی بیوی کے فعل اور اس کے بیان اور اظہار کے ساتھ معلق کیا ہے تو حسب تعلیق

زوج بموجب بیان اخبار زوجہ بلا حلف صورۃ مستفسرہ میں طلاق مذکورکے واقع ہو جانے میں کوئی تردد نہیں ہے درمختار میں ہے ۔ ومالا یعلم وجوده الا منها صدقت فی حق نفسها خاصة استحسانا بلا یمین انتھی ۔

شامی میں اس قول پر تحریر فرماتے ہیں :- وجه الاستحسان ان هذا والامر لا یعرف الامن قبلها وقد ترتب علیه حکم شرعی فیجب علیها ان تخبر کیلا تقع فی الحرام اذ الاجتناب عنه واجب علیهما شرعا فیجب طریقه وهو الاخبار فتعینت له فیجب قبول قولها لتخرج عن عهدة الواجب زیلعی انتھی ۔

هذا حکم الکتاب والله اعلم ۔

العبد
محمد غفران حسین احمد مجددی
ناظم مدرسہ ارشاد العلوم واقع ریاست رامپور محلہ جالہ پور
(مہر)

العبد الجواب صواب
محمد ریحان حسن احمد مجددی
مدرسہ ارشاد العلوم رامپور
(مہر)

العبد
محمد شجاعت علی عفی عنہ
مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور

از فرنگی محل لکھنو ، ہو المصوب

صورت مسئولہ میں طلاق ہوگئی زن و شوہر کا تعلق زوجیت منقطع ہوگیا عورت کو بعد عدت اپنا دوسرا نکاح کر لینے کا اختیار ہے واللہ اعلم بالصواب ، کتبہ محمد شفیع عفی عنہ الانصاری فرنگی محل لکھنؤ

امیدوار ہوں کہ بعد ملاحظہ جواب فتوی مرحمت فرمایا جاوے فقط خاکسار ظہیر الدین محمود عرف رابیر مرخاں
محلہ مفتی صاحب چھتہ والی حویلی دہلی
۲۴ ، محرم الحرام ۱۳۴۵ھ

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں شوہر مسمی عبد الحمید نے طلقات ثلث کو دو باتوں پر معلق کیا ہے ایک مدت ششماہ میں خوشگوار تعلق کو ثابت نہ کرسکنا (جو زوج کا فعل ہے) دوسرے بیوی کا اس کے خلاف ظاہر کرنا (جو بیوی کا فعل ہے) پس شرط طلاق تحقق جب ہوگا کہ دونوں باتیں پائی جائیں ۔ سوال سے دوسری شرط کا تحقق تو ظاہر ہے ۔ کیونکہ مسماۃ کا بیان ہے کہ عبد الحمید مذکور اپنی تحریر کے مطابق مجھ کو خوش نہ رکھ سکے ۔ اور مسمی عبد الحمید کے سکوت سے اور اپنی بیوی کے بیان کے خلاف بیان نہ دینے سے شرط اول کا تحقق بھی ہوگیا ۔ کیونکہ وہ میعاد مقررہ میں قولاً حجۃً اپنی طرف سے خوشگوار تعلق کو ثابت نہیں کرسکا اور

[illegible]

عام طور پر محاورات میں ثابت کرنا اور ثابت کرسکنا اثبات قولی ہی میں مستعمل ہے اور اگر اس سے اثبات عملی ہی مراد لیا جاوے جیسا کہ " اس کا یہ قول کہ میں ۲۲ر جولائی سے چھ ماہ کے اندر اندر اپنی بیوی پر ثابت کردوں گا کہ میں اس کو حسب حیثیت تمام عمر خوش رکھوں گا " اس کا قرینہ ہے کہ اس کی مراد ثابت کرنے سے قولی اثبات نہیں بلکہ عملی اثبات ہے مگر چونکہ اس کے بعد عبدالحمید مذکور نے اس عملی طریقہ ثبوت کو محض بی بی کی تصدیق میں منحصر کردیا ہے اور بیوی اس کی تصدیق نہیں کرتی بلکہ اس کے خلاف ظاہر کرتی ہے اس لئے عبدالحمید مذکور کی طرف سے عملی ثبوت بھی نہیں پایا گیا اور ہر حال میں شرط دوم کی طرح شرط اول کا تحقق بھی ہوگیا اس لئے وجود شرط کے ساتھ مسماۃ محمودہ بیگم پر تین طلاق واقع ہوگئیں اگر مسمی عبدالحمید کو شرط اول کے تحقق میں کچھ کلام ہو تو وہ اپنا خدشہ ظاہر کرے ہم کو صورت واقعہ سے دونوں شرطوں کا تحقق معلوم ہوتا ہے اس لئے تین طلاق واقع ہونے کا فتویٰ دیا جاتا ہے ۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔ از تھانہ بھون ۲۷ر محرم ۴۵ھ

نعم التوضیح ونعم التنقیح ۔ اشرف علی ۲۷ر محرم ۴۵ھ ۔

بیان حیلہ نکاح جب کہ یہ حلف کرے کہ فلاں کام کروں تو میں جو کام کروں اور جب کروں جس سے کروں اسے تین طلاق ہیں ۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام جو محرمات شرعیہ سے ہے ہرگز نہیں کروں گا اور اگر اس کام کو کروں تو میں جو نکاح کروں اور جب نکاح کروں اور جس سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں پھر ایک مدت کے بعد زید نے جس کام کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب ظاہر ہے کہ علمائے احناف کے نزدیک جس عورت سے نکاح کرے گا وہ مطلقہ ثلثہ ہو جاوے گی ۔ اور حیلہ جواز جیسا کہ درمختار میں مذکور ہے کہ اگر کوئی فضولی نکاح کردے اور زید اسے قبول کرلے تو نکاح ہو جاویگا اور تین طلاقیں نہیں ہوں گی تو یہ اتفاقی صورت ہے کہ کوئی فضولی کسی کا اتفاقاً نکاح کردے اور نیز آخر زید کب تک اس انتظار میں رہے کہ مردے از غیب بروں آید و کارے بکند ۔ اور نہ معلوم فضولی اس کا نکاح کس سے کرے اور کب کرے اور وہ نکاح اس کی منشاء کے موافق بھی ہو یا نہیں ہو ۔ یہاں دو صورتیں زید کی نکاح کی علیحدہ علیحدہ تحریر کی جاتی ہیں ۔ درخواست ہے کہ ان کے بھی جواز و عدم جواز پر فتویٰ تحریر فرمایا جاوے ۔

۱ :- اول یہ کہ زید کسی شخص کو اپنا وکیل بنائے اور اسے اپنے نکاح کا مختار کردے اور وہ وکیل مجلس نکاح میں کہ جس میں خود زید بحیثیت نوشہ موجود ہے زید کا نکاح کردے تو یہ نکاح اگرچہ زید کے امر

سے ہو گا مگر یہ صادق آئے گا کہ زید نے اپنا نکاح خود نہیں کیا اور زید کے نکاح کا انعقاد زید کے قول سے نہیں ہوا اور زید نے جو عہد کیا ہے چونکہ وہ قضیہ شرطیہ ہے اور اس میں ہے کہ میں جو نکاح کروں اور جس سے جب نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں تو یہ نکاح چونکہ زید نے نہیں کیا بلکہ زید کے وکیل نے کیا ہے اس لئے افراد مقدم میں داخل نہیں ہو گا اور جب افراد مقدم سے خارج ہوا تو تالی کو بھی مستلزم نہیں ہو گا اس لئے چاہیئے کہ نکاح درست ہو اور طلاقیں واقع نہ ہوں - لہٰذا عرض یہ ہے کہ اس صورت میں طلاقیں ہوں گی یا نہیں (تذئیل) جب مجلس نکاح میں زید کا نکاح خود زید کے سامنے اس کے وکیل نے کر دیا تو اب قاضی کو زید سے قبول یا عدم قبول کے دریافت کی ضرورت ہے یا نہیں اور اگر قاضی نے دریافت کیا اور زید نے کہہ دیا کہ میرا نکاح جو میرے وکیل نے کر دیا ہے - وہ مجھے قبول ہے تو کچھ حرج تو نہیں ہے لہٰذا اس صورت میں کہ زید کسی کو اپنا وکیل بنا کر اس طرح نکاح کرائے طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟

۲ :۔۔۔۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زید نے کسی شخص کو وکیل تو نہیں بنایا بلکہ ایک سے یا ایک سے زیادہ آدمیوں سے یہ واقعہ بیان کیا اور سمجھایا کہ اگر میں خود قبول کر دوں گا تو طلاقیں ہو جاویں گی یا میں کسی کو وکیل بناؤں گا جب بھی طلاقیں ہو جائیں گی بلکہ میری نکاح کی یہ صورت ہے کہ میرے بغیر امر اور بغیر وکیل بنائے کوئی شخص قبول کرے - میری طرف سے نکاح ہو جائے گا - اور وہ ایک آدمی ۔۔۔۔۔۔۔ یا ایک سے زیادہ معاملہ کو سمجھ کر چپ ہو رہیں اور نکاح کے وقت وہ ایک آدمی یا ان آدمیوں میں سے جنہیں سمجھایا گیا تھا کوئی قبول کرے تو نکاح درست ہو گا یا نہیں اور طلاقیں واقع ہوں گی یا نہیں ؟

تذنیب :۔ اگر اس آدمی کے قبول کرنے کے بعد لڑکی والے اصرار کریں کہ زید کو بھی قبول کرنا چاہیئے اور زید بایں الفاظ قبول کر لے کہ اس آدمی نے جو میرا نکاح کر دیا ہے وہ مجھے منظور ہے تو طلاقیں ہوں گی یا نہیں ؟ فقط ۳۰ رجب ۲۵ھ عرض ہے کہ فتویٰ مفصل تحریر فرمایا جاوے جو ہر شق پر مفصل روشنی ڈالے اور قابل تسکین ہو - پتہ :۔ سرورج مالوہ حکیم فخر احمد خان طبیب ریاست -

الجواب :۔

۱ :۔۔۔۔۔ صورت اولیٰ میں وکیل کے نکاح کرتے ہی طلاق پڑ جائے گی اس لئے کہ فعل وکیل فعل مؤکل ہے ظاہر ہے کہ وکیل اپنا نکاح نہیں کر رہا بلکہ بامر مؤکل مؤکل کا نکاح کر رہا ہے - اور شرعاً فعل وکیل مؤکل کی طرف سے مضاف ہوتا ہے خصوصاً نکاح و طلاق میں کہ ان میں وکیل محض معبر و سفیر ہوتا ہے اور دلیل اس کی آئندہ آتی ہے - تذییل کا جواب یہ ہے کہ جب زید نے خود کسی کو وکیل بنایا ہے - اس صورت میں چاہے زید اپنی زبان سے قبول کرے یا نہ کرے بہر حال نکاح کے ساتھ ہی طلاقیں واقع ہو جائیں گی -

۲ : ـــــ دوسری صورت میں نکاح فضولی کے بعد طلاق واقع نہ ہوں گی بشرطیکہ زید کسی سے امر کے ساتھ یہ نہ کہے کہ تو فضولی بن کر میرا نکاح کردے بلکہ صرف قاعدہ بیان کردے کہ اگر کوئی فضولی بن کر ایسا کردے گا تو میرا کام ہوجائے گا نیز یہ بھی شرط ہے کہ زید فضولی کے عقد کو زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کردے کہ خاموش رہ کر اسی وقت عورت کے پاس مہر کا کچھ حصہ بھیجدے اور اس کے بعد اس کے پاس چلا جاوے اور بہتر یہ ہے کہ کسی محقق عالم کے سامنے اپنا واقعہ بیان کردے اور یہ کہدے کہ مجھے عقد فضولی کی حاجت ہے یہ نہ کہے کہ تم فضولی بن کر ایسا کردو۔ عالم واقعہ ہی سے سمجھ جائے گا۔ کہ سائل کو ایسی حاجت ہے پھر وہ بدوں اس کے کچھ کہے خود ہی عقد کردے گا۔

قال الشامی ناقلا عن البحر عن البزازیۃ وینبغی ان یجئ الی عالم ویقول لہ ما حلف واحتیاجہ الی عقد الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیز بالفعل وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منھم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص ۱۱۶ ج ۲)

جواب تذنیب :۔

زبان سے قبول کرنے سے پھر طلاق پڑجائیں گی اس لئے نکاح فضولی کو زید زبان سے قبول نہ کرے بلکہ فعلاً نافذ کردے یعنی عورت کے پاس چلا جائے یا مہر کا کچھ حصہ عورت کو پہونچادے۔ قال الحموی فی شرح الاسناد قولہ فالحیلۃ ان یزوجہ الفضولی ویجیزہ بالفعل ھذا ھو المختار کما فی الزیلعی وعلیہ الفتوی کما فی المنح الغفار نقلاً عن الخانیۃ لکن فی جامع الفصولین فی فصل الرابع والعشرین فی تصرفات الفضولی ان الاصح انہ لا یحنث بالقول ایضاً وقد تقدم ان الفتوی علی خلافہ وانما لم یحنث بالفعل لان المحلوف علیہ ھو التزوج وھو عبارۃ عن العقد وھو یختص بالقول والاجازۃ بالفعل کبعث المھر اوشئ منہ والمراد الوصول الیھا ذکرہ الصدر الشھید وقیل سوق المھر یکفی مطلقا لان المجوز الاجازۃ بالفعل وقد تحقق بالسوق وبعث الھدیۃ لا یکون اجازۃ لانھا لا تختص بالنکاح اھ (ص ۳۰۴)

ھذا واللہ تعالیٰ اعلم ، حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۱۲ / شعبان ۴۳ھ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

استفتا بمذہب شافعیہ ضمیمہ اول

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ

شرع متین کہ زید نے یہ عہد کیا کہ فلاں کام نہیں کروں گا اور اگر کروں تو جو نکاح کروں اور جب نکاح اور جس عورت سے نکاح کروں اسے تین طلاقیں ہوں اور پھر ایک مدت کے بعد زید نے اس کام کو جس کے نہ کرنے کا عہد کیا تھا اسے کیا تو اب اگر زید کوئی نکاح کرے تو امام شافعی کے نزدیک طلاقیں ہوں گی یا نہیں؟

الجواب :-

حنفی مفتی کو مذہب غیر پر فتوی دینے سے فقہائے نے منع کیا ہے لہذا ہم فتوی مذہب شافعی پر نہیں دے سکتے۔

فی الرد ان المفتی لا یفتی صاحب الحادثة بما یتوصل به الی فسخ الیمین فلا تقول له ارفع الامر الی شافعی او حکمه فی ذلک او استفته یقول یقع علیک الطلاق لان علیه ان یجیب بما یعتقده ولیس له ان یدله علی ما یهدم مذهبه اھ (ص ۱۲ ج ۲ شامی) فقط حرره الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ ۱۳ شعبان المعظم ۱۳۴۳ھ

طلاق معلق کے بارے میں ایک فتوی | **سوال** : کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ رجب خان نے اپنی بیوی شبراتن کو یہ تحریر لکھدی کہ اگر میں اپنے بھائی کے گھر جاؤں تو تم پر طلاق ہے اس کے بعد رجب خان اپنے بھائی کے گھر گیا تو شبراتن نے جانے کے ایک ماہ بعد رجب خان کو جو کہ پردیس میں تھا بذریعہ رجسٹری کے خط لکھا کہ تم تحریر کے بعد اپنے بھائی کے گھر گئے تھے لہذا مجھ پر طلاق پڑگئی اب تم مجھے اپنی زوجہ نہ خیال کرو مجھے اپنے نفس کا اختیار ہے اس پر رجب خان نے جاہل ملاؤں سے جن کو یہ اپنی نادانی سے عالم کامل سمجھتا ہے دریافت کر کے لکھا کہ میں نے علماً سے دریافت کیا انہوں نے بتلایا ہے کہ اس صورت میں طلاق نہیں پڑی یہ جواب رجب خان کا اپنے بھائی کے گھر جانے کے دو ماہ بعد یعنی قبل انقضائے عدت کے یا پانچ ماہ کے بعد یعنی بعد انقضائے عدت کے آیا اس کے بعد سے اب تک کہ ڈھائی برس گزر چکے رجب خان نہ تو اپنے وطن شبراتن کے پاس آیا اور نہ کوئی مراسلت و مکاتبت طرفین سے ہوئی۔ غرض رجب خان سے کوئی فعل دال علی الرجوع پایا گیا اور تو لاً اس نے رجوع کر لی ہو تو اس کا اب تک شبراتن کو کوئی علم نہیں ایسی صورت میں یہ تو ظاہر ہے کہ طلاق رجعی واقع ہوگئی لیکن سوال طلب یہ امر ہے کہ اب اسے کسی دوسرے شخص سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہ اور اگر بعد نکاح کے شوہر یہ کہے کہ میں نے تو لاً زمانہ عدت ہی میں رجوع کر لی تھی مگر تمہیں میں نے اب تک اطلاع نہیں دی تھی اور وہ اپنے رجوع قولی پر بیّنہ بھی پیش کرے تو ایسی صورت میں نکاح ثانی قضاءً و دیانۃً باقی رہے گا یا نہ اور یہ کس کی زوجہ سمجھی جائے گی اور اس نکاح ثانی سے دنیا و آخرت میں شبراتن اور اس کا زوج ثانی کسی عقوبت کے مستحق ہوں گے یا نہ زوجہ کو ایک دشواری یہ ہے کہ رجب خان بدچلن ہے

اس لئے زوجہ رجب خان سے بذریعہ خط وغیرہ یہ استفسار نہیں کرسکتی کہ تم نے ایام عدۃ میں قولاً رجوع کیا تھا یا نہ کیونکہ اس استفسار سے وہ فوراً متنبہ ہوجائے گا کہ مجھے شرعاً قولاً بلا اعلام زوجہ حق رجوع تھا جس کی وجہ سے رجوع نہ بھی کیا ہوگا جیسا کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے پھر بھی وہ جھوٹ موٹ اپنے رجوع کو ظاہر کرے گا اور جھوٹے گواہوں سے ثبوت بہم پہونچا لیگا ایسی حالت میں زوجہ کو مفر کی کیا صورت ہے؟ جواب ہر جزء کا دیانۃً و قضاءً دونوں کے اعتبار سے مفصل و مدلل مرحمت فرمایا جائے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب:۔

صورت مسئولہ میں مطلقہ مذکورہ کو کسی شخص سے اپنا نکاح کرلینا درست ہے اور اگر بعد نکاح کے زوج اول یہ دعوی کرے کہ میں نے عدت میں قولاً رجوع کرلیا تھا اور حاکم مسلم کے سامنے اس پر بینہ قائم کردی تو زوج ثانی میں اور عورت میں تفریق کرادی جائے گی اور مطلقہ مذکورہ پر نکاح ثانی کرنے سے کچھ گناہ نہ ہوگا۔

قال فی الدر وندب اعلامها بها لئلا تنكح غيره بعد العدة فان نكحت فرق بينهما وان دخل شمنی اھ قال الشامی قوله لئلا تنكح غيره اولی من قول الهداية لئلا تقع فی المعصية اذ لا معصية فيه مع عدم علمها بالرجعة وان اجيب بان المعصية لتقصيرها بترك السوال لما فيه من ايجاب السوال عليها ——————— (ص ۸۲۴ - ج ۲) وقوله فرق بينهما ای اذا اثبت المراجعة بالبينة وقوله وان دخل ای الزوج الثانی اھ

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۷ر شوال ۴۳ھ از تھانہ بھون

سوال: نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں نکاح کروں تو دوسری بی بی مطلقہ ثلاثہ ہوجائے گی اور زوج اول کو طلاق دے کر علیحدہ کردیا۔ تو دوسرا نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی الخ

کیا فرماتے ہیں حضور اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ کو ایک کابین نامہ دیکے نکاح کیا اس میں لکھا ہوا تھا کہ اگر تمہارے زندہ رہنے کی حالت میں اگر دوسرا اور شادی کروں تو وہ دوسرا بی بی مطلقہ ثلثہ ہوجاوے گی مگر یہ شرائط نامہ عقد نکاح کے دو مہینہ قبل ہوا ہے۔ اور یہ کابین ہندہ سب رجسٹرار کے پاس رجسٹری ہوا ہے وہ سب شرائط شادی کے مجلس میں پڑھا نہیں اور سنایا بھی نہیں گیا اور نا کچھ

انکار کرتا ہے کہ یہ ایک شرط جو کابین میں لکھا گیا ہے وہ ہرگز مجھے معلوم نہیں اس طرف کے بے دلیوں کی زیرکی اور چالاکی سے یہ شرط لکھی گئی میں نے خود کابین لکھا نہیں پڑھا بھی نہیں اگر میں جانتا کہ ایسا ناقابل شرط کابین میں لکھی گئی ہے تو میں ہرگز راضی نہ ہوتا۔ بعد شادی زید کو معلوم ہوا کہ ہندہ بے نمازی ہے موافق شریعت کے ہر قسم کا علاج کیا مگر کام میں نہ آیا۔ ایک روز بہت عذاب کیا چند ساعت کے بعد ہندہ نے کہا کہ اگر جان تن سے نکل جاوے تب بھی نماز نہ پڑھوں گی۔ یہ جواب عجیب سن کر زید نے اس ہندہ کو تین طلاق بائن دیکر دوسرا شادی کر لیا۔ اس حالت میں زید کی دوسری بی بی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

الجواب:۔ طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ کابین نامہ نکاح سے پہلے لکھا گیا ہے اور تعلیق میں طلاق ثانیہ کو نکاح اولیٰ کے ساتھ مشروط نہیں کیا گیا بلکہ امر آخر یعنی زندہ رہنے کی حالت کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے اور اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی العالمگیریۃ قال لاجنبیۃ مادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها فهی طالق ثم زوجها فتزوج علیها امرأۃً لایقع ولو قال ان تزوجتک فمادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجها علیها والمسئلۃ بحالها یقع کذا فی الوجیز للکردری اھ (ص ۱۰۱ ج ۲) قال سیدی حکیم الامت والفرق بینهما ان فی الاول علق طلاق الثانیۃ علی بقاء نکاح الاولی والبقاء لایتصور بدون الحدوث وهو منعدم فی الاجنبیۃ فلا یصح تعلیق شئ علی بقاء النکاح اذا کان الخطاب مع الاجنبیۃ فیلغو الکلام ولا یقع به شئ وفی المسئلۃ الثانیۃ علق طلاق الاخری علی النکاح بالاولی ویصح انشاء النکاح بکل اجنبیۃ فصح التعلیق واذا تزوج علیها اخری طلقت اھ قلت وقوله ان تزوجت علیک فی حیاتک معناه فی حیاتک بعد نکاحی کما لا یخفی فکان فیه تعلیق الطلاق علی بقاء نکاح الاولیٰ۔ نیز جب عرفاً اس کلام کا کہ۔ اگر تمہاری زندہ رہنے کی حالت میں دوسری اور شادی کروں الخ مطلب یہ ہے کہ جب تک تم میرے نکاح میں زندہ رہو تو اب جبکہ اس شخص نے اولیٰ کو طلاق بائن دیکر نکاح ثانی کیا ہے تو ثانیہ پر وقوع طلاق کی کوئی وجہ نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ ولو قال ان تزوجت علیک فالتی اتزوج طالق فطلق

امرأته طلاقاً بائناً ثم تزوج امرأة اخری فی عدتها لا تطلق اھ۔
(ص ۱۰۱ ج ۲) نیز جب تعلیق زید نے خود نہیں لکھی اور نہ اس کو کابین نامہ پڑھ کر سنایا گیا بلکہ ویسے ہی دستخط کرا لئے گئے تو یہ تعلیق اس اعتبار سے بھی لغو ہے، واللہ اعلم۔

حررہٗ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۱۳۴۴ھ

سوال: تعلیق کے بعد تنجیز طلاق کا حکم | کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اول تو اپنی زوجہ کو یہ تحریر بھیجی کہ تم جو کہتی ہو کہ میں نے تم کو بارہ دن مکان میں بند رکھ کر بے آب و دانہ محبوس کیا اور مارنے کو تیار تھا اگر تم اس دعوی میں صادق ہو تو تم پر طلاق واقع ہے۔ یہ شرطیہ طلاق ہے پھر جب زوجہ کے اقرباء نے کہا کہ تم نے تو طلاق کا وعدہ کیا تھا یہ مہمل الفاظ کیوں لکھے تو زید نے برجستہ جواب دیا کہ آپ لوگ کیا کرتے رہے ہیں ہم نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے طلاق دیدیا ہے اب جھگڑا ہی کیا ہے بیسیوں بار گھر میں اور باہر یہ الفاظ کہئے اب طلاق ہوئی کہ نہیں۔

حکیم امانت اللہ ڈاکخانہ معونات بھجن محلہ ڈومن پورہ اعظم گڑھ

جواب: زید نے جو الفاظ بعد میں چار آدمیوں کے سامنے کہے ہیں ان سے تین طلاق مغلظہ واقع ہو گئیں۔
قال فی الدر ویبطل تنجیز الثلاث للحرة والثنتین للامة تعلیقه الثلاث او ما دونها
اھ (ص ۸۱۷ ج ۲) اور اس کا قول میں نے تو طلاق دیدیا ہے طلاق منجز ہے اس میں کوئی تعلیق نہیں۔

واللہ اعلم حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۔ ۱۰ محرم ۴۵ھ

سوال: تعلیق طلاق کی ایک خاص صورت کا حکم | کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عباس علی نے اپنی دختر مسماۃ فاطمہ کا نکاح شنامیاں سے کردینے کی بات طے ہو چکنے پر شنامیاں سے ایک اس قسم کا اقرار نامہ کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی کا مطالبہ کیا چنانچہ حسب طلب برضائے طرفین اقرار نامہ کا مسودہ ہوا اور شنامیاں و دیگر حاضرین کے سامنے پڑھ کر سنایا گیا مگر چونکہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کا ذمہ تھا۔ اور وہ دس دن کے اندر خرچ کے مہیا کرنے سے عاجز تھا لہذا اس نے بطور خود مہلت کی مدت میں اور دس روز کا اضافہ کرا دیا اور اقرار نامہ کے دس کے ہندسہ کو کاتب کے ہاتھ عقد سے پہلے بیس بنوا دیا۔ مگر اس بات کی خبر دوسرے کسی کو یہاں تک شنامیاں کو بھی نہیں کی اس کے بعد عقد ہوا۔ عقد ہو چکنے کے بعد نکاح خواں نے اقرار نامہ کا لپیٹا ہوا پرچہ ہاتھ لیکر بغیر پڑھے دولہا سے دریافت کیا کہ اقرار نامہ تم کو منظور ہے اس نے جی ہاں کہکر جواب دیا بعد ازاں دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے کابین نامہ کی رجسٹری ہوئی۔ یہ بھی واضح رہے کہ کاتب نے جس

وقت اقرارنامہ کے دس کے ہندسہ کو بیس ۲۰ بنایا اس وقت عباس علی وہاں موجود نہیں تھا اور نہ عباس علی کو لکھنا پڑھنا آتا ہے ۔ امی محض ہے صرف کاتب کی بات پر اعتبار کر کے دعویٰ کرتا ہے ۔ اب عباس علی کہتا ہے کہ ہم نے یہ کاروائی عقد سے پہلے کی تھی اور منظوری کے وقت اقرار نامہ میں بیس ۲۰ تھا اور کاتب بھی معترف ہے کہ عباس علی کے کہنے سے اس نے عقد اور منظوری سے پہلے دس کو بیس بنا دیا تھا اور ان کے خلاف کوئی ایسا گواہ جو یہ بتلا سکتا ہو کہ منظوری کے وقت بیس ۲۰ نہیں تھا بلکہ دس تھا اور انہوں نے یہ کاروائی عقد اور منظوری کے بعد میں کی اب اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہوگا عباس علی اور کاتب کی بات کی تصدیق کی جاویگی یا نہیں اور بانوے مذکورہ کو دس دن کے بعد بیس دن سے پہلے طلاق ہو جاوے گی یا نہیں ۔

تتمہ سوال :۔

جناب عالی میں نے کل گزشتہ ایک استفتاء حضرت کی خدمت میں بھیجا مگر پرچہ جو اس کے ہمراہ بھیجنے کے لئے لکھا تھا لفافہ میں استفتاء کے ہمراہ وہ پرچہ دینے کو بھول گیا اب گذارش یہ ہے کہ وہ استفتاء مذکورہ جس میں عباس علی کی بیٹی مسماۃ فاطمہ منکوحہ مسمی شنامیاں کی طلاق ہونے نہ ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا ۔ لہٰذا جہاں تک جلد ممکن ہو جواب با دلائل و حوالہ کتب لکھکر بھیج دیں ۔ کیونکہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ طلاق ہوگئی ۔ اس وجہ سے لوگ بہت تردد میں ہیں اور مسماۃ مذکورہ اب تک شنامیاں کے پاس رہتی ہے اور اس سے حاملہ ہوئی لہٰذا جلد جواب عنایت فرمادیں ۔ تاکہ اس کے مطابق عمل کیا جاوے ۔ والسلام ۔

نذیر احمد ۔ ڈاکخانہ لال موہن چرکسبیہ ضلع بریسال (بنگال)

الجواب :۔ قال صاحب البحر الرائق وفیھا (المحیط) دعا امرأتہ الی الوقاع فابت فقال متی یکون قالت غدا فقال ان لم تفعلی ھذا المراد غداً فانت طالق ثم نسیا حتی مضی الغد لایحنث وھذا یستثنی من قولھم ان المحلوف علیہ ناسیا یحنث والجواب ان الحنث شرطہ ان یطلب منھا غداً وتمتنع ولم یطلب فلا استثناء (ص۲۲ ج ۴) وھکذا فی الدر المختار وقال لایقع بدل لا یحنث وقال الشامی تحت (قولہ لایقع) لان الحنث شرطہ ان یطلب منھا غدا وتمتنع ولم یطلب بحر ونحوہ فی التتارخانیۃ عن المنتقی قلت ومقتضاہ ان النسیان لاتاثیر لہ ھنا لکن سیاتی فی الایمان تعلیلہ بان امکان البر شرط لبقاء الیمین بعد انعقادھا کما ھو شرط لانعقادھا خلافاً لابی یوسفؒ ولا یخفی مافیہ فان امکان البر محقق بالتذکر علی انہ یلزم ان یکون النسیان عذرا

فی عدم الحنث فی غیر ھذہ الصورۃ ایضاً وھو خلاف المنصوص فافھم (ص۳۳۸ ج ۲) وفی العالمگیریۃ (ص۱۰۶ ج ۲) سکران دعا امرأتہ الی فراشہ فابت فقال لھا ان امتثلت وساعدتنی والا فانت طالق فساعدتہ بعدما دعاھا فی المستقبل بعد الیمین لایحنث وان دعاھا فی المستقبل ولم تساعدہ حنث قال مولانا وینبغی ان یحنث اذا لم تساعدہ وان لم یجدہ الدعا لان الناس یریدون بھذا الامتثال للامر السابق اھ بحرالرائق وشامی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ عباس علی نے رجسٹری کا مطالبہ نہیں کیا اگر وہ مطالبہ کرتا اور پھر شنامیاں رجسٹری نہ کراتا تو طلاق واقع ہوتی لیکن اگر وہاں یہ عرف ہو کہ دوبارہ مطالبہ کئے بدون بھی ان الفاظ سے شنامیاں کے ذمہ رجسٹری کرانا لزوماً مفہوم ہوتا ہو تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع ہوگئی جیسا کہ عالمگیریہ کی روایت میں مصرح ہے۔ واللہ اعلم۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ سوال میں سائل نے لکھا ہے کہ رجسٹری کا خرچ عباس علی کے ذمہ تھا اور ظاہر یہ ہے کہ شنامیاں بھی اس کو جانتا تھا کہ خرچ میرے ذمہ نہیں۔ پس اس کابین نامہ کی اس عبارت کہ "اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا۔ تو مسماۃ پر تین طلاق ہو جائیں گی۔" کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا کہ شنامیاں سے اگر مطالبہ نہ کیا جاوے تو وہ خود اپنے خرچ سے رجسٹری کرا کے دے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ دس دن کے اندر اگر عباس علی اس سے رجسٹری کا مطالبہ کرے تو اس کا ساتھ دے اس سے انکار نہ کرے چونکہ عباس علی نے دس دن کے اندر مطالبہ ہی نہیں کیا اس لئے شنامیاں حلف میں حانث نہیں ہوا یہ جواب تو اس معنی پر ہے جو اس عبارت سوال سے ہم سمجھتے ہیں باقی اگر کچھ اور مطلب ہے تو یہ جواب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

اور ایک امر قابل تحریر یہ ہے کہ کابین نامہ رجسٹری کرانے کے متعلق جو اقرار نامہ ان[1] لفظوں سے لکھا ہے

---

[1] البتہ اگر یہ الفاظ ہوتے کہ اگر فلاں عورت سے نکاح کروں اور اتنے روز تک کابین نامہ رجسٹری نہ کرا دوں تو اس پر تین طلاق تو وہ تعلیق صحیح ہو جاتی کما فی العالمگیریہ (ص۲۷ ج ۲) التعلیق بصریح الشرط وھو ان یذکر حرف الشرط یوثر فی المرأۃ المعینۃ وغیر المعینۃ والتعلیل بمعنی الشرط یعمل فی غیر المعینۃ کما لو قال المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فلا یعمل فی المعینۃ فان قال ھذہ المرأۃ التی اتزوجھا فھی طالق فتزوجھا لاتطلق کذا فی معراج الدرایۃ

(کہ اگر اس نے عقد کے بعد دس دن کے اندر کابین نامہ رجسٹری کرا کے نہ دیا تو مسماۃ مذکورہ کو تین طلاق ہو جاوے گی) وہ اقرار نامہ یعنی یہ تعلیق طلاق صحیح نہیں ہوئی تھی اگر فقط اس تحریر کے بعد نکاح ہو جاتا اور کابین نامہ کی رجسٹری نہ ہوتی تو طلاق نہ ہوتی لیکن عقد کے بعد اس اقرار نامہ کو منظور کرنا انشاء تعلیق قرار دی جاوے گی اور چونکہ اس کو یعنی زوج کو دس ہی روز کی تعلیق کا علم تھا اس لئے دس روز پر معلق ہوگا۔ اگر عقد کے بعد منظوری کیوقت زوج کو اس تغیر کی اطلاع ہو جاتی تو بیس روز کی تعلیق صحیح ہو جاتی اور اب چونکہ دس روز کی تعلیق صحیح ہے اس لئے اسی شرط کے وقوع پر طلاق واقع ہو جاوے گی اور اس شرط کا وقوع ہونے یا نہ ہونے کی تفصیل اوپر معلوم ہو چکی ہے۔ والروایات هذه فی الدر، ویکفی معنی الشرط الا فی المعینة باسم او النسب او اشارة فلو قال المرأة التی اتزوجها طالق تطلق بتزوجها ولو قال هذه المرأة الخ لتعریفها بالاشارة فلغا الوصف وقال الشامی تحت (قوله باسم او النسب) الذی فی البحر وغیره ونسب بالواو وقال فلو قال فلانة بنت فلان التی اتزوجها طالق فتزوجها لم تطلق اه ای لانه لما لغا الوصف بالتزوج بقی قوله فلانة بنت فلان طالق وهی اجنبیة ولم توجد الاضافة الی الملک فلا یقع اذا تزوجها (قوله او اشارة) التعریف بالاشارة فی الحاضرة و بالاسم والنسب فی الغائبة حتی لو کانت المرأة حاضرة عند الحلف لا یحصل التعریف بذکر اسمها ونسبها و لا تلغو الصفة ویتعلق الطلاق بالتزوج الخ (ص ۸۱۳ ج ۲) وقال الشامی ایضاً وکذا کل کتاب لم یکتبه بخطه ولم یمله بنفسه لا یقع الطلاق مالم یقر انه کتابه اھ ملخصاً (ص ۸۲۲ ج ۲) وفی العالمگیریہ (ص ۱۱۶ ج ۲) رجل اراد السفر فحلفه صهره وقال ان غبت بعد هذا عن امرأتک فلم ترجع الیها عند رأس الشهر فامرأتک طالق فقال الختن بالفارسیة هست، ولم یزد علی ذلک ثم غاب اکثر من شهر طلقت امرأته لانه اجاب کلام الصهر والجواب یتضمن اعادة ما فی السوال فتطلق امرأته کذا فی فتاوی قاضی خان اھ واللہ اعلم بالصواب۔

تنبیہ: حمل کے متعلق بصورت عدم وقوع طلاق تو سوال کی ضرورت ہی نہیں اور اگر وہاں کے محاورہ میں یہ الفاظ موجب طلاق ہوں تو حمل سے سوال دوبارہ کیا جاوے۔ احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ ۲۵ ذوالقعدہ ۵۳ھ

الجواب صحیح : ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۲۶ ذیقعدہ ۴۳ھ

اس کہنے کا حکم کہ فلاں کام نہ کروں تو مجھ پر زن طلاق ہے

سوال :- بحضور حضرت مولانا داولانا عم فیوضہم معروض یہ ہے کہ ایک شخص کی مویشی چوری ہوئی ایک معزز نے چوروں کے پاس جاکر کہا کہ مویشی واپس کردو چوروں نے کہا کہ ہم واپس کردیں گے ۔ چار ماہ تک یہی کہتے رہے بعد چار ماہ کے انہوں نے کہا کہ ہم نہیں دیتے تب اس معزز نے بسبب غصہ کے اپنے جی میں کہا کہ میں بھی ان چوروں کا اتنا ہی نقصان کردوں گا جتنا انہوں نے کیا ہے ۔ اگر نہ کردوں گا تو مجھ پر زن طلاق ہے اب معزز کو اللہ میاں سے خوف آگیا کہ چوری کا کام کیوں کروں اب ملتمس ہوں کہ ان الفاظ کا کیا حکم ہے؟ فقط

تنقیح :- اس کا کیا مطلب ہے آیا صرف دل میں خیال کیا زبان کو حرکت نہیں ہوئی یا زبان سے بھی مگر آہستہ کہا کہ اور کسی نے نہیں سنا نیز طلاق کا کوئی عدد بھی کہا یا نہیں ؟

جواب تنقیح : حضور سائل سے دریافت کیا گیا سائل نے زبان کو حرکت بھی دی بلکہ ایک دو کے روبرو یہ لفظ کہا اور ایک دفعہ کہا ہے صرف ۔

الجواب :-

فی العالمگیریۃ (ص ج ۳) وان حلف لیفعلن کذا یبرأ بالفعل مرۃ واحدۃ سواء کان مکرھا فیہ او ناسیا او وکیلا عن غیرہ فاذا لم یفعل لا یحکم بوقوع الحنث حتی یقع الیأس من الفعل وذلک بموت الحالف قبل الفعل فیجب علیہ ان یوصی بالکفارۃ او بفوت محل الفعل کما لو حلف لیضربن زیدا او لیاکلن ھذا الرغیف فمات زید واکل الرغیف قبل اکلہ یحنث الخ

اس سے معلوم ہوا کہ اگر یہ شخص ان چوروں کا نقصان نہ کرے اور ان میں سے کوئی مرجاوے تو ایک طلاق رجعی واقع ہوجاوے گی اور اگر وہ چور زندہ رہیں تو عمر بھر طلاق واقع نہ ہوگی لیکن اس معزز کی موت کے وقت طلاق واقع ہوجائے گی ۔ واللہ اعلم ۔ احقر عبد الکریم عفی عنہ ۔

خانقاہ تھانہ بھون ۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۔

یکم شعبان ۴۴ھ

بیوی کے ہاتھ کے پکائے ہوئے کھانے کے ساتھ تعلیق طلاق کی ایک صورت کا حکم

(سوال) (۱) کوئی شوہر بی بی سے لڑائی کیا اور بی بی پکانے جارہی تھی اسوقت یوں بولا تم مت پکاؤ تمہاری ہاتھ کا پکایا ہوا چیز ہم کھانیسے تم طلاق ہو جاویگی۔ یا یوں بولا اگر کھائے تو تمپر طلاق ابھی یا جب یا ہمیشہ اب تو کوئی لفظ جیسے ہمیشہ یا جب کھائے تو طلاق ہوئے استعمال نہیں کیا اب سوال یہ ہے کہ (۱) جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں (۲) اگر شوہر کا لفظ یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھائے تو طلاق ہوئے (۳) اگر ہمیشہ لفظ یعنی جب کھائے تب ہوئے (۴) اگر کچھ لفظ خاص نہیں تھا صرف اوپر بیان کیا گیا ویسا بولا۔ تب جب کھائے تب طلاق ہوتا یا نہیں۔

فدویم

محمد سید عتیق اللہ وکیل

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اگر شوہر کی نیت یہ ہے کہ اسدن یا اسوقت کھاؤں تو طلاق۔ تو اسدن یا اسوقت کے بعد اسکے ہاتھ کا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ ہوگی اور اگر ہمیشہ کی نیت تھی تو جب کھائیگا اسیوقت طلاق ہو جاویگی لیکن ایک طلاق واقع ہونیسے یہ تعلیق ختم ہو جاویگی کیونکہ تعلیق بلفظ اگر ہے کلما کیساتھ نہیں جو عموم فعل وتکرار کو مفید ہو پس ایک طلاق واقع ہونیکے بعد دوبارہ اسکا پکایا ہوا کھانیسے طلاق نہ پڑیگی۔ اور ایک طلاق سے نکاح میں نقصان نہیں آتا جب کہ عدت کے اندر اندر رجوع کرلیا جائے اور کچھ نیت نہ تھی تو بظاہر اس کلام سے متبادر یمین الفور ہے جو اسیوقت اور اسی حالت کے ساتھ مقید ہوتی ہے جسمیں یمین صادر ہوئی اسکے بعد کیساتھ یمین کا تعلق نہیں ہوتا وقال الشامی فی یمین الفور تھیأت للخروج فقال لا تخرجی و حلف فاذا جلست ساعۃ وخرجت لا یحنث لان قصدہ منعھا من الخروج الذی تھیأت لہ فکأنہ قال: ان خرجت الساعۃ و ھذا اذا لم یکن لہ نیۃ فان نوی شیئا عمل بہ شرنبلالیہ اھ (ص۱۲۹ ج ۳) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ ۔ ۱۱ رمضان ۴۶ھ

طلاق معلق بلفظ "اگر" میں مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے اس لئے دوسری مرتبہ نکاح کرنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں صورت کہ عبدالمالک تعلقدار نے اپنا نکاح مسماۃ خیرالنساء سے کیا اور اس بی بی کو کابین نامہ چند شرائط کا دیا جسمیں یہ شرط بھی تھی کہ تمہارے زمانہ نابالغی سے تا زمانہ بلوغ یعنی تمہاری زندگی میں دوسرا نکاح کوئی نہیں کرونگا اگر دوسرا کوئی نکاح بیاہ کیا تو زوجہ ثانیہ پر تین طلاق واقع ہوگی اور وہ مجھ پر حرام ہوگی۔ پھر بعد چند مدت بوجہ ضرورت اُس نے دوسرا نکاح کر لیا اولیاء زوجۂ اول نے اس عقد ثانی کی خبر سنکر اُس کابین کی شرط کو دکھلایا کہ یہ ثانی بی بی پر تو طلاق ہوگئی پھر اس کے بعد زوج مذکور الصدر نے اس شرط کی واپسی لکھوالی کہ اب بخوشی دوسرا نکاح کرلیں اسمیں مجھکو کچھ عذر نہیں بعد ازاں عبدالمالک نے عقد ثالث کیا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زوجہ ثالثہ پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں اگر ہوئی ہے تو عبدالمالک کیلئے حلال ہونیکی کیا صورت ہے؟ بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زوجہ ثالثہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ یہ طلاق معلق بلفظ اگر ہے جو ترجمہ اِن و اِذا کا ہے جس کا حکم یہ ہے کہ مرۃ واحدہ سے یمین منحل ہوجاتی ہے قال فی العالمگیریہ: الفاظ الشرط ان، واذا، واذاما وکل، وکلما، ومتی، ومتی ما، ففی ھذہ الالفاظ اذا وجد الشرط انحلت الیمین وانتھت لانھا لا تقتضی العموم والتکرار فبوجود الفعل مرۃ تم الشرط وانحلت الیمین فلا یتحقق الحنث بعدہ الا فی کلما لانھا توجب عموم الافعال اھ (ص ۹۴ ج ۲) قلت وفی الصورۃ المسئولۃ لیس الطلاق بمعلق بکلما کما ھو الظاھر من الفاظ السوال، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ، رمضان ۴۶ھ

وقوع شرط میں شبہ اور تردد ہو تو طلاق نہ ہوگی

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین دریں مسئلہ کہ زید نے عمرو سے بطور حلف کے کہا اگر میں نے تمہاری کوئی شکایت تمہارے مکان والوں سے بغرض نقصان پہونچانے کے کی ہو تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت سے خارج ہوں اور نکاح کرتے ہی طلاق ہو اور حلف کھاتے وقت یقین تھا کہ کوئی شکایت نہیں کی اور بعد میں کوئی لفظ شکایت کا معلوم ہوجائے یعنی یمین لغو کی صورت ہو تو کیا حکم ہے۔ اور اگر اطمینان کیلئے

احتیاطاً شافعی المذہب پر اعتقاد رکھے تو جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

ففقط عبدالصمد میمن سنگی۔

الجواب:۔ جب تک غلبۂ ظن بالیقین شکایت کرنیکا نہ ہو اسوقت تک یہ کلام موجب وقوع طلاق بر منکوحہ نہیں۔ پس تردد سے منکوحہ پر طلاق نہ ہوگی اور اگر یمین کے وقت یقین یا غلبۂ ظن تھا کہ شکایت نہیں کی اسی بنا پر قسم کھالی بعد میں معلوم ہوا کہ شکایت کی تھی تو دیانۃً یہ حلف موجب طلاق منکوحہ نہوگا ہاں قضاءً موجب طلاق ہو جائیگا۔ فان القاضی لا یقبل الا الظاهر و المرأة کالقاضی۔ اور اگر حلف کیوقت غلبۂ ظن یا علم شکایت کرنیکا تھا تو اب اپنی اطمینان کیلئے شافعی المذہب پر اعتقاد رکھنا اس شرط سے جائز ہے کہ نکاح بھی کسی شافعی عورت سے کیا جائے۔ حنفی عورت سے اس مسئلہ میں مذہب شافعی پر اعتقاد کرکے نکاح جائز نہیں کیونکہ منکوحہ کے مذہب میں نکاح کیساتھ ہی طلاق واقع ہو چکی ہے تو عورت کو اُسکے مذہب کے خلاف کا مرتکب بنانا اور دھوکہ میں رکھنا جائز نہیں۔ اس صورت میں اگر حنفی عورت سے نکاح کیا جائے تو فضولی کو واسطہ بنایا جائے جسکی تفصیل زبانی عالم محقق سے معلوم ہو سکتی ہے یا اولیاء زوجہ سے اس واقعہ کو بیان کرکے یہ کہا جائے کہ میں نے ایسا حلف کر لیا تھا جسکی وجہ سے منکوحہ پر نکاح کرتے ہی ایک طلاق بائن واقع ہو جائیگی اس لئے منکوحہ کو بھی اسکی اطلاع کردی جائے اور نکاح دو مرتبہ کیا جائے پہلی دفعہ نکاح کرکے طلاق واقع ہوگی دوبارہ اسی عورت کی اجازت سے پھر نکاح کیا جائے گا تو اب دوبارہ طلاق کا وقوع نہوگا کیونکہ حلف میں کوئی لفظ ایسا نہیں جو کلما کی طرح موجب تکرار طلاق ہو اور نہ اُسمیں عددِ ثلاث کا ذکر ہے، و اللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ رمضان ۴۶ھ

حکم تعلیق طلاق بلفظ جو عورت میں نکاح میں لاؤنگا مجھ پر طلاق ہے۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے تعلیق کردی ایسے طور سے کہ زید نے کہا اگر میں یہ فعل کرونگا تو جو عورت میں نکاح میں لاونگا۔ مجھ پر طلاق ہے اب اس سے وہ فعل تین چار مرتبہ صادر ہوا۔ تو آیا جو عورت طلاق ہو جاویگی وہ مطلقہ ہوگی ساتھ طلاق رجعی کے یا مغلظ ہوگی۔ اور اگر تعلیق سے پہلے اس کا منکوحہ ہو تو

وہ مطلقہ ہوتی ہے یا نہ اور اگر مطلقہ ہوتی ہے تو مطلقہ رجعی ہوتی ہے یا مغلظہ؟ بینوا توجروا
المعروض کمترین عبدالرزاق از مدرسہ میرٹھ صدر بازار۔

الجواب: اگر زید نے تعلیق مذکور میں یہی کہا ہے جو سوال میں مذکور ہے کہ مجھ پر طلاق ہے تو یہ کلام لغو ہے اس سے یہ تعلیق طلاق نہیں ہوئی اور اس صورت میں کسی عورت سے نکاح پر طلاق کا وقوع نہ ہوگا نہ رجعی کا نہ بائن کا فقد صرح الفقهاء بانه ان قال انا منك طالق لم يقع وان نوى وان قال انا منك بائن يقع به بائنة ان نوى (در صہ ۶۳۲ ج ۲) اور اگر یہ کہا ہے کہ اس پر طلاق ہے تو سوال واضح کر کے دوبارہ کیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۱ شوال ۴۶ھ

بصورت تعلیق اگر عدد طلاق میں شوہر کو شک ہو اور بیوی کہتی ہو کہ شوہر نے تین طلاق کہا تھا تو طلاق رجعی واقع ہوگی یا مغلظہ جبکہ شرط پائی گئی ہو۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء کرام اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ یہ کہتی ہے کہ تو نے تین طلاق کو کہا تھا زوج طلاق دینے کا اقراری ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ مجھے تین طلاقیں معلق کرنیکا شک ہے میں یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ تین طلاقیں معلق کی ہیں ہاں ایک طلاق ضرور دی ہے دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس صورت میں تین طلاق رجعی متصور ہے یا مغلظہ؟ بینوا توجروا
عبدالرحیم موضع نگلہ ضلع میرٹھ

الجواب: صورت مذکورہ میں جب عورت کو تین طلاقیں معلق کرنے کا یقین ہے تو اس مرد سے علیحدگی واجب ہے اسکو اسکے ساتھ رہنا جائز نہیں بلکہ عدت کے بعد جس سے چاہے نکاح کرلے پھر اگر دوسرا شخص بعد دخول کے طلاق دیدے تو زوج اول سے نکاح کر سکتی ہے بعد عدت ثانی کے اور یہ جب ہے کہ عورت کو تین طلاق کا یقین ہو اور اگر اُسکو بھی شک ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے۔ رہا یہ کہ مرد تین طلاق کا منکر ہے اور اسکو اس میں شک ہے تو اس اختلاف کا فیصلہ مفتی نہیں کر سکتا بلکہ قاضی اسلام کر سکتا ہے یا وہ مسلمان شخص جس کے پاس فریقین فیصلہ کیلئے مقدمہ پیش کریں اور وہ قاعدہ شرعیہ کے موافق تحقیق کرکے

فیصلہ[عہ] کرے مگر جب عورت کو تین طلاق کا یقین ہو تو اُسکو قاضی یا محکم کے پاس مرافعہ جائز نہیں جب کہ زوج سے علیحدہ ہو جانے پر قادر ہو ہاں اگر زوج سے علیحدہ ہونے پر قادر نہ ہو تو مرافعہ کرنا چاہئے پھر اگر فیصلہ عورت کے قول پر نہ ہو تو عورت کو گناہ نہ ہوگا بلکہ زوج کو گناہ ہوگا اگر وہ کاذب ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۱۲ / شوال ۴۶ھ

تعلیق طلاق باداء دین کی ایک صورت کا حکم

(سوال) مدیون نے وعدہ کیا کہ دائن کو مبلغ للعہ ماہ بھادوں میں یکمشت ادا کر دونگا بلا عذر اگر اسوقت ندوں تو میری عورت پر تین طلاق پڑجائے اھ ماہ بھادوں قبل کچھ مدت کہا کہ دائن کی برادرزادی جو کہ میری بہو ہے وہ چالیس روپیہ میری مکان سے چوری کر کے لیگئی اور دائن کو دیدیا جو کہ اسکا چچا ہے مگر چوری کا ثبوت ابتک نہیں ہوا عوام نے اور نیز چند مولویوں نے مجلسیں کیں مگر شور و شغب ہوگیا اور کچھ ثابت نہ ہوا، اب عرض ہے کہ سرقہ ثابت ہو کر دائن کو روپیہ ملجانا بھی ثابت ہو جائے یا سرقہ ہی ثابت ہو تو ان دونوں صورتوں میں تعلیق طلاق کا کیا حکم ہوگا بصورت عدم ثبوت سرقہ و عدم وصول دین الی الدائن وقوع جزا تو ظاہر ہے مگر بصورت ثبوت بھی راجح وقوع جزا ہی معلوم ہوتا ہے کیونکہ مدیون کی عبارت (یکمشت ادا کر دونگا) میں نسبت ایصال الی نفسہ ہے اور بصورت ثبوت سرقہ وصول دراہم الی الدائن ایصال من نفسہ نہ پایا گیا حالانکہ وہ ایصال پر قادر تھا اگرچہ وہ مال مسروقہ کے سوا دوسری دراہم دیدیتا سوال کے قیود کو ملحوظ فرما کر جواب سے مسرور الوقت فرمائیں۔

عبدالسلام ڈاکخانہ بنچے رامپور معرفت پوسٹماسٹر ضلع تپرہ[عہ] ملک بنگلہ

عہ اور اگر یہ حکم عورت کے خلاف فیصلہ کرے اور عورت کو تین طلاق کا یقین ہے قلت فھی کما قضی القاضی بعدم وقوع الثلث لعدم الشہادۃ وھی متیقنۃ بالثلث فان المحکم کالقاضی الا فی الحدود والقصاص قال الشامی وفی البزازیۃ عن الاوزجندی انہا ترفع الامر للقاضی فان حلف ولا بینۃ لہا فالاثم علیہ اھ قلت ای اذا لم تقدر علی الفداء او الھرب ولا علی منعہ عنہا فلا ینافی ما قبلہ اھ (ص۔ ج۲) قلت قولہ اذا لم تقدر الخ قید لقولہ ترفع الامر الی القاضی ومفادہ انہا لا ترفع الامر الی القاضی اذا قدرت علی احد الامور المذکورۃ واللہ اعلم۔ ظفر

عہ آجکل اس ضلع کا نام کملا ہے۔ دلاور حسین کملائی۔

الجواب: ہاں الفاظ تعلیق کے ظاہری مقتضا تو وہی ہے جو سائل نے سمجھا ہے لیکن بدلالت حال یہ تعلیق محتمل تخصیص کو ہے جسکی نظیر یہ ہے جو فقہاء نے باب الیمین میں بیان کی ہے لو حلف لیخبرن الوالی بکل داعر یدخل فی البلد فعزل الوالی فلا یحنث بترك الاخبار لانه مقید بحال ولایته ایسے ہی یہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ حالف کا یہ کہنا کہ دائن کو بھادوں میں للعہ یکشمت ادا کردونگا اگر نہ دوں تو بیوی پر تین طلاق پڑ جائے اھ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ اگر دائن کسی ذریعہ سے خود اس رقم کو میرے مال سے وصول نکرے، کیونکہ ظاہر ہے کہ اگر دائن اسکے مال میں سے للعہ خود سرقہ کرلیتا تو اس صورت میں حالف بوجہ عدم اداء کے حانث نہوتا کیونکہ حالف نے اداء دین کی بابت حلف کیا ہے اور اس صورت میں وہ مدیون نہیں رہا اسیطرح اگر دائن نے خود سرقہ نہیں کیا بلکہ کسی دوسرے نے حالف کے مال میں سے للعہ چرائے اور دائن کو دیدئے اور دائن کو سرقہ کا حال معلوم ہے تو اس کے ذمہ اس کا اظہار واجب ہے اور بصورت کتمان وہ بھی سارق ہوا لہذا مدیون دین سے بری ہو جائے گا اور عدم اداء سے حانث نہوگا یہ اس صورت میں ہے جب کہ سرقہ کا واقعہ صحیح ہو اور اس رقم مسروقہ کا دائن کے پاس پہونچنا محقق ہو جائے گو شہادت سے ثبوت نہو مگر حالف کے نزدیک یہ امر محقق ہو چکا ہو اگر ایسا نہ ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے، **واللہ تعالیٰ اعلم۔**

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون ۲۶ رجب ۴۷ھ

تعلیق طلاق کی ایک صورت

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور نکاح کے کچھ عرصہ بعد اقرار نامہ ایک روپیہ کے کاغذ پر تحریر کیا جسکی عبارت مقصودہ بعینہ نقل کیجاتی ہے:

اقرار کرتا ہوں کہ زوجہ، خود اور موجودہ بچہ کی پرورش کا خرچ حسب حیثیت خود ماہ بماہ ہر ایک ماہ کی یکم تاریخ کو ان کے والدین کے نام بذریعۂ منی آرڈر روانہ کرتا رہونگا کوئی ماہ ناغہ نہ کرونگا بصورت عدم ادائیگی خرچ مقررہ بالا مسلسل تین ماہ متواتر روانہ نہ کروں تو زوجہ میری اسیوقت میری جانب سے مطلقہ متصور کی جاویگی اور زوجہ میری مذکور کو اختیار ہوگا کہ وہ مجھ سے دوری علیحدگی اختیار کرے اور اسکے والدین کو اختیار ہوگا کہ وہ برائے آئندہ اسکی

تجویزِ ثانی بمرضی خود جائے دیگر کردے میں اوسمیں کوئی عذر اعتراض نہ کرونگا اگر کرونگا تو وہ میرا عذر روبروئے برادری واہل محلہ وحکام وقت قطعی قابل سماعت نہ ہوگا } اور ساتھ ہی پورے اصل اقرار نامہ کی نقل بھی روانہ کیجاتی ہے جسمیں سے یہ عبارت روانہ کیگئی ہے } یہ اقرار نامہ ۸ر اگست ۱۹۲۶ء کو لکھا گیا۔ زید نے اکتوبر ۱۹۲۶ء کے آخر میں جبکہ تین ماہ گزرجانے والے تھے محض مبلغ صہ ر پانچ روپیہ عورت کے والدین کے نام روانہ کئے اُس سے پہلے بالکل روانہ نہیں کیا اب یہ دوسری سہ ماہی گزررہی ہے ابھی تک کچھ روانہ نہیں کیا ہے۔ لائق سوال یہ امر ہے کہ عبارت بالا کے اعتبار سے اس عورت پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں اور کس صورت میں تین طلاق واقع ہوگی؟ فقط۔

حافظ محمد غوث محلہ اندرکوٹ توپچی واڑہ شہر میرٹھ

الجواب:۔ بغیر خرچ بھیجنے کے کوئی سہ ماہی گزرجائیگی تو زید کی زوجہ پر طلاق واقع ہوجائیگی اسوجہ سے کہ زوج کہہ سکتا ہے کہ سہ ماہی گذشتہ میں میری حیثیت پانچ ہی روپیہ کی تھی ہاں اگر حیثیت کی مقدار معین کرکے وقوع طلاق کو معلق کرتا اسکے نہ بھیجنے پر تو مقدار سے کم بھیجنے پر طلاق واقع ہوجاتی ہے لہذا زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ اجابہ وکتبہ حبیب المرسلین عفی عنہ نائب مفتی مدرسہ امینیہ دھلی۔

صورت مندرجہ سوال میں زید کی زوجہ مطلقہ ہوگی کیونکہ زید کہتا ہے کہ ہر ماہ کی یکم کو ماہ بماہ خرچ بھیجا کروں گا اور مسلسل متواتر تین ماہ روانہ نہ کروں تو مطلقہ متصور ہوگی جبکہ زید نے اوّل ماہ کی یکم کو اور دوسرے ماہ کی یکم کو اور نہ تیسرے ماہ کی یکم کو خرچ نہیں بھیجا تسلسل تواتر جاتا رہا شرط کا تحقق ہوگیا طلاق پڑگئی۔ ہدایہ میں ہے واذا اضافہ الی شرط وقع عقیب الشرط۔ واللہ اعلم ریاض الدین عفی عنہ

ہمارے نزدیک پہلا جواب صحیح ہے کہ زید کی زوجہ پر ابتک طلاق واقع نہیں ہوئی کیونکہ مسلسل تین ماہ خرچ روانہ نہ کرنا اسوقت صادق آسکتا ہے جبکہ پورے تین مہینے بدون خرچ بھیجے گزرجائیں اور صورت مسئولہ میں اگست کا مہینہ ناقص ہے اور اکتوبر میں خرچ آہی گیا اور عرف یہ ہے کہ جس مہینے کے اندر کوئی معاملہ ہوتا ہے تو ابتدار

اُسی تاریخ سے ہوتی ہے پس لازم ہے کہ اس مہینہ کی آٹھ تاریخ سے تیسرے مہینہ کی آٹھ تاریخ تک زمانہ بدون خرچ بھیجے گزرجاتا تو طلاق واقع ہوجاتی مگر یہاں تو اس مدت کے اندر ہی خرچ آگیا ہے لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اب دوسری سہ ماہی کی ابتداء ۸ ر نومبر کے بعد سے ہوگی خرچ پہونچنے کی تاریخ سے نہ ہوگی کیونکہ بظاہر زید نے یہ خرچ ایک سہ ماہی کا بھیجا ہے اور چونکہ اقرار نامہ میں خرچ کی مقدار کو واضح نہیں کرایا گیا بلکہ زید نے اس کا معیار اپنی حیثیت پر رکھا ہے اسلئے اسکو یہ گنجائش ہے کہ اس خرچ کو پوری سہ ماہی کا خرچ بتلائے اگر عورت زید کی حیثیت اس سے زائد سمجھتی ہے تو حکومت سے مرافعہ کرے کہ اس اختلاف کا فیصلہ حکومت ہی کرسکتی ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۵ رمضان ۴۷ھ

شوہر کابین نامہ میں لکھدے کہ زوجۂ اولیٰ کی زندگی میں بدون اذن زوجہ و اولیاء زوجہ نکاح کردوں تو زوجہ ثانیہ طلاق مطلقہ ہوگی۔ پھر شوہر صرف بیوی سے اجازت لیکر نکاح کرے تو الخ۔

(سوال) السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ اما بعد معروض خدمت اقدس ہے کہ حسب تحریر جناب صورت مسئولہ کے متعلق کابین نامہ کی بنگالہ عبارت اور بعینہٖ اردو ترجمہ مع تقریر فریقین پیش خدمت ہے امید قوی کہ مع الدلائل جواب تحریر ہوویگا اور حضور پرنور کے دستخط مبارک سے مزین فرمایا جاویگا دیگر عبارت کابین نامہ کی مسئلہ مبحوث عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھتی وہ بالکل علیحدہ باتیں ہیں لھذا تحریر نہیں کیگئی۔

العارض احقر الناس محمد عبد الغنی غفر لہ ولوالدیہ ۲۱ر دسمبر ۲۶ء

مافوق لکم رحمکم اللہ تعالیٰ: اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کی کابین نامہ میں چند شرائط لکھدے انمیں سے ایک یہ ہے کہ آپکے زندہ رہتے ہوئے میں دوسرا کوئی نکاح نہیں کرونگا اور سریہ نہیں رکھونگا اور نکاح فضولی نہیں کرونگا اگر کروں یا رکھوں ظاہر ہوتے ہی وہ عورتیں (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے۔ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کرنیکی ضرورت ہوئے تو آپ اور آپکے اولیاء سے علیحدہ علیحدہ اذن لیکر کرونگا۔

بعد مدت کے اس شخص نے بلا اذن ولی کے فقط زوجہ سے اذن لیکر دوسرا نکاح کیا ہے اب اس دوسری زوجہ کی طلاق پڑنے میں علماء دو فریق ہیں۔ ایک فریق ایک طلاق بائن

کہتے ہیں۔ دوسرا فریق طلاق ثلثہ مغلظ فرماتے ہیں۔

(تقریر فریق اوّل یعنی قائلین واحد طلاق بائن)

یہ ہے کہ صورت مرقومہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگی کیونکہ جملہ (۱) (۲) (۳) طلاق ہوئے تفریق طلاق ہے اور طلاق غیر مدخول بہا کی تفریق طلاق سے ایک طلاق بائن ہوتی ہے بدلیل۔ قال لزوجته غیر المدخول بها انت ثلاثا وقعن وان فرق بوصف نحو انت طالق واحدة واحدة واحدة او خبر نحو انت طالق طالق طالق او جمل نحو انت طالق انت طالق انت طالق بانت بالاولیٰ ولم تقع الثانیة والثالثة۔ (در مختار مع رد المحتار)

(تقریر فریق ثانی یعنی قائلین ثلاثہ مغلظہ یہ ہے)

کہ صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ مغلظ واقع ہوگی دو وجہ سے (وجہ اول) یہ ہے کہ صورت مسئولہ کو انت طالق واحدة واحدة واحدة پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے کیونکہ اسمیں تین احاد کو جداگانہ کہا ہے اور صورت مسئولہ میں تین احاد کو جمع کرتے ہوئے کہا ہے یعنی (۱) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۲) اور (۲) کیساتھ اور (۱) جمع کرکے (۳) کہا گیا۔ اور آخر کلام مغیر ہے واسطے اول کلام کے پس ۱-۲-۳- طلاق کے لفظ سے مجموعہ تین طلاق دفعۃً واقع ہونگی نہ متفرق طور پر کیونکہ تفریق طلاق پر محمول ہونیکے لئے یہ شرط ہے کہ آخر کلام مغیر اول کلام کا نہو جیسا کہ فتح القدیر۔ مصری ج ۳ ص ۳۹۲ میں ہے۔ قولہ وان فرق الطلاق بانت بالاولیٰ ولم یقع الثانیہ) وذلك كقوله انت طالق طالق طالق لانه ليس فى اخر الكلام ما يغير اوله ليتوقف اوله فلم يقع بطالق الاول شئ فان قيل لو قال بالواو طالق وطالق وطالق او طالق واحدة وواحدة وواحدة فالحكم كذلك مع ان الواو للجمع وهو يغير حكم التفريق اذ الحاصل به كالحاصل بطالق ثلاثا وحكمها مختلف لان فى التفريق تبين بواحدة فينبغى ان يتوقف الصدر فيقع الثلث كما قال مالكؒ واحمدؒ قلنا الجمع الذى يباين التفريق حكمًا هو الجمع بمعنى المعية المغير له كلفظ ثلاثا ونحوهٗ وليس الواو للجمع بهذا المعنى الخ اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ لفظ ثلاثا مغیر تفریق ہے پس واحدةً کے بعد اگر ثلاثاً مذکور ہو تو فقط واحدة سے ایک طلاق واقع نہوگی

بلکہ ثلاثاً پر موقوف رہنے کیوجہ سے مجموع تین طلاق واقع ہوگی جیساکہ صورت مسئولہ میں ہے۔
سوال۔ یہ تو تنجیز طلاق میں ہے اور صورت مسئولہ تو تعلیق طلاق ہے اور شرط و جزا ایک
کلام ہے اور اسمیں اخیر کلام (جزا) اول کلام (شرط) کا مغیر نہیں ہے جواب ا۔۲۔۳۔
طلاق کا لفظ جب حکم میں تفریق کے نہیں ہے بلکہ حکم میں جمع کے ہے تو صورت تعلیق میں اسکا حکم
بعینہٖ ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثاً کے حکم میں ہوگا یعنی بعد وجود شرط کے تین
طلاق واقع ہونگی کما لایخفیٰ (وجہ ثانی) یہ ہے کہ قاعدۂ مسلمہ فقہیہ ہے الطلاق یقع بعدد
قرن بہ لا بہ نفسہ اور ولا بد من کون العدد متصلاً بالایقاع۔ درمختار
مع رد المحتار ج ۲ ص۴۹۴ مصری، بحر الرائق مصری ج ۳ ص۳۱۵ ۔ اور صورت مرقومہ
میں ایقاع کے لفظ (یعنی طلاق ہوئے) کیساتھ ۳ کا عدد متصل ہے نہ ا۔ اور ۲۔ پس ۳ ہی
موثر ہوگا نہ ۔ ا۔ اور ۲ ۔ پس طلاق ثلاثہ مغلظ واقع ہوگی۔ سوال۔ ا۔ اور ۲ کے عدد سے
ا۔ طلاق ۔ ۲ طلاق مراد ہے پس ۔ا ۔ اور ۲ بھی متصل با لطلاق ہے جواب فقہ کا متفق
قاعدہ ہے الوقوع بلفظہ لا بقصدہ درمختار ۔ا۔ اور ۲ کیساتھ جب طلاق ملفوظ نہیں
مراد اور مقصود ہونے سے وقوع طلاق میں ہرگز موثر نہیں ہوگا ۔ انتھی۔ اب معروض خدمت
اقدس ہے کہ کس فریق کا حکم صحیح اور نافذ ہے بادلائل تحریر فرماکر بندگان خدا کو ورطۂ ہلاکت
سے نجات دیویں! جزاکم اللہ تعالیٰ خیراً۔

الجواب: فریق ثانی کا جواب صحیح ہے یعنی صورت مسئولہ میں طلاق ثلثہ کی تعلیق
ہوئی تھی اور وجود شرط کیوقت ہر سہ طلاق مجموعۃً واقع ہوگئیں اور فریق اول نے جو قاعدہ
نقل کیا ہے وہ صحیح تو ہے لیکن اسمیں کلام ہے کہ صورت مسئولہ میں جو الفاظ تحریر کئے گئے
ہیں وہ تفریق طلاق پر دال ہیں یا نہیں اور اُردو کے الفاظ کو عربی پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے
کیونکہ دونوں کا محاورہ عدد معدود کے استعمال میں مختلف ہے اور اُردو فارسی کا محاورہ اس
باب میں متحد ہے اسلئے فارسی پر قیاس کیا جاویگا اور فارسی کے جزئیہ کا حکم خلاصۃ
الفتاوی ص۸۰ ج ۲ میں صریح موجود ہے قال وکذا لو قال اگر فلانہ بزنی کنم
از من بیک طلاق و دو طلاق و سہ طلاق فتزوجھا تطلق واحدۃ ولو قال بیکی و
دو و سہ طلاق ثم تزوجھا یقع الثلاث و تمام ھذا فی خزانۃ
الواقعات اھ اور جب صریح جزئیہ موجود ہے تو قواعد میں غور کرنیکی حاجت نہیں

اسلئے فریق ثانی کے ادلہ کے متعلق کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی[عـہ] فقط

تنبیہ: سوال سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ میں وقوع طلاق کا حکم اس بناء پر کیا گیا ہے اس شخص نے اولیاء زوجہ سے اجازت نہیں لی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر وہ اولیاء زوجہ سے اجازت لے لیتا تو طلاق واقع نہ سمجھی جاتی اور یہ صحیح نہیں اسلئے لکھا جاتا ہے کہ کابین نامہ میں طلاق کے متعلق جملہ ختم کرنیکے بعد جو کلام مستانف لکھا ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے نکاح کی ضرورت ہوتی تو الخ یہ جملہ طلاق کی قید نہیں بلکہ کلام مستقل ہے اور جملہ تعلیقہ میں صرف تاحیات عورت کیساتھ طلاق اُخری کو معلق کیا ہے پس اگر اولیاء سے بھی اجازت لیکر نکاح ہوتا تب بھی وقوع کا حکم کیا جاتا اور اب جب تک زوجہ اولی حیات ہے اسوقت تک کوئی نکاح کریگا تو منکوحہ جدیدہ پر تین طلاق واقع ہوجاوینگی اگرچہ وہ نکاح زوجہ اور اولیاء زوجہ کی رضامندی ہی سے ہو بلکہ اس عورت موجودہ کو جس کیلئے یہ کابین نامہ مذکورہ لکھا ہے یہ شخص اگر طلاق دیدے تب بھی عورت موجودہ کی حیات میں دوسری عورت سے نکاح کرنے پر طلاق مغلظ ہوجاویگی البتہ جس عورت پر طلاق ہوچکی ہے اُس سے عورت مذکورہ کی حیات میں بھی بعد زوج ثانی مع شرائط معلومہ نکاح کیا جاوے تو وقوع طلاق کا حکم نہ کیا جاویگا قال فی تنویر الابصار و الفاظ الشرط (ان و اذا و اذاما وکل و کلما ومتی ومتی ما وفیھا) کلھا (تنحل الیمین اذا وجد الشرط مرۃً الا فی کلما الخ) (شامی صـ۸۲۱ ج ۲) -

اور صورت مسؤلہ میں اگر کروں یا رکھوں تو وہ عورتیں الخ مشتمل ہے کلمہ ان پر لفظاً اور کلمہ کل پر تقدیراً۔ پس اس قول کی عموم انکحہ پر دلالت نہوگی فقط عموم منکوحات پر دلالت ہوگی کہ پہلی مرتبہ ہر عورت سے نکاح موجب طلاق ہوگا قال الشامی تحت (قولہ وکذا کل امرأۃ الخ) ای اذا قال کل امرأۃ اتزوجھا طالق والحیلۃ فیہ ما فی البحر من انہ یزوجہ[عـہ] فضولی ویجیز بالفعل کسوق الواجب الیھا او یتزوجھا بعدما وقع الطلاق علیھا لان کلمۃ کل لا تقتضی التکرار اھ (صـ۸۱۳)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ تھانہ بھون۔ الجواب صحیح ظفر احمد عفا عنہ ۲۳ ج ۲ سنہ ۵۴ھ ماشاء اللہ (از حضرت مولانا مدظلہم)

عـہ چونکہ دلائل مسطورہ میں کلام ہے جسکے واسطے بسط کی ضرورت ہے اسواسطے اس مختصر پر کفایت کی بلا ضرورت تطویل نہیں کیگئی ۱۲ منہ

عـہ صورت مسئولہ میں تزویج فضولی کی بحث شامی میں دیکھی جاوے قبیل فصل المشیئۃ باب النذر ۱۲ منہ

ارتداد سے یمین باطل ہوجاتی ہے تعلیق باطل نہیں ہوتی | **سوال**) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل میں جوابات مشرح اوصاف ہوں صحیح حالات حسب ذیل ہیں ۔

سوال اول: زید حنفی نے اپنی حالت بلوغ میں کہ ابھی اسکی شادی نکاح نہیں ہوئی تھی اس سے قبل ہی کسی صاحب کے کہنے پر اسطرح پر حلف کیا کہ اگر میں آیندہ فلان فعل حرام شرعی کا مرتکب ہوں تو میری بیوی پر طلاق اور جب کبھی میں نکاح کروں میری بیوی پر طلاق اور انشاء اللہ وغیرہ کچھ نہیں کہا دو تین دن کے بعد اسے معلوم ہوا کہ انشاء اللہ کہنے سے یہ تعلیق طلاق کیلئے مفید نہیں رہتی لیکن انشاء اللہ حنفی مذہب کے مطابق متصل ہونا چاہیئے تاہم اگر منفصلاً یعنی اب بھی اس نیت سے انشاء اللہ کہہ لیا جائے تو امام شافعی کے مسلک کے مطابق جائز ہے عـہ بہرحال زید نے انشاء اللہ کہہ لیا اور عرصہ تک اپنے حلف پر قائم رہا پھر بدقسمتی سے نکاح سے قبل ہی اس فعل حرام شرعی کا مرتکب ہو گیا جس پر حلف کیا تھا اور زید کو اپنے حانث ہونیکا یقین کامل ہوگیا کہ اب میں تمام عمر شادی نہیں کرسکتا اگرچہ شافعی کے مذہب کے مطابق وہ جواز سمجھتا تھا مگر حنفی ہونے کے ساتھ یہ گوارا نہ ہوا کہ محض نفس کے لئے مذہب راجح کو ترک کرے بہت پریشان ہوا اور بالقصد کلمۂ کفر زبان سے نکالکر بالقصد مرتد ہو گیا تاکہ عقود اسلامی سے چھوٹ جائے اور کوئی ذمہ داری نہ رہے پھر تجدید کلمہ کرکے مسلمان ہو گیا اب اس کا یہ خیال ہے کہ اس حیلۂ ارتداد کی وجہ سے وہ تعلیق مفقود ہوگئی اور میں نکاح کرسکتا ہوں جواب عنایت ہو کہ اسکو نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں اور پھر اسکا نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟ اوصاف مشرح ارشاد ہو ۔

عبدالرحمٰن از حیدرآباد دکن

الجواب وھو الموفق للصواب : فی الدر المختار (وھو) ای الکفر (یبطلھا) اذا عرض بعدھا (فلو حلف مسلما ثم ارتد) والعیاذ باللہ تعالیٰ (ثم اسلم ثم حنث فلا کفارۃ) اصلا لما تقرر ان الاوصاف الراجعۃ للمحل یستوی فیھا الابتداء والبقاء وقال الشامی تحت قولہ (لما تقرر) علۃ لکون الکفر العارض مبطلا للیمین کالکفر الاصلی (ص۹۵ ج ۳) وقال ایضا (ص۹۶ تحت قولہ (وشرطھا الاسلام) واعلم ان اشتراط الاسلام انما یناسب

عـہ کہاں لکھا ہے ۱۲ اشرف علی

الیمین باللہ تعالیٰ والیمین بالقرب نحو ان فعلت کذا فعلی صلاۃ واما الیمین بغیر تقرب نحو ان فعلت کذا فانت طالق فلا یشترط لہ الاسلام کما لا یخفی اھ روایت اولی سے معلوم ہوا کہ ارتداد سے یمین باطل ہونیکی وجہ یہ ہے کہ کفر منافی یمین ہے اور روایت ثانیہ سے معلوم ہوا کہ کفر منافی تعلیق نہیں پس جب تعلیق کیلئے اسلام شرط نہیں ہے تو ارتداد سے تعلیق باطل نہیں ہوتی پس ارتداد سے اعمال اسلام کا بطلان وغیرہ بیحد نقصان وخسارہ حاصل ہوا اور جو نفع اپنی غلطی سے سوچکر اسقدر جرم عظیم کا ارتکاب کیا وہ حاصل بھی نہ ہوا۔

اور اب بھی وہی صورت اختیار کرنی پڑیگی جو ارتداد سے قبل ہوسکتی تھی بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس وقت دریافت نہ کیا اور معصیت سے بچنے کے واسطے راس المعاصی کو ترجیح دی جو بعید از قیاس ہے اللہ تعالیٰ ایسی کجی اور اغوائے شیطانی ونفسانی سے پناہ میں رکھے (آمین ثم آمین)۔

اب حنفی مذہب کے مطابق حسب تصریحات فقہاء اس شخص کے واسطے نکاح کی ایک سبیل ہے وہ یہ کہ کوئی فضولی اسکا نکاح کردے اور یہ اس نکاح فضولی کو قولاً قبول نہ کرے بلکہ فعلاً قبول کرنا ظاہر کرے مثلاً کل یا بعض مہر ادا کردے اسطرح نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور اس عورت پر طلاق بھی واقع نہ ہوگی۔

تنبیہ: فضولی اسکو کہتے ہیں جو اپنی طرف سے بطور خود بغیر وکالت وولایت کسی دوسرے کا نکاح کردے پس اگر یہ شخص کسی کو یوں کہے کہ تم فضولی ہوکر میرا نکاح کردو تو اسکے کہنے سے وہ وکیل بن جائے گا فضولی نہ رہے گا اور مقصود حاصل نہ ہوگا اس واسطے کسی سے فضولی بننے کی درخواست نہ کرے بلکہ دو تین آدمیوں کے سامنے یوں کہے کہ مجھے اس کی ضرورت ہے کہ کوئی فضولی میرا نکاح کردے پھر ان میں سے کوئی شخص بطور خود اسکی طرف سے ایجاب یا قبول کرلے کما فی الشامی عن البحر وینبغی ان یجئ الی عالم ویقول لہ ما حلف واحتیاجہ الی نکاح الفضولی فیزوجہ العالم امرأۃ ویجیز بالفعل فلا یحنث وکذا اذا قال لجماعۃ لی حاجۃ الی نکاح الفضولی فزوجہ واحد منھم اما اذا قال لرجل اعقد لی عقد فضولی یکون توکیلا اھ (ص۸۴۶ج۲) فقط واللہ اعلم

تعلیق طلاق کا ایک مسئلہ | **(سوال)** عبدالرحمٰن اور اسکی بیوی ہاجرہ میں باہمی منازعت

تھی اسی وجہ سے ہاجرہ اپنے ماموں کے گھر مقیم تھی ماموں اس کو خاوند کے سپرد کرنے سے (تا آنکہ وہ کافی اطمینان اسکے ساتھ حسن معاشرت کا نہ دلائے) مانع وحارج تھا عبدالرحمٰن ایک مرتبہ ہاجرہ کو لینے کیلئے ماموں کے گھر آیا اور اطمینان کیلئے یہ تحریر لکھدی الفاظ تحریر بعینہا یہ ہیں۔

میں کہ عبدالرحمٰن پسر حاجی عبدالکریم مرحوم قوم شیخ ساکن گڑھی پختہ ضلع مظفر نگر کا ہوں جو کہ میری زوجہ ہاجرہ خاتون اپنے حقیقی ماموں مسمی عبدالحکیم کے یہاں ہے میں اسکو اپنے یہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ جس وقت اُسکے ماموں مسمی عبدالحکیم اسکے بلانے کا نوٹس مجھکو دینگے میں اندر میعاد ایک ماہ کے اپنی زوجہ کو اسکے ماموں کے مکان پر پہونچادونگا اور انکار نہ کرونگا اور اگر اس صورت میں نہ بھیجوں اور بھیجنے سے انکار کروں تو اس انکار سے میری زوجہ کو طلاق بائن واقع ہوجائیگی۔

اس تحریر کے لکھنے پر ہاجرہ کا ماموں اُس کو عبدالرحمٰن کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہوگیا مگر چونکہ زیور یہاں موجود نہ تھا بلکہ دہرہ دون کسی کے پاس رکھا ہوا تھا اسلئے زیور کے انتظار میں بتراضی طرفین اس وقت ہاجرہ کو نہیں بھیجا گیا اور خاوند بخوشی اس کو چھوڑ کر گڑھی چلا گیا چار یا پنچ روز کے بعد پھر آیا اس وقت بھی زیور دہرہ دون سے نہ آیا تھا۔ شوہر پھر زیور کی انتظار کیوجہ سے چھوڑ کر چلا گیا اس دفعہ ماموں کے دل میں کچھ شبہات پیدا ہوگئے پھر تیسری دفعہ شوہر آیا تو ماموں نے اس سے اپنے شبہات پیش کئے اُسپر عبدالرحمٰن نے مزید اطمینان کیلئے زبانی یہ الفاظ کہے: "اگر میری طرف سے بدگمانی ہے کسی قسم کی مارپیٹ کروں تو زبانی الفاظ سے تم لوگوں کو اطمینان کر دیتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے۔ یہ جملے کہتے وقت فوراً ہی یہ کہا کہ میں نے ان الفاظ سے نیت طلاق کی نہیں کی"۔

ماموں نے ان الفاظ کو لکھوانا چاہا خاوند نے لکھنے سے انکار کیا اور اسپر تنازع بڑھ گیا اور عبدالرحمٰن نے کہا کہ بھیجو نہ بھیجو تم کو اختیار ہے میں لکھوں گا نہیں اور پھر یہ کہا کہ "وہ میری تحریر، رفروری ۱۹۲۹ء کی جو تمنے لکھائی تھی وہ میں نے اسی روز کیلئے لکھی تھی آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا الخ"، اس کے بعد خاوند نے بلانے کا نوٹس دیا تو بعض مصالح کی بنا پر یہ تجویز کیا گیا کہ لڑکی نوٹس کا جواب خود دے اور یہ لکھے کہ میں تیار ہوں تم آکر لیجاؤ چنانچہ خود آکر لیگیا۔ اور وہاں جاکر لڑکی پر تشدد کیا۔ مارپیٹ بھی ہوئی۔ ماموں نے بلانے کا نوٹس دیا تو بھیجا نہیں

پھر خود لینے کیلئے گیا اس وقت بھی نہیں بھیجا۔ اسپر ماموں نے یہ سمجھکر کہ ایک ماہ تک نہ بھیجنے کی وجہ سے طلاق پڑگئی ہے۔ خفیہ لڑکی کو اُس کے گھر سے نکال کر ہمراہ لے آیا اب سوال یہ ہے کہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب اول از دیوبند:

بحث وتفتیش کے بعد سوال میں یہ جزو قابل غور رہ گیا ہے کہ عبدالرحمٰن کی پہلی تحریر جسمیں انکار کو طلاق قرار دیا ہے وہ کس چیز پر معلق ہے آیا ماموں کی عدم ممانعت پر یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر کیونکہ عبارت تحریر بغیر اسکے کہ بطور اقتضاء النص کے کوئی عبارت مقدر مانی جائے درست نہیں ہوسکتی اور تقدیر عبارت دو احتمال ہیں۔

(۱) اول یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں حارج ومانع نہو تو پھر جب وہ بلائیگا میں بھیجنے سے انکار نہ کروں گا تو یہ انکار طلاق بائن ہوگا۔

(۲) دوسرے یہ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں کہ اگر میں اس کو لے گیا تو جب ماموں بلائیگا تو بھیجنے سے انکار نہ کرونگا الخ

الغرض یہ تعلیق کسی فعل مقدر پر ہے یا ماموں کے فعل بھیجنے اور عدم ممانعت پر اور یا اپنے فعل یعنی لیجانے پر۔

پہلی صورت میں وقوع طلاق ظاہر ہے کیونکہ ماموں اسکے بھیجنے سے اسوقت حارج ومانع نہیں ہوا لہذا تحقق شرط کیوجہ سے یہ تحریری تعلیق منعقد رہی اور جب خاوند نے ماموں کے بلانے پر بھیجنے سے انکار کیا تو طلاق واقع ہوگئی۔

اور دوسری صورت میں عدم وقوع طلاق متعین ہے کیونکہ لیجانے کا تحقق اسوقت نہیں ہوا اب مدار بحث ان دونوں احتمالوں میں سے ایک کی تعیین پر ہے جسکے لئے کوئی حتمی چیز تو خیال میں نہیں آتی۔ البتہ قرائن احتمال اول کیلئے زیادہ معلوم ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

قرینہ اولی یہ ہے کہ گفتگو اور بحث ابتداء سے خاوند کے فعل یعنی لیجانے میں نہ تھی بلکہ ماموں کے فعل یعنی ارسال وعدم ممانعت میں کلام تھا

قرینہ ثانیہ تحریر لکھنے کا منشاء کوئی ابتدائی تعلیق نہ تھی کہ اپنے فعل پر

معلق کیا جاتا بلکہ ماموں کا اطمینان دلانا مقصود تھا اسکی عدم ممانعت کے صلہ میں یہ تعلیق بطور اطمینان دلانے کے کیگئی ہے۔

قرینہ ثالثہ خاوند نے اپنی آخری گفتگو میں خود یہ الفاظ کہے ہیں کہ:

وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی کیونکہ اس روز میرے ساتھ نہیں بھیجا اس میں تصریح ہے کہ وہ اس تحریر کو اسلئے کالعدم کہتا ہے کہ بزعم خود ماموں نے نہیں بھیجا اپنے نہ لیجانے کو حجت میں پیش نہیں کرتا بلکہ ماموں کے نہ بھیجنے کو سبب سقوط تعلیق قرار دیتا ہے

یہ قرائن احتمال اول کے موید ہیں جن سے وقوع طلاق مستفاد ہوتا ہے اور احتمال ثانی کا قرینہ صرف یہ ہے کہ اس نے اپنے الفاظ میں یہ کہا ہے۔ کہ میں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں جسمیں لیجانے کا تذکرہ ہے بھیجنے کا نہیں۔

پھر احتمال اول پر تو خواہ تعلیق کو یمین موید قرار دیا جائے یا موافقت بالمرۃ الاولی بہر دو صورت طلاق واقع ہوگی کیونکہ عدم ممانعت اول مرتبہ متحقق ہوچکی۔ اور احتمال ثانی پر موید ہونیکی صورت میں طلاق ہوگی کیونکہ بآخر لیجانا متحقق ہوگیا جو شرط تعلیق تھا ولو بعد حین - اور موقت بالمرۃ الاولی ہونیکی صورت میں طلاق نہ ہوگی کیونکہ مرۃ اولی میں لیجانا متحقق نہیں ہوا باقی درمیانی گفتگو جسمیں یہ لفظ کہے تھے کہ اگر میں ماروں تو میری طرف سے جواب ہے، یہ زائد سے زائد کنایہ طلاق ہوسکتا ہے مگر خاوند نیت طلاق کا انکار کرتا ہے اگر وہ اس پر حلف کرے تو ان لفظوں سے کوئی طلاق نہ پڑے گی اس لئے اس سے تعرض جواب میں نہیں کیا گیا، واللہ اعلم۔

بندہ محمد شفیع دیوبندی

جواب دوم از تھانہ بھون:

احقر کے فہم ناقص میں یہ آتا ہے کہ صورت مسئولہ میں گو لفظاً یمین موبدؔ ہے ولیکن عرفاً قرینۂ مقالیہ کے باعث یہ یمین مقید ہے اسی سلسلہ گفتگو میں لیجانے کیساتھ یعنی اگر میں اس سلسلہ میں لیگیا اور ماموں کے بلانے پر نہ بھیجا تو طلاق واقع ہوگی اور اگر اس سلسلہ میں نہ لیگیا تو اس صورت میں تعلیق نہیں ہے ونظیرہ ما فی الھدایہ وغیرہ من انہ اذا استحلف الوالی رجلا لیعلمنہ بکل داعر

عہ الاطلاق ۱۲ منہ

دخل البلد فھذا علی حال و لابتہ خاصۃ اور اسیطرح زبانی تعلیق یعنی اگر ماروں تو جواب ہے وہ بھی مقید ہے اسی وقت[عہ] لیجانے کیساتھ لدلالۃ الحال علیہ عرفاً اور اس وقت[سہ] لیجانا متحقق نہیں ہوا لہذا دوسرے موقع پر لیجانے سے خاوند کے ذمہ اس تعلیق کی پابندی ضروری نہ تھی اور عدم پابندی سے طلاق واقع نہ ہوگی خواہ اس نہ لیجانے کا باعث ماموں ہوا ہو یا نہ ہوا ہو بہرحال نہ لیجانے سے یمین باطل ہوگئی اور مفتی صاحب نے جو تحریر فرمایا ہے کہ نہ لیجانے پر آئندہ تعلیق نہیں بلکہ نہ بھیجنے پر ہے اور ماموں نے بھیجنے سے انکار نہیں کیا اسلئے تعلیق باقی رہی اور نہ بھیجنا اقتضاءً معلوم ہوتا ہے اسمیں احقر کو یہ اشکال[لہ] ہے کہ اقتضاءً کوئی دوسرا لفظ نکالا جاتا ہے جبکہ اس کے بدون کلام صحیح نہ ہو اور یہاں کلام بالکل صحیح ہے کیونکہ لیجانے پر تعلیق کرنا بالکل صحیح ہے پس کسی قرینہ پر دوسرا لفظ نکالنے کی حاجت نہیں خواہ قصہ کچھ ہی تھا مگر اس نے تعلیق کو مشروط کیا ہے لیجانے کیساتھ اور جو لفظ اس نے نہیں کہے وہ بلا ضرورت اسکے ذمہ نہ لگائے جاوینگے اور اخیر میں اس نے جو کہا کہ تم نے بھیجا نہیں اس سے وہ اپنے نہ لیجانے کی وجہ بیان کر رہا ہے اسمیں یہ اقرار نہیں ہے کہ تمہارے بھیجنے پر میں نے تعلیق کو معلق کیا تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔

جواب سوم از سہارنپور:

حامداً ومصلیاً۔ اولاً جواب لکھا جاتا ہے اسکے بعد دوسرے جوابات کے متعلق عرض کیا جائیگا تحریر طلاق نامہ کے موافق اگر عبدالرحمٰن نے نوٹس کے بعد ایک ماہ کے اندر اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے یہاں نہیں بھیجا اور انکار کر دیا تو اس کی زوجہ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر ایک ماہ کے اندر اُس نے اُسکے بھیجنے سے انکار نہیں کیا بلکہ

عہ یعنی اسی سلسلہ میں ۱۲ منہ

سہ یعنی اس سلسلہ میں جانا نہیں ہوا بلکہ اس کو ماموں نے منقطع کر دیا اور بھیجنے سے صریح انکار کر دیا ۱۲ منہ

لہ اشکال سے قطع نظر کر کے اگر بھیجنے کو معلق علیہ کہا جاوے تب ہی اس پورے سلسلہ میں خارج نہ ہونا مشروط ہوگا اور جب اخیر میں خارج ہوگیا تو شرط فوت ہوگئی ۱۲ منہ

وہ خود نہیں آئی یا اسکو کوئی لینے نہیں گیا تو طلاق واقع نہیں کیونکہ زوج نے جو طلاق نامہ میں یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "اپنی زوجہ کو اس کے ماموں کے مکان پر پہونچا دونگا اور انکار نہ کرونگا"، یہ محض وعدہ ہے جو تعلیق سے خارج ہے تعلیق اس کلام کے بعد ہے۔

اور جو الفاظ اس نے زبانی کہے ہیں کہ "اگر میں ماردوں تو میری طرف سے جواب ہے"، یہ کنایات طلاق سے ہیں اسکے متعلق اس نے یہ بیان کیا کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی اسمیں محض اسکا قول معتبر نہیں ہاں اگر وہ حلیفہ بیان کرے کہ اس سے میری نیت طلاق کی نہیں تھی تو اسکا قول معتبر ہے والقول له بیمینه فی عدم النیة ویکفی تحلیفها له فی منزله فان ابی رفعته للحاکم فان نکل فرق بینهما درمختار شامی ص۶۴۷ ج۲

اور مولانا محمد شفیع صاحب نے جو معلق علیہ میں تشقیق فرمائی ہے احقر کے خیال ناقص میں اسکی ضرورت نہیں اور مفتی ثانی کی رائے اس کے متعلق درست معلوم ہوتی ہے کیونکہ زوج خود اپنی تحریر میں لکھتا ہے کہ: اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں، لہذا اسکی تصریح کے ہوتے ہوئے احتمال آخر کی ضرورت نہیں باقی اس تعلیق کو یمین مقید قرار دینا صحیح نہیں معلوم ہوتا اسوجہ سے کہ زوج کا اس وقت نہ لیجانا اور بعد میں تین بار آنا اور تیسری مرتبہ میں یہ الفاظ کہنے کہ "آج سے وہ میری تحریر کالعدم ہوگئی" یمین مقید ہونیکے[1] صریح مخالف ہے اور مفتی ثانی نے جس قرینہ مقالیہ کیوجہ سے اسکو مقید قرار دیا ہے وہ اتنا صریح نہیں نیز اسکی مفتی صاحب نے جواب میں تعیین ہی نہیں فرمائی اسلئے یمین مقید قرار دینا قطعاً صحیح معلوم نہیں ہوتا، فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ سعید احمد مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۳ر شوال ۵۰ھ

الجواب صحیح عبداللطیف مدرسہ مظاہر علوم ۱۰ر ذیقعدہ ۵۰ھ

احقر کے نزدیک یہ جواب اقرب (الی ظاہر الفاظ السوال) معلوم ہوتا ہے۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ

خلاصۂ جوابات

(۱) جواب دیوبند کا یہ حاصل ہے کہ ایک طلاق بائن واقع ہوچکی ہے کیونکہ

[1] یہ توجب ہوتا جبکہ مقید کہا جاتا اول روز کیسا تھ اور سلسلہ گفتگو کیساتھ مقید کیا گیا اور گفتگو کا سلسلہ ہنوز چل رہا تھا تو دوبارہ سہ بارہ آنا خلاف کیسے ہوا ۱۲ عبدالکریم عفی عنہ

گفتگو بھیجنے پر ہورہی تھی اسواسطے تقدیر کلام کی یوں ہوگی کہ اگر اسکا ماموں بھیجنے میں (اسوقت) حارج نہ ہو تو پھر جب وہ بلاویگا میں بھیجدونگا اور اگر ایک ماہ تک نہ بھیجوں تو طلاق بائن واقع ہو جاویگا اور ماموں اسوقت بھیجنے میں حارج ہوا نہیں بلکہ زیور کی وجہ سے بتراضی طرفین بھیجنے میں تاخیر ہوئی ہے۔

(۲) اور احقر کے خیال ناقص میں خط کشیدہ تقدیر کی ضرورت نہیں بلکہ صریح لفظ جو اس نے شروع کلام میں استعمال کئے ہیں وہی مقدر مانے جائیں گے تقدیر یوں ہوگی کہ اگر میں اسوقت لیگیا یعنی اس سلسلہ میں تو پھر جب اُسکا ماموں بلا دیگا الخ اور اس وقت وہ لیکر نہیں گیا بلکہ ماموں نے انکار کردیا اور انکار سے وہ سلسلہ گفتگوئے صلح کا منقطع ہوگیا اسلئے دوسرے موقع پر لیجانے کے بعد ماموں کے بلانے سے بھیجدینا لازم نہ تھا لہذا اس نہ بھیجنے سے طلاق نہیں ہوئی۔

(۳) جواب سہارنپور کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر تو وہی صحیح ہے جو ۲ میں لکھی ہے لیکن اس وقت کیساتھ لیجانے کی قید مسلم نہیں بلکہ جب کبھی بھی لے گیا ہو بہرحال خاوند کے ذمہ لازم تھا کہ ماموں کے بلانے پر ایک ماہ کے اندر بھیجدیتا چونکہ اس نے بھیجا نہیں اس واسطے طلاق واقع ہوگئی۔

اختلاف کا منشا یہ ہے کہ جواب ۲ میں تعلیق کیلئے دو شرطیں قرار دیگئی ہیں اوّل لیجانا دوسرے اس وقت لیجانا مجیب اول کو اسی وقت کی قید تو تسلیم ہے مگر بجائے لیجانے کے بھیجنے میں حارج نہ ہونا قید لگاتے ہیں اور مجیب ثالث کو اسی وقت کی قید میں کلام ہے اور لیجانے کو تسلیم کرتے ہیں اور جواب ۲ میں جو ہر دو قید ملحوظ رکھی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ خاوند کے یہ لفظ لکھے کہ میں اسکو اپنے ہاں اس شرط پر لیجانا چاہتا ہوں الخ اس سے بوجہ صیغہ حال کے و نیز عرف کے اسی وقت یعنی اسی گفتگو کے دوران میں لیجانے کی شرط ظاہر ہے، فقط واللہ اعلم۔

یہ خلاصہ مع اصل اجوبہ حضرت مولانا مدظلہم العالی کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت والا نے ملاحظہ فرما کر مولوی حبیب احمد صاحب کو بھی بلایا اور احقر کو بھی اور بعد گفتگو کے یہ طے فرمایا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی یعنی جواب دوم کو صحیح فرمایا اور جواب دوم پر حاشیہ ۱ و ۲ مولوی حبیب احمد صاحب نے

وضاحت کیلئے اور حاشیہ سے حضرت والا نے تائید کے واسطے لکھوایا فقط والسلام

احقر عبد الکریم گمتھلوی عفی عنہ

مورخہ ۲۳ ذیقعدہ سنہ ۵۰ھ

سسر نے داماد سے اس تحریر پر کہ تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر گھر سے نکلیگا الخ الی قولہ تو میری لڑکی کو تین طلاقیں ہوجائیگی الخ دستخط کرائے پھر شوہر اسکے مظالم سے تنگ آکر بغیر اجازت کے نکل گیا تو اسکی بیوی پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس ذیل کے مسئلہ میں کہ ساؤتھ افریقہ میں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اسکی رضا اور خوشی سے اور پھر عورت کے ساتھ عورت کے باپ کے گھر رہنے لگا اور بعد چند مدت کے عورت کے باپ کے ساتھ جھگڑا ہوا اور گھر سے نکل کر کوئی دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور بعد چند مدت کے وہ مرد پھر عورت کے باپ کے گھر رہنے کیلئے آیا تب اُس عورت کے باپ نے اس قسم سے ایک کاغذ لکھکر اسپر اس مرد کے دستخط کروائے کہ اگر ایکے تو میرے حکم اور مرضی کے بغیر میرے گھر سے نکلیگا اور میرے حکم اور مرضی کے بغیر کوئی کام کریگا یا کسی جگہ پر نوکری کریگا تو مری لڑکی کو تین طلاقیں ہوجائینگی اور اب اس مرد پر عورت کے باپ نے بہت ظلم کیا اور تکلیف دی تو وہ مرد بدون عورت کے باپ کے حکم اور مرضی کے گھر سے نکل کر دوسری جگہ پر اکیلا رہنے لگا اور نوکری کرنے لگا تو اب ایسی صورت میں عورت اس مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اسکی کیا دلیل ہے اور اگر رہ سکتی ہو تو اب کیا کرے؟ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مسئولہ میں اُس عورت پر تین طلاق واقع ہوچکیں خسر نے اس شخص پر جو ظلم کیا ہے اس کا گناہ خسر کے ذمہ رہیگا مگر اس ظلم کیوجہ سے جانیکا حکم طلاق کے بارے میں وہی رہیگا جو بلا ظلم جانے سے ہوتا کما ھو مصرح فی کتب الفقہ و نقل فی الفتاوی الہندیہ عن الخلاصۃ وقوع الطلاق وفی آخرہ لان الاتیان مکرھًا او ناسیًا او عامدًا سواء فی تحقق الحنث فقط

واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۳۰ ربیع الاول ۵۱ھ

نکاح سے قبل کابین نامہ میں لکھدیا کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کے ساتھ نکاح کریں تو اسکو طلاق ہے الخ پھر شوہر بلا اجازت زوجہ اولیٰ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرلے تو زوجہ پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں۔

(**سوال**) مخدوم ومحترم دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

التماس ہے کہ ان دنوں ہمارے اطراف میں ایک مسئلہ میں علمائوں کا اختلاف ہو رہا ہے واقعہ ہے کہ ملک بنگال میں گورنمنٹ کی طرف سے قاعدہ مقرر ہے کہ نکاح وطلاق دونوں کی رجسٹری ہوتی ہے یعنی زوج اپنی زوجہ کو ایک کابین نامہ لکھ کر دیتا ہے اسی کی رجسٹری ہوتی ہے اور اُسمیں یعنی کابین نامہ میں بہت سی شرطیں ہوتی ہیں جسکے آخر میں وہ لکھتا ہے کہ اگر میں ان تمام شرطوں میں سے کسی ایک شرط کے بھی خلاف کروں تو میری زوجہ کو اختیار رہے کہ وہ اپنے نفس کو طلاق دیکر آزاد ہوجائے مجھے کوئی عذر نہیں ہوگا، فی الحال ایک نکاح ہوا ہے اور محفل عقد میں قبل نکاح ہونیکے زوج نے اولیائے مخطوبہ سے زبانی اقرار کیا اور کابین نامہ بھی لکھ کر دیا اُس میں منجملہ تمام شرائطوں کے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ہمارے تمہارے درمیان نکاح قائم رہتے ہوئے اگر ہم بلا اجازت تمہاری دوسری عورت کیساتھ نکاح کریں تو اس کو طلاق ہے۔ بعد اس اقرار کے عقد پڑھایا گیا۔ نکاح ہونے کے کچھ دن بعد اُس نے ایک دوسری عورت سے نکاح کیا اور زوجہ اولیٰ سے اجازت بھی نہ لیا۔ اب علماء میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ بعض زوجہ ثانیہ کے مطلقہ ہونے کے قائل ہیں اور بعض نہیں۔ احقر نے بھی اپنی استعداد کے موافق تحقیق کی مگر تشفی نہیں ہوئی بلکہ اور بھی الجھن بڑھ گئی۔ لہذا رفع شک کیلئے مکلف ہے امید کہ اس تصدیع معاف فرماوینگے اور جواب شافی عنایت فرماویں گے

فتاوی عالمگیری میں لکھتے ہیں۔ رجل قال لاجنبیۃ ما دمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجہا فہی طالق ثم تزوجہا فتزوج علیہا امرأۃ لایقع۔ اس سے معلوم ہوا کہ وقت تعلیق معلق بہ کا موجود ہونا شرط ہے اور یہاں پر نکاح معلق بہ ہے وہ وقت تعلیق موجود نہیں لہذا زوجہ ثانیہ مطلقہ نہیں ہوگی، اور قاضی خان میں ایک جگہ پر دیکھا رجل قال ان تزوجت امرأۃ من بنات فلان فہی طالق ولیس بفلان وقت الیمین بنت ثم جاءت لہ بنت فتزوجہا الحالف قالوا لا یحنث فی یمینہ ویشترط قیام البنت وقت الیمین ولایدخل

فی الیمین ما یحدث بعد الیمین۔ اسکے بعد نظیر میں ایک مسئلہ اور بھی لائے ہیں اُسکے بعد لکھتے ہیں۔ الاان ھذا الجواب یوافق قول محمدؒ۔ اما فی قیاس قول ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ یدخل فی ھٰذہ الیمین ما کانت موجودۃ وقت الیمین وما یحدث بعدہ کما لوحلف ان لا یکلم ابن فلان ولیس بفلان ابن ثم ولد لہ ابن وکلمہ الحالف یحنث فی قول ابی حنیفۃ وابی یوسف رحمہم اللہ ولا یحنث فی قول محمدؒ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام محمد صاحبؒ کے نزدیک وقت تعلیق معلق بہ کا ہونا ضروری ہے اور شیخین کے نزدیک ضروری نہیں، اب مسئلہ مستفسرہ میں امام محمدؒ کے قول سے تو زوجہ ثانیہ مطلقہ نہ ہوگی کیونکہ قبل نکاح یہ سب شرطیں ہوئی نہیں اور شیخین کے قول کیطرف نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی اگرچہ وقت تعلیق نکاح نہیں ہوا تھا مگر نکاح ثانی کیوقت زوجہ اولی اسکے نکاح میں موجود ہے لہذا تعلیق صحیح ہوگی اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوگی۔

قاضی خان فصل فی رسم المفتی میں لکھتے ہیں۔ وان کانت مختلفا فیھا بین اصحابنا فان کان مع ابی حنیفۃ رحمہم اللہ احد صاحبیہ یاخذ بقولھما لوفور الشرائط واستجماع ادلۃ الصواب فیھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخین کے قول کو اس جگہ ترجیح ہوگی۔ اور زوجہ ثانیہ مطلقہ ہوجائیگی۔ لیکن عالمگیری سے جو جزئیہ نقل کیا وہ اس قدر صاف ہے کہ دوسری بات قبول کرنے میں الجھن پیدا ہوتی ہے۔ اسلئے آپکی طرف رجوع کیا تاکہ سیدھا راستہ دکھلادیں واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔ المکلف خادم العلماء فدوی ابوسعید محمد عبدالشہید ھاتیوی لوا کھالوی۔

الجواب: مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

آپنے عالمگیریہ کے جزئیہ میں غور نہیں فرمایا۔ عالمگیریہ میں عبارت مذکورہ کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔ ولوقال ان تزوجتک فمادمت فی نکاحی فکل امرأۃ اتزوجھا علیھا والمسئلۃ بحالھا یقع کذا فی الوجیز للکردری (صفحہ ۱) اس سے معلوم ہوا کہ صورت اولی میں عدم وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ اجنبیہ کے بقاء نکاح کو امرأۃ متزوج علیہا کی طلاق کا مدار بنایا گیا ہے اور جب اس سے نکاح نہیں ہوا نہ اسکے نکاح پر دوسری

عورت کے تزوج کو مرتب کیا گیا تو کلام لغو ہو گیا اور یہ بالکل ایسا ہے جیسا کوئی کسی عورت کو راستہ میں دیکھ کر یہ کہدے کہ اگر میں اس عورت کے اوپر کوئی اور نکاح کروں تو ثانیہ کو طلاق۔ یقیناً یہ کلام بالاتفاق لغو ہے کیونکہ وہ اجنبیہ نہ اسکے نکاح میں ہے نہ اُسکے نکاح پر دوسرے نکاح کو مرتب کیا گیا۔ اور صورت ثانیہ میں وقوع طلاق کا سبب یہ ہے کہ گو وہاں بھی عورت اولی ہنوز اُسکے نکاح میں نہیں مگر اسکے نکاح پر دوسرے کے نکاح کا ترتب ظاہر کرکے ثانیہ کی طلاق کو معلق کیا گیا ہے یہ تعلیق صحیح ہے کیونکہ اس صورت میں ثانیہ کو اولی کے لحاظ سے متزوج علیہا کہنا ہی صحیح نہیں۔

خلاصہ یہ کہ ثانیہ کو اس شرط سے طلاق دیگئی ہے کہ وہ متزوج علی الاولی ہو اور متزوج علی الاولی ہونا اسپر موقوف ہے کہ یا اولی نکاح میں ہو یا اولی کے نکاح پر ثانیہ کے نکاح کو مرتب کیا گیا ہو کیونکہ بغیر اسکے ثانیہ متزوج علی الاولی نہو گی پس عالمگیریہ کے جزئیہ سابقہ میں عدم وقوع طلاق کا سبب کلام کا لغو ہونا ہے اور امام صاحبؒ اور محمدؒ میں جو اختلاف ہے وہ اس صورت میں ہے جبکہ کلام کے معنی صحیح ہوں کہ اجنبیہ کی طلاق کو خود اُسکے نکاح پر معلق کیا گیا ہو اس صورت میں یہ گفتگو ہے کہ اُس اجنبیہ کا وقت تعلیق کے موجود ہونا ضروری ہے یا نہیں اور صورت سوال میں اجنبیہ کے نکاح پر اُسکی طلاق کو معلق نہیں کیا بلکہ ثانیہ کی طلاق کو اس بات پر معلق کیا گیا ہے کہ وہ اولی کے اعتبار سے متزوج علیہا ہو اور جب اولی خود منکوحہ نہیں نہ کلام میں اُسکے نکاح پر ثانیہ کا نکاح مرتب ہے تو ثانیہ کو متزوج علی الاولی کہنا غلط ہے، فافہم واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۲۹ رشوال ۴۸ھ

طلاق معلق سے بچنے کا حیلہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے غصہ میں اپنی منکوحہ سے یہ کہا کہ اگر تو اپنے باپ کے گھر جاویگی تو تجھے تین طلاق ہیں اور ابتک وہ اپنے باپ کے گھر نہیں گئی۔ اب دریافت کرنا ہے کہ کوئی صورت ایسی بھی ہے کہ وہ اپنے باپ کے گھر چلی بھی جایا کرے اور طلاق نہ پڑے؟ فقط والسلام

احمد حاجی موسیٰ ڈابھیلی

الجواب: صورت مسئولہ میں حیلہ یہ ہے کہ شوہر اپنی اس بیوی کو ایک طلاق

بائن دیدے اور عدت طلاق گذرجانے پر عورت اپنے باپ کے گھر چلی جاوے تو اس جانے سے طلاق واقع نہ ہوگا کیونکہ وہ اسوقت نکاح میں نہیں ہے اور اس جانے سے طلاق معلق کی تعلیق ختم ہوجائے گی کیونکہ کوئی لفظ تعلیق میں تکرار فعل پر دال نہیں نہ استمرار زمان پر اسکے بعد شوہر اس عورت سے نکاح کی تجدید کرے اب نکاح میں آنے کے بعد بھی وہ اپنے باپ کے یہاں آمدورفت کرسکے گی لانحلال الشرط قال فی الھندیۃ اذا حلف بثلث تطلیقات ان لا یکلم فلانا فالسبیل ان یطلقھا واحدۃ بائنۃ ویدعھا حتی تنقضی عدتھا ثم یکلم فلانا ثم یتزوجھا کذا فی السراجیہ (ص۲۶۳ ج۲) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفراحمد عفا اللہ عنہ۔

۱۰ ذیقعدہ ۴۹ھ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم تعلیق طلاق زوجۂ ثانیہ بحیات زوجۂ اول۔

سوال :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین صورت مسئولہ مندرجہ ذیل کے بارے میں کہ عمرو ملکی رواج کے مطابق برات لیکر زید کے پاس گیا تو زید نے کہا کہ بغیر تحریر سند طلاق اضافی کے عمرو کو نکاح دختر نہیں دونگا لھذا بعد چند قیل وقال کے عمرو نے ایک کاتب کو سند تحریر کرنیکی اجازت دی جو صرف بحرف ذیل میں درج کی جاتی ہے۔

من کہ علی افسر شاہ ولد عبداللہ شاہ قوم سید شہیدی ساکن نڑان تحصیل مظفرآباد کا ہوں، چونکہ اس وقت ساتھ قائم عقل وحواس خمسہ بہ سند بیوی جان دختر بیولاشاہ ساکن موضع بھیکڑی والا کی زیر نکاح خود لاکر تحریر کردیتا ہوں کہ اگر درحین حیات عورتم مذکورہ کوئی دیگر عورت نکاح کروں تو تین طلاق سے طلاق ہوگی وہ عورت ثانیہ بسند مذکورۃ الصدر میں زید اور عمرو کا تخالف بایں طور ہے کہ زید کا دعوٰی ہے کہ بیوی جان کی تمام زندگی میں علی افسر شاہ دوسری عورت سے نکاح نہیں کرسکتا اگرچہ بیوی جان کو طلاق ہی دیدے۔ کیونکہ الفاظ محررہ صریح ہیں۔ اور زید درمختار کی اس عبارت کو بھی بطور استدلال پیش کرتا ہے: لان الایمان مبنیۃ علی الالفاظ لاعلی الاغراض، درمختار۔ وفی رد المحتار علی ھٰذا: لو قال لامرأتہ کل امراۃ اتزوجھا بغیر اذنک فھی طالق، فطلق امرأتہ طلاقاً بائناً او ثلاثاً ثم تزوج بغیر اذنہا طلقت لانہ لم یتقید یمینہ ببقاء نکاح الخ » اور عمرو کا دعوٰی ہے کہ اگر بیوی جان کو علی افسر شاہ طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کرلے تو جائز ہے عمرو کی حجت دو مفتی صاحبان کا فتوی ہے ایک مفتی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ سند میں جو عورتم کا لفظ ہے یہ لفظ بقاء نکاح کا فائدہ دیتا ہے اور یہ جو لفظ ہے کہ تین طلاق ہوگی یہ اس کا کہنا ایسا ہے جیسے « طلقت امرأتی من ثلاث تطلیقات » اور من تبعیضیہ ہے حین حیات والی ترکیب یہ ترکیب اضافی ہے ترکیب اضافی چنداں مفید نہیں ہوا کرتی ——— دوسرے مفتی صاحب "حین حیات" کے لفظ پر صاحب ھدایہ وغیرہ کتب فقہ کی تقریر جو لفظ حین پر ہے وہ بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ لفظ "حین" کی صورت میں یہ حلف چھ ماہ میں ختم ہوجائیگا والا جو نیت کریگا، اور درمختار کے ان جزئیات کو بھی بطور استشہاد پیش کرتے ہیں جیسے « لیعلمنہ بکل داعٍ » میں حالف کے حلف مستحلف کی ولایت کے ساتھ مقید ہے اسطرح علی افسر شاہ

کی یہ حلف بھی بیوی جان کے نکاح کے ساتھ مقید ہے جس طرح حلف کفیل کے اس شہر سے بدون اذن مکفول لہ کے نہ نکلونگا بقائے دین وکفالہ کے ساتھ مقید ہے اسیطرح علی افسر شاہ کے بھی۔ بنکاح بیوی جان مقید ہے، اور مدار یمین کا عرف پر ہوتا ہے جیسے درمختار میں ہے جلد ۲ ص ۱۹۱: ومدار الیمین علی العرف۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب: جس شخص نے حین حیات میں لفظ "حین" کو چھ ماہ پر محمول کیا ہے اس نے بالکل غلط کہا، کیونکہ لفظ "حین" کا چھ ماہ کیلئے ہونا لغت عربیہ کے ساتھ مختص ہے اور وہ بھی اس وقت جبکہ لفظ "حین" مطلق ہو جیسے یوں کہے: "واللہ افعل کذا الی حین" اور جبکہ مضاف ہو تو اس صورت میں کوئی اس کا قائل نہیں کہ لفظ "حین" چھ ماہ کیلئے ہے جیسے لا اکلمک حین شبابک مثلاً۔ اور لغت فارسیہ وغیرہ میں اس لفظ کا چھ ماہ کیلئے ہونا مسلم نہیں، اور جس شخص نے لفظ "حین حیات" کی وجہ سے مطلقاً وقوع طلاق علی الزوجۃ الثانیۃ کا فتویٰ دیا ہے اس کا قول قضاءً صحیح ہے کیونکہ ظاہر اس لفظ سے یہی ہے وقوع طلاق علی الثانیہ بیوی جان کی حیات پر معلق ہے نہ کہ بقاء زوجیت پر۔

البتہ اگر علی افسر شاہ اس امر کا دعویٰ کرے کہ میں نے "حین حیات" سے تا وقت حین حیات او در نکاح من کی نیت کی تھی تو وہ حلف واثق کے ساتھ اس نیت کو بیان کرے تو جواب میں دوبارہ غور کیا جائے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۸ رجمادی الاول ۴۸ھ

شوہر نے کہا واپسی زیور کی شرط پر طلاق دوں گا بیوی اسپر رضامند ہوگئی تو شوہر نے محرر سے دو طلاق لکھوائے اگر بیوی زیورات شوہر کے حوالہ نہ کرے تو طلاق واقع ہوگی یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ شخصے مسمّی عبدالرحمٰن بحضور مجلس بثوت عقل بلا جبر واکراہ اپنی بیوی سے خانگی معاملات میں ناراض ہوکر بلکہ بیوی کے اصرار سے مرد نے محرر کو کہا: دو طلاق دونگا بشرطیکہ زیورات مجھے دینے پر رضامند ہو، تو بیوی نے کہا کہ میں زیورات سب دیدونگی یعنی بیوی زیورات دینے پر راضی ہوگئی یعنی قبول کیا تو شخص مذکور نے محرر کو کہا، "دو طلاق لکھو"، تو محرر نے اسکی اجازت سے دو طلاق لکھدی،

اب اس کے بعد عورت نے زیورات مرد کے حوالہ نہ کیے پس صورت مسئولہ میں شرعاً طلاق واقع ہوگی یا نہیں ؟

اب عرض یہ ہے کہ صورت مسئولہ عنہا میں اس دیار کے علماء کا اختلاف ہے : بعض کا یہ قول ہے کہ طلاق نہ ہوگی، چونکہ یہ تعلیق بالشرط ہے اور شرط معدوم ہے اسلئے مشروط بھی معدوم "اذا فات الشرط الخ"، یعنی شرط حوالہ زیور کو قرار دیتے ہیں، اور یہ بھی قول ہے کہ لکھوانے سے طلاق واقع نہ ہوگی، دلیل یہ پیش کرتے ہیں: "لو اکرہ علی ان یکتب طلاق امرأتہ فکتب لا تطلق لان الکتابۃ اقیمت مقام العبارۃ باعتبار الحاجۃ ولا حاجۃ ھنا ـــــ اور دوسری جماعت علماء کا یہ خیال ہے کہ لکھوانے سے بھی طلاق واقع ہوتی ہے۔ "کما قال الشامی :۔ ولو قال للکاتب: "اکتب طلاق امرأتی کان اقراراً بالطلاق وان لم یکتب"، اور دوسری وجہ وقوع طلاق کی یہ ہے کہ مرد کا قول "دو طلاق لکھو" اگر زیور دینے پر رضامند ہو اسمیں صرف قبول مرأۃ پر طلاق واقع ہوگی کیونکہ شرط پائی گئی۔ مشروط بھی مرتب ہونا چاہیے کیونکہ عورت رضامند ہوگئی تھی اگرچہ حوالہ نہ کیا ہو۔ "کما فی البحر نقلاً عن الخانیۃ :۔ ولو قال لامرأتہ انت طالق علی ان تعطینی الف درھم فقالت: "قبلت" تطلق للحال وان لم تعط الفاً۔ وکذا فی الشامی : اذا قال لھا : علی ان تعطینی کذا فھی تعلیق علی فعل مستقبل صالح للمعاوضۃ فیشترط قبولھا لیلزمھا المال فصار کانہ علقہ علی القبول اذ بہ یحصل غرضہ من الطلاق بعوض وتطلق بالقبول وان لم تعطہ فی الحال" ـــــ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ قبول مرأۃ کو شرط قرار دیا ہے چونکہ شرط قبول مرأۃ پائی گئی اسلئے جزاء یعنی وقوع طلاق بھی مرتب ہوگا اور حوالہ زیور شرط نہیں۔ کما یظھر من عبارۃ المرقومۃ۔

اب جناب عالی کی خدمت میں عرض یہ ہے کہ کون سے فریق حق پر ہے دو قلم تحریر فرما دیں، اگر عدم وقوع والا حق پر ہے تو ان دلائل کا کیا جواب ہوگا جو فریق ثانی نے وقوع طلاق پر پیش کیا؟ فقط والسلام

سائل عبدالکریم از سندی پرانگ اسکول۔
علاقہ بھوتھید تنگ ضلع اکیاب۔

تنقیح :- وہ تحریر بجنسہ یا اسکی نقل بھیجی جائے جو محرر نے شوہر کے حکم سے لکھی ہے اس کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ تحریر بھی واپس کی جائے فقط۔

ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

۲۷ ربیع الاول ۴۸ھ۔

جواب تنقیح :- حسب تحریر جنابعالی نقل طلاق نامہ روانہ خدمت ہے جو حسب ذیل ہے :-

نقل طلاق نامہ :- باعث تحریر یہ ہے کہ میں عبدالرحمٰن بن فلاں باشندہ مقام فلاں اقرار کرتا ہوں چونکہ میری بیوی ہندہ اپنے زیور وغیرہ مجھے دیدینے پر رضامند ہوگئی ہے اسلئے میں دو طلاق دیکر طلاق نامہ کا کاغذ دے رہا ہوں تاکہ عند العدالت مجھے دعویٰ کا حق نہ رہے۔

دستخط عبدالرحمٰن طالق

اب حضور والا سے درخواست ہے کہ تحریر فرمادیں کہ قائل بالوقوع کا قول صحیح ہے یا قائل عدم وقوع کا۔ والسلام۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں عورت پر دو طلاق واقع ہوگئی ہیں۔ بالدلائل التی ذکرھا السائل و اما قول من قال: ان الطلاق لم یقع بدلیل ما فی الشامیۃ وغیرہ " ولو اکرہ علی کتابۃ الطلاق الخ فقد سھا سھواً بیناً، فان الجزئیۃ المذکورۃ انما ھی فی الاکراہ ولا اکراہ ھنا۔ واما قولہ: ان الطلاق معلق" فغلط ایضًا لفقدان حرف الشرط فی قولہ " دو طلاق لکھو" وفی طلاق نامۃ التی امر بکتابتھا و انما کان الشرط قبل ذلک ولا عبرۃ بہ حیث لم یقید ایقاعہ بہ فافھم، واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ

۸ ارجمادی الاول ۴۸ھ

فصل

فی طلاق المریض و الصبی و السکران و المجنون

«اللوح المنقوش فی حکم طلاق المدھوش»
یعنی مدہوش کی طلاق کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے اپنی منکوحہ کو غصّہ کی حالت میں یہ کہا کہ میں نے تجھکو تین طلاق دی، تو مجھ سے پردہ کرے، اس صورت میں تین طلاق پڑیں گی یا ایک؟ ہندوستان میں فرقۂ غیر مقلدین کے نزدیک ان لفظوں سے صرف ایک طلاق ہوتی ہے آیا اس قول پر فتویٰ دینا یا ضرورت کے وقت اس پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) زید نے بعد میں یہ دعویٰ کیا کہ میں نے غصہ میں مغلوب العقل ہو کر طلاق دی تھی۔ مغلوب العقل جس کی طلاق شرعًا واقع نہیں ہوتی کسے کہتے ہیں اور طلاق دیکر کوئی شخص مغلوب العقل ہونیکا دعویٰ کرنے لگے تو اس دعویٰ کے قبول ہونیکی کیا شرائط ہیں؟

(۳) ایسی صورت میں عورت مطلقہ کیلئے شرعًا کیا حکم ہے؟ آیا اسکو شوہر کے اس دعویٰ کا قبول کرنا اور اس کے نکاح میں رہنا جائز ہوگا یا نہیں؟ بینوا وفقکم اللہ للامر الصواب و لکم عند اللہ جزیل ثواب۔

الجواب:۔ (۱) صورت مذکورہ میں آئمۂ اربعہ وجماہیر سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ زید اسپر حرام ہوگئی، اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے جائز نہیں ہوسکتی۔ اور ان لفظوں سے ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا فقہاء حنفیہ نے تصریح کی ہے کہ اگر قاضی اسلام تین طلاق کے ایک ہونیکا فیصلہ کر دے تو اسکی قضاء باطل ہے حالانکہ مسائل مجتہد فیہا میں قضاء قاضی سے ایک جانب راجح ہو جاتی ہے مگر اس صورت میں خود قضاء باطل ہو جاتی ہے کیونکہ اس مسئلہ میں جن لوگوں نے جمہور اُمت کا خلاف کیا ہے فقہاء نے انکے خلاف کا اعتبار نہیں کیا کیونکہ بوجہ اجماع منعقد ہوجانے کے اس مسئلہ میں اجتہاد

کی گنجائش نہیں رہی۔

قال فی عدۃ ارباب الفتوٰی (ص ۲۳) لا ینزل قولہ لہا انت طالق ثلاثاً طلقۃ واحدۃ ولا یفتی بذالک إلّا من اضل اللّٰہ تعالیٰ والواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونۃ کبریٰ لا تحل لہ الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المختار :۔ (ص ۶۸۸ ج ۲) وذہب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من آئمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث (الی قولہ) وقد ثبت النقل عن اکثرہم صریحاً بایقاع الثلاث ولم یظہر لہم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال، وعن ہذا قلنا: لو حکم حاکم بانہا واحدۃ لم ینفذ حکمہ، لانہ لا یسوغ الاجتہاد فیہ فہو خلاف لا اختلاف اھ

وقال الامام النووی فی شرح مسلم (ص ۴۷۸-ج ۱) قد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ انت طالق ثلاثاً فقال الشافعی ومالک وابو حنیفۃ واحمد وجماہیر العلماء من السلف والخلف: یقع الثلاث اھ

اور جس حدیث سے غیر مقلدین نے وقوع طلاق واحدۃ پر استدلال کیا ہے اسکو محقق ابن ہمام نے منسوخ بتلایا ہے اور امام نووی نے بعض کا ضعیف ہونا اور بعض کا مؤول ہونا ثابت کیا ہے لھذا غیر مقلدین کے فتویٰ پر اس صورت میں عمل کرنا ہرگز درست نہیں اور جو ایسا فتویٰ دے وہ تصریحات علماء حنفیہ کے موافق سراسر گمراہ ہے، فماذا بعد الحق الّا الضلال۔

(۲) مغلوب العقل جسکی طلاق واقع نہیں ہوتی وہ ہے کہ جسکی عقل غصہ یا خوف وغیرہ کی وجہ سے جاتی رہی ہو۔ اور اس سے باتیں بہکی بہکی صادر ہونے لگیں اور مجنونوں جیسے افعال ظاہر ہونے لگیں جیسا کہ بعض لوگ غصہ میں برتن توڑنے پھوڑنے اور دیوار وغیرہ میں سر مارنے لگتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ جو شخص غصہ وغیرہ میں ایسا حواس باختہ ہو جائے کہ اس پر جنون کے آثار پائے جانے لگیں وہ شرعاً مدہوش ہے اور ایسے مغلوب العقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

قال فی الفتاوی الکاملیۃ: (ص ۲۸) سئلت عن المدہوش ہل یعتبر طلاقہ فاجبت، بان المحقق الرملی رفع الیہ سوال عن المدہوش ہذا

لفظہ سئل فی طلاق المدھوش ھل ھو واقع ام لا وما تعیین المدھوش وھل القول قولہ فی الدھش؟ فاجاب عنہ بقولہ صرح فی التتارخانیۃ نقلاً عن شرح الطحاوی بعدم وقوع طلاق المدھوش وکذا المحقق ابن الھمام فی فتحہ وکذا لک المرحوم العلامۃ الغزی فی متنہ تنویر الابصار : واعلم انھم اجمعوا علی ان غیر العاقل لا یقع طلاقہ الا اذا کان زوال عقلہ بسبب السکر مما ھو معصیۃ فانہ یقع طلاقہ زجرًا لہ عندنا فدخل فی غیر العاقل کل من زال عقلہ بجنونٍ او عتہٍ او برسامٍ او اغماءٍ او دھش، والجنون داء معروف (الیٰ ان قال) والدھش ذھاب العقل من ذھل او ولہ (الیٰ ان قال) والمدھوش ھنا الذاھب العقل بسبب احدھما فاذا علمت ذالک علمت التسویۃ فی الحکم بین طلاق المجنون وبین طلاق من ذکر والمجنون اذا عرف انہ جنّ مرۃ فطلق وقال عاودنی الجنون فتکلمت بذالک وانا مجنون ان القول قولہ بیمینہ وان لم یعرف بالجنون مرۃ لم یقبل قولہ کما فی الخانیۃ و التاتارخانیۃ وغیرھما فظھر لک من ھذا: ان المدھوش ان عرف منہ الدھش مرۃً فالقول قولہ بیمینہٖ وان لم یعرف لم یقبل قولہ قضاءً الا ببینۃ اذ الثابت بالبینۃ کالثابت عیانًا اما دیانۃً فیقبل لانہ اخبر بنفسہ اھ قلت ؏ : ولا یفتی فی ذالک بالدیانۃ لما ثبت ان المرأۃ فی احکام الطلاق کالقاضی لا یجوز لہا ان تصدق الزوج فیما یخالف الظاھر ولا یحل لہا ان تمکنہ من نفسہا اذا علمت منہ ذالک کما سیأتی۔ اس عبارت سے مغلوب العقل میں، زوال عقل وذہاب عقل کا شرط ہونا اور اس کا

؏ قال فی عدۃ ارباب الفتویٰ (ص ۲۸ ج ۱) وما لا یصدق فیہ المرأ عند القاضی لا یفتی فیہ کما لا یقضی فیہ وقال فی شرح نظم النقایہ وکما لا یدینہ القاضی کذالک اذا سمعتہ منہ المرأہ او شھد بہ عندھا عدول لا یسعھا ان تدینہ لانھا کالقاضی لا تعرف منہ الا الظاھر انتھیٰ ۱۲ منہ -

مجنون کے مشابہ ہونا صاف مصرح ہے۔

وقال فی ردالمحتار : (ص۷۰۰ج۲) وللحافظ ابن القیم الحنبلی رسالۃ فی طلاق الغضبان قال فیہا : انہ علی ثلاثۃ اقسام احدھا ان یحصل لہ مبادی الغضب بحیث لا یتغیر عقلہ ویعلم ما یقول ویقصدہ وھذا لا اشکال فیہ۔ الثانی : ان یبلغ النہایۃ فلا یعلم ما یقول ولا یریدہ فھذا لاریب انہ لا ینفذ شئی من اقوالہ۔ الثالث : من توسط بین المرتبتین بحیث لم یصر کالمجنون فھذا محل النظر والادلۃ تدل علی عدم نفوذ اقوالہ اھ ملخصاً من شرح الغایۃ الحنبلیۃ لکن اشار فی الغایۃ الی مخالفتہ فی الثالث حیث قال ویقع طلاق من غضب خلافاً لابن القیم اھ وھذا الموافق لما عندنا کما مر فی المدھوش اھ

اس میں تصریح ہے کہ غصہ کے تین درجے ہیں:

ایک یہ کہ : غصہ کے ابتدائی آثار پیدا ہوں اور اسکی عقل متغیر نہ ہو اور جو بات وہ کہتا ہے اسکو جانتا ہے اور ارادہ سے کہتا ہے اسکی طلاق بلاشبہ واقع ہے۔

دوسرے یہ کہ : غصہ انتہا کو پہنچ جائے حتی کہ اسکو یہ بھی خبر نہ رہے کہ اسکی زبان سے کیا نکل رہا ہے اور قصد و ارادہ بھی باقی نہ رہے (اور مجنون کی طرح ہو جائے) اسکی طلاق بلاشبہ واقع نہیں ہوتی۔

تیسرے یہ کہ : اسکی حالت ان دونوں درجوں کے بین بین ہو کہ مجنون کی طرح نہ ہوا ہو حنفیہ کے نزدیک اسکی طلاق بھی واقع ہو جاتی ہے ، وبہ قالت الحنابلۃ ولم یعتبروا بقول ابن القیم فی ذالک ، اس کے بعد علامہ شامیؒ نے اپنی ایک رائے ظاہر کی ہے جسکا حاصل یہ ہے کہ مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونے میں یہ شرط میرے نزدیک ضروری نہیں کہ اسکو اپنی بات کی خبر نہ رہے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ارادہ و قصد بھی باقی نہ رہے بلکہ صرف اتنا کافی ہے کہ اس سے غصہ میں بہکی بہکی باتیں صادر ہونے لگیں اور بے ڈھنگا پن افعال میں ظاہر ہو۔

ونصہ والذی یظھر لی ان کلا من المدھوش والغضبان لا یلزم فیہ ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیہ بغلبۃ الھذیان و

اختلاف الجد بالهزل کما هو المفتی به فی السکران علی ما مر ولا ینافیه تعریف الدهش بذهاب العقل فان الجنون فنون اھ (ص ۱۰۱ ج ۲)

لیکن یہ علامہ شامیؒ کی ذاتی رائے ہے فتویٰ نہیں ہے کیونکہ اوپر انکے کلام سے معلوم ہو چکا ہے کہ قسم ثالث میں حنفیہ کے نزدیک طلاق واقع ہو جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذہب حنفیہ میں مغلوب العقل کی طلاق واقع نہ ہونیکیلئے عدم شعور وعدم ارادہ بھی شرط ہے اور آگے چل کر علامہ شامیؒ نے اپنی اس رائے پر خود ہی اشکال قوی بھی وارد کیا ہے جس کا جواب بہت تکلف کر کے دیا ہے۔

ونصه نعم یشکل علیه ما سیأتی فی التعلیق عن البحر وصرح به فی الفتح والخانیة وغیرهما وهو لو طلق فشهد عنده اثنان انك استثنیت وهو غیر ذاکر ان کان بحیث اذا غضب لا یدری ما یقول یقع طلاقه والا فلا حاجة الی الاخذ بقولهما انك استثنیت وهذا اشکل جداً اھ

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کے نزدیک غلبہ عقل کیلئے عدم شعور شرط ہے اور علامہ شامیؒ نے جو اسکو سکران پر قیاس کر کے محض هذیان اور خلل افعال کو کافی سمجھا ہے درحقیقت یہ قیاس مع الفارق ہے لان السکر مزیل للعقل عادةً فیحکم بادنی القرائن بزوال العقل بخلاف الغضب ونحوه فانه لیس بمزیل للعقل عادة فلا یحکم فیه بزواله الا بقرینة قویة وهو ان یکون بحیث لا یدری ما یقول ویبقی عدیم الشعور وایضاً فان طلاق السکران یقع عندنا زجراً له وطلاق المدهوش لا یقع فقیاس احدهما علی الآخر غیر صحیح فان الطلاق الصادر عن المکلف لا یحکم بعدم وقوعه الا اذا تحقق انه صار کالمجنون ــــ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ فتویٰ منقول پر ہوا کرتا ہے کسی مصنف کی رائے پر فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔ الا اذا ظهر تائیده بالمنقول، اور تمام کتب فتاویٰ میں مدهوش کی تعریف میں زوال عقل و ذهاب عقل وغیرہ الفاظ اسپر دال ہیں کہ عدم شعور بھی اسمیں شرط ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیه (ص ۳۸) الدهش هو ذهاب العقل من ذهل او وله وقد صرح فی التنویر والتتارخانیة وغیرهما بعدم وقوع

طلاق المدھوش فعلیٰ ھذا حیث حصل الرجل دھش زال بہ عقلہ وصار لا شعور لہ لا یقع طلاق والقول قولہ بیمینہ ان عرف منہ الدھش وان لم یعرف منہ لا یقبل قولہ قضاءً الا ببینۃ، کما صرح بذالک علماء الحنفیۃ اھ ۔

اس میں لفظ " صار لا شعور لہ " بالکل صاف ہے اور علامہ شامیؒ نے تنقیح میں اس پر کلام نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکے نزدیک فتویٰ اس پر ہے کہ مغلوب العقل بے شعور ہونا بھی شرط ہے کیونکہ یہ کتاب علامہ شامیؒ کی " رد المحتار " کے بعد کی تصنیف ہے پس رد المحتار میں جو رائے مذکور ہے وہ فتویٰ نہیں۔ بلکہ محض ایک عالمانہ بحث ہے اور فقہاء نے تصریح کی ہے کہ ابحاث ابن ھمام میں فتویٰ نہیں دیا جا سکتا (حالانکہ وہ مثل مجتہد ہیں) پس دوسروں کی رائے اور بحث پر فتویٰ کیونکر ہو سکتا ہے!
پس جب کوئی شخص طلاق کے بعد مغلوب العقل ہونیکا دعویٰ کرے اس کے قبول ہونیکے لئے سب سے اول شرط یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت غلبۂ عقل اور دھش کی جو علامتیں اوپر مذکور ہوئی ہیں یعنی بہکی بہکی باتیں کرنا، افعال میں بے ڈھنگاپن ظاہر ہونا وغیرہ وغیرہ پائی گئی ہوں اور وہ یہ دعویٰ کرے کہ میری زبان سے طلاق کا لفظ بے خبری میں نکل گیا تھا میں نے اس کا ارادہ وقصد نہ کیا تھا اور نہ مجھے شعور تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں دوسرے یہ کہ واقعہ طلاق سے پہلے بھی اسکو ایسا واقعہ پیش آ چکا ہو کہ وہ غصہ میں خارج از عقل ہو جاتا ہو اور لوگ اسکو جانتے ہوں اس صورت میں قاضی شرعی شوہر سے قسم لیکر اسکی بات کو قبول کرے اور عدم وقوع طلاق کا حکم کردے اور اگر پہلے کبھی اسکو ایسا واقعہ پیش نہیں آیا یا آیا مگر لوگ نہیں جانتے کہ غصہ میں یہ شخص خارج از عقل ہو جاتا ہے تو اس صورت میں قاضی بدون دو گواہوں کے شوہر کا یہ دعویٰ قبول نہ کرے کہ میں مغلوب العقل تھا وقد مرت دلائلہ فیما مر عن الکاملۃ والفتاویٰ الحامدیہ اس پر تنبیہ ضروری ہے کہ شوہر سے قسم یا گواہ دونوں حالتوں میں قاضی شرعی یا حکم لیگا۔ غیر قاضی حکم کے سامنے قسم کھا لینے یا گواہ قائم کردینے اور اسکے فیصلہ کر دینے سے کچھ نہ ہوگا نہ بیوی اسکے لئے حلال ہوگی نہ وہ شرعًا مدہوش مانا جائیگا۔

قال فی الدر :- قیدنا بتحلیف الحاکم لانھما لو اصطلحا علی ان

یحلف عند غیر قاضٍ و یکون بریًا فھو باطل لان الیمین حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اھ (ص ۶۵۲ - ج ۲)

وفی الھندیۃ :- ولو حلف بطلب المدعی یمینہ بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فھذہ الیمین بتحلیف فان التحلیف حق القاضی - کذا فی القنیۃ و ھکذا فی البحر اھ (ص ۱۰ - ج ۵) ــــــ قلت :- واشتراط مجلس القضاء فی البینۃ لا یخفی علی احد - قلت : ولکن یکفی تحلیف المرأۃ ایاہ کما ذکروہ فی باب الکنایات قال فی الدر :- ویکفی تحلیفھا لہ فی منزلہ فان ابی رفعتہ للحاکم فان نکل فرق بینھما مجتبیٰ اھ قال الشامی فان نکل ای عند القاضی ان النکول عند غیرہ لا یعتبر (ص ۷۶۴ ج ۲)

(۳) عورت کیلئے اس صورت میں حکم یہ ہے کہ وہ شوہر کے اس دعویٰ کو قبول نہ کرے کیونکہ مغلوب العقل ہونا عاقل بالغ کی حالت سے خلاف ظاہر ہے اور امور مخالفہ للظاہر میں عورت بمنزلہ قاضی کے ہے کہ جسطرح قاضی کو انکی تصدیق جائز نہیں اسیطرح عورت کو بھی تصدیق جائز نہیں۔ پس وہ یہی سمجھے کہ مجھکو تین طلاق دیدی گئیں اور اب میں اسکے لئے حلال نہیں۔ اور جتنک قاضی شرعی قسم لیکر یا گواہ لیکر یہ فیصلہ کردے کہ زید مغلوب العقل تھا اور اسکی طلاق واقع نہیں ہوئی اس وقت تک عورت کو اپنے اوپر زید کو قدرت دینا قطعًا حرام ہے۔

قال فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ (ص ۲۷ ج ۱) وقال فی الخانیۃ لو قال انت طالق انت طالق وقال اردت بہ التکرار صدق دیانۃً وفی القضاء طلقت ثلاثًا اھ - ومثلہ فی الاشباہ والحدادی وزاد الزیلعی ان المرأۃ کالقاضی فلا یحل لھا ان تمکنہ اذا سمعت منہ ذالک او علمت بہ لانھا لا تعلم الا الظاھر اھ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ

عقل زائل ہوجانیکی صورت میں طلاق واقع نہیں ہوتی

(سوال) ایک شخص کی والدہ نے انکی زوجہ کو بیحد گالی دی لھذا اس نے کہا کہ اے والدہ! آپ کیوں مفت میں گالی دیتی ہیں۔ خبردار! اچھا نہ ہوگا اس گفتگو پر اسکی والدہ نے شام کو انکے والد صاحب سے کہا تمہارا لڑکا مجھے ایسی ویسی کہتا ہے ازیں وجہ اسکے والد اور والدہ اور چچا وغیرہ سب نے ملکر انکو

مارنا شروع کیا اس حالت میں اس کے منہ سے "دو آرے سالہ جا تین طلاق" نکلا تب اس سے پوچھا گیا تم نے طلاق کس کو دی؟ اس نے جواب دیا میں نے تو طلاق کسی کو نہ دی اور میرے منہ سے کیا نکلا معلوم بھی نہیں میں بسبب مار کے بے ہوش تھا ہنوز اسکی زوجہ اس صورت میں مطلقہ ہوگی یا نہ ہوگی؟

الجواب:۔ قال فی العالمگیریۃ:۔ ولو زال عقلہ بالضرب او ضرب ھو علی راسہ حتی زال عقلہ وطلق لا یقع طلاقہ کذا فی فتاوی قاضی خان اھ (ص ۵۵ ج ۲)

صورت مسئولہ میں اگر شخص مذکور کی عقل ضرب سے زائل ہو گئی تھی جیسا کہ وہ دعوی کرتا ہے کہ میں بسبب مار کے بیہوش تھا تو اسکی طلاق زوجہ پر واقع نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ ۲۶ صفر ۴۱ھ

نابالغ کی طلاق کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ دریافت کرتا ہوں فقہ کی کتابوں میں طلاق نابالغ کے عدم جواز کو تحریر کرتے ہیں مگر سرخسیؒ کی ایک روایت جو مسلم الثبوت کے اخیر صفحات پر اور (شامی ج ۲۔ ص ۲۹۰) باب نکاح الکافر وغیرہ میں نقل کرتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ عند الحاجۃ نابالغ کی طلاق صحیح ہے اس عند الحاجۃ سے عام مراد ہے یا صرف ارتداد اور مجبوب کی صورت کی تخصیص ہے جواب سے مشرف فرمائیں گے یہ روایت سرخسیؒ کی شامی ج ۲۔ ص ۳۹۰) پر موجود ہے مسلم الثبوت مجتبائی کے اخیر میں بھی ہے۔ فقط والسلام۔

بندہ عبدالشکور مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب:۔ شامی اور درمختار کی پوری عبارت میں غور نہیں کیا گیا اس سے خود معلوم ہو رہا ہے کہ ابتداءً صبی کی طلاق واقع نہیں ہو سکتی ہاں، جب ضرورت کے وقت قاضی صبی میں اور اسکی بیوی میں تفریق کردے تو اس وقت یہ تفریق طلاق شمار ہوتی ہے۔

حتی اذا تحققت الحاجۃ الی صحۃ ایقاع الطلاق من جھتہ لدفع الضرر کان صحیحًا فاذا اسلمت زوجتہ وابی فرق بینھما وکان طلاقًا عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ واذا ارتد والعیاذ باللہ وفعن البینونۃ وکان طلاقًا عند محمدؒ الی ان قال وحاصلہ انہ کالبالغ فی وقوع الطلاق

منہ بھذہ الاسباب الا انہ لا یصح ایقاعہ منہ ابتداءً للضرر علیہ و مثلہ المجنون اھ (ص ۶۳۹ ج ۲)

اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ یہ حکم انہی صورتوں کے ساتھ مخصوص ہے جہاں ضرورت کی وجہ سے قاضی کو تفریق بین الصبی والمجنون وبین زوجتھا کا اختیار دیا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سرخسیؒ جواز طلاق من الصبی ابتداءً کا قائل ہیں ورنہ لازم آئیگا کہ جواز طلاق مجنون کے بھی وہ قائل ہوں ولم یقل بہ احد، واللہ اعلم۔

وصرح الشامی فی باب الطلاق (ص ۶۹۱ ج ۲) بتخصیص ھذا الوقوع بالارتداد والجب وقال محشی الدر وجوزہ احمد اھ۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۲۹ رجماد الثانی ۴۴ھ

نابالغ نہ خود طلاق دے سکتا ہے نہ اس کا ولی دے سکتا ہے

(**سوال**) زید نے اپنی بنت صغیرسن کو عمرو کے ابن صغیر کے ساتھ نکاح کردیا مرور ایام کے بعد لڑکی بالغ ہوگئی اور لڑکا نابالغ رہا اب جانبین چاہتے ہیں کہ زید کی کسی کم سن لڑکی سے عمرو کے اس لڑکے کی شادی کرائیں پہلی لڑکی کو کون طلاق دیگا (یعنی صغیر طلاق کا مالک ہوگا یا اس کا والد) اس مسئلہ میں حوالہ کتب دینی سے جواب ارشاد فرمائیں بہت سے علماء ممنون ہونگے۔

سائل عبدالصمد مدرسہ محمدیہ نواپاڑہ ڈاک خانہ خاص ضلع جسر

الجواب:۔ جب شوہر نابالغ ہے تو اسکی بیوی کو کوئی طلاق نہیں دے سکتا بلکہ اس لڑکے کے بلوغ کا انتظار لازم ہے وہ بالغ ہوکر خود طلاق دے تو وقوع طلاق ہوسکتا ہے ورنہ نہیں۔

صرح بہ فی الدر والشامیہ: باب الطلاق بقولہ: والصبی ولو مراھقاً ای لا یقع طلاقہ ص۶۹۹ ج۲ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۱۸ ر رجب ۴۸ھ

حکم تفریق زوجۂ نابالغ

(**سوال**)۔۔۔۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

ایک جوان عورت مسماۃ ھندہ مسلمان قوم نائی ایک مسلمان مرد زید کے ساتھ اپنے شوہر محمود کے گھر سے نکل گئی مسماۃ ھندہ کے شوہر محمود کی عمر اس وقت نو سال ہے مسماۃ ھندہ پانچ چھ مہینہ

کے بعد واپس آئی۔ اسکی واپسی پر محمود نابالغ کا باپ احمد حسین نے اپنے لڑکے کا نکاح اس وقت پڑھا ہے جب محمود کی عمر ۴ رسال کی تھی کہتا ہے کہ تو میرے لڑکے محمود کے قابل اور کام کی نہیں ہے، میرے گھر سے نکل جا، وہ نکل گئی، چونکہ مسماۃ ھندہ کے ماں باپ مرچکے ہیں اس وجہ سے وہ آوارہ پھر رہی ہے لوگوں کے کہنے سے مسماۃ آمادہ ہے کہ اگر میرا نکاح کسی مرد جوان سے کردیا جائے تو پابندی کے ساتھ رہونگی اور اسکے شوہر کا باپ احمد بھی چاہتا ہے کہ اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ جس سے طلاق ہوجائے تو میں خود طلاق دیدوں یا اپنے لڑکے سے دلادوں لھذا یہ التماس ہے کہ جو مناسب صورت طلاق کی ہو اس سے سرفراز فرمائیں تاکہ اس مسماۃ کو فعل بد سے بچانیکی کوئی تدبیر کی جائے۔ اگر اسکی طلاق نہ ہوئی تو جن لوگوں نے اسلامی ھمدردی اور ایک مسلمان عورت کو اب سے عزت بچانے کیلئے اپنے یہاں رکھ لیا ہے انکو کیا کرنا چاھیئے؟ ان میں مسماۃ کی کفالت کرنیکی قدرت نہیں ہے اور چند روز سے مسماۃ ھندہ کے شوہر کا باپ احمد بھی غریب ہوگیا ہے خود نانِ شبینہ کا محتاج ہے محمود لڑکا کمزور ہے مزدوری کے قابل نہیں ہے اگر امداد کرکے احمد سے کہا بھی جائے کہ تو رکھ لے تو وہ اس وجہ سے اور بھی رکھنے سے مجبور ہے کہ وہ اپنی برادری سے علیحدہ کردیا جائیگا۔ کمترین عبدالسلام عفی عنہ از کانپور محلہ نیچا باغ ۹ رجمادی الثانی ۱۳۴۵ھ

الجواب: نابالغ بچہ کی طلاق واقع نہیں ہوسکتی اور خسر بھی طلاق کا اختیار نہیں رکھتا جب وہ لڑکا بالغ ہوجائے پھر اسکو اختیار ہے چاھے اس عورت کو رکھے یا نہ رکھے اور جب وہ عورت جوان ہے تو اس کا نان ونفقہ خاوند کے ذمہ سے بشرطیکہ وہ خود خاوند کے گھر سے نہ جائے اور اگر خود کہیں چلی جائے تو اسکو نفقہ نہ ملے گا ہاں چلی جانیکے بعد پھر واپس آجائے تو پھر نفقہ کی مستحق ہوگی۔ اور اگر وہ عورت خاوند کے گھر رہنا چاھے اور خسر نکالدے تو اس صورت میں عورت کا نفقہ واجب رہیگا اور اگر صغیر مفلس ہے تو اسکی زوجہ کا نفقہ صغیر کے باپ پر ادا کرنا لازم ہے اگر ہندوستان میں قاضی اسلام ہوتا تو اس صورت میں وہ خسر کو بہو کے نفقہ پر مجبور کرتا یعنی اس نابالغ کے باپ کو اس صغیر کی بیوی پر نفقہ خرچ کرنیکا حکم کیا جاتا اور کہدیا جاتا کہ بعد بلوغ کے لڑکے سے نفقہ کا رجوع کرے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ باپ نے صغیر کی بیوی کے نفقہ کی ضمانت نہ کی ہو، اور اگر وہ ضامن بنگیا ہو خواہ قولاً صریحًا یا عرفًا دلالۃً لان المعروف کالمشروط تو خود باپ ھی کے ذمہ اس صورت میں نفقہ عورت صغیر کا واجب ہوگا، اور ہندوستان کا عرف یہی ہے کہ اگر لڑکی بالغ ہوجائے اور لڑکا نابالغ ہو تو لڑکے کا باپ اپنی بہو کے نفقہ کا ضامن ہوتا ہے۔

قال فی الشامیہ عن الخانیۃ: وکانت کبیرۃ ولیس للصغیر مال لایجب علی الاب نفقتہا ویستدین الاب علیہ ثم یرجع علی الابن اذا الیسر اھ۔ وفی الحاکم فان کان صغیراً لامال لہ لم یوخذ ابوہ بنفقۃ زوجتہ الا ان یکون ضمنہا اھ ومثلہ فی الزیلعی وغیرہ، قلت: وھو مخالف لما سیذکرہ الشارح فی باب النفقۃ من الفروع حیث قال: وفی الدر المختار، والملتقی: ونفقۃ زوجۃ الابن علی ابیہ ان کان صغیراً فقیراً او زمناً اھ اللّٰھم الا ان یحمل ما سیأتی علی انہ یومر بالانفاق لیرجع بما انفقہ علی الابن اذا الیسر الخ ص۵۸۵ و۵۸۶ ج۲ وفی الدر فی باب النفقۃ: ویجبر الاب علی نفقۃ امرأۃ ابنہ الغائب وولدھا وکذا الام علی نفقۃ الولد لترجع بہا علی الاب اھ وتاولہ الشامی بما قال انفاً ان معناہ الامر بالانفاق (ص ۱۱۰۹ ج ۲)۔

اور جب قاضی اسلام نہیں تو عورت یا تو برادری اور پنچایئت کے سامنے یہ واقعہ پیش کرے یا عدالت موجودہ میں خسر پر نان ونفقہ کا دعویٰ دائر کرے یا صبر کرے باقی یہ جو سائل نے لکھا ہے کہ اگر طلاق کی کوئی صورت نہ ہوئی تو عورت آوارہ ہو جائیگی۔ اسکی ہم ذمہ دار نہیں جبکہ ان بلاد میں قاضی اسلام نہیں اگر قاضی اسلام ہوتا تو ھم اسکی تدبیر بھی بتا دیتے اور پنچایئت کا فیصلہ نہایت ظلم پر مبنی ہے کہ وہ خسر کو بہو کے نفقہ وسُکنیٰ سے روکتی ہے اسکی شرارت کی سزا کچھ اور دی جائے اسکے حق نفقہ وسُکنیٰ کو کیوں باطل کیا جاتا ہے؟ خسر کو لازم ہے کہ پنچایئت کے اس فیصلہ کی پرواہ نہ کرے اور بہو کو اپنے گھر رکھکر نفقہ دے۔

فقط مولوی عبد الکریم بقلم ظفر احمد عفا عنہ

۲۵ ج ۲ ۔ ۴۵ھ

فصل فی طلاق الثلاث واحکامہ

مطلقہ ثلاثہ کا حکم

(**سوال**) ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پھر اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے جب تک عورت کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ نہ ہو جائے اور اس سے طلاق نہ ملی پہلے کے ساتھ نکاح جائز نہیں لیکن کیا دوسرے نکاح کے ساتھ صحبت بھی شرط ہے اگر عورت انکار کرے یا مرد خود نہ چاہے یا اسی وقت دوسرے کے ساتھ نکاح کرا کر طلاق دلوادیں اور پہلے شوہر کے ساتھ اسی وقت نکاح کردیں کسی طرح صحیح جائز ہے؟

الجواب:۔ اگر تین طلاق دیدی ہیں تو جب تک دوسرا شوہر اس عورت سے صحبت نہ کرے اس وقت تک حلالہ نہیں ہیں پہلے شوہر سے نکاح جب درست ہے جبکہ دوسرا شوہر صحبت کے بعد طلاق دے اور طلاق کے بعد عدت بھی گذر جائے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفاعنہ۔ ۲۶ ربیع الثانی ۶۰ھ

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تین طلاقیں واقع ہوگئیں

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ حافظ رجب نے ۲۴ نومبر ۴۱ء کو بحالت غصہ اپنی بیوی کو بہت آدمیوں کے سامنے چار مرتبہ اسطور سے طلاق دی کہ تین مرتبہ اپنی بیوی کو مخاطب کرکے کہا کہ "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا"، "تجھکو طلاق دیا" اور ایک مرتبہ نام لیکر کہا کہ "فلانی تجھکو ہم نے طلاق دیا" درمیان میں لوگوں نے ہر چند سمجھایا اور منع کیا ایسا نہ کرو۔ زبان بند کرو ورنہ بعد میں افسوس کروگے مگر اس نے ایک نہ مانا اور طلاق دی ھے۔ حافظ رجب مذکور کی مطلقہ طلاق پانے کے بعد ایک روز زوج کے گھر دوسروں کی نگرانی میں رہی، دوسرے روز اپنے باپ کے گھر چلی گئی اور اب تک اپنے باپ کے گھر میں ہے ہر چند لوگوں کے اغوا سے حافظ رجب نے غیر مقلد علماء سے استفتاء کیا چنانچہ انہوں نے اپنے اعتقاد کے مطابق لکھدیا کہ ایک ہی طلاق ہوئی اور رجوع ممکن ہے اسی فتویٰ کی بہانے پر حافظ رجب نے ۱۴ فروری ۴۲ء کو چند آدمی جمع کرکے یہ کہا کہ میں نے اپنی عورت کو طلاق دی تھی تم لوگ گواہ رہو کہ میں رجعت کرتا ہوں اور مطلقہ سے اس سے ملاقات تک نہیں اسلئے کہ وہ اپنے باپ کے گھر میں ہے اور اس لفظی رجعت

کے وقت بھی اقرار طلاق بدون حالت غصّہ موجود ہے کیونکہ زوجین ہمیشہ سے حنفی المذہب ہیں، اسلئے بربناء مذہب حنفیہ جو حکم شریعت ہو بحوالہ عبارت کتب جواب شافی سے ماجور عند اللہ وممنون عند الناس ہونگے۔ المستفتی۔ بچی نداف سوامہ محلہ ابوحلیم پٹی ضلع الہ آباد۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں ائمہ اربعہ وجمہور سلف وخلف کے نزدیک تین طلاق واقع ہوگئیں اور منکوحہ حافظ رجب ہمیشہ کیلئے اسپر حرام ہوگئی اب بدون تحلیل کے ہرگز اس کیلئے حلال نہیں ہوسکتی اور اس صورت میں ایک طلاق واقع ہونیکا فتویٰ بجز گمراہ شخص کے کوئی نہیں دے سکتا۔

قال: فی عدۃ ارباب الفتوی (ص ۲۳): ولا ینزل قولہ لہا: انت طالق ثلاثًا طلقۃ واحدۃ، ولا یفتی بذلك الا من اضلہ اللہ تعالی۔ والمواقع ثلاث طلقات وقد بانت بینونۃ کبری لا تحل لہ الا بعد زوج آخر اھ

وفی رد المحتار: (ص ۶۸۸ ج ۲): وقد ذہب جمہور الصحابۃ والتابعین ومن بعدہم من ائمۃ المسلمین الی انہ یقع ثلاث (الی ان قال) وقد ثبت النقل عن اکثرہم صریحًا بایقاع الثلث ولم یظہر لہم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال وعن ہذا قلنا: لو حکم حاکم بانہا واحدۃ، لم ینفذ حکمہ، لانہ لا یسوغ الاجتہاد فہو خلاف لا اختلاف اھ

پس صورت مذکورہ میں غیر مقلدین کے فتویٰ پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۸ رجمادی الآخر ۴۰؁ھ

طلاق کنایہ کے ساتھ طلاق صریح ملکر تین طلاق واقع ہوگئیں

(سوال) کیا حکم ہے اس معاملہ میں شریعت مطہرہ کا کہ زید اپنی بیوی ھندہ سے کسی وجہ سے ناخوش ہوگیا اور اس نے غصّہ کی حالت میں ایک خط اپنی ساس اور بیوی کے نام لکھا۔ زید نے کوئی تاریخ نہیں لکھی اور نہ مضمون خط کے آخر میں اپنا دستخط کیا لیکن خط کے مضمون میں ایک مقام پر اپنا نام ظاہر کردیا ہے اور اس میں مطلق شبہ نہیں ہے کہ مذکورہ خط زید کا لکھا ہوا ہے زید اپنی ساس کو برا بھلا لکھنے کے بعد اپنی بیوی کو لکھتا ہے " اگر چُلّو بھر پانی ملے تو ڈوب مرو، منہ کالا کرکے نکل جاؤ، میں تم سے عاجز تم مجھ سے بیزار رہیں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ تم سے نفرت تم اپنا انتظام کرلو، مجھ سے اب

کوئی مطلب نہیں۔ خبردار! آج کی تاریخ سے مجھکو غیر سمجھکر (جیسا کہ تم نے آجکل سمجھا ہے) کوئی خط مت لکھنا میں تمہارا خط دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا، مجھکو آج معلوم ہوا ھے کہ تم اپنے باپ کا بدلہ لینا چاھتی ہو اگر تم بدلہ لوگی تو میں بھی باپ کا بیٹا ہوں بیٹی نہیں ہوں تم ضرور بدلہ لو۔ میں نے تم کو آزاد کردیا اپنے باپ سے لکھکر طے کرلو اور جس دن کہو ہیں آکر باضابطہ آزاد کردوں اور قطع تعلق کرلوں میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا میں تو بیزار ہوں۔ اچھا ھے کہ تم الگ ہوجاؤ اور دوسرا عقد کرلو"

دریافت طلب امر یہ ہے کہ مضمونِ مندرجہ بالا سے کیا طلاق واقع ہوگئی اور اگر ہوئی تو رجعی ھے یا بائن؟ اگر رجعی ھے تو کس شکل سے اور کس مدت کے اندر رجعت ہوسکتی ہے۔ اور اگر بائن طلاق پڑگئی تو ھندہ کیلئے اب کیا حکم شریعت ہے؟۔

السائل شیخ محمد زکریا ساکن مچھلی شہر ضلع جونپور

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں زید نے متعدد الفاظ کنایات طلاق میں سے استعمال کئے ہیں مثلاً "منہ کالا کرکے نکل جاؤ" "میں تم سے ہمیشہ کیلئے الگ" "تم اپنا انتظام کرلو" "مجھ سے کوئی مطلب نہیں" ان سب کے بعد اس نے لکھا ہے "میں نے تم کو آزاد کردیا" جو کہ اردو میں طلاق کیلئے صریح ہے۔ پھر لکھا ہے: "میرے لئے تو قطع تعلق ہوگیا" یہ بھی ارادۂ طلاق کا مؤید ہے، لھذا صورت مذکورہ میں اگر زید اقرار کرے کہ یہ خط اس کا لکھا ہوا ہے تو ھندہ پر تین طلاق مغلظ پڑگئیں، اب بدون حلالہ کے زید سے نکاح درست نہیں۔

وفی العالمگیریۃ :۔ والحق ابو یوسف بخلیۃ اربعۃ اخری ذکر منھا فارقتک

وفی الفتاویٰ :۔ لم یبق بینی وبینک عمل، ونوی یقع ولو قال، ابعدی عنی ونوی الطلاق، یقع۔

وفی مجموع النوازل :۔ لو قال لھا: اذھبی الیٰ جھنم، ونوی الطلاق یقع، ولو قال: اعتقتک، طلقت بالنیۃ اھ (ص ٦٩ و ٧٠ - ج ٢)

وفیہ :۔ لایقع بھا ای بالکنایات الطلاق الّا بالنیۃ او بدلالۃ حال اھ

قلت : وفی الصورۃ المسئولۃ دلالۃ الحال شاھدۃ بارادۃ الطلاق۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

٢ رمضان ٣٠ھ

یکبارگی تین طلاق دیدینے سے تین طلاق واقع ہوجانیکا بیان اوراسکی تحقیق اور اعتراضات کا جواب

(**سوال**) صحیح مسلم میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ زمانۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور زمانۂ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں بھی جاری تھا کہ کوئی شخص یکبارگی تین طلاق دیتا تھا تو وہ ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا تو مولانا صاحب وہ ایک طلاق شمار کرنیکی علت کیا تھی کیا سب سے ایک ہی طلاق ہوتا تھا جس وجہ سے ایک طلاق قائم کیا جاتا تھا۔ اسکی دلیل بھی تحریر فرمادیں کیونکہ غیرمقلدین اس حدیث کے اوپر دلیل پکڑتے ہوئے حنفی کو گمراہ کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حنفی کی کوئی دلیل قرآن و حدیث سے ثابت نہیں ہے

۱۔ حنفی لوگوں کی ایک جلسہ میں تین طلاق کا دینا وہ طلاق تین واقع ہونا کون سی آیت اور کون کون سی حدیث شریف سے ثابت ہے وہ آیت اور حدیث شریف تحریر فرمائیں؟

۲۔ یہ حدیث جس کا اشارہ تحریر ہے یہ حدیث ناسخ ہے یا منسوخ ہے؟

۳۔ جو لوگ تین طلاق دیکر ایک قائم کرکے عورت کو رکھ لیتے ہیں انکو قیامت کے دن عذاب ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو اسکی دلیل کیا ہے؟

۴۔ حدیث مذکورہ صحیح ہے یا غیر صحیح؟

۵۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو اس حدیث کے خلاف حنفی عمل کرتے ہیں تو ان کو عذاب ہوگا یا نہیں۔؟

الجواب:۔ قال اللہ تعالیٰ: اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ، الی ان قال: فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ قال الحافظ فی الفتح: قال القرطبی: وحجۃ الجمھور فی اللزوم من حیث النظر ظاھرۃ جدًا وھو ان المطلقۃ ثلاثًا لا تحل للمطلق حتی تنکح زوجًا غیرہ ولا فرق بین مجموعھا ومفرقھا لغۃً وشرعًا وما یتخیل من الفرق صوری الغاہ الشرع اتفاقًا فی النکاح والعتق والاقاریر اھ (ص ۳۱۸)

قلت: وقد اخرج الطبری فی تفسیرہ عن انس وعن ابی ھریرۃ وعائشۃ وابن عباس وابن عمر کلھم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الرجل یطلق زوجتہ ثلاثًا ثم تتزوج برجل آخر ھل تحل للاول قال لا حتی

یذوق عسیلتها وتذوق هی من عسیلته وهو حدیث مشهور مطلق لم یفرق فیه بین المجموع والمفترق. واخرج البخاری حدیث امرأة رفاعة انها قالت طلقنی رفاعة (الی) ثلٰث تطلیقا وانی نکحت بعده عبد الرحمٰن ——— وفیه ——— قوله علیه الصلاة والسلام لا حتی یذوق عسیلتك وتذوقی عسیلته. واخرج البخاری عن عائشة: ان رجلاً طلق امرأته ثلاثاً فتزوجت فطلق فسئل النبی صلی الله علیه وسلم اتحل للاول قال لا حتی یذوق عسیلتها کما ذاق الاول۔ (فتح الباری ص۳۳۱ ج ۲)

قال الحافظ: فالتمسك بظاهر قولها طلقها ثلاثاً فانه ظاهر فی کونها مجموعة اھ۔

وقال النووی: واحتج الجمهور بقوله تعالیٰ: ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدری لعل الله یحدث بعد ذالك اھ

قالوا: معناه: ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونة فلو کانت الثلٰث لم یقع طلاقه هذا الا رجعیاً فلا یندم، واحتجوا ایضاً بحدیث رکانة انه طلق امرأته البتة فقال له النبی النبی صلی الله علیه وسلم: آلله ما اردت الا واحدة قال آلله ما اردت الا واحدة فهذا دلیل علی انه لو اراد الثلاث لوقعن والا فلم یکن لتحلیفه معنی اھ (ص ۴۷۸-ج-۱)

واخرج ابو داؤد بسند صحیح من طریق مجاهد قال: کنت ابن عباس فجاءه رجل فقال: انه طلق امرأته ثلاثاً، فسکت حتی ظننت انه سیرده الیه فقال ینطلق احدکم فیرکب الاحموقة ثم یقول یا ابن عباس! یا ابن عباس! ان الله قال: ومن یتق الله یجعل له مخرجاً ...... وانك لم تتق الله۔ فلا أجد لك مخرجاً عصیت ربك وبانت منك امرأتك اھ کذا فی الفتح (ص ۳۱۶ - ج - ۸)

قلت: وزاد الطبری ثم قرأ ابن عباس قوله تعالیٰ: یا ایها النبی اذا طلقتم النساء فطلقوهن فی قبل[1] عدتهن اھ واخرج الطبری

[1] یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرأۃ ہے، اور مشہور قرأۃ "لعدتهن" ہے۔ دیکھئے تفسیر مظہری ۹: ۳۱۸ من سورۃ الطلاق۔ دلاور حسین عفی عنہ

بسند صحیح عن الزہری فی قصۃ فاطمۃ بنت قیس فقالت فاطمۃ بینی
و بینکم کتاب اللہ قال اللہ جل ثناءہ: فطلقوهن لعدتهن حتی بلغ
لعل اللہ یحدث بعد ذالک امرا، قالت: فای امر یحدث بعد الثلاث
و انما ھو فی مراجعۃ الرجل امرأتہ اھ ملخصًا ص ۸۷ ج ۔ واخرج عن
الحسن و عکرمہ بسند صحیح یقولان المطلقۃ ثلاثاً والمتوفی عنہا
زوجہا لاسکنیٰ لہا و نفقۃ قال فقال عکرمۃ لعل اللہ یحدث بعد ذالک
امرًا فقال ما یحدث بعد الثلاث اھ ص ۸۸ ۔ج ۲۸ ۔ واخرج الطبری
فی تفسیر قولہ تعالیٰ: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح
باحسان[له] عن عروۃ بن الزبیر و قتادۃ وابن زید وغیرھم قالوا کان
الطلاق قبل ان یجعل اللہ
الطلاق ثلاثاً لیس لہ ان یطلق الرجل امرأتہ مائۃ ثم ان اراد ان
یراجعہا قبل ان تحل کان ذالک لہ فجعل اللہ الطلاق ثلاث تطلیقات
اھ ملخصًا واسانیدھا صحاح ۔ وقال السیوطی فی الدر المنثور (ص ۲۷۷
ج ۔۱) واخرج الترمذی وابن مردویہ والحاکم وصححہ والبیہقی فی
سننہ عن عائشۃ انہا قالت: کان الناس والرجل یطلق امرأتہ ماشاء
اللہ ان یطلقہا وھی امرأتہ اذا ارتجعہا حتی نزل القرآن: الطلاق
مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان " ۔ واخرج ابن مردویہ
والبیہقی عن عائشۃ قالت: لم یکن للطلاق وقت یطلق امرأتہ
ثم یراجعہا مالم تنقض العدۃ فانزل اللہ فیہ الطلاق مرتان فوقت
لہم الطلاق ثلاثاً یراجعہا فی الواحدۃ وفی اثنتین ولیس فی الثالثۃ
رجعۃ حتی تنکح زوجًا غیرہ ـــــ واخرج ابوداؤد والنسائی والبیہقی
عن ابن عباس ان الرجل کان اذا طلق امرأتہ فہو احق برجعتہا و
ان طلقہا ثلاثاً فنسخ ذالک فقال: الطلاق مرتان اھ قلت:
وقواہ الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ ۔ ج ۔۸) قال السیوطی واخرج مالک
والشافعی وابوداؤد والبیہقی عن محمد بن ایاس بن البکیر قال طلق

[له] من سورۃ البقرۃ ۲ : ۴۵۶ مطبع دار الفکر بیروت ۔ دلاور حسین عفی عنہ

رجل امرأته ثلاثاً قبل ان یدخل بها ثم بدا له ان ینکحها فجاء یستفتی فذهبت معه اسأل له فسأل اباهریرة وعبدالله بن عباس عن ذالك فقالا: لا نری ان تنکحها حتی تنکح زوجاً غیرك قال: انما کان طلاقی ایاها واحدة قال ابن عباس: انك ارسلت من یدك ماکان لك من فضل اھ (ص ۲۷۸ ج ۱) قلت:- واحادیث مالك صحاح اخرجه محمد فی موطاه (ص ۲۵۹) عن مالك عن الزهری عن محمد بن عبدالرحمن بن ثوبان عن محمد بن ایاس بن البکیر وکلهم ثقات لا یسأل عن مثلهم — واخرج مالك انه بلغه ان رجلاً قال لابن عباس انی طلقت امرأتی مائة تطلیقة فما ذا تری علیّ، فقال له ابن عباس: طلقت منك بثلاث وسبع وتسعون اتخذت بها ایات الله هزوًا مالك انه بلغه رجلاً جاء الی ابن مسعود فقال انی طلقت امرأتی بمأتی تطلیقات فقال ابن مسعود فما ذا قیل لك قال قیل لی انها قد بانت منی فقال ابن مسعود: صدقوا اھ (ص ۱۹۹)۔ قلت: وبلاغات مالك صحاح کما تقرر عند المحدثین۔ والجواب عن حدیث طاؤس عن ابن عباس الذی اخرجه مسلم وغیره بوجوه الاول ان حدیث طاؤس هذا شاذ خالف فیه العدد الکثیر من اصحاب ابن عباس وهی طریقة البیهقی فانه ساق الروایات عن ابن عباس بلزوم الثلاث ثم نقل عن ابن المنذر انه لا یظن بابن عباس انه یحفظ عن النبی صلی الله علیه وسلم شیئاً ویفتی بخلافه فتیعین المصیر الی الترجیح والاخذ بقول الاکثر اولی من الاخذ بقول الواحد اذا خالفهم۔ وقال: ابن العربی هذا حدیث مختلف فی صحته فکیف یقدم علی الاجماع اھ کذا قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۷ ج ۸) —— وفی زاد المعاد لابن القیم قال البیهقی فهذه روایة سعید بن جبیر وعطاء بن ابی رباح ومجاهد وعکرمة و عمرو بن دینار ومالك بن الحرث ومحمد بن ایاس بن البکیر قال ورویناه عن معاویة بن ابی عیاش الانصاری کلهم عن ابن عباس انه اجاز

الثلاث وامضاهن اھ (ص ۲۵۸ ج-۲)۔ الثانی: دعوی الاضطراب،
قال القرطبی فی المفهم وقع فیه مع الاختلاف علی ابن عباس الاضطراب
فی لفظه وظاهر سیاقه یقتضی النقل عن جمیعهم ان معظمهم
کانوا یرون ذالک والعادة فی مثل هذا ان یفشو الحکم وینتشر
فکیف ینفرد به واحد عن واحد قال فهذا الوجه یقتضی التوقف
عن العمل بظاهره ان لم یقتض القطع ببطلانه اھ کذا قال الحافظ
فی الفتح (ص ۳۱۸ ج ۸) قلت:۔ ودلیل الاضطراب ان اباداؤد
اخرجه بلفظ "اما علمت ان الرجل کان اذا طلق امرأته ثلاثا قبل
ان یدخل بها جعلوها واحدة، قال الحافظ: فتمسک بهذا السیاق
من اعلی الحدیث اھ (ص ۳۱۷ ج ۸) الجواب الثالث: انه ورد
فی صورة خاصة فقال ابن سریج وغیره: یشبه ان یکون ورد فی تکریر اللفظ
کان یقول انت طالق انت طالق انت طالق وکانوا اولا علی سلامة
صدورهم یقبل منهم انهم ارادوا التاکید فلما کثر الناس فی
زمن عمرؓ وکثر فیهم الخداع ونحوه مما یمنع قبول من ادعی التاکید
جعل عمر اللفظ علی ظاهر التکرار فامضاه علیهم۔ وهذا الجواب
ارتضاه القرطبی وکذا قال النووی: هذا اصح الاجوبة (فتح ۳۱۸ ج-۸)
الجواب الرابع:۔ حمل قوله ثلاثاً علی المراد بها لفظ "البتة" کما فی حدیث
رُکانة سواء وهو من روایة ابن عباس ایضاً فکان بعض رواته حمل
لفظ "البتة" علی الثلاث لاشتهار التسویة بینهما فرواها بلفظ
ثلاث، وانما المراد لفظ البتة وکانوا فی العصر الاول یقبلون ممن
قال اردت بالبتة الواحدة فلما کان عهد عمر امضی الثلاث فی
ظاهر الحکم اھ کذا قال الحافظ فی الفتح (ص ۳۱۸- ج ۸) وحاصل
هذا الجواب عندنا: ان لفظ "البتة" کان فی العصر الاول من الکنایات
لم یکن صریحاً فی ارادة التحریم المغلظ فیقبل ممن قال اردت به واحدة
فلما کان عهد عمر تتابع الناس فی استعمال هذا اللفظ وصار کالصریح فی

معنی الحرمة المغلظة وامضی عمر به الطلقات الثلاث والحقه بقول القائل انت طالق ثلاثاً لعرف اهل زمانه، یؤیده ما اخرجه مالک عن یحیٰی بن سعید عن ابی بکر بن حزم: ان عمر بن عبدالعزیز قال: "البتة" ما یقول الناس فیها؟ قال ابو بکر فقلت له کان ابان بن عثمان یجعلها واحدة فقال عمر بن عبدالعزیز لوکان الطلاق الفا ما ابقت البتة منه شیئاً، من قال البتة فقد رمی الغایة القصوی، و مالک عن ابن شهاب ان مروان بن الحکم کان یقضی فی الذی یطلق امرأته البتة انها ثلاث تطلیقات و مالک عن ابن شهاب یقول فی الرجل یقول لامرأته برأت منی و برأتُ منکِ انها ثلاث تطلیقات بمنزلة البتة اھ (ص ۲۰۰ مؤطا مالک)۔ فهذه کلها تدل علی ان لفظ "البتة" کان عندهم بمنزلة الطلقات الثلاث عرفاً ــــ فان قلت: فلما انعقد الاجماع علی کون البتة ثلاثاً فلم خالف الحنفیة فیه؟ ــــ قلنا:- کان سبب الاجماع عرف اهل زمانهم والّا فهذا اللفظ فی الاصل من الکنایات فلما تغیر العرف فی زمن ابی حنیفةؒ تغیر الحکم ایضاً وعاد الی اصله وعلی هذا فمعنی قول ابی الصهباء لابن عباس اتعلم انها کانت الثلاث تجعل واحدة علی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وابی بکر وثلاثاً من امارة عمر قال ابن عباس نعم: یعنی اتعلم ان لفظ البتة الذی یراد به الآن الطلقات الثلاث کانت تجعل واحدة فی عهده صلی الله علیه وسلم وابی بکر وصدراً من خلافة عمر، قال ابن عباس، فلما کان فی عهد عمر تتابع الناس فی الطلاق فاجازه علیهم یعنی تتابع الناس فی الطلاق فی الثلاث هذا، والله تعالیٰ اعلم۔

تین طلاق دینے سے تین طلاق واقع ہونیکی دلیل حق تعالیٰ کا یہ قول ہے، "اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمۡسَاكٌ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌ بِاِحۡسَانٍ ۔ الیٰ قولہ ۔ فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ ۔ یعنی طلاق رجعی دو طلاق ہیں اسکے بعد یا تو قاعدہ کے موافق بیوی کو روک لے یا خوبی سے علیحدہ کردے، آگے ارشاد ہے کہ "دو کے بعد اگر دوسری طلاق دی تو وہ عورت اب شوہر کیلئے حلال نہ رہیگی جب تک وہ کسی دوسرے

سے نکاح نہ کرے ،، اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد حرمتِ مغلظہ ثابت ہوجاتی ھے خواہ ایک مجلس میں دی یا الگ الگ دو مجلسوں میں کیونکہ الفاظ آیت کے مطلق ہیں اور احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم مطلق ھی ہے جیساکہ آئندہ آئیگا۔ دوسری دلیل حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ھے ،، ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً ،، جو کوئی خداوندی حدود سے تجاوز کرے اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ اے (طلاق دینے والے) شخص تجھکو کیا معلوم ھے شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کردیں (یعنی شاید طلاق کے بعد تجھکو ندامت ہو اور تو بیوی کو رکھنا چاھے اسلئے حد سے آگے نہ بڑھ) اور طلاق رجعی کی حد پہلی آیت میں معلوم ہوچکی ھے کہ دو تک ہے) پس اگر تین طلاق دینے سے ایک ہی واقع ہوا کرے تو لازم آتا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے میں اسکو کچھ بھی ندامت نہ ہو حالانکہ آیت سے معلوم ہورہا ہے کہ حد سے تجاوز کرنے والا اپنے اوپر ظلم کرتا ہے۔ اور شاید بعد میں اسکو ندامت ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق دینے سے تین ہی پڑتی ہیں اور جو تفسیر ھم نے ان آیات کی بیان کی ھے احادیث سے اسکی تائید ہوتی ہے چنانچہ ملاحظہ ہو:

(۱) طبری نے اپنی تفسیر میں حضرت انس وابوھریرۃ وحضرت عائشہ وابن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت کی ہے وہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں اس شخص کے بارے میں جس نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہوں پھر اس نے دوسرے شخص سے نکاح کیا ہو اور اس نے بھی طلاق دیدی ہو تو وہ پہلے کیلئے حلال ہوگئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ جب تک وہ اس کا مزہ نہ چکھے اور عورت اس کا مزہ نہ چکھے یہ حدیث مشہور ہے جس میں حضورؐ نے تین طلاق کا حکم عام بیان فرمایا ھے خواہ تینوں ایک مجلس میں دی گئی ہوں یا الگ الگ۔

(۲) بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیں پھر اس نے نکاح کیا پھر اس (دوسرے) نے بھی طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ وہ پہلے شوہر کیلئے حلال ہوگئی یا نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں جب تک وہ دوسرا بھی اس کا مزہ نہ چکھے جیساکہ پہلے نے مزہ چکھا ہے۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں لفظ طلقھا ثلاثاً سے ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ تینوں

طلاق ایکدم سے دی گئی ہیں (ص ۳۲۱ ج ۸)۔

(۳) رکانہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ البتۃ سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا کہ کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی رکانہ نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے صرف ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بتلا رہی ہے کہ اگر رکانہ نے تین طلاق کی نیت کی ہوتی تو تینوں واقع ہو جاتیں اگر تین کی نیت سے بھی ایک ھی واقع ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رکانہ سے قسم لینا بیکار ہو جاتا ھے۔ یہ حدیث صحیح ہے ملاحظہ ہو نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

(۴) ابوداؤد نے بسند صحیح مجاھد سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک شخص آیا اس نے کہا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دی ہیں ابن عباس نے (کچھ دیر) سکوت کیا جس سے مجھے گمان ہوا کہ شاید وہ اسکی بیوی کو اسی کی طرف واپس کر دینگے مگر ابن عباس نے فرمایا کہ بعض لوگ جا کر حماقت کرتے ہیں پھر آ کر (مجھے) پکارتے ہیں۔ اے ابن عباس! اے ابن عباس! حالانکہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں " ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا "۔ جو شخص خدا سے ڈرے گا حق تعالیٰ اس کے لئے راستہ نکالدینگے اور تو نے خدا سے خوف نہیں کیا اسلئے میں تیرے واسطے کوئی راستہ نہیں پاتا تو نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی (فتح ص ۳۱۶ ج ۸)

اور طبری کی روایت میں اتنی اور زیادتی ہے کہ ابن عباس نے یہ آیت پڑھی " یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء فطلقوھن فی قبل عدتھن اھ ـ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ اس شخص نے تین طلاق ایک مجلس میں دی تھیں کیونکہ متفرقاً تین طلاق دینا معصیت نہیں ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہ یاں وجہ یہ فرمایا کہ تیری بیوی تجھ پر حرام ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک دم سے دی جائیں تو وہ واقع اور لازم ہو جاتی ہیں۔

(۵) طبری نے سند صحیح کے ساتھ زہری سے قصہ فاطمہ بنت قیس کو روایت کیا ہے جس کے آخر میں فاطمہ بنت قیس کا یہ قول ھے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں " لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً "۔ اے مخاطب! تو نہیں جانتا شاید حق تعالیٰ اسکے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دیں، فاطمہ بنت قیس نے کہا کہ بتلاؤ تین طلاق کے بعد کونسی نئی بات پیدا ہونیکی اُمید ھے پس یہ حکم جو اس آیت میں مذکور ہے طلاق رجعی کا ھے اھ (ص ۸۸ ج ۲۸)۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق کے بعد پھر رجعت وغیرہ کی کچھ گنجائش نہیں رہتی۔

(۶) طبری نے آیت، الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان کی تفسیر میں عروۃ بن الزبیر اور قتادہ وابن زید وغیرھم سے روایت کی ہے وہ سب کہتے ہیں کہ پہلے طلاق کیلئے کچھ حد نہیں تھی آدمی اپنی بیوی کو سو طلاق دیدیتا پھر اگر عدت تمام ہونے سے پہلے وہ رجوع کر لیتا تو اسکو یہ حق حاصل تھا پھر حق تعالیٰ نے طلاق کی حد تین تک مقرر کردی (کہ اب تین طلاق کے بعد رجوع کا حق بالکل نہیں رہتا) اھ (ص ۲۷۷-ج-۱) انکی اسناد صحیح ہے ـــــــ اس سے صاف معلوم ہوا کہ تین طلاق زبان سے نکالتے ہی عورت بالکل حرام ہو جاتی ہے۔

(۷) علامہ سیوطیؒ درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ترمذی اور ابن مردویہ اور حاکم نے روایت کی ہے اور حاکم نے اسکو صحیح کہا ہے نیز بیھقی نے بھی اپنی سنن میں بیان کیا ھے سب کے سب حضرت عائشہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے لوگ اس حالت میں تھے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کو جتنی چاھے طلاق دیدیتا اور جب وہ رجوع کر لیتا تو وہ اسکی بیوی ھی رہتی تھی یہاں تک کہ آیت "الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" نازل ہوئی، دوسری روایت میں ھے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں حق تعالیٰ نے طلاق کی حد مقرر کردی، پس ایک اور دو میں رجوع کر سکتا ہے اور تین میں رجعت کا حق نہیں جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے۔

(۸) ابوداؤد اور نسائی نے اور بیھقی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ھے کہ پہلے جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دیدیتا تو اسکو رجعت کا حق حاصل رہتا تھا اگرچہ اس نے تین ھی طلاق دیدی ہوں پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا (اب تین کے بعد حق رجوع حاصل نہیں)۔ اس حدیث کو حافظ ابن حجر نے قوی کہا ہے۔

(۹) علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ مالک اور شافعی اور ابوداؤد اور بیہقی محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیں قبل دخول کے پھر وہ استفتاء کرتا ہوا آیا تو میں بھی اس کے ساتھ مسئلہ دریافت کرنیکیلئے ہو لیا تو اس نے حضرت ابوھریرہ وابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال کیا دونوں نے فرمایا کہ ہم تیرے واسطے اس عورت سے نکاح جائز نہیں سمجھتے جب تک وہ تیرے سوا کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے، اس نے

کہا کہ میں نے تو اسکو ایکدم سے طلاق دی تھی، ابن عباس نے فرمایا کہ تونے اپنے ہاتھ سے وہ فضیلت خود نکالدی جو تجھے حاصل تھی۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کو امام محمدؒ نے اپنے مؤطا میں مالک سے بسند صحیح روایت کیا ہے ــــــ اس حدیث سے صاف معلوم ہوا کہ تینوں طلاق ایکدم دینے میں بھی تینوں واقع اور لازم ہوجاتی ہیں۔

(۱۱) امام مالک مؤطا میں فرماتے ہیں کہ انکو یہ حدیث پہنچی ھے کہ ایک شخص نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سَو طلاق دیدیں تو آپ میرے لئے کیا فرماتے ہیں؟ ابن عباس نے فرمایا کہ وہ عورت تین طلاق سے تجھ پر حرام ہوگئی اور ۹۷ طلاقوں سے تو نے خدا کی آیات سے استہزاء کیا۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بھی پہنچی ھے کہ ایک شخص ابن مسعود کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو دوسَو طلاق دیدیں۔ ابن مسعود نے کہا پھر تجھ سے لوگوں نے کیا کہا؟ کہنے لگا کہ مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ وہ عورت مجھ پر حرام ہوگئی۔ ابن مسعود نے فرمایا کہ لوگوں نے سچ کہا اھ (ص ۱۹۹) ــــــ میں کہتا ہوں کہ بلاغات امام مالکؒ محدثین کے نزدیک صحیح ہیں اور اس سے بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص سو طلاق یا دوسو طلاق ایک دم سے دیدے تو تین طلاق پڑجاتی ہیں۔ گو ایک ھی لفظ سے طلاق دی۔ اور ایک ھی مجلس میں دے یہ دلائل تو جمہور کی طرف سے ہیں اب اس حدیث کا جواب سنئے جو غیر مقلد اپنی دلیل میں بیان کرتے ہیں اسکے چند جواب ہیں:

(۱) یہ کہ اس حدیث کو ابن عباس سے صرف طاؤس نے روایت کیا ھے اور ابن عباس کے دوسرے شاگرد یعنی سعید بن جبیر و عطاء بن ابی رباح و مجاہد و عکرمہ و عمرو بن دینار و مالک بن حرث و محمد بن ایاس بن بکیر و معاویہ بن ابی عیاش انصاری اسکے خلاف ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے تین طلاق کو (ایک مجلس میں ایک لفظ سے) نافذ اور واقع کیا ہے چنانچہ بیہقی نے ان سب روایتوں کو نقل کرکے ابن منذر کا قول بیان کیا ہے کہ ابن عباس پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات یاد رکھتے ہوئے اسکے خلاف فتویٰ دیں پس لامحالہ ان میں سے ایک کو ترجیح دینی لازم ہے اور ظاہر ھے کہ جو بات جماعت کثیر نے ابن عباس سے بیان کی ہے اسکو اخذ کرنا ایک شخص کی روایت کو اخذ کرنے سے زیادہ بہتر ھے جبکہ وہ ایک شخص سب کے خلاف روایت کرتا ھے (فتح الباری ص ۳۱۷۔ ج ۸) ــــــ حاصل یہ ہوا کہ طاؤس کی روایت شاذ

ھے اور روایت شاذ مردود ہوتی ہے۔

(۲) طاؤس کی یہ روایت مضطرب ہے قرطبی نے مفہم شرح مسلم میں کہا ہے کہ اس حدیث میں باوجود اصحاب ابن عباس کے مخالفت کے الفاظ میں بھی اضطراب واقع ہے اور نیز طاؤس کی اس حدیث سے بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ اکثر صحابہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تین طلاق کو ایک سمجھا کرتے تھے اور ایسی بات عادۃً شائع اور منتشر ہونی چاہئے تھی پھر اسکی کیا وجہ ہے کہ اسکو نقل کرنے والا ایک ھی شخص ہے (یعنی طاؤس) اور وہ بھی ایک ھی شخص سے روایت کرتا ہے (یعنی ابن عباس سے) اگر یہ مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتا اور اکثر صحابہ اسکو جانتے تو بہت سے تابعین بہت سے صحابہ سے اسکو روایت کرتے اسلئے اگر اسکو قطعی طور پر باطل نہ کہا جائے تب بھی طاؤس کی حدیث پر عمل کرنے سے توقف کرنا لازم ہے۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر طاؤس کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک خاص صورت کے متعلق ھے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص الفاظ طلاق کو تین بار مکرر کہے کہ تجھکو طلاق تجھکو طلاق تجھکو طلاق اور پھر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت صرف ایک طلاق دینے کی تھی اور میں نے تین بار محض تاکید کیلئے کہا تھا تو اس صورت میں زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابوبکر اور تین سال خلافتِ عمر میں شوہر کا قول مان لیا جاتا تھا کیونکہ اس زمانہ میں لوگ جھوٹ نہ بولتے تھے صلاحیت اور تقویٰ کا اس زمانہ میں غلبہ تھا، حضرت عمر کے زمانہ میں جب کذب وخداع لوگوں میں زیادہ ہوگیا تو حضرت عمر نے حکم دیدیا کہ اب جو شخص تین بار لفظ طلاق مکرر کہکر ایک طلاق کی نیت کا دعویٰ کرے گا قضاءً یہ دعویٰ قبول نہ ہوگا۔ قرطبی اور نووی نے اس مطلب کو صحیح کہا ہے — اور اگر صاف یہ کہدے کہ تجھکو تین طلاق تو اسکو کسی وقت میں ایک شمار نہیں کیا گیا اور نہ حدیث اس پر دال ہے۔

(۴) چوتھا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں راوی نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے کیونکہ اس وقت لفظ البتۃ اور تین طلاق کا یکساں ہونا مشہور تھا چنانچہ رُکانہ کی حدیث میں بھی بعض راویوں نے لفظ "البتۃ" کی جگہ لفظ "ثلاثا" کہدیا ہے، پس مطلب حدیث کا یہ ہے کہ ابوالصہباء نے ابن عباس سے دریافت کیا کہ کیا آپکو یہ بات

معلوم ہے کہ زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ وشروع خلافت عمرؓ میں "طلاق" البتۃ" کو (جو آجکل تین طلاق شمار ہوتے ہیں) ایک طلاق شمار کیا جاتا تھا ابن عباس نے کہا ہاں اھ سو بات یہ ہے کہ لفظ "البتۃ" اصل میں کنایہ ہے اور کنایات کا قاعدہ یہ ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور اگر تین طلاق کی نیت کرے تو تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں پس ابتداء زمانہ اسلام میں یہ لفظ تین طلاق کیلئے صریح نہ تھا ایک طلاق کی نیت قبول کی جاتی تھی پھر حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسکا استعمال تین کے معنٰی میں بہت شائع ہو گیا حتیٰ کہ وہ اس معنی میں صریح ہو گیا کنایہ باقی نہ رہا اسلئے حضرت عمرؓ نے حکم دیدیا کہ اب اس لفظ سے طلاق واحد کی نیت قبول نہ ہوگی کیونکہ اب کثرت استعمال سے یہ تین طلاق کے معنٰی میں صریح ہو گیا ہے باقی یہ مطلب اس کا ہرگز نہیں کہ صاف صاف تین طلاق دینے کے بعد بھی بوجہ اتحاد مجلس کے یا بوجہ اتحاد کلمہ کے انکو ایک شمار کیا جائیگا جو کوئی یہ دعویٰ کرے وہ دلیل بیان کرے اور جو دلیل غیر مقلد بیان کرتے ہیں اسمیں علاوہ شذوذ واضطراب کے یہ دو احتمال قوی موجود ہیں۔ جو ہم نے بیان کیئے ہیں "اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال" یعنی احتمال کے ہوتے ہوئے استدلال باطل ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں یہ کہ جماہیر اُمت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ تین طلاق ایک مجلس میں ایک ہی لفظ سے دی جائیں تو وہ ضرور واقع ہو جاتی ہیں۔ خواہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو اور ایک مجلس میں تین لفظ سے دی جائیں تو اس میں مدخول بہا وغیر مدخول بہا کی حالت سے فرق ہو جاتا ہے، مدخول بہا پر بالاجماع تینوں پڑجاتی ہیں۔ اور غیر مدخول بہا میں اختلاف ہے اور اجماع کی مخالفت حرام ہے، لھذا جو لوگ یہ کہیں کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے وہ مرتکب معصیت اور سخت گمراہ و گناہ گار ہیں۔

قال الحافظ فی الفتح : وفی الجملۃ فالذی وقع فی ھذہ المسئلۃ نظیر ما وقع فی مسئلۃ المتعۃ سواء اعنی قول جابر انھا کانت تفعل فی عھد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وصدر من خلافۃ عمر ثم نھانا عمر عنھا فانتھینا فالراجح فی الموضعین تحریم المتعۃ وایقاع الثلاث للاجماع الذی انعقد فی عھد عمر علی ذالک ولا یحفظ ان احدا فی عھد عمر خالفہ فی واحدۃ منھما وقد دل اجماعھم علی وجود ناسخ

وان کان خفی عن بعضھم قبل ذالک حتی ظھر لجمیعھم فی عھد عمر فالمخالف بعد ھذا الاجماع منابذ لہ والجمھور علی عدم اعتبار من احدث الاختلاف بعد الاتفاق (ص۳۱۹ ج۸) واللہ اعلم۔

لفظ طلاق کو تین بار کہنے سے مطلقہ مغلظہ ہوجانے کا حکم۔

(**سوال**) شخصے جاہل نزد عالمی برای طلاق دادن بزن خود آمد ہمان عالم صاحب بہ طالب علمے خود فرمود کہ این را تلقین طلاق نمودہ ایقاع طلاق کنان اوبروئے خود طالب علم بآں شخص گفت کہ طلاق بائن بدہ آں گفت «طلاق دادم» بعدہ طالب علم ہمیں خیال نمودہ کہ برائے دفع مناقشہ زوجین طلاق رجعی کافی نیست بآں شخص گفت کہ بگو طلاق بائن دادم بعدہ گفت طلاق بائن دادم و آن دم ہماں عالم صاحب فرمود کہ لفظ بائن رامردم بے علم نمی فہمند برای اطمینان طرفین گفتنہ آید کہ جواب دادم باز آں شخص بزن خود گفت کہ جواب دادم (وجواب دادن در عرف این ملک بائن می شود) دریں صورت بر مستفتی عنہا طلاق رجعی واقع شد یا بائن یا مغلظہ آں شخص بے علم بود مرادش طلاق مطلق دادن بود بغیر لحاظ وصفے وعددے مگر حسب گفتن طالب علم وعالم تفسیرًا باز طلاق بائن بعدہ جواب دادم گفتہ۔ از تکرار چنیں الفاظ (جواب دادم وبائن) مراد ملقنان طلاق طلاق دھم مراد مرد مطلق تقریر طلاق نبود صرف تعیین نوع طلاق (بائن) بود۔ بینوا توجروا بالبرھان۔

سائل بندہ دین محمد فیروزشاھی معلم مدرسہ مقام ہاٹ اسٹیشن بیارہ گوٹھ ضلع لاڑکانہ (سندھ)

الجواب[عہ]:۔ صورت مسئولہ میں تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں اب بدون حلالہ کے عورت اس مرد کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔

قال فی العالمگیریۃ: متی کرر لفظ الطلاق بحرف الواو وبغیر حرف الواو یتعدد الطلاق وان عنی بالثانیۃ الاولی لم یصدق فی القضاء اھ (ص۵۶ ج۲)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ لا یصدق دیانۃً ایضًا لان الزوج جاھل تکلم بما لقّنہ الملقّن واما التفسیر بالبائن ونحوہ فھذا انما ھو فی ذھن الملقن فحسب لا فی ذھن المطلق کما یظھر من السوال، واللہ اعلم۔

۲، شوال ۱۳۹۱ھ

عہ اس سوال کے جواب سے بعد میں رجوع کیا گیا۔

"جا تجھکو طلاق دی میں نے" پھر کہا "تجھکو دو طلاق دی" تو عورت اگر مدخول بہا ہے تو تین واقع ہوگئیں

(**سوال**) زید نے اپنی بیوی سے کہا "جا تجھکو طلاق دی میں" تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی میں" اب زید کے پاس ۵ شخص موجود تھے دو شخص کہتے ہیں کہ زید نے صرف "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا اور "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا اور باقی تین ہی شخص کہتے ہیں کہ زید نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہا تھوڑی دیر کے بعد کہا "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" اور زید ان تین شخصوں کی گواہی کو انکار کرتا ہے حالانکہ پانچوں شخص ایک ہی جگہ پر بیٹھے تھے اور زید پہلے دو شخص کی شہادت کا اقرار کرتا ہے، اب صورت مذکورہ میں کتنی طلاق پڑیگی؟ اور صورت اولیٰ میں آیا ایک ہی طلاق پڑیگی یا تین؟ اور صورت ثانیہ میں دو طلاق پڑیگی یا نہیں؟ جواب مدلل بحوالہ کتب مرحمت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- قال فی العالمگیریۃ: ولو قال للمدخولۃ انت طالق واحدۃ لا بل ثنتین یقع الثلاث اھ (ص ۶۱ - ج - ۲)۔

اس سے معلوم ہوا کہ دوسری صورت میں اگر شوہر نے پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" کہکر پھر "جا تجھکو دو طلاق دی ہیں" کہا ہے تو عورت پر اگر وہ مدخولہ ہے تین طلاق واقع ہوگئیں اور پہلے "جا تجھکو طلاق دی ہیں" نہیں کہا تھا تو صرف دو طلاق واقع ہوئیں اور غیر مدخولہ کا حکم دوسرا ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۶ر شوال ۴۲ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

حکم طلاق ثلاث بدونِ اضافت

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ان مسائل میں کہ:

(۱) ایک شخص اپنی بیوی کو کسی وجہ سے زد و کوب کیا پھر وہاں سے اندازاً پچاس قدم ہٹ کر کہنے لگا کہ "ایک طلاق، دو طلاق، سات طلاق" بس اس سے اسکی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟ اور ایک طلاق دو طلاق جو الفاظ مذکور ہے اس سے مراد اضافتِ معنویہ لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب :- قال فی الشامیۃ :- ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال "طالق" فقیل لہ: من عنیت؟ فقال: امرأتی طلقت امرأتہ اھ -

وفی البحر :- لو قال : امرأة طالق او قال طلقت امرأة ثلاثاً و قال لم اعن امرأتی یصدق اھ ویفھم منه انه لو لم یقل ذالك تطلق امرأته لان العادة ان من له امرأة انما یحلف بطلاقها لا بطلاق غیرھا فقوله انی حلفت بالطلاق ینصرف الیھا ما لم یرد غیرھا لانه یحتمله کلامه اھ (ص ۲۰۵ ج ۲)۔

صورتِ مذکورہ میں جب اس شخص نے ایک طلاق دو طلاق سات طلاق کہنے کے بعد یہ نہیں کہا کہ میری مراد بیوی کو طلاق دینا نہیں بلکہ کسی اور کو طلاق دینا ہے تو اب اسکی بیوی پر تین طلاق مغلظ واقع ہوگئیں کیونکہ بظاہر اسکی نیت اسی عورت کو طلاق دینے کی ہے جس کو زدوکوب کیا تھا پس بدون تحلیل کے وہ عورت اپنے شوہر کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ واللہ اعلم۔

"تجھکو آزاد کی، اور طلاق دی، توچلی جا،" کہنے سے وقوعِ طلاق کا حکم۔

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین دریں مسئلہ کہ زید اپنی زوجہ کے ساتھ ہمیشہ تکرار اور جھگڑا کرتا ہے جب وہ زیادہ تنگ کرتا ہے اسکی زوجہ اپنے باپ کے یہاں چلی آتی ہے، دو چار مہینہ کے بعد پھر زید آتا ہے معافی چاھتا ہے پھر لے جاتا ہے چند روز وہاں رہتی ہے پھر اپنی زوجہ کے باپ کو زید تحریر کرتا ہے اسکو لیجاؤ اسیطرح چند مرتبہ ایسا واقعہ ہوچکا ہے، اب آخر میں جو تکرار ہوا اسکے بعد زید نے اپنا لڑکا بیوی سے چھین لیا اور یہ کہا: "جا تجھکو آزاد کیا، اور طلاق دی، توچلی جا،" اس نے باپ کو بلا کر اسکے ہمراہ چلی آئی۔ جسکو عرصہ آٹھ ماہ کا ہوچکا ہے۔ زید نہ لینے آیا اور نہ خرچہ دیا۔ اس صورت میں زید کی بیوی کو طلاق ہوگئی یا نہیں۔ اور اس کا نکاح دوسری جگہ کرسکتے ہیں یا نہیں ہے۔ مولوی محمد یعقوب۔

الجواب :- صورت مسئولہ میں عورت پر تین طلاق واقع ہوچکی ہیں۔ اگر لفظ "چلی جا" سے نیت طلاق کی، کی ہو۔ ایک اس لفظ سے "جا تجھکو آزاد کیا" دوسری اس لفظ "اور طلاق دی" تیسری اس لفظ سے "توچلی جا" — لان اذھبی و اخرجی کنایۃ و البائن یلحق الصریح — البتہ اگر شوہر نے "توچلی جا" سے تیسری طلاق کا قصد نہ کیا ہو بلکہ تاکیداً پہلے کلام کا اثر و نتیجہ بیان کرنیکا قصد کیا ہو تو تین طلاق واقع نہ ہونگی صرف دو طلاق واقع ہونگی — لان نحو اذھبی واخرجی لا یقع به الطلاق الا بالنیة

مطلقاً سواء کان حالۃ الرضیٰ او الغضب او المذاکرۃ،صرح بہ الشامی۔
(ص ۷۶۵ ج-۲)

پس اگر شوہر نے " تو چلی جا " سے بھی طلاق کا قصد کیا ہو تب تو یہ اسکے لئے بالکل حرام ہو چکی کہ بدون حلالہ کے دوسرا نکاح بھی اس سے نہیں ہو سکتا اور اگر اس لفظ سے طلاق کا ارادہ نہ تھا تو اسمیں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس آٹھ ماہ کے عرصہ میں عورت کو تین حیض آچکے جب تو وہ زید کے نکاح سے نکل چکی اور دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے،اور اگر اس عرصہ میں تین حیض نہیں آئے تو ابھی عدت پوری نہیں ہوئی، دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔ بلکہ اگر زید رجوع کرنا چاہے تو تین حیض گذرنے سے پہلے رجوع کر سکتا ہے، تجدید نکاح کی ضرورت نہیں اور اگر تین حیض آچکے تو اس صورت میں جبکہ دو ہی طلاق واقع ہوئیں زید سے دوسرا نکاح ہو سکتا ہے، حلالہ کی ضرورت نہ ہوگی اور تین حیض کے آنے یا نہ آنے کے باب میں عورت ہی کا قول معتبر ہوگا اور اگر اختلاف ہو تو عورت کا قول مع قسم کے معتبر ہوگا۔

قالت: مضت عدتی، وانکر الزوج فالقول لھا لانھا امینۃ،

(در مختار ص ۸۲۷ ج-۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

مورخہ ۲۵ صفر ۴۵ھ۔

" تجھکو قطعاً چھوڑ دیا، تو میری بیوی گری سے نکل گئی تجھکو بائیکاٹ کر دیا " سے وقوع طلاق کی ایک صورت کا حکم۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو بارہا اس قسم کے الفاظ تحریر کئے ہیں جیسا کہ نقل ایک تحریر کی منسلک استفتاء ھذا ہے الفاظ یہ ہیں:

" اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کوئی تعلق نہیں ہے اور ہم نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ہے جو تمہارا دل چاہے سو کرو، تم میری بیوی گری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے "

جناب والا! یہ الفاظ مکرر سہ کرر خطوط میں لکھا ہے مگر باوجود اس تحریر کے نشست وبرخاست بات چیت بند نہیں ہوئی پس اس صورت میں کیا ہندہ پر طلاق بائن ہوئی یا مغلظ؟ امیدوار ہوں کہ جواب باصواب مع حوالۂ کتاب تحریر فرما دیں،

بینوا توجروا۔ کمترین محمود عالم از فیض آباد۔
معرفت حکیم عادل حسین عفاعنہ ۳ جمادی الاولیٰ ۴۵ھ

(نقل تحریر منجانب زید بنام ھندہ)

ہندہ کو معلوم ہو کہ اب آج کی تاریخ سے ہم سے اور تم سے کچھ تعلق نہیں ہے اور میں نے تمکو قطعاً چھوڑ دیا ہے اور نہ اب میں تمہاری زندگی بھر صورت دیکھونگا۔ اگر میں اپنے ایک باپ کا پیدا ہوں تو ضرور یہ ھی بات کر کے دکھاؤنگا اطلاعاً لکھا گیا ہے لھذا تاکیداً لکھا جاتا ہے کہ تم اسکو مثل نوٹ کے سمجھو اور مذاق نہ سمجھو ورنہ تم بہت بہت پچھتاؤ گی اور سخت رُووگی آئندہ تم کو اختیار ہے اور اب تم اپنی تمام عمر بھر کیلئے مجھ سے ہاتھ دھوکے۔ ہائے! میں جدا ہوں جو تمہارا دل چاہے سو اب تم کرو تم اب میری بیوی گھری سے بخدا قطعاً نکل گئی ہو میں تم سے مستثنیٰ ہوں اور اب حلف کی رو سے میں دس آدمیوں کے سامنے کہدونگا کہ یعنی خالد کی لڑکی مجھ سے ۲۵ رشب برات سے ترک ہوگئی ہے ایک مہینہ بھر تک مجھ سے ہندہ سے تعلق رہا اور پھر بعد اسکے ہندہ نے میرے خلاف ازحد یہ نالائق حرکتیں کیں اسلئے میں نے اسکو ترک کردیا اور جو اب تمہارا دل چاھے شوق سے کرو اور نہ اب تمہاری صورت دیکھونگا اگرچہ تم ایک اپنے باپ سے پیدا ہوگی تو اسکو جھوٹ نہ سمجھو گی، اور تم کو قطعاً بائیکاٹ کردیا ہے حلف کی رُو سے میری بیوی ہندہ نہیں ہے زندگی بھر تک اسکی اب صورت نہ دیکھونگا اور اب یہاں سے بھی کہیں دور جاتا ہوں جب تک تم لکھنؤ رہوگی تب تک میں یہاں سے الگ رہونگا اور جب تم الٰہ آباد چلی جاؤگی جب میں یہاں رہونگا اب تک میں نے کوئی طرح کی بات چیت نہیں کی ہے مگر اب ایسا کرونگا پھر چاھے لفٹننٹ گورنر چلے آئینگے تب بھی میں تمہارے قریب نہ آؤنگا اور بھی میں نے اپنا انتظام الگ کرلیا ہے زیادہ کیا لکھوں۔

مؤرخہ ۲۲ر جولائی ۲۶ء بقلم خود اندازیخانی ٹولہ ضلع گولڈہ ۔ ۱۲

واضح رہے کہ شوہر نے خط میں انہی جملوں کو "ہندہ میری بیوی نہیں، خالد کی دختر میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں، میری کوئی نہیں" وغیرہ، تین تین مرتبہ لکھا ہے۔ برائے کرم اس کی روشنی میں جواب عنایت فرماویں کہ زید کی بیوی مطلقہ ہوگئی یا نہیں؟۔

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں مسماۃ ھندہ پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوچکیں، ایک اس لفظ سے "میں نے تم کو قطعاً چھوڑ دیا ھے"، جو طلاق میں صریح ہے۔ دوسری اس لفظ سے "تم میری بیوی گری سے قطعاً نکل گئی ہو"، جسکے معنیٰ زوجیت سے نکلنا ہے، تیسری اس لفظ سے "تم کو قطعاً بائیکاٹ کر دیا ہے تم میری بیوی نہیں ہو" اھ۔ ان کے علاوہ اور الفاظ بھی اس خط میں موجب طلاق ہیں جو قرینہ سابقہ سے ملکر طلاق کو موجب ہیں لیکن یہ الفاظ تو بہت صاف ہیں۔ وقد صرح الفقهاء بلحوق البائن بالصريح — پس ھندہ کو اس شوہر سے یعنی زید سے قطعاً علیحدگی اختیار کرلینا چاھئے اور اس تحریر کے بعد سے تین حیض عدت کے پوری کرکے وہ جس سے چاھے نکاح کرلے اور زید سے ہی نکاح کرنا چاھے تو جب تک دوسرے شخص سے نکاح اور دخول اور طلاق یا موتِ زوجِ ثانی اور اتمام عدت نہ ہو اس وقت تک وہ زید سے نکاح نہیں کرسکتی ھے کہ تین طلاق کا یہی حکم ہے، واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۶ رجمادی الاولیٰ ۴۵ھ

"اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں، تو میں نے طلاق دی" تین مرتبہ یہ جملہ کہنے سے طلاق مغلظہ واقع ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمیٰ عمرو اپنی بیوی پر کچھ کارخانگی نقصان کردینے پر غصہ ہوا اور دو ایک طمانچہ بھی مارے اسپر عمرو کا بھائی آکر مانع ہوا اور ڈانٹتے ہوئے کہا تجھے کیا اختیار ہے مارنے کا۔ عمرو نے جھنجھلاکے کہا کہ "اگر مجھے مارنے کا اختیار نہیں ہے تو میں نے طلاق دی" اور تین مرتبہ یہی کہا۔ اب عندالشرع انکے لئے کیا حکم ہے،

پتہ:۔ نیازمند قاضی ابوالحسن تجارہ راجپوتانہ محلہ قاضیان۔

الجواب: قال فی الدر[1]:۔ وأن لا يقصد به المجازاة ، فلو قالت: يا سفلة! فقال: إن كنت كما قلت فانت كذا تنجيز كان كذالك اولا اھ۔

[1] فی أول باب التعلیق من کتاب الطلاق۔ دلاور حسین بنگلہ دیشی

وفی الشامیۃ : والمختار والفتوٰی انہ ان کان فی حالۃ الغضب فھو علی المجازاۃ والا فعلی الشرط اھ (ص ۸۱۲ - ج-۲)

قلت : والظاھر من صورۃ السوال کونہ تنجیزاً والتعلیق للمجازاۃ دون الشرط۔

ھمارے نزدیک صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکی ہیں اس شخص کی بیوی کو اس صورت میں اسکے پاس رہنا جائز نہیں اور نہ اب بدون حلالہ کے اسکو اس شخص سے نکاح درست ہے عدت کے بعد وہ کسی دوسرے سے نکاح کرسکتی ھے۔ باقی اور علماء سے بھی دریافت کرلیا جائے۔

فقط حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۳۰ رجماد الاخریٰ ۳۴۳ھ

طلاق بائن کے بعد تین طلاق دی تو بینونہ غلیظہ ہوجائیگی یا نہیں

(سوال) زید نے اپنی منکوحہ کو کہا "تو میرے اوپر حرام ہے" پھر اسی وقت کہا کہ "تین طلاق سے طلاق ھے" چونکہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کے ساتھ بائن ملحق نہیں ہوتی اس قاعدہ کے مطابق یہاں اس صورت میں بائن خفیفہ ہوگی یا بائن غلیظ اگر ملحق ہوکر بائن غلیظ ہوگئی تو "عینی شرح کنز" کی اس عبارت کا کیا مطلب ہوگا؟ والبائن لا یلحق البائن الا اذا کان معلقاً صورتہ اذا قال لامرأتہ : ان دخلت الدار فانت طالق ثلاثا ثم ابانھا فدخلت الدار وھی فی العدۃ طلقت ای وقع علیھا الثلاث المعلق — جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر بصورت تنجیز اسی وقت طلقات ثلاث واقع کرے تو ملحق نہ ہونگی اور صرف لفظ حرام سے بائن خفیفہ ہوجائیگی۔ بندہ محمد عرفان۔

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں منکوحہ زید مطلقہ ثلاثہ ہوگئی ھے بدون تزوج بزوج آخر و حصول طلاق ازاں وگذشتن عدت زید کیلئے حلال نہیں ہوسکتی۔ اور سائل نے جو شبہ کیا ہے کہ تین طلاقیں صریح لفظ سے بائن غلیظ کہلاتی ہیں اور بائن کو بائن ملحق نہیں ہوتی یہ شبہ غلط ہے کیونکہ "البائن لا یلحق البائن" میں بائن سے وہ مراد ھے جو بلفظ کنایہ ہو اور بائن بلفظ صریحہ ہو وہ بائن و صریح دونوں

کو ملحق ہوتا ہے۔

قال فی الدر :۔ الصریح یلحق الصریح والبائن۔ والبائن یلحق الصریح مالایحتاج الی نیۃ بائنًا کان الواقع بہ اورجعیًا "فتح" فمنہ الطلاق الثلاث فیلحقھما (ای البائن والصریح) وکذا الطلاق علی مال فیلحق الرجعی لا یلحق البائن اھ۔

قال الشامی : ای اذا عرفت ان قولہ الصریح یلحق الصریح والبائن المراد بالصریح فیہ ما ذکر ظھر ان منہ الطلاق الثلاث فیلحقھما ای یلحق الصریح والبائن، فاذ ا ابان امرأتہ ثم طلقھا ثلاثًا فی العدۃ وقع وھی واقعۃ حلب — قال فی الفتح القدیر : الحق انہ یلحقھا لما سمعت من ان الصریح وان کان بائنًا یلحق البائن ومن ان المراد بالبائن الذی لا یلحق ھو ما کان کنایۃ اھ۔ وتبعہ تلمیذہ ابن الشحنۃ فی عقد الفرائد، وکذا صاحب البحر والنھر والمنح والمقدسی والشرنبلالی وغیرھم، وھو صریح فانقلناہ آنفًا عن الخلاصۃ وایّدہ صاحب الدرر والغرر کما نذکرہ قریبًا خلافًا لمن رجح عدم وقوع الثلاث فانہ خلاف المشھور کما یاتی اھ (ص۷۷ ج۲)۔

وفیہ ایضًا :۔ قولہ لا یلحق البائن البائن المراد بالبائن الذی لا یلحق ھو ما کان بلفظ الکنایۃ اھ (ص۷۷ ج۲)۔ وما نقلہ الزاھدی عازیًا الی الاسرار لنجم الدین قال : لھا انت بائن ثم قال فی العدۃ انت طالق ثلاثًا لا یقع الثلاث عند ابی حنیفۃ رح لکون الثلاث بینونۃ غلیظۃ فی المعنی، وعندھما یقع لکونھا صریحًا فی اللفظ فقد ردہ الشامی رح بابلغ رد واحسنہ وقال : قد تقرر ان الزاھدی ینقل الروایات الضعیفۃ فلا یتابع فیما ینفرد بہ وقد وجد النقل عن الخلاصۃ والبزازیۃ وغیرھما بما یخالفہ کما قدمناہ اھ (ص مذکورہ) والمآل

فیہ فاجاد — واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۴ محرم ۴۵ھ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔

حکم طلاق ثلاث نابالغہ غیر مدخولہ

(سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمّیٰ زید نے بموجودگی چند اشخاص کے جن میں اس کا بالغ لڑکا مسمّیٰ عمرو بھی موجود تھا بدون اسکے استخراج واستیذان کے ایک طلاق نامہ اسکی طرف سے لکھوایا جس کا عنوان اور رسم یہ تھا "میں مسمّیٰ عمرو ولد زید نے اپنی نابالغہ غیر مدخولہ بیوی مسماۃ فلانہ بنت فلاں کو تین طلاق دی"، بعد تکمیل کے باپ نے بیٹا کو حکم دیا کہ اس پر بائیں ہاتھ کے انگوٹھا سے نشان کردے۔ چونکہ لڑکا امی تھا دستخط کر نہیں سکتا تھا اسلئے اس نے آجکل کے گورنمنٹی دستور کے موافق اس پر نشان انگوٹھا کا کردیا اور نشان کرنیکا اسکو اقرار ہے اور اسکو طلاق نامہ کے مضمون سے بھی پوری واقفیت ہے اس حالت میں اسکی زوجہ پر تینوں طلاقیں واقع ہونگیں یا نہیں؟ اور اب اگر عمرو اس عورت سے نکاح کرنا چاہے تو بلا حلالہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ طلاق واقع نہیں ہوئی اسلئے کہ دستخط یا ختم نہیں ہے (اور انگوٹھے کی نشان مستحدث ہے) اور نکاح بلا تحلیل جائز ہے اور دوسرے ایک شخص کا خیال ہے کہ انگوٹھے کا نشان بجائے ختم کے ہے لہذا نکاح بلا تحلیل درست نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- فی الشامیۃ: (ص ۷۰۴ ج ۲) ولو استکتب کتابًا بطلاقہا وقرأہ علی الزوج فاخذہ الزوج وختمہ وعنونہ وبعث بہ الیہا فاتاہا وقع وان اقر الزوج انہ کتابہ او قال للرجل ابعث بہ الیہا او قال لہ اکتب نسخۃً وابعث بہا الیہا وان لم یقرأ ولم یقم بینۃً لکنہ وصف الامر علی وجہہ لا تطلق قضاءً ولا دیانۃ وکذا کل کتاب لم یکتبہ ولم یملہ بنفسہ لا یقع الطلاق مالم یقر انہ کتابہ اھ ملخصاً۔

جب زوج کو مضمون طلاق نامہ سے خبردار ہوتے ہوئے اس کا اقرار ہے کہ وہ

نشان انگشت اس کا ہے اور نشان انگشت ہمارے عرف میں دستخط سے بھی زیادہ مستند ہے تو صورت مسئولہ میں تین طلاقیں واقع ہوگئیں ختم سے ہر وہ نشان مراد ہے جو کہ نسبت کرنے کیلئے کافی ہو یہ نہیں کہ ختم کے علاوہ دوسرے نشانات معتبر نہوں شریعت نے ختم کی کوئی خاص صورت متعین نہیں کی چنانچہ بعض مہر کرتے ہیں بعض دستخط صاف کرتے ہیں بعض دستخط اپنی خاص روش پر بخط طغرا کرتے ہیں تو جو شخص نشان انگشت کو ختم نہیں کہتا وہ دستخط کی قسم ثانی کو کیا کہے گا اور ختم کو ان تین صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ساتھ کس دلیل سے مقید کریگا ہمارے نزدیک ختم کا مدار عرف پر ہے جس طریقہ کو عرفاً ختم سمجھتے ہوں اس سے تحریر خاتم کی طرف منسوب ہوجائیگی اور آجکل نشان انگشت سب سے زیادہ ہے فلا شک فی کونہ ختماً۔ پس عمرو کو بدون حلالہ اس عورت سے نکاح جائز نہیں۔ واللہ اعلم۔

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۲۶ رشوال ۴۳ھ

احقر عبدالکریم گمتھلوی عفی عنہ
۲۶ رشوال ۴۳ھ

"ایک دو تین طلاق" کہنے سے طلاق مغلظ واقع ہوگی۔

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی بیوی بدکام کرتے ہوئے دوسرے پر دوسرے نے دیکھا اور اس وجہ سے ان کے اقارب میں سے کسی نے انکو سخت مارا اور لعن طعن کیا کہ تو کیوں اسکو کچھ نہیں کہتا اب شوہر غصہ ہوکر عام مجلس میں یہ الفاظ کہنے پر اقرار کرتا ہے اور انکے ساتھ چار آدمی یہی کہتے ہیں وہ الفاظ یہ ہیں "ایک دو تین طلاق بائن" اب اس میں طلاق ہوگی یا نہیں ؟ کیونکہ لفظ "دی" رہگیا مگر ایک آدمی "دی" لفظ کہنے پر بھی گواہی دیتا ہے اب چار گواہ کے مقابل میں ایک کا معتبر سمجھا جاویگا یا نہیں اور "دی" لفظ کہنے کی صورت پر بھی طلاق ہوگی یا نہیں کیونکہ نہ بیوی کو مخاطب بنایا نہ جس سے طلاق لفظ کا مبتدا ہوجاتا اور نہ "دی" لفظ کہا جس سے طلاق کی خبر ہو بظاہر مبتدا نہ ہونے پر مہمل کلام معلوم ہوتا ہے اسلئے لوگ اختلاف کرتے ہیں کہ طلاق نہیں ہوئی۔ اب کتب معتبرہ سے جواب روانہ فرما کر سرفراز کریں اور اگر ایک کا قول معتبر مانا جائے تو کچھ شبہ ہی نہیں

کیونکہ اس میں " دی " لفظ موجود ہے۔

فدوی کفیل الدین عفی عنہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

الجواب :۔ صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں کیونکہ تعیین عورت اور اسیطرح لفظ " دی " کے مقدر ہونے پر قرینہ موجود ہے جیساکہ ذیل کے جزئیات میں واقع ہوجاتی ہے۔

رجل شاجر امرأته فقال لها بالفارسية "ہزار طلاق ترا" ولم يزد على هذا وقع عليها ثلاث تطليقات (عالمگیری صـ ج-۲)

سكران هربت منه امرأته فتبعها ولم يظفر بها فقال بالفارسية " بسہ طلاق " ان قال عنيت امرأتي يقع وان لم يقل شيئاً لا يقع كذا في الخلاصة ايضاً صـ

البتہ اگر وہ شخص یہ کہے کہ میں نے نیت اپنی عورت کو طلاق دینے کی نہ کی تھی تو طلاق واقع نہ ہوگی ——— للرواية الثانية ولا يقاس على الرواية الاولى لوجود الاضافة فيه دون هٰذه الواقعة ۔ اور ایک کی شہادت اول تو اس معاملہ میں کافی نہیں۔

فی العالمگیریۃ : (ج-۴- ص ۲۳۵) بشرط فيها شهادة رجلين او و امرأتين سواء كان الحق مالاً او غير مال كالنكاح والطلاق الخ —

اور دوسرے وہ شاہد بھی اضافۃ طلاق الی المرأۃ کی گواہی نہیں دیتا لھذا حکم مذکور میں اسکی شہادت کی وجہ سے کوئی فرق نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ ۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۳۴۳ھ

وفی قول الشامی تحت قول الدرر : لتركه الاضافة وماذكر الشارح من التعليل اصله لصاحب البحر اخذاً من قول البزازية في الايمان ۔ قال لها لا تخرجي من الدار الا باذني فاني حلفت بالطلاق فخرجت لا يقع لعدم ذكره بطلاقها ويحتمل الحلف بالطلاق غيرها فالقول له اھ ومثله في الخانية وفي هذا الاخذ نظر فان مفهوم كلام البزازية انه لو اراد الحلف بطلاقها يقع لانه جعل القول له في صرفه الى طلاق غيرها والمفهوم من تعليل الشارح تبعاً للبحر عدم الوقوع اصلاً لفقد شرطہ۔

الاضافۃ مع انہ لو اراد طلاقہا تکون الاضافۃ موجودۃ ویکون المعنی فانی حلفت بالطلاق منک او بطلاقک ولا یلزم کون الاضافۃ صریحۃ کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ (ص ۷۰۵ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ قرینہ ہوتے ہوئے بھی قول زوج کی طرف رجوع کیا جائیگا۔ کیونکہ "لا تخرجی من الدار الخ" کے بعد "فانی حلفت بالطلاق" کہنے پر بھی بدون قول زوج اس مخاطبہ پر طلاق واقع نہیں ہوئی اور سکران کے جزئیہ مذکورہ میں اس کا دوڑنا اور کامیاب نہ ہونے پر یہ کہنا قرینہ ہوسکتا ہے۔ واللہ اعلم۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ۔ ۲ محرم ۱۳۴۶ھ

دو بیویوں کو کہا "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں"، تو دونوں پر طلاق مغلظہ واقع ہو جائیگی۔

(**سوال**) زید کی دو بیوی ہیں آمنہ وفاطمہ خانگی خصومت کی جہت سے ایک دن وہ اپنی چھوٹی بیوی فاطمہ کو تہدیدًا وتشدیدًا کہا کہ "تم دونوں کو طلاق دونگا"۔ اس وقت بڑی بیوی تیس چالیس ہاتھ فاصلہ پر بڑے گھر میں بیمار پڑی تھی۔ دو ایک لحظہ بعد بنگلہ زبان میں کہا کہ "ایک دو طلاق دیتا ہوں"، ترجمہ اس کا بزبان بنگلہ یہ ہے (ایک دوئی طلاق دیتے سی) وہ جملہ بزبان بنگلہ اس نے کہی تھی یعنی۔ [1] کوئی مربی عورت اس سے روکی اور کہی کہ کیا کرتے ہو بابا اس پر وہ زید نے کہا کہ "دونوں کو ایک دو تین طلاق دی ہوں"، مگر بنگلہ میں ایں چنیں کہا (عبارت بنگلہ) "دونوں زن کے ایک دوئی تین طلاق دیسی تماکے دیا سی"، لیکن نفس الامر میں زید نے اس سے آگے یا پیچھے کوئی بیوی کو طلاق کبھی نہیں دی ہے اب اس حالت میں زید کے دونوں کلام آخیر سے انشاء طلاق ہوتی ہے یا اخبار کذب عن الطلاق؟ از روئے ہدایت پروری کے لوجہ اللہ خلاصہ جواب شافی وکافی تحریر فرماکر سرفراز فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے اجر اس کا لیویں۔ اور صاف طور سے یہ بھی تحریر فرماویں کہ زید نے دونوں بیویاں یا کہ دونوں بیوی سے کوئی ایک بیوی مطلقہ ہوئی یا نہیں؟ اگر طلاق واقع نہیں ہوئی ہے تو کونسی طلاق زیادہ چہ تصدیعہ دون — عرضگذار بندہ محمد حسن الزمان مختار غفرلہ الستار بڑتلی چاٹگام۔

---

[1] یہاں عبارت بنگلہ تھی ۱۲

الجواب:- اگر جملہ مذکورہ فی السوال سے زید خبر عن الماضی کذباً مراد لینے کا دعویٰ کرتا ہے تب بھی قضاءً مقبول نہیں بلکہ دونوں بیویوں پر تین تین طلاق ہوگئیں۔

کما فی الشامی (ص ۶۹۴ ج ۲) و اما ما فی اکراہ الخانیۃ لو اکرہ علی ان یقر بالطلاق فاقر لایقع کما لو اقر بالطلاق ہازلاً او کاذباً فقال فی البحر ان مرادہ بعدم الوقوع فی المشبہ بہ عدمہ دیانۃً ثم نقل عن البزازیۃ و القنیۃ لو اراد بہ الخبر عن الماضی کذباً لایقع دیانۃً الخ

اور اس امر میں عورت چونکہ بمنزلہ قاضی کے ہے اسلئے اگر عورت نے خود سن لیا یا شہادت معتبرہ سے اسکو زوج کا کہنا ثابت ہوگیا تو اس کو اس مرد کے پاس رہنا جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

الجواب صحیح	احقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ
ظفر احمد عفا اللہ عنہ	تھانہ بھون - ۱۵ ؍ جمادی الاول ۴۴ھ
۱۷ ؍ جمادی الاول ۴۴ھ	

طلاق مغلظہ کی ایک صورت

(**سوال**) ایک شخص نے حالت غضب میں اپنی بیوی سے جھگڑتے ہوئے درآنحالیکہ وہ بیوی وہاں موجود تھی یہ کہا "ایک طلاق دو طلاق دی" نیت یہ تھی کہ دو طلاق واقع ہوئی۔ اور پیچھے لیا جائے اسمیں زجر ہوجائیگی۔ اس کے بعد وہ عورت دوسری جگہ رہی اب اس میں اس عورت پر دو طلاق واقع ہوئی یا تین طلاق یعنی دو طلاق واقع ہوکر رجعت کرسکتا ھے؟ یا تین طلاق واقع ہوکر حرام ہوگئی؟

(۲) بعینہٖ سوال اول ہے فرق یہ ھے کہ "ایک طلاق دو طلاق دی ہیں" لفظاً خطاب کرکے کہا یعنی "تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی" اس سوال سے غرض یہ ھے کہ واقعہ مندرجہ بالا میں لفظاً خطاب اور عدم خطاب میں حکماً کچھ فرق ھے یا نہیں؟ حالانکہ بیوی وہاں موجود تھی۔ راقم بندہ محمد عبدالرحمٰن عفی عنہ۔ بنگال۔

الجواب:- فی الشامی (ص۵۹۵ ج ۲) ولایلزم کون الاضافۃ صریحۃ فی کلامہ لما فی البحر لو قال طالق فقیل لہ من عنیت فقال امرأتی طلقت امرأتہ اھ۔

و فی العالمگیریۃ: (ص ۷۵ ج ۲) ولو قال: "ترا ایک طلاق" وسکت

ثم قال: « ودو » یقع الثلاث ولو قال: « دو » بغیر الواو، وان نوی العطف یقع الثلاث وان لم ینو یقع واحدة کذا فی الخلاصة۔

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ « ایک طلاق دو طلاق دی »، اور « تجھکو ایک طلاق دو طلاق دی »، میں کوئی فرق نہیں دونوں صورتوں میں طلاق واقع ہوجائے گی، اور ایک طلاق دو طلاق، میں جب عطف کی نیت نہیں کی تو تین طلاق واقع نہیں ہوئی بلکہ دو واقع ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

اس تحریر کے بعد شبہ ہوا اور عالمگیریہ (ص۱۱۶ ج-۲) میں یہ جزئیہ ملا۔

لو قال: للمدخولة انت طالق واحدة لا بل ثنتین یقع الثلاث ولو قال: ذالك لغیر المدخولة یقع واحدة ـــــــ اس بناء پر صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوگئیں اور عالمگیریہ کا پہلا جزئیہ اس واقعہ کے مطابق نہیں کیونکہ وہاں سکوت کی وجہ سے « دو » کا لفظ مہمل رہا جبکہ اسکے ساتھ لفظاً حرف عطف نہ ہو یا عطف کی نیت نہ کی ہو ـــ کتبہ احقر عبدالکریم عفی عنہ۔

الجواب صحیح: ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۹ر رجب ۴۲ھ

« یک دو سہ طلاق ہستی » سے ایک طلاق واقع ہوگی یا تین؟۔

(سوال) مولانا صاحب! السلام علیکم الخ از جانب رسول شاہ عرض آنست کہ یک مسئلہ واقع شدہ کہ در حل آن اکثر عالمان این وطن حیران ومتفکر اند جناب اگر حل آن بعبارت کتاب کنند منت واحسان باشد عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور خواہید شد۔ آن مسئلہ این است کہ شخصے زنِ خود را گفت کہ « یک دو سہ طلاق ہستی »، باین لفظ یک طلاق واقع شود یا سہ طلاق واقع شود بعض عالمان این وطن میگویند کہ یک طلاق واقع شود وبعض عالمان میگویند کہ سہ طلاق واقع شود بینوا توجروا ـــ عالمان این وطن قائلین یک طلاق وقائلین سہ طلاق دلیل ندارند ہر کسے قیاساً میگوید وہرچہ میگوید اگر دلائل فریقین بودے نوشتہ ارسال کردمی برشما امید است کہ تسلی دہندہ ارسال کنید کہ تسلیہ ہمہ ملامان شود۔

المرسل رسول شاہ موضع ڈھوڈہ مسجد کلاں ضلع کوہاٹ ڈاکخانہ خاص۔

الجواب:- صورت مسئولہ میں تین طلاق واقع ہوچکیں۔

کما قال فی خلاصۃ الفتاوی: (ص ۸۰ ج ۲) ولو قال: "اگر فلانہ بزنی کنم از من بیک طلاق ودو طلاق وسہ طلاق" فتزوجھا تطلق واحدۃ ولو قال: "بیکے ودو وسہ" ثم تزوجھا یقع الثلاث وتمام ھذا فی خزانۃ الواقعات اھ۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب لفظ طلاق کو "یک ودو وسہ" کے بعد ذکر کیا جائے تو غیر مدخولہ پر بھی تین طلاق واقع ہوتی ہیں۔ والمدخولۃ بھا بالاولی اور اگر ہر عدد کے بعد لفظ طلاق مذکور ہو جیسا کہ جزئیہ اولی میں ہے تو غیر مدخولہ پر ایک طلاق واقع ہوتی ہے اور مدخولہ پر اس صورت میں بھی تین طلاق واقع ہونگی چونکہ صورت مسئولہ میں لفظ طلاق کو مجموعہ اعداد کے بعد ذکر کیا گیا ھے لھذا بہرحال تین طلاق واقع ہوگئیں خواہ وہ عورت مدخولہ بھا ہو یا غیر مدخول بھا۔ واللہ اعلم۔

حقرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۱۷ ارشعبان ۱۳۴۵ھ

طلاق مغلظہ کی ایک صورت کا حکم | (**سوال**) علماء دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔ نقل طلاق نامہ منسلکہ استفتاء ارسال حضور ہے جسکو مرد نے اپنی سوتیلی ماں کے کہنے سے رجسٹری کے ذریعہ اپنی عورت کو مورخہ ۱۴ ارمارچ ۱۹۲۷ء کو بھیجا جسکے ملنے کا اس نے انکار کیا۔ بعدازاں خاوند کو معلوم ہونے پر اسی طلاق نامہ کی نقل بذریعہ پوسٹ کارڈ رجسٹری شدہ شوہر نے بھیجا اس کو بھی عورت نے لینے سے انکار کیا اور واپس کردیا عورت بدستور باعصمت اپنی والدہ کے ساتھ اپنے میکہ میں بیٹھی ھے اور طلاق سے انکار ہے خواہش شوہر کے پاس جانیکی ظاہر کرتی ہے آیا طلاق پڑی یا نہیں پڑی تو رجوع کیسے کیا جائے وصلح کیسے ہو۔ از لکھنؤ ۱۴ ار اکتوبر ۱۹۲۷ء۔

نقل طلاق نامہ:۔ مسماۃ فلانہ بنت فلاں صاحبہ! تم عرصہ سے اپنے طریقہ کو تبدیل کرکے بداخلاقی وبدزبانی ونافرمانبرداری سے پیش آتی رہیں۔ بلکہ شوروغل وبدتہذیبی کی گفتگو رہی محلہ کے مجمع عام میں بے حجابانہ کرکے طلاق مانگی آخر کار مع کل زیورات و پارچہ جات اپنی پھوپھی کی بیماری کا موقع حاصل کرکے اپنی والدہ اور نانی کے ہمراہ اپنے میکے چلی گئیں اور پھر واپس نہیں آئیں۔ ابھی تک حیلہ وحوالہ کرتی رہیں تمہارے والد بزرگوار کو بھی

خط لکھا تھا انہوں نے بھی سمجھانے نیکی کوئی کاروائی نہیں کی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے انکو بھی اپنا ہم خیال بنالیا چونکہ اس سے پیشتر بھی تم مجھ سے خواہش طلاق کرچکی ہو لھذا تمہاری مرضی کے موافق بحالت صحت وثبات عقل تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں۔ اور طلاق دیتا ہوں اور طلاق نامہ ھذا بذریعہ رجسٹری روانہ کرتا ہوں۔

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ.... نے طلاق بائن دی

واضح ہو کہ جو زیور طلائی ونقرئی تم میرا لیگئی ہو اور جسکی فہرست تمہاری دستخطی موجود ہے وہ واپس کردو۔ تاکید جانو۔

العبد شوہر

مورخہ ۱۴ ار مارچ ۱۹۲۷ء

گواہ ۱ زید گواہ ۲ بکر

الجواب :- صورت مسئولہ میں مسماۃ پر طلاق بائن مغلظہ پڑگئی اور نکاح فسخ ہوگیا بعد عدت کے وہ دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے اور اس شوہر سے بدون تحلیل کے نکاح جائز نہیں کیونکہ طلاق نامہ میں بعد مذاکرہ طلاق کے اول یہ لفظ یہ لفظ لکھا ہے "کہ تمکو اپنی زوجیت سے علیحدہ کرتا ہوں" اس ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسکے بعد لکھا ہے "اور طلاق دیتا ہوں" یہ گو صریح ہے مگر اس سے دوسری طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ بظاہر یہ پہلے جملہ کی تفسیر ہے مگر یہ کہ اس سے زوج نے تکریر طلاق کا قصد کیا ہو تو دوسری اس سے بھی واقع ہوجائیگی اس کے بعد زوج نے مسماۃ کو مخاطب کرکے تین دفعہ یہ جملہ لکھا ہے "مسماۃ فلانہ بنت فلاں تمکو مجھ نے طلاق بائن دی" یہ گو طلاق بائن ہے مگر بالفاظ صریح ہے اس لئے بائن کو لاحق ہوگا اور چونکہ تین بار تکرار کیا ہے اسلئے تین طلاق واقع ہوکر ایک زائد ہوجائیگی۔

قال فی الطحاوی وفی حاشیۃ الدر : والمراد بالبائن الذی لایلحق البائن، البائن بلفظ الکنایات فلو کان بائنًا بغیرھا یقع ۔ الی قال — ولو خلعھا ثم قال : انت طالق بائن وقع الثانی وان کان بائنًا لان وقوعہ

بانت طالق وھو صریح ویلغو قولہ بائن لعدم الحاجۃ الیہ لان الصریح بعد البائن بائن اھ (ص ۲۱۸ ـ ج ۲) واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ ۔ ۳۰ ربیع الاول ۴۶ھ

دو بیویوں کو مخاطب کر کے کہا "شمارا یک طلاق، دو طلاق، سہ طلاق دادم" تو دونوں پر طلاق مغلظ قضاءً واقع ہوجائیگی۔

(سوال) چہ می فرمایند علماء دین وفضلاء شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے مسمّٰی علی اعظم دو زن دارد روزے بمعاملہ خانگی درمیان ہردو زن منازعت افتادہ بود دریں اثناء علی اعظم درخشم وطیش آمدہ گفت شمارا یک طلاق دادم کسے گفت این چہ طلاق دادی طلاق نشد بمجرد شنیدن این کلام قدرے چند پیش ولپس رفتہ باز گفت "شمارا ایک طلاق۔ دو طلاق۔ سہ طلاق دادم"، پس درصورتِ مذکورۂ بالا زنان علی اعظم مطلقہ سہ طلاق شدند یا ہر طلاق برہر دو زن منقسم شدہ جداگانہ واقع شود یا نہ؟ —— مخفی مباد کہ مطلق را پرسیدہ شد کہ نیت تو چہ بود گفت نیت من تقسیم نہ بُود۔ بینوا توجروا عنداللہ اجرًا عظیمًا۔

عرضگذار، خاکسار عبدالرؤف مدرس مدرسہ مداری پور ضلع فرید پور۔

الجواب:۔ قال فی الھندیۃ نقلاً عن فتح القدیر، ولو قال: لاربع انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلث بینھن فھو یدین فیما بینہ و اللہ فتطلق کل واحدۃ واحدۃ اھ

وفیہ ایضاً:۔ عن المحیط للسرخسی:۔ ولو قال، لاربع نوۃ انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاثاً اھ (ص ۶۰ ـ ج ـ ۲)۔

پس درصورتِ مسؤلہ قضاءً سہ طلاق برہر زن واقع شدہ واگر زوج نیت تقسیم کردی دیانۃً نیت او قبول گشتے وچون نیت تقسیم ھم نکرد پس دیانۃً نیز ہر دو زوجہ اش مطلقہ ثلاثہ مغلظہ گشتہ۔ فلا یجوز لہ النکاح باحدھما الا بعد ان تتزوجھا بزوج آخر وتنقضی عدتھما منہ بعد طلاقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ ۱۳ شعبان ۴۶ھ

مذاکرۂ طلاق میں شوہر نے کہا "ایک دو تین"، تو طلاق مغلظہ واقع ہوجائیگی۔

(**سوال**) ایک شخص نے حالت تنازع میں اپنی بیوی سے کہا کہ "میں تجھکو کل کو طلاق تکیہ ملن کھڑے کرکے دونگا"، اس نے جواب میں سب وشتم کرکے کہا کہ "تو ابھی طلاق دیدے"، شوہر نے پھر جواب میں کہا کہ "ایک دو تین"، اور بعد اسکے کہا کہ "جا گھر سے چلی جا"، اور بعد میں لوگوں نے شوہر کو ملامت وغیرہ کی کہ تم نے کیوں طلاق دی تو اس نے کہا کہ میں نے دل سے طلاقیں نہیں کہیں بلکہ خوف اور ڈرانیکے واسطے کہی ہیں۔ آیا ایسی صورت میں طلاقیں واقع ہوگئیں یا نہیں؟ حوالۂ کتب مع عبارت ارسال فرمائیں عنایت ہوگی بینوا جزاکم اللہ رب الجلیل۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔

قال فی الخلاصۃ: وفی الفتاوٰی: قال لامرأتہ: "ترا یکے وترا سہ"، او قال: "تو یکے تو سہ"، قال ابو القاسم الصغار لا یقع شیٔ وقال الصدر الشہید: یقع اذا نوٰی وبہ یفتٰی قال القاضی: وینبغی ان یکون الجواب علی التفصیل ان کان ذالک فی حال مذاکرۃ الطلاق او فی حال الغضب یقع الطلاق وان لم یکن لا یقع الّا بالنیۃ کما قال فی العربیۃ انت واحدۃ اھ (ص۹۸ ج۲) ۔ قلت: وقد وجدت المذاکرۃ فی الصورۃ المسئول عنہا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
خانقاہ امدادیہ۔ ۱۹ صفر ۴۷ھ

دو بیویوں کو مخاطب کرکے کہا "اللہ کا حکم۔ شمارا سہ طلاق دادم"، تو ہر ایک تیں طلاق واقع ہوگی یا ایک ایک طلاق۔

(**سوال**) چہ می فرمایند علماء دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ مسمیٰ غنو میاں دو زن می داشت روزے ہر دو زنش در امرے تنازع می کردند وگفتگو ہای بسیار وقال وقیل بیشمار می نمودند مسمیٰ مذکور از مسجد آمدہ چوں ایشاں را در مشاجرت ومنازعت دید گفت، "اللہ کا حکم، شمارا سہ طلاق دادم" پس استفسار از علماء کرام این است آیا ہر دو زوجہ مسمیٰ مذکور سہ سہ طلاق مطلقہ خواہد شد یا نہ؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اقول وباللہ التوفیق ــــــــ درصورت مرقومہ ہر دو زوجۂ

غنومیاں سه سه طلاق مطلقه خواهد شد چه لفظ "اللہ کا حکم" درعرف این دیار بمعنی سوگند بخدا مستعمل می شود پس حسب قاعده مسلمه - بناء الیمین علی العرف. معناش این شد که سوگند بخدا شمارا سه طلاق دادم پس چونکه در قول مطلق هریکے از منکوحه اش مخاطبه مستقله اش هریکے ازانیان به سه طلاق مطلقه خواهد گردید -

کما فی الهندیه :- ولو قال لاربع نسوة له انتن طالقات ثلاثاً یقع علی کل واحدة ثلاث ولا یخفی علی من له البصارة ان وقوع الطلاق فی هذه الصورة مبنی علی ان کل واحدة منهن مخاطبة مستقلة هکذا ههنا والله اعلم وعلمه اعم واتم -

حرره الاحقر ولایت حسین عفاعنه

المدرس فی المدرسة الاسلامیة النواکهالیة - ۱۲ر شوال ۴۶ھ

(نوٹ) اس جواب پر اور بھی چند علماء بنگال کی تصویب اور دستخط تھے -

تنقیح از جامع امداد الاحکام

درصورت مسئوله از نیت زوج سوال باید کرد اگر ایقاع طلقات ثلاث بر هر زوجه قصد کرده بود بر هر زوجه سه طلاق واقع شد چنانچه مفتی نوشته واگر هر دو را در سه طلاق شریک کرده نیت تقسیم کرده بود سوال بار دیگر باید فرستاد -

فقد قال : فی الهندیة : بعد العبارة التی ذکرها المفتی ولو قال لاربع : انتن طوالق ثلاثاً ینوی ان الثلاث بینهن فهو یدین فیما بینه وبین الله تعالیٰ فتطلق کل واحدة واحدة کذا فی الفتح اھ (ص ۶۰ - ج ۲)
والله اعلم وعلمه اتم واحکم -

حرره الاحقر ظفر احمد عفاعنه از تھانه بھون ۱۵ر محرم ۴۸ھ

"تم دونوں کو تین طلاق دیدی" کہنے سے ہر ایک بیوی پر تین طلاق واقع ہوگی یا کیسے -

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کی دو بیوی آپس میں جھگڑ رہی تھیں مرد نے طیش میں آکر کہا کہ "تم دونوں کو تین طلاق دیدی" جب مرد سے چند روز کے بعد پوچھا گیا کہ آیا ہر ایک بیوی کو تین طلاق دینا مقصود تھا یا ڈیڑھ ڈیڑھ اس نے جواب میں کہا مجھے یاد نہیں آتی کہ میری کیا نیت تھی اب سوال یہ ہے کہ ان دونوں پر

کتنی طلاق واقع ہونگی ؟ ہماری ملکی اصطلاح میں جب کوئی کہے کہ تم دونوں کو تین روپیہ دیا۔ مراد اس سے نصفاً نصفی ہوتی ہے کیا طلاق میں اصطلاح ملکی ملحوظ نہ ہوگی ؟ فتاوی ہندیہ میں ہے۔

لو قال لثلاث نسوۃ لہ انتن طوالق ثلاثاً او طلقتکن ثلاثاً یقع علی کل واحدۃ ثلاث ولا ینقسم بخلاف لو قال: اوقعت بینکن ثلاثاً فانہا تقسم بینہن فتقع علی کل واحدۃ طلقۃ۔ مراد ایراد سے یہ ہے کہ اس مرد کے قول کی تعریب حسب اصطلاح ملک ہند " طلقتکما ثلاثاً " ہوگی یا اوقعت بینکما ثلاث تطلیقات ہوگی؟ بینوا توجروا۔ سائل محمد فیض الرحمن میمن سنگی۔

تنقیح :- ہمارے محاورہ میں صورت مسئولہ میں دونوں بیویوں پر تین تین طلاق واقع کرنا مفہوم ہوتا ہے اگر سائل کا عرف تقسیم کو موجب ہے تو علماء بنگال سے رجوع مناسب ہے وافضلھم عندی مولانا محمد اسحاق البردوانی استاد الدینیات بکلیہ ڈھاکہ یا پنچ بھائی گھاٹ لین: واللہ تعالیٰ اعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ ۱۱ ربیع الثانی ۳۸ھ

مطلقہ ثلاث اگر مرتد ہو کر پھر مسلمان ہو جائے تو طلاق ثلاثہ کا حکم باطل ہو جائیگا یا نہیں۔

(**سوال**) اگر مطلقہ بطلاق مغلظہ معاذ اللہ مرتدہ ہو جائے اور پھر وہ اسلام قبول کرے تو اس ارتداد کی وجہ سے حکم طلاق ثلاثہ کا بھی باطل ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں زوج اول بلا حلالہ اپنی مطلقہ سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

نیازمند۔ محمد مسئول عفی عنہ ۱۱ ربیع الاول ۴۵ھ

الجواب :- فی العالمگیریہ :- (ص ۱۲۹ ج ۲) ولو ارتدت المطلقۃ ثلاثاً ولحقت بدار الحرب ثم استرقہا او طلق زوجتہ الامۃ ثنتین ثم ملکہا ففی ہاتین لایحل لہ الوطی الا بعد زوج آخر۔ کذا فی النہر الفائق۔

وفی الدر :- لاشتراط الزوج بالنص فلا یحلہا وطء المولیٰ ولا ملک امۃ بعد طلقتین او حرۃ بعد ثلاث وردۃ وسبی اھ۔

وقال الشامی :- ای لو طلقہا ثنتین وہی امۃ ثم ملکہا او ثلاثاً وہی

حرة فارتدت ولحقت بدار الحرب ثم سبيت وملكها لا يحل له الوطی بملك اليمين حتى يتزوجها فيدخل بها الزوج ثم يطلقها كما فی الفتح (ص ۴۸۷ ج ۲)

ان روایات فقہیہ سے صراحۃً معلوم ہوا کہ ارتداد سے مطلقہ ثلاث کا حکم نہیں بدلتا پس جو عورت مطلقہ ثلاث مرتد ہوکر مسلمان ہوجائے اس کا نکاح بدون حلالہ کے زوج اوّل سے حرام ہے —

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ - ۱۴ ربیع الاول سنہ ۴۸ھ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون -

ماں کو مخاطب کرکے کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" تو بیوی پر تین طلاق واقع ہوجائیگی۔

( ) کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کو اس کی بیوی اور بھاوج نے کھانا لاکر دیا۔ کھانے میں کچھ خرابی دیکھکر غصہ میں زید نے اپنی والدہ کو آواز دیکر کہا "ماں تیری بہو کو تین طلاق" اس صورت میں زید کی بیوی پہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ زید واقعہ کے بعد سال بھر تک اپنی بیوی کے ساتھ کھاتا پیتا رہا اس خیال میں کہ بیوی پہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔ مہربانی فرماکر مع دلیل جواب سے مشرف فرمایا جائے اور اگر طلاق واقع ہوگئی تو زید کو کیا کرنا چاہئے؟ بینوا توجروا اجزاکم اللہ تعالیٰ فی الدارین خیراً۔

الجواب:۔ اس صورت میں طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اس عورت کو اب تک جو رکھا سخت گناہ کا مرتکب ہوا اب فوراً الگ کردینا واجب ہے بڑی حیرت ہے کہ اسطرح صاف صاف الفاظ کہکر بھی یوں سمجھ لیا کہ طلاق واقع نہیں ہوئی۔

ونظیرہ ما فی العالمگیریۃ: (ص ۶۱ ج ۲) ولو ضم الی امرأته امرأة اجنبية وقال: احدا كما طالق الى ان قال - ولو قال فی هذه الصورة طلقت احداكما طلقت امرأته من غير نية ذكره فی طلاق الاصل - والله اعلم -

احقر عبدالکریم عفی عنہ۔ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون -

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۲۸ ربیع الاول سنہ ۴۸ھ

"میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ہے، مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے"، کا حکم۔

مولائی وآقائی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم۔ السلام علیکم۔

حضرت! اس معاملہ میں ہر ایک فریق

بحث کر رہا ہے اور حضرت استاذ مولانا محمد حسن صاحب (قاضی بھوپال) دام فیوضھم نے مکرر سہ کرر۔ شامی۔ عالمگیری وغیرہ ملاحظہ فرمایا لیکن فریق مخالف اپنے خلاف فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتا ہے۔ حضرت سے عرض ہے کہ لوجہ اللہ تعالیٰ مفصل و مدلل امر حق واضح فرما دیں۔ ہر ایک فریق حضرت سے نیک عقیدت رکھتے ہیں اُمید ھے کہ حضرت کے فتویٰ سے ان میں اصلاح ہو جائیگی شبہات حسب ذیل لکھے جارہے ہیں۔

فریق اوّل:۔ زید کا کہنا ان الفاظ کا کسی شہادت وغیرہ سے ثابت نہیں بلکہ صرف دھوکہ سے اقرار کرالیا گیا ھے زید کو نیت نہ تھی غایت فی الباب پہلے لفظ سے طلاق رجعی ہوئی ہے اور بقیہ سے تاکید ھے اور زید نے معافی چاہ لی ہے لھذا رجعت ہو چکی۔

فریق ثانی:۔ ہر ایک لفظ سے ایک ایک طلاق واقع ہو چکی ھے اور اقرار کے بعد دھوکہ اور عدم نیت وغیرہ کا حیلہ کرنا باب الطلاق میں کچھ مفید نہیں کیونکہ عاقل بالغ کا اقرار ھے اور اس اقرار کے بعد شہادت کی کوئی ضرورت نہیں پہلے لفظ سے رجعی اور بقیہ سے تاکید کہنا لغو ھے حضرت عمرؓ نے تین طلاق کو تین ھی رکھا ہے اور اسی پر عمل ھے لھذا مغلظہ ہو چکی۔ اب بلا حلالہ کے نکاح زید سے ہندہ کا نہیں ہو سکتا۔

ہر ایک فریق اپنی اپنی کہتا ہے اور حضرت قاضی صاحب کے فیصلہ سے بھی آگے جا رہا ہے حضرت کے فتویٰ سے انشاء اللہ تعالیٰ اصلاح کی اُمید ھے۔ خادم عبد الصمد۔

الاستفتاء: زید نے اپنی اہلیہ کے متعلق محکمہ قضاء بھوپال میں ۱۸ ر نومبر ۳۱ء کو درخواست پیش کی اور اپنا بیان لکھوایا۔

درخواست کا مضمون میری اہلیہ مسماۃ ھندہ اور میرے درمیان کئی سال سے باہمی نزاع تھا اور اس زمانہ میں مصلحین و مفسرین کے ذریعہ سے جانبین کو اور انکے اعزہ کو مختلف اقسام کی باتیں پہنچتی رہیں جیسے کہ باھمی نزاع کی صورت میں ہوتا ہے اور معاملہ اسقدر طول پکڑ گیا تھا کہ ہر ایک فریق نے دوسرے سے بالکل ہی رشتہ داری توڑ کر قطع تعلق کر لیا تھا حتیٰ کہ اسی غصہ کی حالت میں، میں نے اپنی اہلیہ مذکورہ کے متعلق یہ بھی کہدیا تھا کہ "میں اسکو چھوڑ چکا، وہ میری بیوی نہیں ھے۔ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں، وہ میری طرف سے آزاد ہے"۔ بالآخر میں نے اپنے خسر صاحب کے پاس جاکر معافی چاھی اور آئندہ کیلئے پھر تعلقات قائم کرنیکی استدعا کی اسپر صاحب موصوف نے مجھ سے فرمایا کہ معاملہ بہت

طویل ہو چکا ہے اور میرا دل اب تم سے رشتہ کرنیکو نہیں چاہتا خیر میں نے انکو راضی کر لیا خارجًا سنا ھے کہ خسر صاحب نے شکایت کی کوئی درخواست عالی خدمت میں آئی ہے اس لئے عرض ھے کہ چونکہ باھمی ھمارا فیصلہ طے ہو چکا ہے اور آئندہ بھی باہمی مصالحت رہیگی اور یہ درخواست نہ میں نے دی ہے نہ میرے کسی عزیز نے لھذا عرض ھے کہ اس درخواست پر کوئی کاروائی نہ فرمائی جائے بلکہ عرضی ھذا پر شرعی حکم صادر فرمادیا جائے تاکہ ھم اسپر دل وجان سے عمل کر سکیں۔

بیان کا مضمون: یہ درخواست میں نے لکھوائی ھے اسپر میرے قلمی دستخط ہیں میں نے اس وقت درخواست کو سن لیا اس میں وہ باتیں لکھی ہیں جو میں نے لکھوائی ہیں جو مثل میرے معاملہ کی تیار ہوئی تھی اسپر کوئی کاروائی نہ کی جائے اسیقدر روئداد پر فیصلہ شرعی فرمادیا جائے۔

جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ:۔ شرعًا ان الفاظ سے کہ جو الفاظ زید نے اپنی اہلیہ مسماۃ ھندہ کی نسبت کہے ہیں۔ مسماۃ پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی اسلئے بدون نکاح جدید وہ مسماۃ زید کے حق میں حلال نہیں ہوسکتی۔ ۱۲؍نومبر ۳۱ء

پھر ۔۔۔ ۱۴؍نومبر ۳۱ء کو زید نے دوسری درخواست اس مضمون کی پیش کی کہ وہ ۸؍نومبر والی درخواست نہ میں نے لکھی اور نہ کسی سے لکھوائی بلکہ خسر صاحب نے کسی سے لکھوائی اور مجھے دھوکہ دیکر مجھ سے دستخط کرالئے اور مجھے یہ اطمینان دلایا کہ ھم تفریق نہیں چاھتے ہیں۔ بلکہ رخصت کر دینگے انکے اعتماد اور خوف بزرگی کی وجہ سے میں نے دستخط کئے اور پیش کر دی لھذا ان حالات پر غور فرماکر فیصلہ پر نظر ثانی فرما دیجئے ۔۔۔ اس ثانی درخواست کے ساتھ زید نے اس مضمون کا بیان لکھوایا۔ سابق درخواست میں نے جو ۸؍نومبر ۳۱ء کو پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضا میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ میں نے درخواست مذکورہ کو سنکر یہ بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں لکھوائی ھے حقیقت یہ ھے کہ یہ درخواست میں نے نہیں لکھوائی تھی بلکہ یہ درخواست میرے خسر نے کسی سے لکھوا کر مجھ سے دستخط کرالئے تھے اور کہا تھا کہ محکمہ قضاء میں جو معاملہ پیش ہوگیا ہے اسکے واپس کرنے کیلئے یہ درخواست دی جاتی ھے۔

بعد نظر ثانی جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کا خلاصہ :-

زید کی پہلی درخواست پر جبکہ فریقین کو فیصلہ سنا دیا گیا تو زید پھر درخواست پیش کی زید اس ثانی درخواست میں لکھتا ہے کہ میرے خسر نے مجھکو دھوکہ دیکر تحریر پر دستخط کرالئے وہ کلمات نسبت چھوڑنے اور بے تعلق ہوجانے زوجہ کے نہیں کہے لیکن زید ثانی درخواست پیش کرکے اپنے بیان میں خود تسلیم کررہا ہے کہ پہلی درخواست میں نے محکمہ قضاء میں پیش کی تھی درخواست مذکورہ پر میرے قلمی دستخط ہیں محکمہ قضاء میں پیش کرنے پر مجھے درخواست مذکورہ پڑھ کر سنائی گئی تھی میں نے درخواست مذکورہ سن کر بیان کیا تھا کہ یہ درخواست میں نے لکھوائی ہے۔ الیٰ آخرہ۔ یہ بیان اسکی ثانی درخواست کے مضمون کے خلاف ھے بہر حال مجموعہ روئداد سے یہ تو ثابت ھے کہ الفاظ متعلق "چھوڑ دینے زوجہ و بے تعلق و آزادی"، کے کہدینے اور لکھوادینے کو زید تسلیم کرتا ہے خواہ برضا و رغبت ہو یا بدون رضا خسر کے بہکانے اور دھوکہ دینے سے چونکہ شریعت میں بصورت جدّ و ہزل و مذاق و اکراہ ہر طور پر الفاظ طلاق کہدینے یا تحریر کردینے سے طلاق واقع ہوجاتی ھے لھذا ایک طلاق بائن مسماۃ ھندہ پر ضرور واقع ہوگئی اسلئے بعد نظر ثانی فیصلہ سابق میں ترمیم یا تنسیخ کی حاجت نہیں ھے وھی فیصلہ نافذ ھے۔ اسکے بعد ۱۰ر دسمبر ۳۱ء کو زید نے عدالت میں رخصتی زوجہ کا دعویٰ دائر کیا کہ میری اہلیہ اپنے باپ کے گھر سے آتی نہیں، رخصت کرادی جائے۔ ھندہ کی طرف سے جواب دعویٰ پیش ہوا کہ بفیصلہ شرعی ھندہ زید پر حرام ہوچکی ہے لھذا اب رخصت کیسی ؟ ۔ اور زید کی ۸ر نومبر والی درخواست اور اسکے ساتھ کے اول بیان کی نقل اور جناب قاضی صاحب کے فیصلہ کی نقل بھی پیش کی تو زید نے اس درخواست کو مع اس بیان کے تسلیم کی لیکن قاضی صاحب فیصلہ کو تسلیم نہیں کیا پس دریافت طلب یہ ھے کہ

(۱) صورت مسئولہ میں طلاق رجعی ہوئی یا بائن یا مغلظ۔ کیا اگر زید کہے کہ میری ان الفاظ سے طلاق کی نیت ھی نہ تھی تو بھی طلاق واقع ہوجائیگی ؟

(۲) دھوکہ وغیرہ کے عذرات مذکورہ شرعاً مسموع کیوں نہیں ہیں اور محض بیانات وغیرہ مذکورہ کی بناء پر طلاق کا حکم کیوں لگایا جاتا ھے۔ شہادت سے اس کا ثبوت کیوں نہ لیا جائے کہ یہ الفاظ زید کے ہیں یا نہیں۔

(۳) برتقدیر طلاق رجعی زید کا اپنے خسر کے پاس جاکر معافی چاہنا اور پھر تعلقات کی استدعا کرنا یہ رجعت ہے یا نہیں؟ جواب مدلل ومشرح مع حوالہ کتب صادر فرمایا جائے کہ فریقین کی تسلی کرکے انکی صلح کرادی جائے۔

خادم عبدالصمد ساکن اسلام پورہ بھوپال۔

الجواب:۔ اس سوال سے معلوم ہوا کہ خاوند نے چار جملے بحالت غصہ استعمال کرنیکا اقرار کیا ہے اسلئے اوّلاً ان چاروں جملوں کا الگ الگ حکم لکھا جاتا ہے اسکے بعد سب کو ملانے سے جو نتیجہ ہوا اسکو تحریر کیا جائیگا۔

پہلا جملہ یہ ہے کہ " میں اسکو چھوڑ چکا " اسکے متعلق عالمگیریہ میں ہے:

اذا قال الرجل لامرأته "بہشتم ترا" ولم یقل "از زنے" فان کان فی حالة غضب ومذاکرہ الطلاق فواحدة یملك الرجعة وان نوی ثانیا او ثلاثا فهو کما نوی وقول محمد فی هذا کقول ابی یوسف کذا فی المحیط:۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی صورت میں یہ جملہ استعمال کیا جائے تو بدون نیت بھی رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

دوسرا جملہ یہ کہ:۔" وہ میری بیوی نہیں ہے " اس کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند نے نیت کی ہو تو رجعی طلاق واقع ہو جاتی ہے اور اگر نیت نہیں کی تو اس جملہ سے طلاق واقع نہیں ہوتی خواہ یہ جملہ غصہ اور مذاکرۂ طلاق کی حالت میں کہا ہو خواہ بدون غصّہ وتذکرۂ طلاق کہا ہو ہر حالت میں نیت شرط ہے۔

کما هو مصرح فی الفتاوی الشامیة: صـ۲۴۲ تحت قول الدر: لست لی بامرأة (الی ان قال) طلاق ان نواه:۔ لان الجملة تصلح لانشاء الطلاق کما تصلح لانکاره فیتعین الاول بالنیة وقید بالنیة لانه لا یقع بدونها اتفاقاً لکونه من الکنایات واشار الی انه لا یقوم مقامها دلالة الحال لان ذالك فیما یصلح جواباً فقط وهو الفاظ لیس هذا منها واشار بقوله طلاق الی ان الواقع بهذه الکنایة رجعی کذا فی البحر من باب الکنایات اھ

تیسرا جملہ یہ ہے کہ " مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں " سو اس کا حکم کہیں مصرح تو ملا

نہیں مگر قواعد سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غضب و مذاکرہ کی حالت میں بلا نیت بھی اس فقرہ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جاتی ہے۔ دلیل وقوع کی یہ ہے کہ یہ کنایہ ملحقہ ہے "اعتدی" وغیرہ کے ساتھ کیونکہ وہ متحمل سب ورد نہیں بلکہ جواب محض کے واسطے ہے اور "اعتدی" وغیرہ کا یہ حکم ہے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت وقوع ہو جاتی ہے۔ کما ھو مصرح فی الدر وغیرہ من کتب الفقہ۔ اور رجعی ہونیکی یہ وجہ ہے کہ اس جملہ میں لفظ طلاق نکالنا پڑتا ہے یعنی پورا کلام یوں سمجھا جائیگا کہ "مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ میں اسکو طلاق دے چکا" اور جو کنایہ ایسا ہو اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے۔

کما قال صاحب البحر (ص۲۹۹ ج ۳): ولما کانت العلۃ فی وقوع الرجعی بھذہ الالفاظ الثلاثۃ (ای اعتدی واستبرئی رحمک و انت واحدۃ) وجود الطلاق مقتضیً او مضمراً علموا ان لاحصر فی کلامہ بل کل کنایۃ کان فیھا ذکر الطلاق کانت داخلۃ فی کلامہ ویقع بھا الرجعی بالاولیٰ الخ ـــــ وایضاً یعلم ذالک من کلام الشامی صراحۃ ولکن کلام البحر اصرح منہ فلذالک اخترتہ۔

اور چوتھا جملہ یہ ہے کہ "وہ میری طرف سے آزاد ہے"۔ اس کنایہ کا حکم درمختار میں صریح موجود ہے کہ غضب و مذاکرہ میں بدون نیت بھی طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے ـــــ ونصہ ھذا ویقع بباقیھا ای باقی الفاظ الکنایات المذکورۃ البائن ص۶۶ ـــــ وایضاً قال ویقع بالاخیرین وان لم ینو لان مع الدلالۃ لا یصدق قضاءً فی نفی النیۃ لانھا اقوی لکونھا ظاھرۃ والنیۃ باطنۃ اھ (ص۶۵) ـــــ تمام جملوں کا جداگانہ حکم معلوم ہونے کے بعد اب اسکی ضرورت ہے کہ طلاق کے چند جملے جمع ہو جائیں تو کیا حکم ہوگا سو اس کا یہ قاعدہ ہے کہ۔ الصریح یلحق الصریح والبائن، والبائن یلحق الصریح لا البائن۔ متون کی یہی عبارت ہے مگر اس کا حل کسیقدر دقت سے خالی نہیں اس واسطے بدائع کی عبارت نقل کرتا ہوں جو بالکل واضح ہے۔

وهی هذه المرأة لا تخلو اما ان كانت معتدة من طلاق رجعی او بائن اوخلع فان كانت معتدة من طلاق رجعی یقع الطلاق علیها سواء كان صریحًا او كنایة لقیام الملك من كل وجه وان كانت معتدة من طلاق بائن اوخلع وهی المبانة او المختلعة فیلحقها صریح الطلاق عند اصحابنا و اما الكنایة فهل یلحقها یُنظران كانت رجعیةً وهی الفاظ اعتدی واستبرئ رحمك وانت واحدة یلحقها فی ظاهر الروایة - وجه ظاهر الروایة ان الواقع بهذا النوع من الكنایة رجعی فكان فی معنی الصریح فیلحق الخلع والإبانة فی العدة كالصریح وان كانت بائنة كقوله انت بائن ونحوه ونوی الطلاق لایلحقها بلاخلاف لان الإبانة قطع الوصلة والوصلة منقطعة فلا یتصور قطعها ثانیاً بخلاف الطلاق لانه ازالة القید وازالة حل المحلیة وكل ذالك قائم اھ ملخصًا (ص ۱۳۴ - ج ۳)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ طلاق بائن کے بعد کنایات بوائن سے تو طلاق واقع نہیں ہوتی۔ باقی سب صورتوں میں طلاق کے بعد طلاق واقع ہو جاتی ھے یعنی رجعی کے بعد تو صریح کنایہ رجعی بائن سب طرح کی طلاق واقع ہوتی ھے اور طلاق بائن کے بعد صریح طلاق کی دونوں قسم واقع ہوتی ہیں۔ خواہ رجعی ہو یا بائن اور کنایہ کی فقط ایک قسم یعنی رجعی واقع ہوتی ھے۔

اب صورتِ سوال میں غور کیا جائے تو واضح ہو جائیگا کہ جملہ اولیٰ سے ایک طلاق رجعی واقع ہو گئی تھی اور جملہ ثانیہ میں نیت شرط تھی جس کا خاوند کو اقرار نہیں ھے اس واسطے وہ بے اثر رہا اور جملہ ثالثہ سے دوسری طلاق رجعی واقع ہو گئی اور جملہ رابعہ سے تیسری طلاق ہو چکی جو فی نفسہ بائن تھی مگر بوجہ ثالثہ ہو نیکے مغلظہ ہو گئی۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔

تتمۃ الجواب: یہ بات تو جواب ہی سے معلوم ہو گئی کہ زید ان تمام جملوں میں نیت نہ ہونیکا جو عذر کر رہا ہے وہ شرعًا مسموع نہیں اب دو عذر اور باقی رہے ایک یہ کہ: یہ اقرار خلاف واقع تھا۔ زید نے مصلحۃً جھوٹ بولا تھا ——— دوسرا یہ کہ پہلے جملے سے طلاق رجعی واقع مانی جائے اور بقیہ سے تاکید اور معافی مانگنے کو رجعت قرار دیا جائے سو عذر

اول کا جواب اس جزئیہ سے ہوجاتا ہے۔

ولو اقر بالطلاق کاذبًا او ھازلًا وقع قضاءً لا دیانۃً اھ شامی عن البحر وقال الشامی ویأتی تمامہ۔ ثم بین تحت قول الدر (اوھازلًا) مستوفی۔

اور دوسرے عذر کا جواب یہ ہے۔

فی الدر المختار: لوکرر لفظ الطلاق وقع الکل وان نوی التاکید دین وقال العلامۃ الشامی رحمہ اللہ تحتہ ای وقع الکل قضاءً وکذا اذا اطلق اشباہ۔

اور خسر سے معافی مانگنا اول تو رجعت نہیں دوسرے مغلظہ کے بعد رجعت سے کیا کام چل سکتا ہے۔ غرض یہ کہ زید جو اقرار پہلی درخواست میں کرچکا ہے اسکی رُو سے تین طلاق ہوچکیں اور اس کے عذر سب باطل ہیں۔ فقط والسلام۔

تنبیہ:۔ جو حکم شرعی اس سوال کی بناء پر ہمیں معلوم ہوا وہ مع دلائل تحریر کردیا گیا ہے باقی جناب قاضی صاحب نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے متعلق بدون پورا فیصلہ اور اسکی وجہ دیکھے کچھ لکھنا ممکن نہیں ہے اگر قاضی صاحب کی روئداد میں اس سوال سے زائد کوئی بات ہو تب تو اختلاف جواب کا اختلافِ واقعہ کی بناء پر ہوگا ورنہ اگر باوجود اتحاد سوال وجواب اختلاف ہو تو یہ بہتر ہے کہ یہ جواب قاضی صاحب کے ملاحظہ سے گذار دیا جائے اور ان کا جواب یہاں روانہ کردیا جائے تاکہ جانبین کو غور کا موقع ملے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مورخہ ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

الجواب مع التنبیہ صحیح
اشرف علی۔ ۴ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

"طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" کہا تو باتفاق آئمہ اربعہ طلاق مغلظ ہوجائیگی۔

(سوال) ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ زید نے حالتِ غضب میں اپنی عورت کو کہا کہ "میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی، میں نے طلاق دی" اور تخمینًا تین چار سال سے اس عورت کا حیض بند ہے اور نہ حال میں وہ سن ایاس کی حد تک پہنچی ہے پس اس تین بار کہنے سے تین طلاق ہونگی یا نہیں؟ اور اگر حنفی مذہب میں واقع ہوئی اور شافعی مذہب میں مثلًا واقع نہ ہوئی تو حنفی کو شافعی مذہب پر اس صورتِ خاص میں عمل کرنیکی رخصت دی جائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب آمدہ مع السوال :-

هوالمصوب :- ہاں! حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب مرحوم اپنی کتاب مجموعہ فتاویٰ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک تین طلاق واقع ہونگی اور بغیر تحلیل کے نکاح درست نہ ہوگا مگر بوقت ضرورت کہ اس عورت کا علیحدہ ہونا دشوار ہو اور احتمال مفاسد زائدہ کا ہو تقلید کسی امام کی کریگا تو کچھ مضائقہ نہ ہوگا نظیر اسکی مسئلہ نکاح زوجہ مفقود و عدت ممتدہ الطہر موجود ھے کہ حنفیہ عندالضرورت قول امام مالک پر عمل کرنیکو درست رکھتے ہیں چنانچہ رد المحتار میں مفصلاً مذکور ھے لیکن اولیٰ یہ ہے کہ وہ کسی عالم شافعی سے استفسار کرکے اسکے فتویٰ پر عمل کرے۔ واللہ اعلم حررہ عبدالحیؒ عفاعنہ

اور تائید اس فتویٰ کا قول صاحب درالمختار علیہ رحمۃ اللہ الغفار ھے فی ص ٦١٨

لو قضى مالكي بذالك نفذ كما في البحر والنهر وقد نظمه شيخنا الخير الرملي الخ -

وفي رد المحتار : لانه مجتهد فيه وهذا كله موافق لما في البزازية قال العلامة : والفتوى في زماننا على قول مالك -

وفي موضع آخر :- اما في بلاد لا يوجد فيها مالكي يحكم به فالضرورة متحققة -

پس مولانا عبدالحیؒ صاحب مرحوم کی رائے اور درمختار و شامی صاحب کی رائے سے مستفاد ہوتا ہے کہ ضرورۃً اگر مطلق ثلاثہ امام شافعی صاحبؒ کے فتویٰ پر عمل کرے تو اسکی بیوی ازسر نو پھر حلال ہو جائیگی۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم ۔

بر ضمیر مہر نظیر مخفی مباد کہ مسمّی سمن میاں ولد عبدالکریم مرحوم ساکن بالنگا زنِ خود را در حالت شدت غضب سہ طلاق دادہ بود و بعدہ خواست کہ بارِ دیگر آن زن مطلقہ را بعد تحلیلش او را در نکاح خود آرد لیکن آن زن مذکورہ در ممتدۃ الطہر مبتلاست و ہنوز در منزلہ سن ایاس نرسیدہ و علیحدگی آن زن مطلقہ یا مرد مطلق بوجہ کثرت اولاد از بطن آن زنِ مطلقہ بسیار دشوار۔ لهذا این همہ ضرورتہا پیش نظر داشتہ درین صورتِ خاص بر مذہب شافعی رحمۃ اللہ علیہ حکم دادہ شد یعنی بعد تجدید نکاح فیما بینهما بازسر نو زندگانی نماید زیرا چہ " الضرورات تبيح المحظورات " کہ در اصول حضرات احناف رحمہم اللہ

تعالیٰ مشہور ومعروف واظہر من الشمس است پس از ماہرین فقہ واصول شریعت غراء مرجو سنت کہ درین مسئلہ خاص از نظر تحقیق وتدقیق کاروائی فرمایند کہ واقعیست فہم طلب تا از دائرہ عدل وانصاف تجاوز نفرمایند باقی عند التلاقی وانا اللہ الباقی۔

راقم الحروف ابوالحسن محمد فرقان غفرلہ ولوالدیہ المنان
ساکن سری دھرا پرگنہ پنچھکہٹہ کلاں سلہٹ۔

قد علمت حقیقۃ الواقعۃ حیث کان عن ضرورۃ مُسَوّغۃ واذا ثبتت الضرورۃ واشتدت الحاجۃ الی ذالک صح النقل الی ای مذھب من المذاھب الاربعۃ کما افتی بہ قاری الھدایۃ وغیرہ ولیس للحنفی ولا غیرہ ابطالہ ھذا ھو المفتی بہ عند المحققین من علمائنا۔ واللہ اعلم۔

وانا العبد الملام محمد اکرام غفرلہ ولوالدیہ اسلام من مضافات کریم گنج الموطن سری دھرا

الجواب کما حررہ المجیب صحیح — لا مریۃ فیہ
معین الدین احمد عفی عنہ — محمد محفوظ الرحمٰن عفاعنہ
لاریب فیہ — الجواب الصواب
محمد طاہر عفاعنہ — محمد شرافت علی عفی عنہ۔

جواب از خانقاہ امدادیہ

مولانا لکھنوی سے اس مقام پر سخت لغزش ہوئی ہے انکے کلام میں دو جزو ہیں۔

اول یہ کہ: زوجہ مفقود کی طرح یہاں بھی ضرورت ہے اور یہ دونوں مخدوش ہیں امام شافعیؒ کی طرف اس قول کی نسبت بالکل غلط ہے۔ ائمہ اربعہ اور جمہور خلف وسلف کا صورت مذکورہ میں وقوع ثلاث پر اتفاق ہے جیسا کہ شرح مسلم للنووی اور فتح الباری سے واضح ہے اور توحد طلاق کا قول اجماع صحابہ کے خلاف ہے ہرگز قابل عمل نہیں دلائل دیکھنے کا شوق ہو تو فتح الباری اور عمدۃ القاری ملاحظہ فرمائیں۔ و نیز حضرت حکیم الامت مدظلہم العالی کا رسالہ "ردالتوحد" (جو رسالہ النور ماہ شوال وذی قعدہ ۱۳۵۱ھ میں شائع ہوچکا ہے) قابل ملاحظہ ہے اور زوجہ مفقود پر اسکو قیاس کرنا بھی ہرگز صحیح نہیں کیونکہ وہاں مذہب مالک اختیار نہ کریں تو اسکے واسطے کوئی سبیل ہی نہیں اور یہاں ایسا نہیں بلکہ اس خاوند کے علاوہ دوسرے اشخاص سے نکاح کرسکتی ہے اسی شخص پر کوئی ضرورت موقوف نہیں اگر یہ مرجائے تو کیا کرے؟

اگر ایسی ضرورتوں کا لحاظ کیا جائے تو ہر شخص اس کا دعویٰ کر سکتا ہے غرض یہ کہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہے اسپر عمل کرنا بالکل جائز نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون۔ مؤرخہ ۲۱ محرم الحرام ۵۲ھ

حکم الدیانۃ للانات اذا سمعن من الازواج الطلقات الثلاث

(تنبیہ) اس جواب کا مبنی اس تشریح پر ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنی تحریری فیصلہ میں محمد یوسف کے قول "میں تو کے طلاق دیہیوں" کے معنی کی ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی"، اگر ان کی یہ تشریح صحیح ہے اور اسی بناء پر عورت کو یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے اسکو دسوں مرتبہ طلاق دی۔ تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ اس لفظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ معنی مستقبل کا بھی احتمال ہے جیساکہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال اپنی ایک تحریر میں ظاہر کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں" کے معنی "میں تجھکو طلاق دیدوں" بھی ہوسکتے ہیں تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کرسکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں اور اگر اس کلام میں یہ احتمال تھا تو علماء ثلاثہ کو اپنی تحریری فیصلہ میں اس احتمال سے تعرض لازم تھا اس احتمال کے ہوتے ہوئے جزم کے ساتھ یہ لکھنا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں تجھکو طلاق دی"، بہت سخت مسامحت ہے جو اہل علم و اہل افتاء سے نہایت بعید ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون۔ ۱۴ ر ج ۲ ۵۸ھ

(نوٹ:-) اس فتویٰ پر بعض علماء نے کلام کیا ہے جو درج کیا جاتا ہے۔ ۱۲ ظفر

قسط اول باسمہ سبحانہ

خلاصہ مسماۃ صغریٰ نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں"، تین قبول کری تھی۔ (یعنی میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے) پھر میرے ساتھ جماع کیا۔ مدعی علیہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا۔ مدعیہ سے شہادت طلب کی گئی مگر وہ شہادت پیش کرنے سے قاصر رہی "مدعی علیہ" کو حلف دیا گیا اور اسکے حلف کے بعد حکم نے فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی مگر کسی نے عورت مذکورہ کو فتویٰ دیدیا کہ تم عدت گذارنے کے بعد دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کرسکتی ہو چنانچہ مسماۃ مذکورہ نکاح پر

آمادہ ہوئی اور اس کا شوہر فوجداری مقدمہ دائر کرنیکی تیاری کرنے لگا اس لئے ذیل میں اس حادثۃ الفتوٰی پر بقدر ضرورت بحث کی گئی ہے۔

(تنبیہ) "میں تو کے طلاق دیہیوں الخ"، ایک ایسا لفظ ھے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی کا صیغہ اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ھے جیسا کہ مقامی زبان دان حضرات کا بیان ھے۔

بیان مدعیہ[1] "میں تو کے طلاق دیہیوں تین قبول کری تھی"، (یعنی میں نے تجھکو طلاق دی کیا تو قبول کرتی ہے) دسوں مرتبہ کہا اسکے بعد جماع کیا اور یہ کہا کہ آج آخری ھے اسکے بعد یہ کہا کہ ھم صبح مہر دیکر مبارک پور جائینگے کام کرنے نہیں جائینگے دوکان پر۔ گواہ کوئی نہیں۔

علامت نشان انگوٹھا صغریٰ بنت ولی جان بقلم محمد ادریس

بیان محمد ادریس[2] میرے سامنے لڑکی نے بار بار وھی الفاظ کہا جو وہ بیان کرتی ھے محمد یوسف نے ایک مرتبہ انکار کیا اسکے والد کے مارنے کیلئے اٹھنے پر اسکے علاوہ کچھ نہیں کہا۔

نشان انگوٹھا محمد ادریس پسر فتح محمد

بیان مدعی علیہ[3] میں نے جماع کے بعد کہا کہ یہ آخری ھے۔ جماع سے پہلے میں نے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بعد میں کہا کہ میں مبارک پور صبح کو جاؤنگا وہاں ایک میرے دوست ان سے روپیہ لادونگا اگر وہ روپیہ دیں گے تو طلاق دیدونگا اور اگر نہیں دینگے تو اسکے علاوہ میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ میرا بیان ہے۔ محمد یوسف بقلم خود۔ تاریخ ۱۴ جون سـ

فیصلۂ حکم حکم نے زبانی فیصلہ صادر کیا کہ طلاق ثابت نہیں ہوئی اور مولوی اسلام الحق صاحب نے فریقین کو ذیل کی تحریر لکھکر دیدی۔

مولوی اسلام الحق کی لکھی ہوئی تحریر ھم دستخط کنندگان کے سامنے ایک عورت مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے آکر یہ بیان کیا کہ میرے شوہر مسمّٰی محمد یوسف نے رات کے وقت دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں"، (اس کا مطلب یہ ھے کہ میں نے تجھکو طلاق دی" اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہو گئی اسکو چاھئے کہ اپنی بیوی سے دیانۃً علیحدہ رھے مگر چونکہ محمد یوسف بار بار دریافت کرنے پر اس لفظ کے کہنے سے بالکل انکار کرتا ھے بلکہ حلفیہ دریافت کرنے پر بھی انکار ہی کرتا ہے اور عورت مذکورہ شرعی بینہ سے اپنے دعویٰ کو ثابت نہیں کرسکی اس لئے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ واللہ اعلم عند اللہ۔ محمد اسلام الحق عفی عنہ مدرس مدرسہ دار العلوم مئو۔

محمد صابر۔ میرک شاہ عفا اللہ عنہ

استفتاء جو عورت مذکورہ نے مکرر کیا | کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی لیکن مجھے یقین کلیہ ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو لھذا یہ امر دریافت طلب ہے اب مجھے محمد یوسف کے ساتھ رہنے میں کوئی گناہ تو نہ ہوگا؟

سائلہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان۔

الجواب:- (تمہید) فریقین نے جن کا بیان ۱ ۳ میں درج ہے میرے پاس دعویٰ طلاق کا مرافعہ کیا۔ زبان سے ناواقفیت کی وجہ سے میں نے مولانا مولوی محمد اسلام الحق صاحب اور مولانا محمد صابر صاحب کو اثناء تحقیقات میں اپنے ساتھ شامل رکھا۔ اور جو الفاظ مقامی زبان میں کہے گئے انکے ترجمہ میں بھی ان ہی دونوں حضرات کے کہنے پر اعتماد کیا۔ مدعیہ مسماۃ صغریٰ بنت ولی جان نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے مجھے دسوں مرتبہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ محمد یوسف شوہر مسماۃ مذکورہ نے ایقاع طلاق کا انکار کیا اور صرف اس کا اقرار کیا کہ جماع کے بعد طلاق کا وعدہ کیا بشرطیکہ مبارکپور کے دوست سے مہر ادا کرنے کیلئے روپیہ مل جائے مدعیہ کے پاس بینہ (شہادت) نہیں شوہر کو قسم کیلئے کہا گیا جو اس نے کھائی اس لئے عدم ثبوت طلاق کا حکم شرعی فریقین کو سنایا گیا اور تحریر طلب کرنے پر مولانا اسلام الحق صاحب نے فریقین کو تحریر بھی دیدی جسمیں انفرادی طور پر شوہر کو نصیحت بھی کی گئی ہے اور جانبین کو بالاشتراک عدم ثبوت طلاق کا حکم بتایا گیا اس تحریر پر میرے اور مولوی محمد صابر صاحب کے بھی دستخط کرائے گئے تحریر مذکور وصول کرنے کے بعد مسماۃ مذکورہ کی طرف سے استفتاء مندرجہ بالا ۲ میرے سامنے ونیز بعض دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا گیا جس میں وہ دیانت کا حکم اپنے متعلق دریافت کرتی ہے چونکہ اس مسئلہ میں دیانت کے پہلو متعدد ہیں اس لئے ذیل میں انکو درج کیا جاتا ہے اور اوپر کا حکم ۲ بسلسلۂ تحکیم فریقین کو دیا گیا ہے جو اس مسئلہ میں قضاء کا پہلو ہے اور اب جو کچھ لکھا جائیگا وہ محض ان احکام شرعیہ کا اظہار ہوگا جو اس مسئلہ میں انفرادی احکام کی حیثیت سے کتب فقہ میں منقول ہیں جیسے اس مسئلہ میں دیانت کا پہلو سمجھنا چاہئے جیسا کہ آگے آتا ہے۔

رجوع باصل مقصد۔

تمہید مذکور کے بعد سائلہ مذکورہ کو بالخصوص اور ناظرین کو علی العموم اطلاع دی جاتی ہے کہ اس مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا ہے اس لئے جس قدر مسائل واقوال ہم کو اس باب میں

معلوم ہو سکے انکو ذیل میں درج کر کے آخر میں بتایا جائیگا کہ اقوال مذکورہ میں سے سائلہ کو کونسا قول اختیار کرنا چاھئے ونیز یہ کہ سائلہ کے بیان کے متعلق کتب فقہ میں دیانۃً کیا احکام ہیں جن پر انکو دیانۃً عمل کرنا ضروری ہے مسائل واقوال یہ ہیں :۔

(قول اول) جس عورت نے اپنے شوہر سے یہ سنا کہ اس نے اسے طلاق دیدی ہے ا اور عورت مذکورہ شوہر کو اپنے سے دور کرنے اور روکنے پر بجز اس کے کہ اسکو قتل کرے قادر نہیں تو اسکو شوہر کے قتل کے ارتکاب کی اجازت ہے مگر خودکشی جائز نہیں۔ (در) سمعت من زوجها الخ

(بـ) اوزجندی فرماتے ہیں کہ عورت مذکورہ کو قاضی کے پاس مرافعہ کرنا چاھئے اگر وہاں شوہر نے طلاق کا انکار حلفاً کرلیا اور عورت شہادت پیش نہ کر سکی تو گناہ مرد پر ھے اور اگر ارتکاب کریگی تو وہ بھی مباح ؏ ھے۔ (در) وقال الاوزجندی

(جـ) عورت مذکورہ کو کسی حال میں شوہر مذکور کے قتل کا ارتکاب حلال نہیں بلکہ گناہ کا ذمہ دار شوہر ہوگا۔ (در) وقیل لا تقتله

(د، ھ) اوپر کے تینوں اقوال میں سے قول ثالث کو صاحب در مختار نے مفتی بہ قرار دیا ھے اور پہلے قول کے ذیل میں شامی نے محیط سے نقل کیا ھے کہ عورت مذکورہ کو سزاوار ھے کہ اپنا مال ومتاع دیکر شوہر سے اپنے آپ کو خلاص کرے یا یہ کہ اس سے بھاگ جائے اور اگر اسکی قدرت نہیں رکھتی ہے تو اس وقت قتل کریگی جبکہ یہ یقین ہو جائے کہ وہ وطی کریگا۔ مگر دواء کے ساتھ ورنہ تیز آلہ کے ساتھ قتل کے ارتکاب کی صورت میں قصاص واجب ہوگا۔ (رد) وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب۔

یہ پانچ اقوال درمختار اور شامی کی عبارات ذیل سے اخذ کیئے گئے۔

سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر علی منعها

؏ خط کشیدہ الفاظ ص۱۰۸ غور طلب یہ ہے کہ اقرار بالطلاق اور تلفظ بالطلاق میں فرق ھے ونیز یہ کہ زیر بحث مسئلہ ثانی ھے نہ کہ اول۔

من نفسها الا بقتله لها تقتله بدواء ولا تقتل نفسها، وقال الاوزجندی ترفع الامر للقاضی فإن حلف ولا بینۃ فالاثم علیه وان قتلته فلا شئ علیها و قیل لا تقتله وبه یفتیٰ کما فی التتارخانیہ وشرح الوهبانیہ عن الملتقط ای والاثم علیه کما مر (در)

(قوله لها قتله) قال فی المحیط وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه وان لم تقدر قتلته متی علمت انه یقربها الخ (شامی ص۴۲۸ ج-۲)

قوله وان قتلته الخ ۱ فادا باحۃ الامرین (شامی ص۴۲۹ ج۲)

(وقع) اگر عورت کو شوہر نے تین طلاق دیدیں پھر منکر ہوا تو عورت مذکورہ کو اس وقت جبکہ شوہر مذکور سفر میں ہوگا اعتداد کے بعد دیانۃً جائز ہے کہ کسی دوسرے کے ساتھ مخفی طور پر نکاح کر کے حلالہ کرے اور شوہر مذکور کی واپسی پر اس سے یہ بہانہ کرکے کہ میرے قلب میں شک پیدا ہو رہا ہے تجدید ایجاب وقبول کرا کے اسی کے پاس رہنے لگے لیکن قنیہ میں اس مسئلہ کو مختلف فیہا قرار دیدیا گیا ہے کہ بھاگ جانے پر قادر ہونے کی صورت میں عورت مذکورہ کو دیانۃً تزویج مذکور کی اجازت نہیں کیونکہ جب اسکی تفریق کے ساتھ قضاء قاضی صادر نہ ہوئے اس وقت تک وہ شوہر اول کی زوجیت کے حکم میں برابر جکڑی ہوئی رہیگی۔

(بحر) لو طلقها ثلاثا وانکر لها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرا منه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمست منه تجدید النکاح لشك اھ - وقد ذکر فی القنیۃ خلافا فرفع للاصل بانها ان قدرت علی الهرب لم یسعها ان تعتد وتتزوج بآخر لانها فی حکم زوجته الخ - والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام ..... یحل لها ان تتزوج فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لا یحل - (اقول احدیانۃ لانه نفی لما اثبت قبله عبد) ..... وقد نقل فی القنیۃ عن شرح السرخسی ... طلق امرأته ثلاثا و غاب عنها فلها ان تتزوج .... بعد العدۃ دیانۃ و نقل آخر انه لا یجوز فی المذهب الصحیح -

(زعك) عورت نے شوہر سے طلاق کے الفاظ سن لئے مگر شوہر نے حلفاً انکار کیا اور قاضی نے

(بحر) وکذالك سمعته طلقها ثم جحد وحلف الخ

عورت کو شوہر کے سپرد کردیا تو عورت مذکورہ کو نہ تو اس کے ساتھ رہنا جائز ہے اور نہ ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے۔

ان دونوں قولوں کا خلاصہ بقول علامہ بدیع کے یہ ہے کہ اوزجندی نسفی وغیرھما کے نزدیک دیانۃً نکاح ثانی حلال ھے اور باقی فقہاء کے نزدیک دیانۃً بھی نکاح ثانی حلال نہیں۔

(بحر) قال یعنی البدیع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی ونجم الدین نسفی والسید ابی شجاع و ابی حامد السرخسی یحل لها ان تتزوج بزوج آخر فیما بینها وبین الله وعلی جواب الباقین لایحل اھ (ای ان تتزوج بزوج آخر فی مابینها الخ عبد)

(ح) شوہر نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں پھر سفر میں چلا گیا اسکی عورت عدت کے بعد دوسرا نکاح دیانۃً ایک قول کے مطابق کر سکتی ھے مگر دوسری نقل کے مطابق مذہب صحیح یہ ہے کہ دیانۃً بھی نکاحِ ثانی ناجائز ھے اور دیانۃً بھی نکاح ثانی کے عدمِ جواز اور حرمت کو مذہب صحیح قرار دینے والے علماء ترجمان ہیں۔

(بحر) وقد نقل فی القنیۃ .... ما صورته طلق امرأۃ ثلاثًا وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر دیانۃً ونقل آخر انه لایجوز فی المذهب الصحیح۔

(ط) مرد نے تعلیق طلاق کرلی اور شرط بھی پائی گئی جس کا علم ویقین عورت کو ہوگیا مگر مرد کو یہ گمان ھے کہ شرط نہیں پائی گئی اور ساتھ ہی ساتھ عورت کو اس کا بھی ظن غالب ھے کہ اگر وہ مرد کو خبر دے گی تو وہ تعلیق ھی کا انکار کریگا۔ تو اس صورت میں جب کبھی مرد غائب ہو جائے یعنی کسی سبب سے عورت مذکورہ کو اعتداد کے بعد حلالہ کی اجازت دیانۃً ہوگی مگر قضاءً نہ ہوگی یہ قول تو عمر نسفی کا ھے لیکن وہ اس کے ساتھ فتویٰ دینے کی اجازت اس عورت کے ساتھ

قال حلف بثلاثه

مخصوص کرتے ہیں جو قابل وثوق واعتبار ہو ناقابل اعتبار عورت کو وہ اس حکم کے ساتھ فتویٰ نہیں دیتے ہیں کیونکہ عورت مذکورہ کو نکاح دوم کرنے کی اجازت دینے کے بارے میں ممدوح نے سید ابوشجاع سے دومرتبہ دریافت کیا آپ نے ایک مرتبہ جواز کا حکم لکھدیا دوسری مرتبہ فرمایا کہ جائز نہیں اور تطبیق کی صورت بقول عمر نسفی یہ ہے کہ جواز کا حکم صرف اس عورت کیلئے آپ نے دیدیا جو قابل اعتبار اور قابل وثوق ہو۔

(۱۰) دو شاھدوں نے شہادت دیدی کہ عورت کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دیدیں تو اگر اس کا شوہر سفر میں ہونیکی وجہ سے اس سے غائب ہے تو اس کو نکاح دوم کی گنجائش ہے اور اگر شوہر سفر میں نہیں تو عورت مذکورہ دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے۔

مسئلہ کی یہ صورتیں (۶ سے ۱۰ تک) بحر الرائق کی عبارت ذیل سے اخذ کی گئیں۔

قالوا: لو طلقها وانكرها ان تتزوج بآخر و تحلل نفسها سرامنه اذا غاب فی سفر فاذا رجع التمسك منه تجدید النكاح لشك خالج قلبها لا لانكار الزوج النكاح وقد ذكر فی القنية خلافاً فرقم للاصل بانها ان قدرت علی الهروب منه لم يسعها ان تعتد و تتزوج بآخر لانها فی حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز لشمس الاسلام الاوزجندی وقال: قالوا هذا فی القضاء ولها ذالك دیانة وكذالك ان سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضی عليه لم يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضاً قال يعنی البديع والحاصل انه علی جواب شمس الاسلام الاوزجندی و

نجم الدین النسفی والسید ابی شجاع وابی حامد والسرخسی یحل لہا ان تتزوج بزوج آخر فیما بینہا وبین اللہ تعالیٰ وعلیٰ جواب الباقین لا یحل اھ ــــ قال المصنف رح وقد نقل فی القنیۃ قبل ذالک عن شرح السرخسی ماصورتہ طلق امرأتہ ثلاثاً وغابت عنہا فلہا ان تتزوج بزوج آخر بعد العدۃ دیانۃً ونقل آخر انہ لایجوز فی المذہب الصحیح اھ۔ قلت: انما رقم لشمس الائمۃ الاوزجندی وھو الموافق لما تقدم عنہ والقائل بانہ المذہب الصحیح العلاء الترجمانی ثم رقم بعدہ لعمر النسفی وقال: حلف بثلاثۃ فظن انہ لم یحنث وعلمت الحنث وظنت انہا لو اخبرتہ ینکر الیمین فاذا غاب انہا بسبب من الاسباب فلہا التحلل دیانۃً لا قضاءً قال عمر النسفی سألت عنہا السید ابا شجاع فکتب انہ یجوز ثم سألتہ بعد مدۃ فقال انہ لایجوز والظاہر انہ انما اجاب فی امرأۃ یوثق بہا اھ کذا فی شرح المنظومۃ وفی البزازیۃ شہد ان زوجہا طلقہا ثلاثاً ان کان غائبًا ساغ لہا ان تتزوج بآخر وان کان حاضراً لالان الزوج ان انکر احتیج الی القضاء بالفرقۃ ولایجوز القضاء بہا الا بحضرۃ الزوج اھ وفیہا سمعت بطلاق زوجہا ایاہا ثلاثًا ولاتقدر علی منعہ الا بقتلہ ان علمت انہ یقربہا تقتلہ بالدواء ولاتقتل نفسہا وذکر الاوزجندی انہا ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لہا بینۃ تحلفہ فان حلف فالاثم علیہ وان قتلتہ فلاشئ علیہا۔ والبائن کالثلاث اھ۔ وفی التتارخانیۃ: وسئل الشیخ ابو القاسم عن امرأۃ سمعت من زوجہا انہ طلقہا ثلاثاً ولاتقدر ان تمنعہ نفسہا ھل یسعہا ان تقتلہ فی الوقت الذی یرید ان یقربہا ولا تقدر علی منعہ الا بالقتل فقال لہا ان تقتلہ وھکذا کان فتوی الامام شیخ الاسلام عطاء بن حمزہ ابی شجاع وکان القاضی الامام الاسبیجابی یقول لہا ان تقتلہ وفی الملتقط وعلیہا الفتویٰ۔

وفی فتاویٰ الشیخ الامام محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفۃ عن عبد اللہ بن المبارک عن ابی حنیفۃ ان لہا ان تقتلہ۔

وفی المحیط فی مسئلة النظم: و ینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته متی علمت ان یقربها ولکن ینبغی ان تقتله بالدواء و لیس لها ان تقتل نفسها قلت: قال فی المنتقی وان قتلته بالآلة یجب القصاص اھ (بحر۔ ص۶۲-۶۳ ج۲)

(۱۱) جب عورت کے پاس دو شاہد شہادت دیدیں کہ اس کے شوہر نے اسکو تین طلاقیں دیدی ہیں اور شوہر انکار کرتا ہے پھر دونوں شاہد مر گئے یا پردیس چلے گئے اور قاضی کے سامنے ان سے شہادت دلانے کا موقع نہیں ملا تو عورت مذکورہ کو نہ تو یہ جائز ہے کہ شوہر مذکور کے پاس رہے اور نہ یہ جائز ہے کہ اسکو جماع کرنے کا موقع دیدے پھر اگر قاضی کے سامنے مرافعہ ہوا اور زوج منکر نے حلف اٹھائی۔ شاہد بھی مر چکے ہیں اور قاضی نے عورت مذکورہ کو شوہر مذکور کے سپرد کر دیا تو اسکو جائز نہیں کہ شوہر مذکور کے پاس رہے بلکہ مال دیکر اپنے آپ کو خلاص کرے یا بھاگ جائے اور جب بھاگ جائیگی تو دیانۃً عدت گذار کر دوسرے نکاح کی گنجائش ھے جیساکہ محیط میں مذکور ھے۔

(نوٹ) اس صورت ۱۱ میں وضع مسئلہ یوں ہے کہ عورت کے سامنے دو شاہد عدل (یعنی دو معتبر اور دیندار مرد) اداء شہادت کریں کہ اُسے زوج نے تین طلاقیں دیدیں اور ما نحن فیہ میں عورت نے خود اپنے شوہر سے سنا ھے کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ہے؟ اسلئے یہ مسئلہ (۱۱) زیر بحث حادثہ سے متفاوت ھے لیکن فی الجملة تشابہ کی بنا پر اس کا اندراج یہاں مناسب معلوم ہوا تاکہ مسئلہ کے دوسرا پہلو بھی سامنے آجائیں۔

یہ مسئلہ (۱۱) عالمگیری کی عبارت ذیل سے اخذ کیا گیا:

و اذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو يجحد ذالك ثم ماتا او غابا قبل ان يشهدا عند القاضى لم يسعها ان تقيم معه وان تدعه يقربها فان حلف الزوج على ذالك والشهود قد ماتوا فردها القاضى عليه. لا يسعها المقام معه وينبغى لها ان تفتدى بمالها او تهرب منه فان لم تقدر على ذالك قتلته متى علمت انه يقربها لكن ينبغى ان تقتله بالدواء و ليس لها ان تقتل نفسها واذا

ھربت منہ لو یسعھا ان تعتد وتتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمۃ الحلوائی فی کتاب الاستحسان ھذا جواب الحکم و اما فیما بینھا وبین اللہ تعالیٰ اذا ھربت فلھا ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط (عالمگیری ج۲ ص۵)

تبصرہ :- اقوال مذکورہ میں سے قول اول ونیز قول دوم کی شق ثانی یعنی قتل کی اجازت کا قول بوجوہ ذیل ناقابل عمل ہے اول اسلئے کہ اجازت قتل کے مقابلہ میں حرمت وعدم جواز کے قول کو مفتی بہ قرار دیدیا گیا ہے۔ وقیل لا تقتلہ ..... وبہ یفتی، درمختار باب الرجعۃ۔ لا یسعھا قتلہ وبہ یفتی۔ درمختار کتاب الرضاع ــــــ دوسرے اسلئے کہ اگر یہی صورت بجائے عورت کے مرد کو پیش آجائے تو اسکو عورت کے قتل کی اجازت کسی قول میں نہیں دی گئی ھے جیسا کہ درمختار میں ھے۔ لو لم یقدر ھو ان یتخلص عنھا و لو غاب سحرتہ وردتہ الیھا لا یحل لہا قتلھا و یبعد عنھا جھدہ اھ ــــــ لھذا عورت کو بھی قتل کی اجازت نہیں ہونی چاھئے۔

تیسرے یہ اسلئے کہ عورت کو اس مسئلہ میں خودکشی سے منع کیا گیا ھے اور زہر کھلانے کی صورت میں حکومت وقت قتل کی سزا دے سکتی ھے۔ (جہاں تک مجھے معلوم ھے) لھذا قتل کی اجازت کسی حال میں نہیں ہونی چاھئے پس عورت کو کسی طرح بھی یہ جائز نہیں کہ شوہر کو قتل کرنیکا ارادہ کرے اور قول مذکور کو صاحب شامی کا قول معتمد قرار دینے کا مطلب یہ ھے کہ اسکی نقل درایت صحیح ھے نہ یہ مفتیٰ بہ ہونے کے لحاظ سے اسپر عمل کرنا جائز ہے، واللہ اعلم۔

قول ششم ونیز وہ تمام صورتیں جن میں عورت کو دیانۃً اختیار دیا گیا ھے کہ حلالہ کی غرض سے کسی شخص کے ساتھ شوہر کو بے خبر رکھکر نکاح کریگی یہ سب اقوال صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح ہیں جیسا کہ باب الایلاء سے پہلے درمختار میں مذکور ھے، وفیھا شھدا انہ طلقھا ثلاثاً لہا التزوج بآخر للتحلیل لو غائباً انتھیٰ قلت: یعنی دیانۃً، والصحیح عدم الجواز فتیۃ یعنی جب دو شاہد طلاق کی شہادت دیدینگے اور شوہر غائب ہو تو عورت حلالہ کی غرض سے دوسرا نکاح کرسکتی ھے۔ صاحب دُر اس مسئلہ کو بزازیہ سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ جواز نکاح

دیانت کا حکم ہے اور صحیح یہ ہے کہ عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا جائز نہیں، جیسا کہ قنیہ میں مذکور ہے۔ اور صاحب دُرمختار کے اس قول پر علامہ ابن عابدین نے اشکال وارد کیا ھے مگر وہ محض بحث ھے اسلئے اسکے ساتھ فتویٰ دینا ہرگز جائز نہیں جیسا کہ اہل فن اور اصحاب مناسبت پر واضح ھے۔ علاوہ برآن یہ بھی زیر بحث حادثہ میں ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ جس مسئلہ پر بحث مذکور کیگئی ہے اسکی صورت یہ ہے کہ عورت کو دو مرد و زن کی شہادت عادلہ سے طلاق کا علم ہوجائے۔ اور زیر بحث مسئلہ میں عورت کو اس کے سوا کوئی علم نہیں کہ اسکے زعم کے مطابق اسکے شوہر نے اس سے دسوں مرتبہ یہ کہدیا کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ جیسا کہ آگے آئیگا۔ مذکورہ بالا مقام کے علاوہ باب الرضاع کے آخر میں بھی صاحب درمختار نے نکاح ثانی کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ احباب سے استفسار کرنے پر معلوم ہوسکا ہے اس قسم کے فتوے دینے والے اور اس پر عمل کرنے والے سب کے سب فوجداری دفعات کی زد میں آتے ہیں اور وہ دفعات عموماً اس مسئلہ کے حکم اور قضاء کے پہلو کے اعتبار سے شریعت کے خلاف بھی نہیں لھذا ایسے فتاوے کا نتیجہ اگر ایک طرف زنا کاری اور اغواء کے عموم وفشو کی صورت میں نمودار ہوگا۔ تو دوسری طرف مقدمہ بازی اور گرفتاریوں کی بھرمار قانونی گرفت۔ شیوع فتن وفساد کی شکل میں سامنے آکر اسلام اور اہل اسلام ونیز علماء اسلام کے لئے نہایت ناشائستہ اثرات کا مثمر ہوگا۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا۔ ارباب فتویٰ کو ایسے مواقع پر فتح القدیر کے اس مسئلہ کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاھئے ــــ والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع ـــــ اور اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ اس قول کے مطابق فتویٰ دینے میں اخذ بالاحوط کا تحقق ہوتا ہے تو یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اقوال مندرجہ بالا میں سے بہت سے ایسے اقوال ہیں جو اس قول سے کہیں زیادہ احوط ہیں۔ علاوہ برآن زیر بحث حادثہ میں اخذ بالاحوط کا تحقق بھی محل تامل ھے کیونکہ اگر عورت قول ثالث کے مطابق عمل کرکے شوہر منکر کے ساتھ زوجیت کے تعلقات کو بھی قائم رکھیگی تب بھی ایسا واقعہ بہت ہی شاذ ونادر پیش آتا ہے کہ مرد اس طرح طلاق دیدے کہ وہاں کوئی شاہد نہ ہو اور پھر طلاق دینے کا انکار بھی کرے برعکس آں جب یہ فتویٰ عام ہوگا کہ جو عورت یہ کہیگی کہ مجھے علم ویقین ہے کہ میرے شوہر نے مجھے طلاق دیدی ہے ایسی

عورت کو دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دیدی جاتی ھے تو زمانہ کے بدمعاش اور بردہ فروش ایسے فتاویٰ کو اپنے پیشہ کا خاص ذریعہ بنائینگے کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوچکا ہے کہ بردہ فروشوں کے گروہ اس قسم کی جعلی سرگرمیوں کو عموماً اپنے کام کا ذریعہ بناتے ہیں لیکن تمام پہلو ٹھیک کرنے میں انکو صعوبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اسلئے ایسے سھل الوصول ہتھیار کو کیوں وہ ہاتھ سے جانے دینگے۔ لھذا ایسے فتاویٰ کے اصدار سے اجتناب اولی والزم ہے۔

عالمگیری میں ہے۔ ویحرم التساھل فی الفتاوی واتباع الحیل ان فسدت الاغراض وسوال من عرف بذالك الخ (ص ۳۷۹ ج ۳)

یعنی فتویٰ دینے میں تساھل برتنا اور اغراض فاسدہ کا ہوتے ہوئے حیلے قائم کرنے حرام ہیں اسیطرح جو لوگ ایسے فتویٰ تیار کرتے ہیں ان سے مسئلہ پوچھنا بھی حرام ہے۔

بوجوہ مندرجہ بالا مسماۃ صغریٰ کو اس قول پر عمل کرنا جائز نہیں مگر سنا گیا ہے کہ مسماۃ مذکورہ کو کسی صاحب نے ذیل کا فتویٰ دیدیا ہے جسکی نقل بعینہ ذیل میں درج کی جاتی ھے۔

"صورت مسئولہ میں جب عورت کو یقین ھے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے دوسرا شوہر ہم بستری کے بعد اگر اسکو طلاق دیدے اور عدت گذر جائے تو وہ پھر محمد یوسف سے نکاح کرسکتی ہے اگر اس سے نکاح کرنا چاھے اور اگر اس سے نکاح کی طلب نہ ہو تو جس سے نکاح کرے اس کے پاس رہے"

اس فتویٰ میں صاحب فتویٰ کا یہ فرمانا کہ جب عورت کو یقین ھے کہ اس کے شوہر نے اسکو طلاق مغلظہ دیدی ہے الخ مسئلہ مذکورہ بالا یعنی والحق ان علی المفتی ان ینظر فی خصوص الوقائع الخ کی رُو سے قابل اعتراض ھے اسلئے کہ صاحب فتویٰ کے سامنے صغریٰ نے وہ بیان رکھا جسمیں اسکے دعویٰ کے الفاظ کا ترجمہ؏ یہ کیا گیا ھے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" پھر وہ استفتاء میں حلفیہ کہتی ھے کہ "مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو" اسلئے صاحب فتویٰ کو مستفتیہ کے پیش کردہ الفاظ میں غور کرنیکی ضرورت تھی کہ ایسے الفاظ کا فقہاء کے نزدیک کیا حکم ھے نہ کہ یہ لکھنا کہ جب عورت کو یقین ھے الخ کیونکہ "جب" اذا کا ترجمہ ھے اور

؏ یہ ترجمہ خود علماء ثلاثہ نے کیا ھے وھی اسکی صحت کے ذمہ دار ہیں۔

اذا[1] کا لفظ جزم کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے گویا صاحب فتویٰ نے بھی مستفتیہ کے بیان سے اس حکم کا یقین کیا جسکا زعم بظاہر مستفتیہ نے کیا ہے حالانکہ مستفتیہ نے الفاظ پیش کرکے حکم دریافت کیا تھا چنانچہ اس سے مستفتیہ کے حواریین نے وقوع طلاق بالیقین کا حکم قطعی سمجھ لیا بہرکیف جب مسماۃ صغریٰ کو دیانت کا حکم بتلانا ھے اور اسمیں بعض احباب کو اتنا اصرار ھے کہ ہندوستان میں علماء بجز احکام دیانت کے کوئی فتویٰ ہی صادر نہیں کرسکتے ہیں تو الفاظ مذکورہ میں بھی دیانت کا پہلو ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے "میں نے تجھکو طلاق دی" کا ترجمہ فارسی میں یہ ہے کہ "من ترا طلاق دادم" اور قاضی خان میں مذکور ہے کہ اگر ان الفاظ سے ایقاع طلاق کی نیت کرلی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر تفویض[2] طلاق کی نیت ہوگی تو طلاق نہیں پڑیگی اور اگر تفویض کی نیت نہ ہو تو طلاق پڑیگی۔

وان قال لها "من ترا طلاق دادم" ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لا یقع وان لم ینو التفویض یکون ایقاعًا ولو قال لها، لك الطلاق قال ابوحنیفةؒ ان عنی به التفویض یدیّن واذا قامت من مجلسها بطل (خانیة بر هامش عالمگیری ط ۲۱۹ و ۲۲۰ ج ـ ۲)

خلاصہ یہ کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" کے معنیٰ یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ میں تمہارے سپرد[3] طلاق کو کردی ہے۔ پس اگر تم اپنے آپ کو مطلقہ بنانا چاہتی ہو تو ایقاع طلاق اپنے اوپر کرسکتی ہو اور اس صورت میں مجلس میں صغریٰ اپنے آپ کو مطلقہ نہ بنا نا تفویض مذکور کو سلب کرتا ہے۔ راقم الحروف کہتا ہے کہ جو بیان مسماۃ صغریٰ کا ھمارے پاس[4] اسکے عکس انگوٹھا کے ساتھ محفوظ ہے اس سے یہی شق معلوم ہوتی ہے کیونکہ مسماۃ صغریٰ کہتی ہے کہ مجھ سے محمد یوسف نے یہ بھی دریافت کیا کہ کیا تم طلاق قبول کرتی ہو؟ اور اپنا کوئی جواب تو لاً بیان نہیں کرتی ھے بلکہ اسکے جماع اور اپنی تمکین کا[5] ذکر کرتی ہے لھذا دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعًا اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے

---

[1] عربی میں نہ کہ اردو میں۔ [2] اردو میں یہ لفظ محتمل تفویض نہیں۔ [3] اردو میں یہ معنیٰ غلط ہیں۔

[4] قضاءً و قانونًا ایسا شخص مردود الشہادت ہے جو اولاً بیان میں قید بیان نہ کرے بعد میں اضافہ کرے۔

[5] یہ بھی علماء ثلاثہ کے اول بیان میں نہیں ھے لھذا یہ اضافہ بھی قضاءً رد ہے۔

خصوصاً جبکہ محمد یوسف کہتا ہے کہ میں نے جماع کے بعد اس سے طلاق دینے کا وعدہ اس صورت میں کیا تھا کہ مبارکپور جاکر اداءِ مہر کیلئے رقم اپنے دوست سے وصول کرسکوں۔ بالفرض اگر الفاظ مذکورہ کو ایقاع طلاق پر ہی محمول کیا جائے تب بھی حکم دیانت اسمیں صرف وہی نہیں جو صاحب فتویٰ نے تحریر فرمایا ہے بلکہ ایک احتمال یہ ہے کہ محمد یوسف نے پہلی مرتبہ ایقاع طلاق اور دوسری و تیسری و چوتھی سے لیکر جتنے مرتبہ تکرار کیا اس سے افہام[1] کا ارادہ کیا ہو چنانچہ اگر وہ اس بیان کی تصدیق کرتا اور پھر یہی دعویٰ کرتا تو دیانۃً اسکی تصدیق کی جاتی خصوصاً اس صورت میں کہ "ما نحن فیہ" میں اس کا قرینہ موجود ھے جسکا اعتبار کرنا شرعاً ضروری ہے کیونکہ اگر ہم فرض کرلیں کہ پہلی مرتبہ کہنے سے محمد یوسف نے ایقاع طلاق مراد لی ہوگی اور باقی مرات سے افہام تو اس صورت میں جو جماع بعد میں واقع ہوا وہ حلال ہوگا اور مانا جائیگا کہ اس نے جماع کے ساتھ رجعت بالفعل کرلی۔ اور اگر ایسا نہ ہوا ہو تو صغریٰ کے بیان کے مطابق جماع مذکور اس صورت میں حرام واقع[2] ہوا ہوگا کہ الفاظ مذکورہ سے تین طلاق واقع ہوچکی ہوں۔ قاضی خان میں ھے:

رجل قال لامرأتہ انت طالق انت طالق انت طالق و قال عنیت بالاولی الطلاق و بالثانیۃ والثالثۃ افہامہا صدق دیانۃً (ص۲۲۴ ج-۲ بہامش عالمگیری) راقم الحروف کہتاہے کہ دسوں مرتبہ کہنا افہام[3] کا قرینہ ھے کیونکہ طلاق واقع کرنے کیلئے تین مرتبہ کہنا یا ایک ہی مرتبہ سے طلاق واقع کرنا کافی ہوسکتاہے لھذا لامحالہ تین سے زائد مرات کو افہام[4] و تاکید پر حمل کرنا ضروری ھے اسلئے اس جماع کو جو مسماۃ صغریٰ کے بیان کے مطابق بعد میں واقع ہوا فعل حلال پر محمول کرنیکی غرض سے پہلی مرتبہ کے علاوہ تمام مرات کو افہام پر حمل کرنا قواعد شرعیہ کے ساتھ اوفق ہے کیونکہ مسلمانوں کے افعال کو جہانتک ممکن ہو فعل مشروع پر محمول کرنا شرعاً معمول بہ ہے ان احتمالات کے ہوتے ہوئے مسماۃ صغریٰ کو حرمت مغلظہ کا یقین کرنا یا اسکو ایسا یقین رکھنے پر کسی کی تصویب کرنا بلادلیل بلکہ خلاف دلیل معلوم ہوتا ھے۔

---

[1] تکرار طلاق سے عورت کو تکرار ہی سمجھنا لازم ہے المرأۃ کالقاضی لاتقبل الا الظاھر۔ [2] جماع کا ذکر قضاءً قبول نہیں کیونکہ بعد میں اضافہ کیا گیا ہے اور عورت منکر ھے۔ [3] سبحان اللہ کیسا عمدہ قرینہ ھے کیا یہ نہیں کہہ سکتے کہ غصہ میں حد سے تجاوز کرگیا۔ [4] قاضی کو اور عورت کو ایسا کرنا جائز نہیں اور فتویٰ عدت کو دیا جارہا ہے۔

و اللہ اعلم وعلمہ اتم۔ ـــــــ بلکہ اگر صغریٰ اپنے بیان میں صادقہ ہو تو اسکو صرف یہ یقین رکھنا جائز ہے کہ الفاظ مذکورہ میں نے اپنے کان سے سن لئے ہیں نہ یہ کہ ان الفاظ سے دیانت کی تاثیر حرمتِ مغلظہ پر بھی یقین کرلے کیونکہ الصریح یلحق الصریح قضاءً کا حکم ہے لھذا اگر وہ قضاء کی تابع رہنا چاہتی ہے تو اس کا دعویٰ بسبب عدم بینۃ کے ساقط الاعتبار ہو چکا ہے اور اگر وہ دیانت پر عمل کرنا چاہتی ہے تو ظنوا بالمؤمنین خیراً کے مطابق اسکو اپنے شوہر کے اقوال وافعال کو سب سے پہلے اُن محامل پر محمول کرنا چاھئے جو شریعت کے مطابق ہوں ونیز جب احتمالات مذکورہ کی بناء پر وقوع طلاق مشکوک ہوا تو اسکو زوال نکاح کا یقین کرنا شرعاً ممکن نہیں کیونکہ شک سے یقین زائل نہیں ہوتا ہے۔ قال فی الاشباہ: "الیقین لا یزول بالشک" اسلئے اصول شرعیہ کے خلاف زوال نکاح کا ظن رکھنا اس کو جائز نہیں، قال تعالیٰ: ان بعض الظن اثم۔

یہاں تک فتویٰ مذکورہ کے حصہ اول پر بحث کیگئی۔ اب رہا اس کا حصہ دوم جس میں صاحب فتویٰ نے مسماۃ صغریٰ کو عدت گذار کر دوسرے نکاح کا حکم دیدیا ہے سو اسکے متعلق اوپر بتفصیل بحث ہو چکی ہے اسلئے اعادہ کی ضرورت نہیں بلکہ صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ یہ قول صاحب درمختار کے نزدیک غیر صحیح اور علامہ ترجمانی کے نزدیک مذھب صحیح کا خلاف ھے اور اس کا مذھب صحیح کا خلاف ہونا قنیہ اور شرح وھبانیہ اور درمختار ونیز شامی میں مذکور ومنقول ھے اور صاحب درمختار نے اسکے غیر صحیح ہونے پر جزم کیا اور صاحب شامی کے نزدیک غیر ہونیکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنا درمختار کی صریح وصاف عبارات کو ملحوظ رکھکر خلاف ظاہر کا ارتکاب ھے (ص۴۷۹ ج ۔ ۲) علاوہ برآں اس سے مفاسد عدیدہ پیدا ہو سکتے ہیں، چنانچہ جس مقام میں زیر بحث حادثہ پیش آیا ھے وہاں کے متعلق سنا گیا ہے کہ اس مسئلہ پر کسی مولوی صاحب نے پیشتر ایک عورت کو جس کے پاس دعویٰ طلاق پر شہادت نہ تھی محض اس بناء پر شوہر مدعیٰ علیہ سے جدا ہونیکا حکم دیدیا کہ وہ کہتی ھے کہ مجھے طلاق کا یقین ھے چنانچہ عورت مذکورہ نے دوسری جگہ شادی بھی کی ھے اور ابتک وہ اس دوسرے شوہر کے ساتھ بود وباش کرتی ہے پھر کچھ عرصہ بعد دوسری عورت نے بھی یہی فتویٰ حاصل کیا مگر وہ مرگئی ورنہ وہ بھی اس وقت دوسرے مرد کے پاس ہوتی اور زیر بحث حادثہ تیسرا واقعہ ہے جس میں عورت دوسرے نکاح کی تیاری کرنے لگی تھی مگر راقم کے خلاف کرنیکی وجہ سے

اُسے قدرے جھجک پیدا ہوگئی ھے اور اسکے مآل کا کوئی فیصلہ ابھی کرنا ممکن نہیں۔ پس مفاسد عدیدہ کا وقوع بھی ہو چکا ہے تو میرے نزدیک اس جیسے حوادث میں اقوال و مسائل مذکورہ میں سے کسی ایسے قول کے ساتھ فتویٰ دینا چاھئے جو مفاسد سے خالی ہو۔ مثلاً زیر بحث مسئلہ میں صغریٰ کو اولاً یہ فتویٰ دینا[علہ] چاھئے کہ وہ اپنے شوہر کے پاس چلی جائے اور نشوز کا ارتکاب چھوڑ دے کیونکہ اسکے وقوع طلاق پر کوئی دلیل معتبر شرعی موجود نہیں، اور اگر بالفرض وہ اس سے جدا ہونے پر ھی تل گئی ھے تو قول چہارم کے مطابق وہ صرف مال ادا کرکے اپنے آپ کو جدا کرنیکی کوشش کرے خصوصاً جبکہ زیر بحث حادثہ میں بتایا بھی جاتا ہے کہ مسماۃ صغریٰ کل کے کل زیورات لیکر شوہر سے بھاگ گئی ہے بہر کیف اسکو بحالت موجودہ کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنیکی اجازت دینا شرعاً کسی طرح بھی صحیح نہیں اور اسے قضاءً یا دیانۃً یہ جائز نہیں کہ محمد یوسف سے طلاق حاصل کئے بدون کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرے اور اگر ایسا کریگی تو وہ نکاح قواعد شرعیہ کے مطابق باطل ہوگا کیونکہ محمد یوسف کے ساتھ اس کا نکاح متحقق ہونا ایک امر متیقن ھے جسکے زوال پر مسائل دیانۃً[علہ] اور قواعد قضاء دونوں کے لحاظ سے بجز شکوک واوہام کے اور کوئی دلیل شرعی قائم نہیں لھذا دوسرے نکاح نکاح علی النکاح صادق آئیگا۔

ایضاً ایک اور وجہ بھی مسماۃ صغریٰ کو سہ طلاق کے وقوع کے دعویٰ میں کاذب ٹہرائی ھے کیونکہ اگر صغریٰ کو تین طلاق کے وقوع کا جزم ویقین ہوتا تو وہ شوہر کو وطی کرنے نہیں دیتی پس اس کا یہ اقدام (علی التمکین) اسکی تکذیب کرتا ہے، بدائع میں ایک اور مسئلہ کے ضمن میں مذکور ھے " انما یجعل القول قولھا اذا لم یسبق منھا مایکذبھا وقد سبق منھا مایکذبھا قولھا وھو اقدامھا علی النکاح من الزوج لان شیئاً من ذالك لایجوز الا بعد التزوج بزوج آخر والدخول بھا فکان علمھا مناقضاً لقولھا فلا یقبل (بدائع ص۱۸۹ ج۔۲)

راقم الحروف کہتا ہے کہ صغریٰ کا دسوں مرتبہ یہ لفظ سننا کہ " میں نے تجھکو طلاق دیدی الخ،، پھر اسکے بعد محمد یوسف کو وطی کرنے دینا اس امر کیلئے کافی ھے کہ صغری کو سہ طلاق

علہ یہ فتویٰ بالکل غلط ہوگا جبکہ عورت کو طلاق ثلاثہ کا یقین ھے اس پر کسی نے بھی فتویٰ نہیں دیا۔ ظفر علہ جب عورت خود ثلاث سن چکی ھے تو یقین زائل بیقین ہوگیا ہے الیقین لایزول بالشك کا یہاں موقعہ نہیں ہے۔ ظفر۔

کے وقوع کا علم ویقین نہیں تھا اور اگر وہ اس یقین وعلم کا دعویٰ کرتی ہے تو تمکین وطی اسکی تکذیب کرتی ہے کیونکہ وقوع ثلاث کے بعد حلالہ کے بدون یہ فعل جائز نہیں ہوسکتا ہے[1]۔

ایضًا زبان دان اور متدین علماء کے کہنے کے مطابق مسماۃ صغریٰ کا بیان کردہ لفظ (میں تو کے طلاق دیہیوں الخ) میں دیہیوں ایک ایسا لفظ ہے جو لب ولہجہ کے ادنیٰ تغیر سے کبھی ماضی اور کبھی مستقبل کا صیغہ بن سکتا ہے لھذا محمد یوسف کا بیان کہ "میں نے وعدۂ طلاق کیا" نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ھے بلکہ اس احتمال کو ناشی عن الدلیل ماننا بھی صحیح ھے کہ مسماۃ صغریٰ نے صیغہ (لب ولہجہ کی تفاوت کی وجہ سے) صیغہ ماضی سمجھ لیا ہو۔ اور اسمیں محمد یوسف کی تصدیق کرنا شرعًا ودیانۃً بھی صحیح ھے — قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھن ناقصات العقل والدین۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم اجاب بہ الملتجی الی اللہ مختار اللہ۔ (المدعو)

میرک شاہ عفا اللہ عنہ وعافاہ
خادم الطلبہ بدار العلوم مئو
ضلع اعظم گڑھ ۵-۶-۸۰ھ یوم الاحد

(نوٹ) اس کلام پر یہاں سے یہ جواب لکھا گیا۔ ظفر

الجواب

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون سے جو فتویٰ دیا گیا ھے اس کا اولاً وہ تحریر ھے جو علماء ثلاثہ کے دستخط سے مزین ھے (جن میں سے ایک صاحب کے یعنی آپ کے دستخط کو ھم بخوبی پہچانتے ہیں) جو انہوں نے واقعہ مذکورہ میں بطور فیصلہ کے دی ہے اس تحریر میں ھم دسوں مرتبہ یہ لفظ کہا کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں" کی تشریح یوں کی گئی ھے کہ "میں نے تجھکو طلاق دی" اسکے بعد تین قبول کرے تھی کا اضافہ نہیں ہے جو طویل

---

[1] حفظت شیئًا وغابت اشیاء قال فی العالمگیریۃ عن النھایہ و لو قالت للاول حلت فتزوجھا ثم قالت الثانی لم یکن دخل بی فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا تصدق ص۱۲۹ ج-۲ — بدائع کی عبارت میں یہ قید رہ گئی ہے جس پر نہایہ نے تنبیہ کی ہے پس یہاں بھی عورت کو بوجہ جہل کے صادق کہا جائے گی۔ ظفر

تحریر میں بڑھایا گیا ہے اور اس سے تفویض کا احتمال[1] پیدا کیا گیا ہے اگر یہ احتمال تھا تو فیصلہ کی تحریر میں اس کا لحاظ واجب تھا اور یہ زیادت حذف کرنا جائز نہ تھی فیصلہ کی تحریر میں علماء ثلاثہ نے اس لفظ کے تکرار کو موجب طلاق مغلظ تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا ہو تو اسکی عورت مطلقہ مغلظ ہوگئی اسکو چاہئے کہ اپنی بیوی مذکورہ سے دیانۃً علیحدہ رہے یہ بھی اسکی دلیل ھے کہ "میں تو کے طلاق دیہیوں، کے بعد اصل بیان میں "تین قبول کرے تھی،، نہیں ھے ورنہ دیانۃً بھی وقوع طلاق ثلاث کا جزم نہیں ہوسکتا کیونکہ اس زیادت سے کلام محتمل تفویض ہوجاتا ہے حالانکہ علماء ثلاثہ بر تقدیر صحت قول وقوع طلاق مغلظ کا دیانۃً جزم کر رہے ہیں۔ پھر یہ امر موجب حیرت ھے کہ شوہر کے واقعی ایسا کہنے کی صورت میں بھی اسکو محض دیانۃً علیحدگی کا مشورہ دینے اور قضاءً اس پر علیحدگی واجب نہ کرنے کا کیا مطلب ھے؟ کیا یہ مطلب ھے کہ عورت کو باوجود طلاق مغلظ دینے کے اپنے سے جدا کرنا مرد کے ذمہ اس وقت تک واجب نہیں جب تک قاضی تفریق نہ کردے اور اسکو یہ جائز ھے کہ دیانۃً اس سے علیحدہ رہے اور صورۃً اپنے نکاح میں باقی رکھے اگر یہ مطلب ھے تو بداہۃً باطل ھے اور اگر یہ مراد نہیں تو دیانۃً علیحدہ رہنے کا اس صورت میں کیا مطلب ھے جبکہ شوہر واقعی اسکو طلاق مغلظ دے چکا ھے۔

اسکے بعد علماء ثلاثہ نے حکم قضا بیان کیا ھے چونکہ شوہر اس لفظ کے کہنے سے انکار کرتا ھے اور عورت بینہ قائم نہیں کرسکی اسلئے طلاق ثابت نہیں ہوئی قضاءً ان کا یہ حکم صحیح ھے اس سے کسی کو انکار نہیں اسکے بعد عورت نے اپنے متعلق استفتاء کیا ھے کہ بیان مذکورہ بالا سے طلاق ثابت نہیں ہوئی۔ لیکن مجھے یقین کلیہ[2] ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی اور میں پھر حلفیہ بیان کرتی ہوں کہ مجھے ذرا بھی شبہ نہیں کہ محمد یوسف نے مجھے طلاق نہ دی ہو، چونکہ علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر میں مسماۃ کے الفاظ مذکور تھے اسکی تشریح بھی علماء ثلاثہ نے کردی تھی اب مستفتیہ سے الفاظ طلاق دریافت کرنیکی ضرورت باقی نہ تھی کہ اس کا سوال اس بیان پر مبنی تھا اور وہ صاف کہتی

---

[1] یہاں یہ بتلادینا ضروری ھے کہ ہمارے محاورہ میں "میں تجھکو طلاق دی،، طلقتك کا ترجمہ ھے جس میں تفویض کا احتمال اصلاً نہیں۔ فارسی میں "ترا طلاق دادم" اگر محتمل تفویض ہو تو اس سے اُردو میں یہ احتمال نہیں چل سکتا۔ ظفر۔ [2] یقین کلی مراد ھے۔

ہے کہ مجھے یقین کلی ہے کہ محمد یوسف نے مجھے دسوں مرتبہ طلاق دی ۔ اس پر مجیب کا یہ قول مبنی ھے کہ صورتِ مسئولہ میں جب عورت کو یقین ہے کہ اسکے شوہر نے اسکو طلاق مغلظ دیدی ھے الخ یہاں "جب" کے معنی "جس حالت میں" کے ہیں اسکو "اذا" کا ترجمہ قرار دیکر جزم پر محمول کرنا طرز افتاء سے نکل جانا ھے دوسرے "ان" و "اذا" کا جو فرق لغت عربیہ میں ھے وہ اردو میں جاری نہیں یہاں بکثرت "اگر" کی جگہ "جب" اور جب کی جگہ "اگر" مستعمل ہوتا ہے بہرحال مستفتیہ کو خود اسکی ذات کیلئے فتویٰ دیانت کا یہاں سے یہ دیا گیا (اگرچہ وہ اپنے دعویٰ کو بینہ سے ثابت نہ کرسکی مگر) جب اسکو یقین ھے کہ شوہر نے طلاق مغلظ اسکو دیدی ھے تو اسکو جائز نہیں کہ اس شوہر کو اپنے اوپر قابو دے (یہ حکم ان تمام روایات میں جو جناب نے نقل کی ہیں متفق علیہ ہیں) بلکہ اس سے علیحدہ ہوجائے (یہ بھی تمام روایات میں متفق علیہ ھے) اور عدت کے بعد کسی اور سے نکاح کرے (اس میں آپ نے مختلف روایات نقل کی ہیں مگر ھمارے نزدیک محض اختلاف روایات نقل کرنا کافی نہیں درایت سے ان میں تامل لازم ہے ھم اس اختلاف کو قضاء و دیانت کا اختلاف سمجھتے ہیں یعنی قضاءً اسکو نکاح جائز نہیں کیونکہ ثبوت طلاق نہیں ہوا اور دیانۃً جائز ھے کیونکہ دیانۃً عورت کے نزدیک فیما بینھا و بین اللہ طلاق مغلظ ثابت ھے ۔ والشئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ومن لازم الطلاق المغلظ ارتفاع النکاح وحل التزوج بزوج آخر ۔ اس کے کچھ معنی نہیں کہ اس صورت میں عورت کو تمکین زوج سے منع کیا جائے اور اس سے علیحدگی واجب کی جائے اور نکاح کی اجازت نہ دی جائے پس یقیناً جن لوگوں نے اسکو نکاح بزوج آخر سے منع کیا ھے ان کا قول قضاء پر مبنی ھے اور اگر کسی نے دیانۃً بھی اسکو تزوج بزوج آخر سے اس صورت میں منع کیا ہے تو اس کا قول نص کے خلاف ھے ۔ قال اللہ تعالیٰ : فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجاً غیرہ ، نص میں طلاق مغلظ کے بعد عورت کو زوج اول پر حرام کرکے اسکو زوج آخر سے نکاح کا حق دیا گیا ھے جس میں تنکح کی اضافت عورت ہی کی طرف کی گئی ھے ۔

اب رہی وہ مصالح و مضار جن پر اخیر میں روشنی ڈالی گئی ھے تو ان کے متعلق عرض ہے کہ جس طرح اس صورت میں عورتوں کو دیانۃً اجازت نکاح دینے میں ایک مفسدہ نظر آتا ہے اسیطرح دیانۃً اجازت نکاح نہ دینے میں دوسرا مفسد ھے کہ

جب شوہروں کو یہ معلوم ہوگا کہ جب تک شوہر طلاق کا اقرار نہ کرے اس وقت تک عورت اس سے علیحدہ نہ ہوسکے گی وہ طلاق کو کھیل بنالیں گے اور طلاق مغلظہ کے بعد زناکاری میں مبتلا رہیں گے اور عورتیں ان کے ظلم سے عاجز ہوکر ارتداد پر مجبور ہونگی جسکی نظائر بکثرت موجود ہیں۔ رہا یہ کہ بعض علماء نے دیانت کے اس فتوی کو عورت موثوق بہا کے ساتھ مخصوص کیا ہے تو یہ رائے قابل تسلیم ھے مگر موثوق بہا کا معیار کیا ہوگا ؟ کیا مفتی اسکی تحقیق کرسکتا ہے۔ ظاہر ھے کہ دشوار ھے اسلئے ھمارے نزدیک آجکل معیار یہی ہے کہ جو عورتیں ان معاملات میں علماء سے رجوع کرتی ہیں وہ موثوق بہا ہیں فاسق عورتوں کو نہ طلاق مغلظہ کی پرواھے نہ بدون طلاق حاصل کئے کسی سے تعلق پیدا کرلینے میں حجاب نہ فتویٰ شرعی پر عمل کرنیکی ضرورت پھر جب فتویٰ کو عورت کے یقین کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ جبکہ اسکو طلاق مغلظ کا یقین ہے تو حکم یہ ھے اگر وہ اس میں غلط بیانی کرے گی عنداللہ خود ذمہ دار ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون

۱۲؍ جمادی الثانی ۵۸ھ

(نوٹ) اسکے بعد جواب الجواب مولوی میرک شاہ صاحب کے پاس سے موصول ہوا جو درج ذیل ھے۔

جواب الجواب مع الجواب المجمل

باسمہ تعالیٰ

قسط دوم

(تمہید) ایک عورت مسماۃ صغریٰ اور اسکے زوج نے دعویٰ طلاق میں مجھے حَکَمْ بنایا مگر زبان نہ جاننے کی وجہ سے میں نے مولانا محمد صابر صاحب اور مولانا اسلام الحق صاحب کو اثناء تحقیقات میں شامل کیا مدعیہ نے طلاق کا دعویٰ کیا مگر شہادت پیش نہ کرسکی مدعی علیہ کو منکر ہونیکی وجہ سے حلف دیکر میں نے زبانی فیصلہ عدم ثبوت طلاق کا دیدیا۔

(ب) ہر فریق نے تحریر مانگی تو میں نے مولانا اسلام الحق صاحب سے کہدیا کہ آپ حکم شرعی سے انکو مطلع کریں اس پر موصوف نے وہ

دستخط تمام تحریر سے متعلق

تحریر لکھدی جسے علماء ثلاثہ کی تحریر سے تعبیر کیا جا رہا ہے لکھنے کے بعد فریقین کے اطمینان کیلئے میرے دستخط بھی اسپر کرائے لیکن میرے دستخط کا تعلق درحقیقت صرف عدم ثبوت طلاق کے حکم کے ساتھ تھا۔ جو میں نے بہ حیثیت حَکَم کے دیا تھا مگر مخالف کو حق پہونچتا ہے کہ وہ میرا حکم نامہ اسکو قرار دیکر مجھ پر اعتراض کرے لیکن اسکے باوجود میں نے اصلی واقعہ کو اظہار کیا تاکہ جس کو میری دیانت پر اعتبار ہو وہ اعتبار کرے اور جو اسکی پوری ذمہ داری میرے اوپر ڈالنا چاھے اسکو بھی میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ البتہ اظہار واقعہ کرنا میرے نزدیک ضروری تھا جو کیا۔

(ج) اصلی واقعہ یہ ھے کہ فریقین نے مرافعہ اس طرح کیا تھا کہ گویا ھم پر دونوں کو اعتماد ھے اسلئے تحریر مذکور کے متعلق میں نے یہ خیال نہ کیا کہ یہی تحریر محل مناظرہ ہوگی اسلئے اگر اس میں کوئی کوتاہی بھی تو اس کا خیال میں نے نہیں کیا (مثل اسکے کہ "کیا تو قبول کرتی ھے" کہ یہ عورت کے بیان میں موجود تھا مگر مولانا اسلام الحق صاحب نے اسکو حذف کیا اور میں نے اس کا کوئی خیال نہ کیا کیونکہ خیال تھا کہ فریقین کو ھماری دیانت اور تحقیق پہ اعتماد ھے اسلئے وہ تحریر انکے عمل کیلئے دیدی گئی تھی۔ مگر ان میں سے جس فریق نے اسکو اپنے جذبات کا خلاف سمجھا اس نے اسکو موضوع مناظرہ بنایا۔

(د) چونکہ اسمیں گفتگو کی طوالت کا احتمال ھے اسلئے حصہ گذشتہ کو قسط اول اور اس حصہ کو قسط دوم سے موسوم کرتا ہوں۔

(ہ) مدعیہ کا بیان قلم بند کرا کے اسپر انگوٹھا اس کا ثبت ھے اسیطرح مدعیٰ علیہ اور محمد ادریس کا بیان بھی انکے دستخطوں کے ساتھ موجود ھے صرف حکم شرعی کا اصدار میں نے اتالی کیا تھا۔ اسلئے میری گذارش ھے کہ بہ حیثیت تحکیم میرا حکم صرف عدم

ہوتی ھے اگر تخصیص جزو مراد ہو تو اس کا اظہار لازم ہے خصوصاً تحریر فیصلہ میں اس کا لحاظ بہت ضروری ھے۔

مگر ہر حال میں تحریر ناقص نہ ہونا چاھئے، صاحب اعتماد کو بھی ناقص تحریر دینے کا یہ نتیجہ ہوتا ھے کہ دوسروں کو اُسے شک میں ڈالنے کا موقع ملتا ھے۔

ثبوت طلاق کو مان لیا جائے (مگر اسکی پابندی صرف ان پر واجب ہے جو میرے اظہار کو صادق وصحیح تسلیم کرنے پر آمادہ ہوں۔
انتھی التمہید۔

جواب الاجوبۃ

میری طویل تحریر کے جواب میں یہ فرمانا کہ "کیا تو قبول کرتی ہے؟" اضافہ ہے اسلئے میرے اوپر موجب اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ میرے قلم سے طویل تحریر سے پہلے کوئی تحریر نہیں نکلی ہاں مولانا اسلام الحق صاحب کی تحریر پر میرے دستخط ضرور ہوتے جسکی کیفیت تمہید میں لکھ دی گئی۔ اسلئے آپ (یعنی مولانا ظفر صاحب) کے پہلے فتوی میں اگر اس فقرہ کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے تو اسپر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا بلکہ اسپر ہے جس نے سوال کیا اس کو چاہئے تھا کہ عورت کا وہ بیان جو اس کے نشان انگوٹھا کے ساتھ ہمارے پاس موجود ہے وہ سارا انکی خدمت میں بھیجدیتا۔

وہ بھی حکماً آپ ہی کی تحریر ہے کما مر۔

مگر وہ جاہل ہے اسکو آپ کے حذف سے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ حصہ محذوفہ کو حکم میں دخل نہیں ہے۔

اسیطرح الضافاً میرے اوپر بھی اعتراض نہ ہونا چاہئے کیونکہ میں نے جو تحریر اپنے قلم سے لکھی اسمیں میں نے فقرہ کو دکھایا۔

مگر جس پر دستخط کئے اس میں نہ دکھلایا حالانکہ وہ فیصلہ کن تحریر تھی اسلئے آئندہ ایسی ناقص تحریر پہ ص م

ص م دستخط کرنے سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہئے واقعہ یہ ہے کہ میں نے آپ کے دستخط دیکھکر ہی محمد یوسف کے الفاظ پر تنقیح کی ضرورت نہ سمجھی کیونکہ میں آپ سے واقف ہوں کہ ماشاء اللہ فہیم وسلیم ہیں بدون کافی تحقیق کے کسی تحریر پہ دستخط نہ کریں گے جب آپ کی دستخطی تحریر میں الفاظ زوج کی تشریح اور اس کا بوجہ تکرار موجب طلاق مغلظ ہونا دیکھ لیا اس وقت دیانت کا فتوی دیا اور اسکو آپکے فتوی کا معارض نہ سمجھا کیونکہ آپ بطور حکم کے عدم وقوع طلاق کے فیصلہ پر مجبور تھے کیونکہ جب مسماۃ صغری کے بیان پر فتوی دینا ہے تو یہ فقرہ نہایت اہم ہے بہرحال جس تحریر کو علماء ثلاثہ کی تحریر فرمایا گیا ہے اصل

واقعہ پر مطلع ہونے کے بعد اسکی حیثیت محسوس کرکے مسماۃ صغریٰ کے بیان پر متوجہ ہونیکی ضرورت ھے لھذا موضوع بحث میری طویل تحریر کو بنانیکی درخواست کرتا ہوں۔ کیونکہ میرا مقصود مناظرہ نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلیت واقعہ میں حکم صواب کا معلوم کرنا اور اسکو مسلمانوں تک پہونچانا ھے۔ فاقول و باللہ التوفیق۔

مسماۃ صغریٰ کا یہ بیان ھے کہ میں نے اپنے شوہر سے دسوں دفعہ سنا کہ "میں نے تو کے طلاق دیہیوں کیا تو قبول کرے تھی"؟ پھر اس نے جماع کیا اور کہا کہ یہ آخری ھے الخ اور شوہر کا بیان یہ ھے کہ میں نے جماع سے پہلے طلاق کا کوئی لفظ نہیں کہا بلکہ جماع کے بعد عورت سے وعدہ کیا کہ طلاق دونگا الخ۔ عورت کے پاس شہادت نہیں شوہر نے ایقاع طلاق کا انکار کرکے حلف اٹھائی۔ حَکَم کو بحیثیت حَکَم بجز اسکے کہ وہ عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ دیدے اور کوئی حکم صادر کرنا واجب نہیں تھا اور نہیں اس وجوب کو مولانا (ظفر صاحب) نے ظاہر کیا ھے کیونکہ حَکَم بمنزلۂ قاضی ہوتا ھے (تفسیرہ ای التحکیم) تصییر غیرہ حاکماً فیکون فیما بین الخصمین کالقاضی فی حق کافۃ الناس۔ عالمگیری ص[٤٦٨] ج-۳) —— مگر اس وجوب کو ھمارے حاسدوں نے مولانا ظفر احمد صاحب کے فتویٰ کی تصدیق کے سلسلہ میں اسلئے لکھدیا کہ ھم پر اعتراض کریں اور جن عوام پر اس قسم کی حرکات سے انہوں نے تسلط پایا ھے انکے سامنے ھمارے فیصلۂ شرعی کو غلط ثابت کریں چنانچہ انکی تصدیق کی عبارت کا ابتدائی حصہ یہ ہے "جوبات مولانا ظفر احمد صاحب نے لکھی ھے صحیح ھے اور پہلے مفتیوں پر بھی اس کا اظہار واجب تھا الخ"

چونکہ یہ فقرہ تعریضاً لکھا گیا اور اسکے بعد عوام کو سمجھایا گیا جس سے علماء ثلاثہ کو عوام نے و نیز مسماۃ صغریٰ کے حمایتیوں نے مورد سبّ و شتم بنایا۔

انہوں نے مفتیوں پر وجوب کو ظاہر کیا ھے و لا نزاع فیہ حکم پر واجب نہیں کہا پس ممکن ھے کہ انہوں نے علماء ثلاثہ کو مفتی سمجھا ہو قاضی نہ سمجھا ہو۔

عوام کا یہ فعل معصیت ھے۔

بلکہ ان میں سے بعض پر حملے کی سازشیں ہو رہی ہیں اسلئے یہ امر بالصراحت محتاج بیان ھے کہ کیا حَکَمْ پر اس کا اظہار بھی واجب تھا یا یہ کہ حسّاد کا ایسا لکھنا صحیح نہیں ہے درآں حالیکہ قاضی شُریح کا یہ مقولہ بھی السنۂ علماء پر دائرو سائر ہے کہ مسند قضاء پر متمکن ہونیکی حالت میں جب کسی نے ان سے فتویٰ دریافت کیا تو یہ جواب دیا "انی اقضی ولست افتی" اس بارے میں اپنی صریح رائے تحریر فرماکر ایک نزاع بے معنیٰ کو ختم کرادیجئے۔ کیونکہ اس پیوند کو اب آپ کے فتویٰ کو جزء بناکر کام میں لایا جاتا ھے۔

حَکَمْ پر قضاء کا اظہار واجب ھے فتویٰ دیانت بوقت قضا ظاہر کرنا واجب نہیں۔ بلکہ خلاف حکم قضاء ھے۔

دیانت و قضا کا تزاحم

مسائل دیانت فقہ کی اصطلاح میں ان مسائل کو کہتے ہیں جن میں انفرادی حکم بتایا جائے اور قضاء میں نحن نحکم بالظاہر کے قاعدہ کے مطابق فریقین کو اجتماعی حیثیت سے حکم شرعی کا پابند کیا جاتا ھے ان دونوں حکموں میں کبھی تزاحم نہیں ہوتا ھے اور کبھی ہوتا ھے مثلاً کسی نے رویت ھلال کرلی اور قاضی نے اسکی شہادت رد کردی تو اسکو دیانۃً روزے رکھنے ہونگے اگرچہ تمام لوگ مفطر ہی رہیں اس میں کوئی تزاحم نہیں اور تزاحم کی صورتوں میں سے زیر بحث حادثہ بھی ھے جس میں شوہر حلفاً ایقاع طلاق کا انکار کرتا ھے اور زوجہ حلفاً بیان کرتی ھے کہ میں نے الفاظ طلاق اس سے سن لئے اس لئے قاضی اور حَکَمْ کا حکم یہ ہوگا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اور عورت کو شوہر کے پاس جانے کا حکم قاضی کو قضاء کے سلسلہ میں دینا پڑیگا۔ کیونکہ اس کے پاس دعویٰ ثابت نہ ہوا اور یہی منصب حَکَمْ کا بھی ھے ـــــ (قولہ عند قاض هل المحكم مثله ۔ قلت : الظاهر نعم لانهما انما فرقوا بينهما فی انه لا يحكم بقصاص وحدٍ ودية علی عاقلة الخ (شامی صفحہ ۴۰۲ ج ۔ ۲) لیکن اسی حادثہ میں چار آدمی دیانت کے سلسلے میں استفتاء کرسکتے ہیں ایک وہ عورت جس نے الفاظ طلاق خود سن لئے کہ وہ اب کیا کرے جبکہ اس کا دعویٰ عدم شہادت کی وجہ سے ثابت نہ ہوا اور اگر اسکو وقوع طلاق کا فتویٰ دیا جائے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ھے یا نہیں؟

دوّم اس کا شوہر جس نے طلاق کا ایقاع ہرگز نہیں کیا ھے کہ وہ اس عورت کو اپنے پاس

پکڑ لیگا اور جبراً اس کو اپنی زوجہ بنائے رکھیگا یا یہ کہ جو فتویٰ اسکی عورت کو دیانۃً دیا گیا ھے وہ اسپر بھی حاوی ھے۔ تیسرا وہ مرد جس کے ساتھ عورت مذکورہ دوسری شادی کرنا چاہیگی کہ کیا اسکو شرعاً جائز ہے کہ عورت مذکورہ کو مطلقہ سمجھے (بناءً علی اقرارھا) یا اس پر یہ واجب ھے کہ اس کو منکوحۃ الغیر جان لے (بناءً علی بیانہ وانکارہ مع الیمین) چوتھے وہ تمام لوگ جو مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ ہیں کہ آیا انکو وقوع طلاق کا عقیدہ رکھنا چاھیئے یا عدم وقوع کا و نیز اگر عورت نے اس فتویٰ پر عمل کرنے کا ارادہ کیا جو اسکو دیا جائے (کہ وہ شوہر مذکورہ سے جدا ھے یا جدا ھی رھے اور نکاح دوم بھی کر سکتی ھے) تو کیا عورت مذکورہ کے علاوہ دوسرے لوگوں کو یہ جائز ھے کہ عورت کی حمایت کریں اور شوہر سے جدا رہنے میں اسکی اعانت کریں درآں حالیکہ شوہر کو اس کے بیان کے مطابق دیانت کے سلسلہ میں یہ فتویٰ دیا گیا ہوگا کہ اسکی عورت ناشزہ ہے تو اعانت کرنے والے اگر عورت کے فتویٰ کے مطابق معین علی الطاعۃ ہیں تو مرد کو جو فتویٰ دیا گیا ھے اسکے مطابق معین علی المعصیت والنشوز ہونگے اسیطرح جس مفتی نے مرد کو اسکے بیان حلفی کی بناء پر یہ فتویٰ دیا ہو کہ عورت تمہاری منکوحہ ھے اور اسکی جدائی نشوز ھے تم اسکو جبراً اپنے پاس رکھ سکتے ہو یا جس حکم نے عدم ثبوت طلاق کا حکم دیا ہو تو کیا عورت کے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز ھے کہ مفتی مذکور یا حَکَمِ مذکور کو گالیاں دلائے یا دیدے اور انکے خلاف مظاہرے کرے اور انکو بدنام کرکے بازار میں انکو بدنام کرنیکیلئے آڑے بنائے اور لٹھ بند غنڈوں کو اپنے حمایتیوں کی معیت میں مذکورہ بالا مفتی یا حکم کی آبرو لینے کیلئے بالواسطہ یا بلاواسطہ کوشش کرے۔

یہ عمل معصیت ھے اسکی کسی حال میں اجازت نہیں۔

اسیطرح اگر مرد نے عورت مذکورہ کو اپنی منکوحۂ غیر مطلقہ سمجھکر اسکو جبراً اپنے پاس رکھنے کا ارادہ کیا تو دوسرے لوگوں کو اسکی اعانت کرنی جائز ھے یا موجب معصیت ھے؟

میرے نزدیک واللہ اعلم بالصواب ان سوالات کا جواب یہ ھے کہ علیك بخویصّۃ نفسك کے مطابق مرد کو جائز ھے کہ عورت کو فیما بینہ وبین

اللہ اپنی منکوحہ غیر مطلقہ سمجھے اور بشرط اقتدار اسکے ساتھ منکوحہ غیر مطلقہ کے معاملات برت لے اور عورت کو ضروری ھے کہ وہ فیما بینھا وبین اللہ اپنے آپ کو مرد سے جُدا سمجھے اور حتی المقدور جدا رکھے بشرطیکہ اسکو کسی نے ایسا فتویٰ دیدیا ہو اور ان دونوں کے علاوہ کسی مسلمان کو حلال نہیں کہ واقعہ سے باخبر ہونیکی صورت میں عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرے کیونکہ عورت مذکورہ کا بذریعہ نکاح کے مرد مذکور کی منکوحہ ہونا بالیقین معلوم ہے اور یہ معلوم ہونیکے بعد عورت کا حلفیہ بیان بلا شہادت کے زوال نکاح کیلئے دلیل یقینی نہیں لھذا تیسرے آدمی کو نکاح و زوال نکاح مذکورین کے متعلق الیقین لایزول بالشک کی پابندی ضروری ھے اسلئے کسی مسلمان کو اسکے ساتھ نکاح کرنا حلال نہیں ہونا چاھئے چنانچہ تحقق وتیقن زوجیت کے بعد متصل زوال زوجیت کے عدم تحقق کی صورت میں بقاء زوجیت کا حکم شامی کی عبارت ذیل سے تقریبًا بالتصریح معلوم ہوتا ھے جو ایک اور مسئلہ کے ذیل میں کتاب مذکور میں مذکور ھے۔

قلت: واما الجواب بان وقوع الطلاق للاحتیاط فی الفروج فهو مشترک الالزام علی انه لا احتیاط فی التفریق بعد تحقق الزوجیة بمجرد التلفظ بلفظ مهمل او مصحف بل الاحتیاط بقاء الزوجیة حتی یتحقق المزیل (شامی ص۳۷۲ ج-۲)

یہی حکم مدعیہ اور مدعی علیہ کے علاوہ دیگر تمام مسلمانوں کا بھی ہونا چاھئے کہ وہ نکاح کو متحقق سمجھیں جسکی دلیل انکے لئے استصحاب حال اور الیقین لایزول بالشک ونیز الاحتیاط بقاء الزوجیة حتی یتحقق المزیل وغیرہ ھے اور عورت کو وقوع طلاق کی مدعیہ سمجھ لیں لیکن اسکی کسی قسم کی حمایت کرنا خلاف شرع سمجھ لیں کیونکہ مدعی کو محض اسکے دعویٰ کی بنا پر کچھ دینا شرعًا جائز نہیں۔

اس سے مسئلہ زیر بحث میں استدلال نہیں ہوسکتا مسماۃ نے جو الفاظ بیان کئے ہیں وہ مہمل یا مصحف نہیں وہ ایسے الفاظ ہیں جنکے تکرار کو خود علماء ثلاثہ نے موجب طلاق مغلظ دیانۃً تسلیم کیا ھے۔

حدیث کا تعلق دیانات سے نہیں بلکہ قضاء سے ھے لفظ لو یعطی الناس اس کا قرینہ ھے دیانۃً صاحب دعویٰ اگر حق پر ھے اسکو اپنا حق جس طرح ہوسکے وصول کرنا جائز ھے مسئلۃ الظفر بجنس

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال و اموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ (مسلم)

اس حدیث سے ما نحن فیہ کے متعلق یہ بھی معلوم ہوا کہ عورت کا قسم کھاکر بیان کرنا بے اثر ہے کیونکہ اس پر حلف عائد نہیں ہوتا ہے بلکہ اس کا قسم کھاکر بیان کرنا اسکے لئے مضر ہوسکتا ہے۔ ویحلفون ولا یستحلفون اسیطرح یہ بھی معلوم ہوا کہ محض دعویٰ کرنے سے مدعی کو کچھ نہیں دیا جاسکتا ہے۔

اور "یہ کچھ نہ دینا" جسطرح بالاتفاق قاضی کیلئے تنفیذ کی حیثیت سے معمول بہ ہے اسیطرح غیر قاضی یعنی عام مسلمین کیلئے اعتقاد و اعانت کی حیثیت سے واجب العمل ہونا چاہئے کیونکہ الفاظ میں کوئی خصوص موجود نہیں۔ اسیطرح دوسری احادیث بھی ہیں جن میں بے سوچے سمجھے اصل واقعہ سے بے خبر ہوکر کسی کی جانبداری کی مذمت وارد ہوئی ہے۔

حقہ ملاحظہ ہو دیانۃً جن لوگوں کے نزدیک قاضی کا فیصلہ اور شوہر کا بیان صحیح ہے وہ اس پر اعتقاد و عمل کے مکلف ہیں اور جن کے نزدیک عورت کا بیان صحیح ہے لکونھا ثقۃ عندھم وہ اسکے بیان پر اعتقاد و عمل کرسکتے ہیں کما سیأتی اور دیانات میں خبر واحد پر عمل جائز ہے۔

یعنی قضاءً

لیکن اگر کسی کو عورت کے بیان پر بوجہ اسکے صدق کے وثوق ہو وہ اسکے قول پر اپنے قلب کی شہادت سے عمل کرسکتا ہے قال فی الدر: قالت امرأۃ طلقنی زوجی وانقضت عدتی لاباس ان ینکحھا اھ قال الشامی عن الخانیۃ: ان کانت ثقۃ اولم تکن ووقع فی قلبہ صدقھا فلاباس بان یتزوجھا اھ

ما نحن فیہ میں مسماۃ صغریٰ کو دیانۃً کیا فتویٰ دینا چاہئے یہ مخصوص توجہ اور غور کا محتاج ہے کیونکہ اس کا شوہر ایقاع کا منکر ہے اسلئے صرف ان الفاظ پر فتویٰ کا ترتب ضروری ہے جو اس نے

منکوحۃ الغیر دعویٰ طلاق کرتی ہے اور اسکو قبول کیاجاتا ہے حالانکہ ثبوت نکاح متیقن ہے اور طلاق کا دعویٰ صرف عورت کی طرف سے ہے آپ کے قاعدہ پر یہ دعویٰ قابل قبول نہ ہونا چاہئے تھا مگر شہادت قلب سے قبول جائز ہے پھر یہ

کہدئے ہیں۔ اور میرے نزدیک اسکو بوجوہ ذیل دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دینا چاہئے، اول اسلئے کہ اگر اسکے پیش کردہ الفاظ کے معنیٰ یہ لئے جائیں کہ میں نے تجھکو طلاق دی اور اس سے طلاق کا مفہوم لیا جائے یا اعطاء و تفویض کا تو یہ طلقتک کا مرادف ھے جو صریح طلاق کے الفاظ میں سے ھے اور صریح کے ساتھ وقوع طلاق کا حکم الصریح یلحق الصریح کے مطابق دینا قضاءً صحیح ھے دیانۃً نیت تاکید اسمیں مسموع ومقبول ھے کما فی الشامی وغیرہ۔

یہاں دسوں مرتبہ کہنا اور پھر بقول مدعیہ کے وطی کرنا (جسکی تمکین مدعیہ نے بھی کر لی) شرعی طور پر مجبور کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ کو ایقاع پر اور باقی مرات کو اخبار و تاکید پر (جیسا کہ غصہ کی حالت میں ایسا ہوا ہی کرتا ھے) محمول کرنا چاہئے جس سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی پھر اس وقت جماع کرنا رجعت بالفعل پر محمول کرنے سے دو مسلمانوں کو مرتکب فعل حرام قرار دینے سے بھی بچنا ھے اور ایک فتنۂ عظیمہ سے بھی نجات حاصل ہوسکتی ھے

قال فی الھندیۃ: رجل قال لامرأتہ: انت طالق انت طالق انت طالق وقال عنیت بالاولی الطلاق وبالثانیۃ والثالثۃ افھامھا صُدق دیانۃً ص۲۴۷ ج-۲)

کیسے ہوسکتا ھے کہ عورت کو تو تزوج بزوج آخر جائز ہو اور مسلمانوں کو اس سے نکاح جائز نہ ہو تو عورت کو اجازت دینا بھی لغو ہے۔

شوہر نیت تاکید کا مدعی نہیں ہے۔

گو شوہر مدعی تاکید نہ ہو

تاکید کا دعویٰ خود اختراع نہیں ہوسکتا جب تک شوہر دعویٰ نہ کرے اور جہاں تکرار کو تاکید پر حمل کرنا دیانۃً صحیح مانا گیا ھے وہاں یہ بھی تصریح ھے کہ المرأۃ کا القاضی عورت کو جائز نہیں ھے کہ تکرار کو تاکید پر حمل کرے عورت جب طلاق مکرر سنے اسکو طلاق متعدد پر حمل کرنا واجب ھے۔ (شامی ج۲ ط۶۹ باب الکنایات)۔

وفی البدائع: الامین انما یصدق فیما لایخالفہ الظاھر فامافیما یخالفہ الظاھر فلا یقبل ص۹۹ ۔

زیر بحث مسئلہ میں مدعیہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ مجھے تین طلاق کے وقوع کا علم ھے بلکہ دسوں مرتبہ وہ الفاظ سننے کا دعویٰ کرتی ھے جن میں چند احتمالات ہیں منجملہ آں ایک احتمال کے مطابق وہ طلاق صریح کے الفاظ ہو سکتے ہیں پھران کا دسوں مرتبہ مکرر ہوجانا اور پھر فوراً ہی وطی کا متحقق ہو جانا اس امر کو ظاہر ٹھہراتا ھے کہ ایقاع بالواحدۃ کے بعد تکرار للافہام والتاکید ہوئی جس کے بعد رجعت کا تحقق ہوا ۔

دوم ، "دیہوں" کا لفظ یہاں کے اہل زبان کے کہنے کے مطابق لب و لہجہ کے ادنیٰ تغیر کے ساتھ ماضی سے مضارع اور مضارع سے ماضی بن سکتا ھے اور مدعیٰ علیہ کا یہ بیان کہ میں نے جماع کے بعد طلاق دینے کا وعدہ کیا ارادۂ مضارع کے احتمال کو تقویت دیتا ھے جس کے بعد صرف تقدم وتأخر جماع میں مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کے درمیان اختلاف باقی رھتا ھے اس لئے اس شخص کو جس سے عورت اس لفظ کی بناپر حکم طلب کرتی ھے اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہتی ہے کہ میں نے اس کے بعد جماع بھی کیا یہ امر ضروری ھے کہ وہ ایسے لفظ کی بناء پر عورت کو وقوع طلاق کے تیقن کا فتویٰ نہ دے جس کا تیقن اس نے اہل زبان ہونے کے باوجود اس وقت خود بھی نہ کیا جیسا کہ تمکین وطی سے معلوم ہوتا ھے اور اس قدر متقارب بیان (مدعی اور مدعیٰ

بدائع کی عبارت میں ایک قید رہ گئی ہے جسکو عالمگیریہ میں نہایہ سے نقل کیا ھے

قال: فان کانت عالمۃ بشرائط الحل للاول لم تصدق والا فتصدق اھ ص۱۲۹ ج ۔ ۲

پس یہاں عورت کو بوجہ جہل کے صادق مانا جائیگا ۔ لاسیمًا فی دار الحرب ۔

میرے سامنے جو تحریر علماء ثلاثہ کے دستخط سے آئی تھی اور اس میں نہ جماع کا ذکر تھا نہ اس احتمال استقبال کا بلکہ جزم کے ساتھ اسکی تشریح صیغۂ

علیہ کا) سامنے آنیکے بعد اگر ثالث اس احتمال کو قوی قرار دیدے کہ "دیہیوں" کا تلفظ فی الواقع وہی رہا ہوگا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور رجاع کے تقدم و تاخر میں اسی پر نسیان کا گمان غالب رکھنا شریعت کے مطابق سمجھے تو یہ بھی اصول شرعیہ سے مستعبد نہیں لھذا تیقن کی گنجائش یہاں بھی نہیں اور ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ ونیز ھن ناقصات العقل الخ جیسے مویدات سے اس احتمال کی تائید ہوتی ہے اور چونکہ وہ صرف ایک لفظ پیش کرتی ہے ماضی یا مضارع کا لفظ ہونیکا کوئی دعویٰ اس سے صادر نہیں ہوا پھر اس سے وطی کا اقرار بھی کرلیا اسلئے اس احتمال کو رد کرنیکی کوئی وجہ نہیں

اور اگر وہ صیغۂ ماضی کا ہی (بالفرض) دعویٰ کریگی (کیونکہ ابتک اس نے یہ دعوی نہیں کیا) تب ھی اسکی تمکین وطی اسکی تکذیب کیلئے کافی ہونی چاھئے جیسا کہ بدائع سے ابھی منقول ہوا، انما یصدق فیما لا یخالفہ الظاھر الخ

پھر مدعیہ ہی کا یہ لفظ کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟ بتاتا ہے کہ اسکی رائے میں بھی زوج نے ایسا لفظ کہدیا ہے جس میں عورت کی رائے کو دخل ہوسکتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایقاع طلاق میں مرد مستبد علی سبیل الانشاء و مستقبل ہے اسلئے عورت کے الفاظ کے مطابق بھی "دیہیوں" کو ایقاع کے علاوہ کسی اور مفہوم پر محمول کرنا ضروری معلوم

ماضی سے کی گئی تھی اسلئے یہ علماء ثلاثہ کی کوتاھی ہے کہ محتمل کی تشریح بالجزم ماضی سے کردی چونکہ میں اس محاورہ سے واقف نہیں اسلئے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ یہ احتمال قریب ہے یا بعید قابل اعتبار ہے یا غیر مسموع

تمکین وطی عدم علم بحکم التکرار پر بھی محمول ہوسکتا ہے عورت کو معلوم نہ تھا کہ اس لفظ کے تکرار سے طلاق مغلظ ہوگئی یہ کیسے کہا جائے کہ وہ اسکو مضارع پر محمول کرتی تھی۔

ہوتا ہے۔

سوم۔ طلاق دیدی۔ یہ اردو کا ایک محاورہ ہے اور اردو فی الحقیقت کوئی مستقل زبان نہیں بلکہ ہندوستان کی قدیم زبان اور عربی و فارسی کے الفاظ سے ایک زبان بن گئی تھی جسے کہتے ہیں۔ اہل ذوق اور علماء ادب اسکی تائید کرینگے کہ طلاق دینا اردو میں طلاق دادن سے آیا ہے جو فارسی کا محاورہ ہے اور طلاق دادن فارسی میں اسیطرح ایقاع طلاق کیلئے مستعمل ہے جسطرح طلاق دینا اردو میں تطلیق کے معنیٰ میں مستعمل ہے۔ صراح میں تطلیق کے معانی میں مذکور ہے طلاق دادن زن را۔ یعنی تطلیق کا ترجمہ یہ ہے کہ طلاق دادن زن را۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو طلاق دادن کے اصلی معنیٰ تفویض طلاق کے ہی ہیں۔

ہاں اس کا استعمال ایقاع طلاق میں کثیر و متعارف ہوگیا ہے یہانتک کہ بلا قرینہ اس سے ایقاع ہی مراد لیا جاتا ہے جیساکہ معانی متعارفہ کا قاعدہ ہے لیکن چونکہ اس سے تفویض طلاق مراد لینا اصل لغت سے مستلزم خروج نہیں ہے اسلئے اگر کوئی شخص طلاق دادم کہکر یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تفویض طلاق کی تھی تو فقہاء کی تصریح کے مطابق اسکی تصدیق کی جاسکتی ہے ۔

وان قال لها: ”من طلاق ترا دادم“ ان نوی الایقاع یقع وان نوی التفویض لا یقع وان لم ینوی التفویض یکون

یہ مسلم نہیں بلکہ اصلی معنیٰ طلاق واقع کردن ہیں اس لفظ میں تفویض کے معنیٰ اردو والے جانتے بھی نہیں پھر وہ اصل معنیٰ کیسے ہوئے۔

بل هو خروج عن اللغة كما مرّ

ایقاعًا الخ (قاضی خان بر ہامش عالمگیری ص۲۱۹ و ۲۲۰ ج-۲)

اسیطرح طلاق دینے کی اصلی معنیٰ تفویض کے ہونے چاہئے تھے جو متروک الاستعمال ہیں لیکن چونکہ اصل وضع کے لحاظ سے انکو مراد لے سکتے ہیں اسلئے اگر نیت تفویض کا دعویٰ کرے تو یہ دعویٰ بھی مسموع ہونا چاہئے خصوصًا اس صورت میں کہ "تجھے طلاق ھے" کے مضمون کو ادا کرنے والے الفاظ میں بھی ابو حنیفہؒ کے نزدیک نیت تفویض کا دعویٰ دیانۃً قابل تصدیق ھے جیساکہ مسئلہ مندرجہ بالا کے ساتھ ھی قاضی خان میں مذکور ھے ولو قال لہا لك الطلاق قال ابو حنیفۃ ان عنی بہ التفویض یُدیّن واذا قامت من مجلسہا بطل الخ صفحہ مذکورہ۔

بہرکیف قاضی خان کے مسئلہ مذکورہ بالا کو فارسی سے مخصوص کرنا اور اردو میں تفویض کی نیت سے بھی رو کردینا اور وہ بھی دیانۃً اسلئے صحیح نہیں معلوم ہوتا ھے کہ الفاظ کی اصل وضع اس سے اباء نہیں کرتی۔ صرف استعمال متعارف مانع ھے جس کا نتیجہ مسئلہ بالا میں پہلے ہی موجود ھے یعنی یہ کہ تصدیق کو دیانت کے ساتھ مخصوص کیا گیا ھے۔ بہرکیف میں نے تجھکو طلاق دیدی الفاظ کی اصل وضع کے لحاظ سے تفویض پر محمول ہوسکتا ھے۔

پھر ان الفاظ کے بعد حسب بیان مدعیہ زوج کا وطی کرنا اور خود مدعیہ کا تمکین کرنا ایک

یہ بھی فارسی میں ہوسکتا ھے اردو میں تجھے طلاق میں تفویض کی نیت مسموع نہ ہوگی کیونکہ یہاں یہ لفظ تفویض میں اصلاً مستعمل نہیں

بل ھو آپ عنہ لعدم معرفۃ اھل اللسان ھذا المعنی بھذا اللفظ۔

اگر شوہر نے دعویٰ تفویض بھی نہ کیا ہو؟ انصاف کیا جائے جہاں دیانۃً نیت تفویض معتبر ھے وہاں یہ بھی تو شرط ہے کہ شوہر تفویض کا مدعی ہو۔

اگرچہ شوہر نے تفویض کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو خواہ مخواہ اسکے سر

قوی قرینہ ہے کہ الفاظ مذکورہ کو اسلئے قاضی خان کے مسئلہ محوّلہ بالا پر محمول کرنا چاہئے۔

کہ اس صورت میں زوجین مذکورین کا یہ فعل حلال ہوگا ورنہ انکے فعل کو فعلِ حرام پر محمول کرنا پڑیگا جسکی کوئی وجہ شرعی موجود نہیں۔ یہاں تک کہ خود زوجہ بھی اس کا دعوٰی نہیں کرتی ہے کہ زوج مذکور نے ایقاع طلاق کیا تھا بلکہ وہ اسکے الفاظ کو پیش کرکے ارباب فتوٰی سے حکم شرعی طلب کرتی ہے اور ساتھ ہی یہ اقرار کرتی ہے کہ ان الفاظ کے بعد شوہر نے وطی کرلی اور میں نے تمکین کی۔ اسکے علاوہ مدعیہ کے بیان میں یہ بھی ہے "کہ کیا تو قبول کرتی ہے؟" جو تفویض کا ایک اور قرینہ ہوسکتا ہے اسلئے احتیاط اسی میں ہے کہ فقرۂ مذکورہ کو تفویض پر محمول کیا اور قاضی خان کا مسئلہ مذکورہ بالا جو عالمگیری وغیرہ میں بھی لیا گیا ہے معمول بھا بنایا جائے خصوصًا اس لحاظ سے کہ جن عبارات سے عورت کے جواز نکاح ثانی پر استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ بعض مقامی لوگ کہتے ہیں وہ عمومًا صورتِ زیر بحث سے متفاوت ہیں۔ مثلاً سمعت من زوجها انه طلقها ولا تقدر على منعها من نفسها الا بقتله قتلته الخ اس مسئلہ میں زوج کو عورت کے سامنے مقر بالطلاق قرار دیدیا گیا ہے جس میں عورت پر واجب ہوجاتا ہے کہ وہ مرد کو اسکے اقرار کی بناء پر ایقاع طلاق کا فاعل جان لے کیونکہ اقرار الانسان حجۃ علیہ ایک قاعدہ مسلمہ ہے مگر

تفویض کو لگادیا جائے۔

تمکین کا اس نے اقرار نہیں کیا اور وطی کو عدم علم بالحکم پر حمل کرنا ظاہر ہے جہلاء ایسا ہی کرتے ہیں۔

ہاں یہ قرینہ ہوسکتا ہے مگر افسوس کہ علماء ثلاثہ نے اپنی دستخطی تحریر میں اسکو حذف کردیا جس کی وجہ سے مفتی کو اس احتمال سے تعارض کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

تکریر الفاظ طلاق خود اقرار ایقاعِ طلاق ہے جیسا آگے آتا ہے۔

مانحن فیہ میں زوج نے عورت کے سامنے چند الفاظ کہدئے ہیں نہ کہ اقرار بالطلاق کیا ھے اسلئے عورت کے پاس کونسا شرعی ثبوت ھے کہ وہ زوج کو ایقاع طلاق کا فاعل سمجھے خصوصًا جب زوج ایقاع کا منکر ھے اور عورت نے جو الفاظ سن لئے ہیں ان میں احتمالات موجود ہیں۔ لوطلقها وانکر لها ان تتزوج ویحلل نفسها سرًا۔ اسمیں اوّلاً نکاح کی علی الاطلاق اجازت نہیں بلکہ مخفی طور پر محض حلالہ کی غرض سے جس پر زوج کو ہرگز اطلاع نہ ہونی چاھئے۔

ثانیاً طلقها صیغہ جزم ھے جس کا مفہوم یہ ھے کہ مرد نے ایقاع طلاق بالیقین کر لیا اور مانحن فیہ میں جو الفاظ عورت نے سن لئے ان کی کیفیت اوپر گذر چکی ھے۔

شهدان زوجها طلقها الخ اسمیں دو شاہد کا عورت کے پاس شہادت دیدینا مذکور ھے جو حجت شرعی ھے مگر مانحن فیہ میں یہ مفقود ھے اسیطرح عالمگیر کے مسئلہ میں بھی۔ واذا شهد عند المرأة شاهدان عدلان الخ مذکور ھے اسلئے صورتِ زیر بحث پر وہ مسئلہ بھی صادق نہیں آسکتا ھے غرضیکہ مذکورہ بالا چاروں عبارات میں سے تین عبارتوں کو زیر بحث صورت سے کوئی تعلق نہیں البتہ ۲ کو فی الجملہ انطباق ھے لیکن پھر بھی وہ مشکوک ھے۔

علاوہ بر آں اس کا حکم کسی دوسرے کے ساتھ علی التابید نکاح کرنیکا نہیں۔ واللہ اعلم

سرًا کی قید اسلئے ھے کہ علانیہ نکاح میں شوہر دعوی کر دے گا۔ نہ اسلئے کہ علانیہ نکاح جائز نہیں جو نکاح سرًا جائز ھے وہ علنًا بھی جائز ھے سرًا کی قید محض بطور مشورہ ہے تاکہ ضرر سے محفوظ رہے۔

مگر عورت کو ایقاع طلاق کا یقین ھے جیسا کہ اس نے استفتاء میں ظاہر کیا ھے

وجہ شک کچھ نہیں۔ کما مر

علی التابید کی قید کس لئے ہ کیا نکاح

وعلمه اتم ۔

علی التسلیم

اگر تسلیم کیا جائے کہ مسماۃ صغریٰ نے جو الفاظ اپنے شوہر محمد یوسف سے سن لئے ہیں وہ ایقاع طلاق ثلاث کیلئے کافی ہیں توسوال یہ ہے کہ عدم ثبوت کی وجہ سے جب اس کا دعوی ثابت نہ ہوا تو اس کو اقوال ومسائل منقولہ میں سے کس قول کے ساتھ فتویٰ دیا جاسکتا ہے ؟

طوالت سے بچنے کی غرض سے ہم اس قول کو زیر بحث لاتے ہیں جس میں اسکو کسی دوسرے کے ساتھ عدت کے بعد نکاح کرنیکی اجازت دیدی گئی ہے اس قول کو کسی نے مفتیٰ بہ نہیں کہدیا ہے (علی ما اعلمہ بعد التتبع) ۔ صاحب دُرمختار نے اس کو بالتصریح غیر صحیح قرار دیدیا ہے ۔ کما قال قبیل باب الایلاء وفیہا شھدا انہ طلقھا ثلاثاً لھا التزوج بآخر للتحلیل لو غائبًا اھ قلت یعنی دیانۃً والصحیح عدم الجواز ۔ تنبیہ ۔ اس پر شامی نے بحثاً اشکال وارد کیا ہے لیکن اوّلاً وہ بحث ہے نقل نہیں ۔ ثانیاً اس کا تعلق عدم تصحیح کے ساتھ ہے جس سے وجود تصحیح یا نقل تصحیح لازم نہیں آتی پھر باب الرضاع کے آخر میں اس قول کو

تحلیل مؤبد نہیں ہوتا ۔ موقت ہوتا ہے ؟

یہ علی التسلیم نہیں بلکہ آپکی دستخطی تحریر میں آپ کا اور آپکے اہل زبان رفقاء کا مصرح بہ ہے اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال اس تحریر میں نہیں بیان کیا گیا کیا اہل زبان علماء کو یہ جائز تھا کہ جس کلام میں بعد کو اسقدر احتمالات نکالے جاتے ہیں اپنی فیصلہ کن تحریر میں بالجزم اسکو موجب طلاق مغلظ ظاہر کردیں اور آپ بھی اس پر دستخط کردیں اور آئندہ کیلئے مفتیوں کو غلطی میں ڈالیں تو پھر ان پر اعتراض کریں اور اپنی کوتاہی کو تسلیم نہ کریں ۔

هو مقتضى اطلاق المتون كما صرح به في البحر وهو مقتضى اطلاق نص الكتاب كما مر

لو سلمنا عدم صحته فانما هو فيما اذا شهد عندها اثنان لما فيه من القضاء على الغائب لا فيما اذا سمعت المرأة منه الطلاق هذا هو الذي نبه عليه الشامي في باب الرجعة فليتنبه له

بصیغۂ تمریض نقل کر کے اسکے ضعف کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وقیل : لها التزوج دیانة شرح وهبانية۔ شامی اس کا ضعیف عند المصنف ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ قوله : وقيل : لها التزوج الخ اشارة الى ضعفه كما فى شرح الوهبانية الخ۔

پھر اسکو قضاء کے ساتھ مخصوص کرنیکی تاویل کو خلاف ظاہر قرار دیتے ہیں لھذا کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ھے کہ اس غیر مصحح قول کے ساتھ فتوٰی دیا جائے خصوصًا اس لحاظ سے کہ اس پر فتوٰی دینے سے کوئی نفع بھی نہیں ہوسکتا ھے کیونکہ عورت کے علاوہ۔ جس جس مسلمان کو معلوم ہوگا کہ مرد ایقاع طلاق کا منکر ھے کسی حال میں بھی اسکو عورت مذکورہ کے ساتھ نکاح کرنا جائز نہیں کیونکہ نکاح متحقق ہوچکا ھے اور زوال نکاح پر کوئی شرعی بینہ اور حجت موجود نہیں جسکی پابندی عورت کے علاوہ دوسروں پر ضروری ہو۔ جیساکہ اليقين لا يزول بالشك ودیگر اس قسم کے نصوص سے معلوم ہوتا ہے جنکو گذشتہ سطور میں نقل کیا گیا ھے اسکے علاوہ بحرالرائق کی عبارتِ ذیل سے بھی اسمیں مدد ملتی ھے جو اختلاف ثنتین وثلاث کے متعلق کتاب مذکور میں مذکور ھے وفيها سمع رجل من امرأة (بزازیۃ) انها مطلقة الثلاث۔ والزوج يقول لا بل مطلقة الثنتين لا يسع لمن سمع منها ان يحضر نكاحها ويمنعها ما استطاع۔ بحر۔ (ص ٦٥٥ ج ۲)

محمول على انه لا يسعه ان يحضر نكاحها بهذا الرجل وهو الظاهر وليس معناه لا يسعه ان يحضر نكاحها بغيره بدليل ما بعده اراد ان يتزوج امرأة فشهد عنده

یعنی جس مرد نے عورت سے یہ سنا کہ وہ مطلقہ الثلاث ہے مگر اس کا شوہر کہتا ہے کہ وہ مطلقہ ثلاث نہیں بلکہ اس کو صرف دوطلاقوں سے حرام کیا گیا ھے تو جس شخص نے عورت سے قول مذکور سنا ھے اسکو حلال نہیں کہ اگر عورت دوسرا نکاح کریگی تو اسکو کرنے دے یا اس مجلس میں شامل ہو جائے۔

اسیطرح قنیہ کے یہ الفاظ بھی قابل غور ہیں وعلی جواب الباقین لا یحل (ای النکاح)..... ونقل آخر انه لا یجوز (ای النکاح) فی المذهب الصحیح والقائل بانه المذهب (ای عدم حل النکاح) الصحیح العلاء الترجانی الخ کما فی البحر۔

خلاصہ یہ کہ عورت مذکورہ کو نکاح کی اجازت جس قول میں دیدی گئی ھے اسکی تضعیف میں نقول عدیدہ موجود و منقول ہیں اور اسکی تصحیح کیلئے کسی کا ایک حرف بھی نہیں ملتا اور نہ ہی کہیں اسکو وبہ یفتی وغیرہ کے ساتھ مقید کیا گیا ھے محض چند علماء کا قول اسکو قرار دیکر قنیہ میں وعلی جواب الباقین لا یحل سے ظاہر کیا گیا ھے کہ باقی علماء عدم حل نکاح کے قائل ہیں۔

لھذا عالمگیری کی وہ عبارت جو کتاب الطلاق میں ھے مذہب صحیح پر مبنی نہیں اگرچہ عالمگیری کے کتاب القضاء میں نکاح کا ذکر اس مسئلہ میں نہیں کیا گیا ھے۔ واذا ادعت المرأة علی زوجها انه ابانها بثلاث اوبواحدة فجحد الزوج فحلفه القاضی فحلف فان

او عند القاضی ان لها زوجا فتزوجها لا یفرق اه وبدلیل ما ذکره عن البزازیة ایضاً قالت طلقنی ثلاثاً ثم ارادت تزویج نفسها منه لیس لها ذالك اصرت علیه ام کذبت نفسها اه

وقد مر ما فیه فتذکر

علمت ان الامر کما قالت لا تسعها الاقامة معه و لا ان تأخذ میراثها کذا فی النهایة (ص۴۲۳ ج-۳)

ایضًا :- اور اگر نکاح دوم کے قول کی تصحیح وعدم تصحیح سے قطع نظر کیا جائے تب بھی مسماة صغریٰ کے حق میں مسئلہ کی ترتیب یہ ہونی چاہیئے کہ وہ مال دیکر خلع حاصل کرے (جیسا کہ مولانا ظفر احمد صاحب کے دوسرے فتویٰ میں بھی مصرح ھے) اسلئے کہ محیط میں سب سے پہلے عورت مذکورہ کو افتداء بالمال کا ھی حکم دیدیا گیا ھے اور راقم الحروف بھی اول روز سے یہی کہہ رہا ہے کہ اگر مسماة صغریٰ کو محمد یوسف سے جدا ہونے پر اصرار ہے تو کچھ دے دلا کر اس سے اپنے آپکو خلاص کرے۔ لیکن چونکہ اس صورت میں قضاء میں سکون پیدا ہوسکتا ھے اسلئے جو لوگ فتنہ اور شور وشغب بالخصوص مخالفت کے دلدادہ وہ اسطر اسطرف آنے نہیں دینے۔

لا یخفٰی علی الفطن ان او للتخییر فلا یجب علیها الافتداء لو قدرت علی الهرب

وفی المحیط :- وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر قتلته الخ اس ترتیب کو صاحب شامیؒ نے بھی اختیار کیا ھے۔

الحاصل (الف) جو الفاظ صغریٰ نے اول والا ھمارے سامنے بیان کیا اور ھمارے دار الافتاء کے رجسٹر میں وہ مع نشانہائے انگوٹھا موجود ہیں انکو سامنے رکھکر فتویٰ دینا مطلوب ھے

کیونکہ ہمارے بغیر کسی کے پاس فریقین کے اصلی بیانات نہیں بلکہ دوسرے لوگ محض ہوائی گھوڑوں پر دوڑ رہے ہیں حالانکہ انکو ہمارے یہاں سے وہ بیانات مل بھی سکتے تھے لیکن جب تحقیق حق مقصود ہی نہ ہو تو ایسے راستے کیوں اختیار کیئے جائیں جس سے فتنہ فرو ہو۔

(ب) میرا فیصلہ شرعیہ جو بسلسلۂ تحکیم زبانی بتایا تھا صرف یہ ھے کہ طلاق ثابت نہ ہوئی اس سے زیادہ یہ حکم بتانا کہ صغریٰ کی طلاق چونکہ ثابت نہ ہوئی اسلئے اسکو دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ھے ہرگز میرے لئے جائز نہ تھا جس نے اس چیز کو ہمارے اوپر واجب سمجھا ھے وہ غلط کہہ رہا ھے۔

نعم لم یکن ذالك واجبا علی الحکم فی مجلس الحکم و لکن کان ذالك واجباً لو استفتتہ المرأۃ فی غیر مجلس الحکم عن حکم الدیانۃ لها ان کانت الواقعۃ کما فی کتاب الحکم والا فکان الواجب الرجوع عن کتاب الحکم و الافتاء بما کان عندکم من الواقعۃ التی اودعتموها فی الخریطۃ و لم تبینوها فی الحکم۔

(ج) دیانۃً صغریٰ کو اسلئے وقوع طلاق کا یقین رکھنا جائز نہیں کہ اس نے جو الفاظ سن لئے ہیں وہ وقوع طلاق کی قطعی دلیل حادثہ کے تمام پہلوؤں اور الفاظ کی تمام کیفیات و احتمالات کو ملحوظ رکھکر نہیں ہوسکتے ہیں اسلئے زوالِ نکاح مشکوک ھے۔

(د) جس عورت کو وقوع طلاق اور زوال نکاح کا یقین حاصل ہو اسکو سب سے پہلے یہ حکم ھے کہ مال دیکر شوہر منکر سے اپنے آپ کو

مگر افسوس ھے کہ علماء ثلاثہ کی دستخطی تحریر میں ان الفاظ کو موجب طلاق مغلظ کہا گیا ھے اور کوئی احتمال ظاہر نہیں کیا گیا محض عدم بینہ کی وجہ سے عدم ثبوت طلاق کا حکم قضاءً بیان کیا گیا۔ مستفتی جاہل ھے جب علماء نے اسکے پورے بیان میں سے کچھ الفاظ حذف کردئے تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ھے کہ الفاظِ محذوفہ کو حکم طلاق میں کوئی دخل نہیں ھے اس لئے تو علماء نے انکو حذف کیا اگر بقیہ الفاظ سے حکم مسئلہ پر اثر پڑتا تھا تو ان کے

خلاص کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے تو پھر فقہاء کے دوسرے اقوال کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔	حذف کی کوئی وجہ نہ تھی فیصلہ کرنے والے کا فرض ہے کہ مدعی اور مدعیٰ علیہ دونوں کا پورا بیان لکھ کر فیصلہ دے۔ اسکے اولاً واجب ہونیکی کوئی دلیل نہیں۔ ففی المحیط: ینبغی لھا ان تفتدی بمالھا او تھرب ای تفعل ای ذالک ان شاءت و قدرت علیہ ولذا افتیتھا بالمفارقۃ عنہ مرۃ و بالافتداء اخریٰ۔

(۵) دوسرے اقوال میں سے یہ قول کہ اسکو ہروب کے بعد کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے قول مصحح نہیں۔ اسلئے دوسرے اقوال پر اسکی ترجیح کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی نے اسکو راجح قرار دیا ہے۔ (و) جس عورت کو طلاق کا یقین ہے مگر شہادت سے اسکو ثابت نہ کر سکے اسکو دیانۃً اپنے آپ کو مطلقہ سمجھنا چاہئے لیکن اسکے علاوہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اسکی کسی قسم کی حمایت کرے کیونکہ نکاح سابق ایک امر یقینی ہے جسکے زوال کیلئے عورت کا یقین یا دعویٰ کافی نہیں بلکہ مسلمانوں کو صرف یہ جائز ہے کہ وہ عورت مذکورہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ وقوع طلاق کا دعویٰ کرتی ہے جس کا صدق و کذب اسکے علاوہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ ہم کو اسمیں کوئی رائے زنی کا حق نہیں اسیطرح کسی مسلمان کو یہ علم رکھتے ہوئے کہ یہ عورت فلاں آدمی کی منکوحہ تھی جو طلاق کا منکر ہے ہرگز حلال نہیں کہ اس کے ساتھ نکاح کرے بلکہ اگر یہ عورت نکاح کرنے لگ جائے تو جس کو واقعہ معلوم ہے اور مرد سے اس نے ایقاع طلاق کا انکار سنا ہے اسکو لازم ہے کہ عورت کو نکاح ثانی کرنے	قلت ھو مقتضی اطلاق المتون و نص الکتاب

سے روکے اور اگر وہ نہیں رُکتی ہے تو مجلس نکاح میں ہرگز شرکت نہ کرے جیسا کہ بحر کے مسئلہ مندرجہ بالا میں مصرح ہے۔ | وقدمر مافیہ فتذکر

الجواب المفصل و انہ لقول فصل

مکرمی المحترم مولانا محمد میرک شاہ صاحب دام فضلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ گرامی نامہ موصول ہوا۔ حضرت والا کو نہ فرصت ہے نہ اتنی قوت ہے کہ ایسی طویل تحریریں باریک قلم کی لکھی ہوئی ملاحظہ فرمائیں اسلئے حضرت کو آئندہ تکلیف دینا نہ چاہئے۔ جواباً معروض ہے کہ مجھے جناب کے متعلق یہ یقین ہے آپ کو حضرت والا سے تعلق ہے اور اس واسطہ سے اس ناچیز کے ساتھ بھی تعلق ہے اور یہ تعلق مانع اظہار حق نہ ہونا چاہئے بلکہ زیادہ موجب اظہار حق ہونا چاہئے کہ اس کا مبنیٰ محض حُب فی اللہ و حُب لِلّٰہ ہے اگر میرے اظہار حق سے کسی مخالف جماعت کو خوشی کا موقع ملا ہے مجھے اسکی پرواہ نہ کرنا چاہئے کہ میرے ذمہ بہرحال اظہار حق واجب ہے خواہ اس سے کسی کو خوشی ہو یا کسی کو رنج ہو ــــــ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ الآیۃ : اور دراصل یہی تعلق جو آپ کے ساتھ ہے سبب ہوا میرے اس فتوٰی پر جواب لکھنے کا ورنہ میں چونکہ مئو۔ اعظم گڑھ کے محاورت دیہات سے ناواقف ہوں ضرور اس فتوٰی پر تنقیح کرتا اور مستفتی سے سوال کرتا کہ اس لفظ کے معنیٰ اہل محاورہ سے معلوم کرکے لکھو مگر جب استفتاء کے ساتھ آپکی دستخطی تحریر دیکھی جس میں محمد یوسف کے لفظ "میں توکے طلاق دیہیوں" کی تشریح جزم کے ساتھ "میں نے تجھکو طلاق دی" سے کی گئی تھی اور اس کے بعد صاف لکھا تھا کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تھا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی تو مجھے سائل سے طلب تشریح کی یا تنقیح کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ میرے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مدعیہ نے محمد یوسف کے الفاظ کچھ اور بھی بیان کئے تھے جو آپ کی دستخطی تحریر میں حذف کئے گئے اور دفتر میں محفوظ رکھے گئے ہیں کیونکہ اہل علم کا فرض ہے کہ فیصلہ کی تحریر میں مدعی و مدعیٰ علیہ کا پورا بیان لکھکر فیصلہ کریں تاکہ خود فریقین کو بھی یہ مغالطہ نہ ہو کہ عبارتِ محذوفہ کو حکم واقعہ میں کچھ دخل نہیں اور کسی

ذی علم کے سامنے اس تحریر کو پیش کریں تو اسکو بھی مغالطہ نہ ہو وہ کیسے سمجھ سکتا ھے کہ جس عبارت کو یہاں جزم کے ساتھ ایک معنیٰ سے مشروح کیا گیا ھے وہ دفتر کی عبارت سے مل کر دوسرے معنی کو بھی متحمل ہوسکتی ہے اور جن الفاظ کے تکرار کو یہاں جزماً موجب طلاق مغلظہ کہا گیا ہے وہ عبارت محفوظہ سے لیکر جزماً موجب طلاقِ مغلظہ نہیں رہی ہے چونکہ میرے جواب کا مبنیٰ آپکی دستخطی تحریر اور اسکی تشریح تھی اسلئے میں نے مستفتی کو لکھدیا ہے کہ میرے جواب کا مبنی وہ تشریح ہے جو علماء ثلاثہ نے اپنے تحریری فیصلہ میں کی ہے اگر انکی یہ تشریح صحیح ہے اور اس بناء پر عورت کو یقین کلی ھے کہ محمد یوسف نے اس کو دسوں مرتبہ طلاق دی تو جواب وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا اور اگر یہ تشریح صحیح نہیں بلکہ ان الفاظ میں اہل محاورہ کے نزدیک معنی ماضی کے ساتھ مستقبل کا بھی احتمال ہے جیسا کہ علماء ثلاثہ میں سے بعض نے یہ احتمال ظاہر کیا ہے تو اس کا فیصلہ وہاں کے اہل محاورات ہی کر سکتے ہیں کہ میں وہاں کے محاورات سے واقف نہیں۔

اور یہ تنبیہ میں نے اپنے اسی فتویٰ پر لکھدی ہے جو اولاً یہاں سے دیا گیا تھا اور مستفتی نے ثانیاً اسکو حضرت اقدس کے دستخط کیلئے واپس کیا تھا امید ھے کہ میری اس تنبیہ سے شور و شر کم ہو جائیگا کیونکہ میں نے اپنے فتویٰ کو آپکی تشریح پر مبنی کیا ہے اب آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس تشریح میں ھم سے کوتاہی ہوئی کہ مدعیہ اور مدعیٰ علیہ کا پورا بیان نہ لکھا گیا اور جزم کے ساتھ صرف ایک معنیٰ کو ظاہر کردیا۔ دوسرے احتمالات سے تعرض نہ کیا گیا اور چونکہ ظفر نے ھماری تشریح پر مدار رکھا ھے تو اب ھم مدعیہ کے پورے الفاظ پر دوسری تشریح کرتے ہیں اور تشریح اول سے رجوع کرتے ہیں آپ اس تشریح اول سے رجوع کا اعلان کردیں گے تو یقیناً شور و شر جاتا رہے گا۔ اور آپ پر یہ اعلان واجب ھے۔ فان التوبة بقدر الحوبة السر بالسر والعلانية بالعلانية اور آپ کے اس اعلان کے بعد میں بھی اپنے فتویٰ سے رجوع کر لونگا کیونکہ وہ تو آپکی اس دستخطی تحریر ہی پر مبنی ھے اور اگر آپ کو اس فیصلہ کن تحریر سے رجوع کا اعلان دشوار ہو تو پھر مدعیہ کے اُن الفاظ کی بناء پر جو آپ کے دفتر میں محفوظ ہیں یہ عرض ہے کہ اگر واقعہ یہی ہے کہ محمد یوسف نے دسوں مرتبہ یوں کہا ہے کہ "میں تو کے طلاق دیھیوں تین قبول کرے بھی" اور اہل محاورہ کے نزدیک اسکے یہ معنیٰ ہیں کہ "میں تجھکو طلاق دیدوں تو قبول کرتی ھے" تو اس صورت میں ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی آپ اپنے

لوگوں میں سے کسی کو فرما دیجئے کہ وہ یہی الفاظ لکھکر استفتاء کرے میں اس کو یہی جواب دیدونگا جو اس وقت لکھ رہا ہوں جس سے میرے دونوں فتوے متعارض ہوجائیں گے۔ و اذا تعارضا تساقطا۔

باقی آپ نے بہ سبیل تنزل اُن الفاظ کو تسلیم کرتے ہوئے جو فیصلہ کی تحریر میں درج کئے ہیں اس تشریح کو مانتے ہوئے جو اس میں کی گئی ہے جس قدر بحث کی ہے وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔

سب سے پہلے آپ نے "طلاق دی" میں احتمال تفویض نکالا ہے یہ اصلاً صحیح نہیں ہماری زبان میں لفظ "تجھکو طلاق دی" بالکل صریح ہے ان الفاظ سے ہمارے یہاں تفویض نہیں کی جاتی پھر احتمال تفویض کیلئے متکلم کا دعویٰ شرط ہے متکلم تفویض کا مدعی نہیں پھر آپ نے تکرار طلاق میں دیانۃً احتمال تاکید نکالا ہے مگر قضاءً یہ احتمال رد ہے۔ والمرأۃ کالقاضی کما صرحوا بہ۔ پس عورت کے حق میں یہ احتمال ہرگز مفید نہیں بالخصوص جبکہ شوہر مدعی تاکید بھی نہیں۔ پھر آپ نے دعویٰ کیا ہے کہ طلاق مغلظ کے بعد عورت کو بدون تفریق قاضی کے نکاح ثانی کا اختیار ہونا جبکہ شوہر منکر ہو مفتیٰ بہ نہیں ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔

قال فی البحر: و اطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاول معترفاً بالطلاق الثلاث او منکراً بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثاً و انکر لها ان تتزوج باٰخر وتحلل نفسها سرّا منه الخ۔

بحر نے انکار زوج کی صورت میں بھی عورت کو نکاح ثانی کا اختیار دیا ہے اور اسکو اطلاق متون کا مدلول قرار دیا ہے مفتیٰ بہ ہونے کیلئے اور کیا چاہئے؟ جبکہ اطلاق متون سے ایک مسئلہ ثابت ہے وہ متون سے ہی ثابت ہے اور متون کا مفتیٰ بہا ہونا معلوم، اس میں قید سراً سے آپ کا یہ کہنا کہ نکاح علن جائز نہیں یا تحلیل سے یہ مفہوم نکالنا کہ نکاح مؤبد جائز نہیں انصاف اور فقہ سے بہت بعید ہے قید سراً کا بطور مشورہ ہونا واضح ہے کیونکہ جب شوہر منکر ہے وہ علانیہ نکاح کو بذریعہ قاضی کے روکدیگا اگلی عبارت اسکی خود دلیل ہے، فلیراجع۔ ورنہ خود غور فرمالیا جائے کہ جو

چیز سرًا جائز ہے اسکو علانًا کرنا شرعًا کیوں حرام ہوگا؟ اور نکاح تحلیل یقینًا مؤبد ہوتا ہے
کیونکہ نکاح موقت باطل ہے۔ پھر میں لکھ چکا ہوں کہ نص قرآن کا مقتضی یہی ہے فَلَا تَحِلُّ
لَهٗ مِنۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ۔ اضاف النکاح الی المرأۃ و اطلق
فلها ان تتزوج بزوج آخر اعترف الاول بالطلاق او انکر اذا کان
الواقع الطلاق الثلاث ــــــ اور صورت مسئولہ میں آپکی تشریح ہے کہ زوج
نے "میں نے تجھکو طلاق دی" کہا اور تصریح ہے کہ اس کا تکرار موجب طلاق مغلظ ہے
اور عورت اپنا یقین کلی بیان کرتی ہے کہ زوج نے مجھکو دسوں مرتبہ طلاق دی تو اب شرط
"بعد ان کان الواقع الطلاق الثلاث" کے تحقق میں کیا کلام رہا؟

اسکے بعد آپکو "لو شهد عندها عدلان علی الرضاع بینهما او طلاقها
ثلاثًا وهو یجحد الی قوله ولا التزوج بآخر وقیل لها التزوج دیانة
اشار الی ضعفه کما فی القنیة عن العلاء الترجمانی انه لا یجوز فی
المذهب الصحیح وجزم به الشارح فی آخر باب الرجعة" سے مسئلہ مبحوث
عنها میں شبہ ہوا ہے کہ سماع مرأۃ کی صورت بھی اسکو دیانۃً نکاح ثانی جائز نہیں
حالانکہ یہ قیاس مع الفارق ہے کیونکہ شہادت کی صورت میں عورت اپنے کو مطلقۃ الثلاث
سمجھنے میں بظاہر قضاء علی الغائب کرتی ہے لانها کالقاضی فی هذا الباب۔ اور
قضاء علی الغائب میں اختلاف ہوسکتا ہے اسلئے اس صورت میں اقوال مشائخ مختلف
ہوگئے۔ لیکن سماع کی صورت میں اس قسم کا کوئی احتمال نہیں اسلئے وہاں یہ کہنا کہ دیانۃً
عورت کو نکاح بآخر جائز نہیں صحیح نہیں۔ شامی نے صاحب در کی اس مسامحت پر تنبیہ
کی ہے کہ انہوں نے صورت شہادت کے اختلاف کو صورت سماع میں بھی جاری کردیا حالانکہ
قیاس مع الفارق ہے چنانچہ "سمعت من زوجها عـه انه طلقها (ای ثلاثًا) ولا تقدر علی
منعه من نفسها الخ" کے تحت لکھا ہے۔

وفی الفتاوی السراجیة :- اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو
غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولم یقیده بالدیانة اھ۔ کذا فی شرح

عـه وحمله علی انها سمعت من زوجها الاقرار بطلاقها کما فعله الفاضل بعید و
انما معناه انها سمعت منه الطلاق سواء اعترف به بعد ذالک او انکر فافهم۔ ظفر۔

الوھبانیۃ ـــــ قلت :۔ ھذا تائید لقول الائمۃ المذکورین (شمس الائمۃ الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابی شجاع والسرخسی والقائلین بانہ یحل لھا التزوج بزوج آخر فیما بینھا وبین اللہ فیما اذا شھدا انہ طلقھا ثلاثا) فانہ اذا حل لھا التزوج باخبار ثقۃ فیحل لھا التحلیل ھنا بالاولیٰ اذا سمعت الطلاق او شھد بہ عدلان عندھا بل صرحوا بان لھا التزوج اذا اتاھا کتاب منہ بطلاقھا ولو علی ید غیر ثقۃ ان غلب علی ظنھا انہ حق وظاھر الا الطلاق جوازہ فی القضاء حتی لو علم بھا القاضی یترکھا فتصحیح عدم الجواز ھٰھنا مشکل الا ان یحمل علی القضاء (قلت : وای تصحیح اصرح من ھذا حیث صرحوا بذالک فی مسئلۃ الکتاب ونحوھا ۱۲۔ ظفر) نعم لو طلقھا وھو مقیم معھا یعاشرھا معاشرۃ الازواج لیس لھا التزوج لعدم القضاء عدتھا منہ کما سیأتی بیانہ فی العدۃ (ص۸۹۶ ج۔۲) لان العدۃ منہ لا تنقضی الا بالمفارقۃ لا بالمجامعۃ فافھم۔

بہر حال شہادۃ عدلین کی صورت میں بھی صحیح یہی ہے کہ عورت کو تزوج بآخر جائز ہے جبکہ وہ زوج اول سے الگ ہوکر عدت گذاردی اور قضاء علی الغائب کا جو شبہ ہے وہ اسلئے باطل ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء نہیں کر رہی ہے کیونکہ بحث دیانت میں ھے کہ فیما بینھا وبین اللہ نکاح کو جائز کہا جارہا ہے شوہر پر قضاء نہیں کر رہی ہے اس لئے قاضی کو بھی علم کے بعد اس میں دخل دینے کا حق نہیں (الا اذا رافع الیہ الزوج فلہ ان یقضی بما ثبت عندہ) قال الشامیؒ عن الولوالجیۃ عن الفصولین: اخبرھا عدل او غیر عدل فاتاھا بکتاب من زوجھا بطلاق ولا تدری انہ کتابہ اولا ان اکبر رأیھا انہ حق فلا باس بالتزوج اھ۔ وتقدم قبیل الایلاء ان ھذا فی الدیانۃ ثم رأیت بخط السائحانی عن جامع الفتاویٰ شھد اثنان ان الغائب طلق زوجتہ لا تقبل فی الحکم بطلاق الغائب وتقبل فی حق سکوت الحاکم فی انھا تعتد وتتزوج بآخر اھ وحاصلہ انہ یسوغ للحاکم السکوت لانہ امر دینی لا اثبات الطلاق لانہ حکم علی الغائب فلا یصح الخ ص۱۰۴ ج۔۲ قبیل فصل الحداد۔

جب شہادت عدلین کی صورت میں دیانۃً یہ حکم ہے تو سماع میں بدرجہ اولیٰ اور غالباً علاء ترجمانی نے صورتِ شہادت میں عدم جواز کو صحیح اسی بناء پر کہا ہے کہ اس صورت میں عورت قضاء علی الغائب کرتی ھے مگر یہ خیال باطل ہے بلکہ وہ ایک امر دیانت کا ارتکاب کر رہی ہے اثبات طلاق سے اسکے فعل کو کچھ تعلق نہیں اس لئے ائمہ مذکورین نے دیانۃً نکاح بآخر کی اجازت دی ہے اور صورتِ سماع طلاق میں تو علاء ترجمانی کا خلاف بھی منقول نہیں فلا یصح قیاسہ علیہا فافھم۔ اور اگر اس میں بھی ان کا اختلاف کسی نے نقل کیا ھے تو یقیناً مسامحت سے خالی نہیں یا اسکو قضاء پر محمول کیا جائے گا کما قالہ العلامۃ الشامی۔

اسکے بعد آپ نے دعویٰ کیا ھے کہ صاحب بزازیہ کے نزدیک حرمت کے تمام وجوہ میں عورت کا قول قابل اعتبار نہیں۔ حالانکہ اصل جزئیہ یہ ہے۔ انہا اذا قالت: ھٰذا ابنی رضاعًا و اصرت علیہ لہ ان یتزوجہا لان الحرمۃ لیست الیہا قالوا بہ یفتی فی جمیع الوجوہ جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کے دعویٰ رضاع سے مرد پر وہ عورت حرام نہیں ہوتی کیونکہ ثبوت رضاع تنہا ایک عورت کے قول سے نہیں ہوتا۔ لان الحرمۃ لیست الیہا کے یہی معنیٰ ہیں نہ وہ جو آپ نے سمجھے ہیں۔ اس کے بعد صاحب دُر کا تبعًا للصدر الشہید یہ کہنا۔ مفادہ انہا لو اقرت بالثلاث من رجل حل لہا تزوجہ یقینًا۔ قیاس قلب وعکس ہے بزازیہ نے مسئلہ رضاع میں مرد کو نکاح کی اجازت دی تھی نہ کہ عورت کو اس سے یہ تو مستفاد ہو سکتا ہے کہ صورت دعویٰ طلاق ثلاث میں مرد کو اس مدعیہ سے نکاح جائز ہو جبکہ اسکے نزدیک عورت کا دعویٰ صحیح نہ ہو کیونکہ تنہا اسکے قول سے ثبوت طلاق نہیں ہو سکتا لیکن یہ اخذ کرنا کہ عورت کو بھی اس سے نکاح جائز ھے کس طرح مستفاد نہیں ہوتا۔ بس ان حضرات کے کلام کی تصحیح اسطرح ہو سکتی ھے کہ ان کے کلام کو قضاء پر محمول کیا جائے یعنی قضاءً عورت کو اقدام علی النکاح سے نہ روکا جائے گا کیونکہ قضاءً ثبوت طلقات ثلاث نہیں ہوا۔ مگر یہ کہ دیانۃً بھی عورت کو ایسا جائز ھے اور دیانۃً بھی اسکو نہ روکا جائیگا یہ ہرگز بزازیہ کے جزئیہ سے مستفاد نہیں ہو سکتا اور جو ایسا دعویٰ کرے وہ مبطل ہے صاحب بحر نے بزازیہ سے نقل کیا ہے قالت: طلقنی ثلاثًا ثم ارادت تزویج نفسہا منہ لیس لہا ذالک

اصرت علیہ ام کذبت نفسھا اھ (ص۵۹ ج-۴) ھذا ھو الموافق للاصول ـــــ اس کے بعد آپ کا یہ کہنا کہ مجموعی طور پر ان سب حضرات کی عبارات میں کہیں یہ نہیں ھے کہ عورت مذکورہ عالمہ بالطلاق ہوکر خود بخود ہی کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے الخ اس کا جواب یہ ہے کہ جن عبارات میں ان تتزوج بآخر وتحلل نفسھا سراھنہ الخ مذکور ہے وہ اس پر ناطق ہیں نیز جو عبارات شامی سے ابھی نقل ہوئی ہیں جو قبیل فصل الحداد میں مذکور ہیں وہ اس پر شاہد ہیں اور اطلاق متون سے صاحب بحر نے اسی کو اخذ کیا ہے اور نص، حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ بھی اس پر دال ہے فافہم اور اسی سے آپ کے اس سوال کا جواب بھی ہوگیا کہ لا یفتی بغیر الراجح فی مذھبہ ...... وان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل اخرق للاجماع الخ میں مبتلا ہوچکا کہ صورت مسئولہ میں جواز نکاح بآخر ہی راجح اور صحیح ہے۔ صورت سماع طلاق میں اس کے خلاف کوئی قول منقول نہیں اور اگر منقول ہو تو قضاء پر محمول ہوگا نہ دیانت پر کما قالہ الشامی والخلاف الذی ذکرتموہ انما ھو فی الشھادۃ عند المرأۃ وقد تقدم مافیہ فتذکر

آخر میں آپ نے محمد یوسف کے قول سے احتمال استقبال وغیرہ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دیانت کا فتویٰ دینے والا مفتی شرعًا اس کا مکلف ہے کہ اس احتمال کو نظر انداز نہ کرے اس کا جواب تمہید میں دے چکا ہوں کہ شرعًا آپ کے ذمہ بھی یہ اعلان واجب ھے کہ ھماری دستخطی تحریر جو مدعیہ کے پاس ہے وہ ناقص اور موجب مغالطہ ہے اسلئے اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ مفتی دیانت نے تو آپکی اسی دستخطی تحریر پر جواب کو مبنی کیا ہے۔" فان صحیحًا فصحیح وان باطلاً فباطل ؏

اسکے بعد آپ نے عورت کی تمکین کو اسکے دعویٰ طلقات ثلاث کا مکذب قرار دیا ھے اس کا بھی وہی جواب ھے کہ مفتی دیانت کے سامنے جماع یا تمکین علی الجماع کا کوئی ذکر نہیں تھا اور ہوتا بھی تو اسکو مکذب قرار دینا اسلئے صحیح نہیں کہ عورت جاہل ھے ممکن ھے کہ اسکو قبل استفتاء حرمت مغلظہ کا علم نہ ہوا ہو اور دارالحرب میں ایسا جہل عفو ہے لھذا

ع بلکہ آپ نے جو "تجھکو طلاق دی" میں اور اسکے تکرار میں احتمالات واہیہ نکالے ہیں ان پر نظر کرکے تو دارالاسلام میں بھی عورت کو تمکین میں معذور سمجھنا چاھئے کیونکہ آپ کے نزدیک تو صریح لفظ طلاق کا تکرار (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تکذیب کا دعویٰ نہیں چل سکتا۔ اب یہ بحث باقی رہ گئی کہ جب عورت طلاق ثلاث کی مدعی ہو اور مرد منکر ہو اور عورت کے پاس بینہ نہ ہو تو دوسروں کو انکے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہیئے یہ تو اوپر ظاہر ہو چکا کہ اس عورت کو دوسرا نکاح جائز ھے اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو بھی اس سے نکاح جائز ہے مگر اس میں تفصیل ہے جن لوگوں کو شوہر کا انکار معلوم نہیں صرف عورت کا دعویٰ معلوم ھے کہ مجھے طلاق ہو چکی ہے یا شوہر کا انکار معلوم ہے مگر ان کے قلب کو عورت کا صدق اور مرد کا کذب لگتا ہے ان کو نکاح جائز ہے اور جن کے دل کو عورت کا کذب اور مرد کا صدق لگے یا دونوں مساوی ہوں انکو نکاح جائز نہیں آپ نے بزازیہ سے جو جزئیہ نقل کیا ھے۔ سمع رجل من امرأہ انہا مطلقۃ الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقۃ الثنتین لایسع لمن سمع منہا ان یحضر نکاحہا۔ و یمنعہا ما استطاع۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایسے مرد سے اس عورت کا نکاح جدید کیا جائے تو اس میں حاضر نہ ہو بلکہ لوگوں کو اس سے روکے۔ یہ مطلب نہیں کہ کسی دوسرے سے نکاح ہو جب بھی روکے کیونکہ جب عورت کا مطلقہ ہونا ثابت ھے خواہ مطلقۃ الثلاث ہو یا مطلقۃ الاثنتین تو دوسرے مرد سے نکاح میں کیا اشکال ہے اشکال تو ایسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس عورت کا نکاح اسی مرد سے ہو جس سے عورت نے مطلقۃ الثلاث ہونے کا دعویٰ کیا ہے پس یہ جزئیہ آپکی دلیل نہیں بلکہ میری دلیل ہے کہ مسلمانوں کو لازم ہے کہ اس مرد سے اس عورت کا نکاح نہ ہونے دیں جس نے مطلقۃ الثلاث ہونا بیان کیا ہے بلکہ اس سے اسکو روکیں۔ اگرچہ مرد یہ کہتا ہو کہ میں نے طلاق نہیں دی یا دو دی ہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ اس باب میں عورت کا قول معتبر ہے نہ مرد کا کما سیأتی صریحًا انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللّٰھم الا ان یقضی القاضی بعدم وقوع الطلاق فلا تمنع من نکاحہ قضاءً وتمنع دیانۃً فافہم اسی کے بعد بحر میں یہ جزئیہ بھی منقول ہے۔ اراد ان یتزوج امرأۃ فشھد عندہ وعند القاضی ان لہا زوجًا فتزوجہا لایفرق انتھٰی (ص۵۹ ج-۴)

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح وطلاق میں عورت کا قول مقبول ہے جو عورت اپنی کو غیر ذات زوج کہتی ہے اس سے نکاح کرنا ہر مرد کو جائز ہے اگرچہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) بھی جزمًا موجب وقوع طلاق مغلظ نہ رہا بلکہ محتمل احتمالات ہے پس اگر کوئی عورت قبل فتوی مفتی دیانت وقوع طلاق مغلظ سے جاہل رہے تو کیا تعجب ہے۔ ظفر

اس کے یا قاضی کے پاس شہادت بھی گذرے کہ اس کے شوہر ہے مگر چونکہ شہادت علی الغائب ہے جس سے نکاح کا ثبوت نہیں ہوا اس لئے اگر کوئی اس سے نکاح کرے گا تفریق نہ کی جائیگی۔ اور دیانۃً جواز اور عدم جواز کا مدار شہادت قلب پر ہوگا اگر مرد کے دل کو عورت کا قول لگے تو نکاح جائز ہے شوہر کا قول لگے تو ناجائز ھے۔

رہا یہ اشکال کہ زوج اول کا نکاح صورت مسئولہ میں ثابت بالیقین تھا تو عورت کے دعویٰ طلاق سے کیونکر مرتفع ہوگا فان الیقین لا یزول بالشك۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس کو عورت کے صدق میں شک ہو اس کو اس سے نکاح جائز نہیں اور جس کے دل کو عورت کا صدق لگے وہاں زوال الیقین بالشک کا تحقق نہیں بلکہ زوال الیقین بالیقین ہے ورنہ لازم آئیگا کہ جس عورت کے پاس ایک ثقہ خبر لائے یا کوئی ثقہ یا غیر ثقہ اسکے شوہر کا خط لائے کہ اس نے طلاق دیدی ھے اس صورت میں عورت کو مطلقاً نکاح ثانی جائز نہ ہو کیونکہ نکاح اول ثابت بالیقین تھا اور خبر واحد یا کتاب غیر موثوق بہ سے یقین زائل نہیں ہوسکتا مگر اوپر گذر چکا کہ عورت کے دل کو اگر یہ بات لگ جائے کہ خبر سچی ہے تو اسکو نکاح بآخر جائز ہے یہ قید اسی لئے لگائی ھے تاکہ یقین زائل بالیقین ہو جب خبر یا کتاب کا عورت کے دل کو لگنا اس کے حق میں مجوز نکاح ھے۔ تو دوسروں کے دل کو عورت کی بات لگنا بھی ان کے حق میں مجوّز نکاح ہے۔

قال فی البحر:۔ واشار بقبول قولها الیٰ انه لاعبرة بقول الزوج الثانی حتی لو قال لم ادخل بها او کان النکاح فاسدًا وکذبته فالمعتبر قولها، ولو قال الزوج الاول لها ذالك (بعد ان نکحها) یعتبر قوله فی حق الفرقة کانه طلقها لا فی حقها حتی یجب لها نصف المسمّٰی او کمالہ ان دخل بها۔ واشار بقوله ان غلب علی ظنه صدقها الی ان عدالتها لیست شرطًا ولهذا قال فی البدائع وکافی الحاکم وغیرهما لا بأس ان یصدقها اذا کانت ثقة عنده او وقع فی قلبه صدقها وبقبول قول المطلقة التی هی منکوحة رجل قالت للآخر: طلقنی زوجی وانقضت عدتی جاز تصدیقها اذا وقع فی الظن صدقها عدلة کانت ام لا اھ (ص۵۹ ج۔۴) ولها

ع‍ هذا ما وعدته قبل فی قولی وسیأتی صریحاً ان شاء الله تعالیٰ۔ ظفر۔

نظائر کثیرۃ فی الفقہ لا تخفی علی من مارسہ

صورت مسئولہ میں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ حَکَمْ بمنزلہ قاضی ہے عین قاضی نہیں حَکَمْ کا فیصلہ عام نہیں ہوتا قاضی کا فیصلہ عام ہوتا ہے پس قاضی نے اگر ایسی عورت کے متعلق جو زوج سے مطلقۃ الثلاث ہونے کی مدعی ہے غیر مطلقہ ہونے کا فیصلہ کردیا تو قضاءً سب مسلمانوں کو اس کا غیر مطلقہ ہونا ظاہر میں ماننا پڑے گا اور کسی کو اس سے نکاح کی اجازت نہ دی جائیگی مگر حَکَمْ کے فیصلہ سے ظاہر میں بھی سب پر ماننا لازم نہیں ومن ادعی فعلیہ البیان قال فی العنایۃ: ان الحکم ادنی منزلۃ من القاضی لاقتضاء حکم علی من رضی بحکمہ وعموم ولایۃ القاضی فاذا رفع حکمہ الی القاضی فوافق مذہبہ امضاہ وان خالفہ ابطلہ بخلاف حکم الحاکم کما تقدم فانہ لا یبطلہ الثانی وان خالف مذہبہ لعموم ولایتہ فکان قضاءہ حجۃ فی حق الکل فلا یجوز لقاضٍ آخر ان یبطلہ ویردہ اھ

جب ظاہر میں بھی فیصلہ حکم کی مخالفت جائز ہے تو دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ بدرجہ اولیٰ جائز ہے پس عامۂ مسلمین نہ انکار زوج کی وجہ سے مدعیہ طلاق ثلاث کے نکاح سے ممنوع ہو سکتے ہیں نہ فیصلہ حکم کی وجہ سے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

رقمہ بقلمہ اسیر وصمۃ ذنبہ والمہ ظفر احمد التھانوی عفا اللہ عنہ۔ ۲۰ رجب ۱۳۵۸ھ۔

از اشرفعلی۔ السلام علیکم۔ نظر غائر کی نہ فرصت نہ قوت باقی سرسری نظر سے یہ تحقیق اقرب الی الصواب معلوم ہوتی ہے لیکن آئندہ بہتر یہ ہے کہ اس سلسلہ کو ختم کیا جائے جو حق معلوم ہو عمل کیجئے اور اگر کسی وجہ سے سلسلہ کو ختم نہیں کیا جاسکتا تو اقل درجہ مجھکو واسطہ نہ بنایا جائے۔ مولوی ظفر احمد سے خود اجازت لیکر ان سے مکاتبت کی جائے۔ والسلام۔ از تھانہ بھون۔

تتمہ سوال بالا

سوال:۔ صغریٰ نے بیان کیا کہ میرے شوہر نے دسوں مرتبہ مجھے یہ الفاظ کہدئے "میں تو کے طلاق دیہیوں تو قبول کری ھے"؟ ان الفاظ میں "دیہیوں" کے لفظ میں ادنیٰ تغیر لب ولہجہ سے ماضی ومستقبل کا فرق پیدا ہو سکتا ہے اس تغیر کو

ملحوظ رکھکر عبارت مذکورہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ میں نے تجھکو طلاق دیدی کیا تو قبول کرتی ھے ؟ دوسرے یہ کہ میں تجھکو طلاق دونگا کیا تو قبول کرتی ھے ؟ صغریٰ کا یہ بھی بیان ہے کہ شوہر نے اس کے بعد میرے ساتھ جماع کیا اھ ــــ مگر شوہر محمد یوسف نے ایقاع طلاق کا حلفاً انکار اور وعدۂ طلاق کا اقرار کرلیا۔ صغریٰ اقامت بینہ سے قاصر رہی اسلئے محکم نے جس کے پاس فریقین نے مرافعہ کیا تھا عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ صادر کردیا۔ فریقین نے جب تحریر طلب کرلی تو تحقیقات صدر میں حصہ لینے والے علماء میں سے ایک صاحب نے محض اس بناء پر کہ فریقین کو بتائے ہوئے فیصلہ پر عمل کرنا ھے ایک تحریر مع تصدیقات دیگر علماء کے لکھدی جس میں عدم ثبوت طلاق کا فیصلہ مذکورہ ظاہر کردیا گیا ساتھ ہی ساتھ شوہر کو بھی نصیحت کردی کہ اگر فی الواقع اس نے یہ الفاظ کہدئے ہوں تو اسکو عورت سے اجتناب کرنا چاہئے کیونکہ ان الفاظ سے قضاءً تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں اور چونکہ تحریر مذکور دیتے وقت اس کا مطلقاً خیال نہیں تھا کہ تحریر مذکور کو فریقین میں سے کوئی فریق موضوع بحث بنائیگا اور دوسرے علماء کے سامنے پیش کریگا اسی وجہ سے عورت کے بیان کردہ الفاظ کا اہم حصہ (کیا تو قبول کرتی ہے) اسمیں درج نہیں کیا گیا۔ اسیطرح تشریح کا دوسرا پہلو بھی ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ صرف اس پہلو کو درج کیا گیا جو مدعیہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ مفید ہوسکتا تھا اور اسی کو بسبب عدم شہادت اور بناء برانکار و حلف شوہر کے ساقط الاعتبار قرار دیکر فیصلہ کا اظہار کیا گیا کہ طلاق ثابت نہ ہوئی۔ جس ادارہ کے علماء نے یہ تحریر صادر کی اسکے معاندین نے صغریٰ کو سکھا کر فیصلہ مذکورہ سے باغی اور منحرف بنادیا اور ادارۂ مذکورہ کو بدنام کرنیکی غرض سے تحریر بالا کو جناب کے پاس بھیجدیا (حالانکہ وہ اصل بیانات کو بھی ادارہ مذکورہ سے حاصل کرسکتے تھے۔) اور غالباً جناب کو بھی اس سے بے خبر رکھدیا گیا کہ یہ تحریر بالکل سرسری طور پر لکھدی گئی ہے اور یہ کہ اصل واقعہ اور کامل بیانات کو مکمل طور پر حاصل کرنے کی کوشش کئے بدون ہی ھم اس تحریر کو روانہ کرتے ہیں (اسکی اطلاع آپکو نہیں دی) اسلئے پورا واقعہ لکھ کر التماس ہے کہ فریقین کے بیانات میں غور فرماکر حکم شرعی سے آگاہ فرمایا جائے کہ آیا الفاظ صدر سے بصورت ثبوت بھی وقوع طلاق متیقن ھے یا مشکوک ؟ اگر مشکوک ہے تو کیا اس سے محمد یوسف کا نکاح زائل ہوسکتا ہے یا نہیں ؟ اگر نہیں تو صغریٰ کا دوسرا نکاح کرنے کے لئے تیاری کرنا اور

دوسروں کا اسکو تیار کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور جو لوگ اس کو آمادہ کرتے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟

(نوٹ) بیانات مندرجۂ بالا مع نشانہائے نر انگشت و دستخط بعینہٖ موجود ہیں۔

محمد سلیم عفا اللہ عنہ۔

الجواب :۔ اگر صورتِ واقعہ وہی ہے جو اس سوال میں درج ہے تو اس صورت میں دیانۃً بھی وقوع طلاق کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا جیسا کہ قضاءً بوجہ انکار زوج وعدم اقامت بینہ از جانب مدعیہ طلاق کا ثبوت نہیں ہوا کیونکہ محمد یوسف کا یہ قول "میں تو کے طلاق دیہوں تو قبول کری ہے" بظاہر تفویض کو محتمل ہے مگر بیان واقعہ میں فریقین کے درمیان سخت اختلاف ہے مستفتیٔ اول نے اولاً جب علماء ثلاثہ کی فیصلہ کن تحریر بھیجی جس میں زوج کے الفاظ وہ نہ تھے جو اس سوال میں درج ہیں وہ الفاظ "کیا تو قبول کرتی ہے" سے خالی تھی تو اسکو متنبہ کیا گیا کہ زوج کے پورے الفاظ لکھ کر بھیجو جو علماء ثلاثہ کے دفتر میں محفوظ ہیں تو اس نے یہ جواب دیا کہ "جناب والا نے تحریر فرمایا تھا کہ محمد یوسف اور صغریٰ کے اصل بیان کی نقل لیکر بھیجو اسلئے میں نے اس کے وصول کرنیکی کوشش کی اور مختلف ذرائع سے کام لیا لیکن نقل کسی طرح دستیاب نہ ہوسکی مجبور ہوکر دو آنہ کے ٹکٹ خود حضور کے پاس بھیجتا ہوں کہ تکلیف فرماکر مولوی .... صاحب سے براہ راست طلب فرمائیں تو شاید مل جائے اتنا میں یقین دلاتا ہوں کہ محمد یوسف اور صغریٰ دونوں کا بیان میرے سامنے ہوا ہے اور میرے ساتھ .... ساکن کیاری ٹولہ اور حافظ .... ساکن ریاست دوباری بھی تھے اور یہ عریضہ لکھنے کے وقت بھی میرے پاس موجود ہیں ہم سب لوگ یقین کے ساتھ جانتے اور بیان کرتے ہیں کہ میاں بیوی کے اصل بیان میں مولوی ...... صاحب کی فیصلہ کن تحریر سے زیادہ کوئی بات نہیں ہے بجز اس بات کے کہ محمد یوسف نے بیان کیا کہ میں نے اپنی بیوی سے کہا تھا کہ کل میں مبارک پور جاؤنگا تو اپنے ایک دوست سے روپیہ

ع مگر حیرت ہے کہ مطبوعہ فتویٰ میں تحریری فیصلہ کے اندر یہ لفظ "تین قبول کرتی ہے" بڑھادیا گیا ہے جو پہلے اس میں نہ تھا اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ اس لفظ کے اضافہ کے بعد علماء ثلاثہ کا یہ قول کہ اگر واقعی محمد یوسف نے یہ لفظ کہا تو اسکی عورت مطلقہ مغلظہ ہوگئی ہے سراسر غلط ہو جائیگا کیونکہ اس زیادت کے بعد ایقاع طلاق ہی کا جزء صحیح نہیں چہ جائیکہ ایقاع ثلث کا بلکہ مدار نیت پر ہوگا اور زوج سرے سے طلاق کا منکر ہے فیا اسفا للعلم واھلہ۔ ظفر

لاؤنگا اور تم کو مہر خرچہ دیکر تمکو طلاق دیدونگا دوسری بات یہ کہ اسی رات میں جماع کی حالت میں کہا تھا کہ یہ آخری جماع ہے لیکن یہ بات بھی اس نے اپنے سے نہیں بلکہ مولوی ...... صاحب کے تلقین کرنے سے کہی تھی صغریٰ کے بیان میں صرف یہ بات زائد ہے کہ مولوی .... صاحب نے اس سے پوچھا کہ اس رات کو تم نے جماع بھی کیا تھا؟ صغریٰ نے کہا ہاں اس زائد بات کا حال یہ ہے کہ جب عورتوں نے صغریٰ سے پوچھا کہ تو یوسف کے طلاق دینے کے بعد اس کے پاس سوئی کیوں؟ تو اس نے کہا کہ یہ بات کون کہتا ہے؟ میں ہرگز نہیں سوئی عورتوں نے کہا کہ تو نے جماع کا اقرار کیا ہے؟ تب اس نے کہا کہ میں نے اس کا مطلب برتن وغیرہ جمع کرکے دھونا سمجھا تھا بہر حال اصل بیان میں اس سے زیادہ اور کوئی چیز نہیں ہے جس رات کو یہ واقعہ پیش آیا اسکی صبح ہی کو صغریٰ محمد یوسف کے گھر سے چلی آئی اور جب محمد یوسف اور اس کے باپ صغریٰ کو لینے گئے تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا اور محمد یوسف خاموشی سے سنتا رہا ایک دفعہ بھی طلاق دینے سے انکار نہیں کیا لیکن جب اسکے باپ نے کہا کہ "تب تو سب قصہ ہی ختم ہوگیا اب اس سے مہر خرچہ وصول کرو" یہ کہا اور اٹھ کر ایک تھپیڑ محمد یوسف کو مارا تب اس نے کہا کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے۔ اس واقعہ کے شاہد محمد ادریس ہیں ان کا بیان بھی مولوی ...... صاحب کے پاس قلمبند ہے اب اگر واقعہ یہ ہے جو مستفتی اول نے لکھا ہے تو دیانۃً طلاق مغلظ ہو چکی جس کا حکم وہ ہے جو میرے پہلے فتویٰ میں ہے۔ فریقین خدا سے ڈر کر جو صورت واقعہ ہو اس کے موافق فتویٰ پر عمل کریں۔ واللہ اعلم بالصواب

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون ۲۵ ؍ رجب ۱۳۵۸ھ

قال الموفق فی المغنی : وان اختلفا فی عدد الطلاق فالقول قوله کما ذکرناه (ان البینة علی المدعی والیمین علی من انکر هذا هو حکم القضاء) فاذا طلق ثلاثاً وسمعت ذالك وانکر او ثبت ذالك عندها بقول عدلین لم یحل لها تمکینه من نفسها وعلیها ان تفر منه ما استطاعت وتمتنع منه اذا ارادها وتفتدی منه ان قدرت قال احمد : لا یسعها ان تقیم معه وقال ایضا تفتدی منه بما تقدر علیه فان اجبرت علی ذالك فلا تزین له ولا تقربه وتهرب ان قدرت وان شهد عنده عدلان غیر متهمین

ع اس کا حاصل زوج کا طلاق سے انکار ہے اور یہ بات فیصلہ کن تحریر میں بھی موجود تھی۔ فلا تعارض۔ ظفر

فلا تقيم معه وهذا قول اكثر اهل العلم قال جابر بن زيد وحماد بن ابی سليمان و ابن سيرين تفر منه ما استطاعت و تفتدی منه بكل ما يمكن و قال الثوری و ابو حنيفة و ابو يوسف و ابو عبيد تفر منه وقال مالك لا تتزين له ولا تبدی له شيئاً من شعرها ولا عريتها ولا يصيبها الا وهی مكرهة - وروی عن الحسن و الزهری والنخعی يستحلف ثم يكون الاثم عليه و الصحيح ما قاله الاولون لان هذه تعلم انها اجنبية منه محرمة عليه فوجب عليها الامتناع والفرار منه كسائر الاجنبيات وكذا لو تزوجها تزويجاً باطلاً و سلمت اليه فالحكم فی هذا كله كالحكم فی المطلقة ثلاثاً »

ولو طلقها ثلاثاً ثم جحد طلاقها لم ترثه نص عليه احمد وبه قال قتادة و ابو حنيفة وابو يوسف و الشافعی وابن المنذر وقال الحسن ترثه لانها فی حكم الزوجات ظاهراً و لنا انها تعلم انها اجنبية فلم ترثه كسائر الاجنبيات وقال احمد فی رواية ابی طالب تهرب منه ولا تتزوج[ع] حتی يظهر طلاقها و يعلم ذالك يجیٔ فيدعيها فترد عليه و تعاقب و ان مات و لم يقر بطلاقها لا ترثه لا تأخذ ماليس لها تفر منه ولا تخرج من البلد ولكن تختفی فی بلدها قيل له فان بعض الناس قال تقتله هی بمنزلة من يدفع عن نفسه فلم يعجبه ذالك فمنعها من التزويج قبل ثبوت طلاقها لانها فی ظاهر الحكم زوجة هذا المطلق فاذا تزوجت غيره وجب عليها فی ظاهر الشرع[ع] العقوبة والرد الی الاول و يجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر و ذاك بباطنه[س] ولو يأذن لها فی الخروج من

ع لا يخفی علی العاقل ان قوله لا تتزوج لا يدل علی حرمة التزويج لو تزوجت وانما هو مجرد مشورة صيانة من العقاب الدنيوی كما يدل علی ذالك قوله فترد عليه و تعاقب ظفر - ع تقييده بظاهر الشرع دليل علی ان لا عقوبة عليها فی الباطن - ظفر س صريح فی انها لو تزوجت كان الآخر زوجها فی الباطن وهذا هو معنی صحة النكاح - ظفر

البلد لان ذالك يقوى التهمة فى نشوزها ولا فى قتله قصداً لان الدافع عن نفسه لايقتل قصداً فاما ان قصدت الدفع عن نفسها فآل الى نفسه فلا اثم عليها ولا ضمان فى الباطن فاما فى الظاهر فانها تؤخذ بحكم القتل مالم يثبت صدقها اھ ص۴۲ ج-۸ وفى كل ذالك دلالة على ان القول بان يستحلف الزوج ثم يكون الاثم عليه ليس من اقوال الائمة الاربعة فى شيئ واكثر اهل العلم على خلافه وانما هو قول الحسنؒ ومن وافقه والصحيح ما قاله الاكثرون فمن افتى بهذا القول ممن سماه الجهلاء باما م الهند فهو جاهل لامعرفة له بصحيح القول من سقيمه) وفيه دلالة ايضاً على ان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث اوثبت ذالك عندها بقول عدلين وانكره الزوج وجحد فالمرأة اجنبية منه محرمة عليه فى الباطن لا يحل لها تمكينه من نفسها ولا الاقامة عنده كسائر الأجنبيات (ومن ادعى انه يستلزم كون الطلاق بيد المرأة وان لها ايقاعه على نفسها فقد بغى على نفسه بالجهل والسفه فان الطلاق انما هو بيد الزوج وليس معناه ان لا يثبت حكمه مالو يقربه فلو طلق وجحد ثبت حكم الطلاق لعدم توقف وقوعه على اعترافه به الا ترى انه لوزنى بامرأته وانكر هل يحل لها ان تمكنه من نفسها ؟ كلا فهل لاحد ان يقول ان ذالك يستلزم كون الفرقة بيد المرأة سلمنا فماذا يقول لوقبلت المرأة ابن زوجها اومكنته من نفسها وانكره الزوج فهل يجوز لها ان تقيم معه وتعاشره معاشرة الازواج ؟ فافهم) وفيه دلالة ايضاً على انها لا ترثه لانها تعلم انها اجنبية عنه كسائر الاجنبيات ومقتضى هذا التعليل انها لوتزوجت بآخر جاز لها ذالك ديانةً ويكون الاخر زوجها بالباطن وانما منعها احمد من التزويج مخافة ان يجئ الاول فيدعيها فترد عليه وتعاقب وكيلا يجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذاك بباطنه فلو امنت من مجيئ الاول وادعائه اياها لكونها فى منعة من قومها او لكونها فى بلدة لا قاضى بها لم تمنع من التزويج وهذا هو قول اصحابنا الحنفية شكر الله سعيهم قال المحقق فى فتح القدير

سئل نجم الدین النسفی عن رجل حلف بالطلاق الثلاث وظن انه لم یحنث فافتیت المرأة بوقوع الثلاث وخافت ان اعلمته بذالک ان ینکر هل لها ان تستحل بعدها یفارقها بسفر وتامره اذا حضر بتجدید العقد قال نعم دیانة اه (ص۳۸ ج-۲) لم یذکر فیه خلافاً و ابن الهمام اعرف الناس بمذهب ابی حنیفة و اختلاف اصحابه (فهل یقول الجاهل الذی لقّبه السفهاء بامام الهند بان ابن الهمام ونجم الدین النسفی کلاهما جاهلان اومفسدان ؟ کلا بل الجاهل من جهلهما والمفسد من نسبهما الی الفساد) وفی قوله: وخافت الخ دلالة علی انها لو لم تخف منه جاز لها ان تستحل علانیةً لان کل ما جاز سراً فهو جائز علناً اذا لم یکن فی الاعلان به فتنة وقد عرف ان نکاح التحلیل مؤبد لیس بموقت اصلاً۔ فمن ادعی انها لایجوز لها ان تتزوج بآخر علانیةً مطلقًا فقد خلع ربقة العلم والفقه عن عنقه وهذه حادثة الفتوی افتیت فیها بان المرأة اذا سمعت من زوجها الطلاق الثلاث لم یحل لها تمکینه من نفسها وعلیها ان تفر منه وتخرج من بیتها او تفتدی منه ان قدرت ولها ان تعتد وتتزوج بآخر بعد العدة وتحلل نفسها فان طلقها فلها ان ترجع الی الاول فخالفنی فی ذالک بعض من لامساس له بالفقه وتشبث باقوال مَن لقّبه السفهاء بامام الهند ونحوه وهو ملحد فی دین الله محرف لکلامه یدل علی ذالک تفسیره بالهندیة ویشهد علیه اعماله واحواله واحتج بان الطلاق بید الزوج لا بید المرأة والزوج منکر للطلاق فهی امرأته فی القضاء فلا یجوز لها ان تعتد وتتزوج بغیره دیانةً ولا قضاءً ما لم یقر الزوج بالطلاق او تختلع منه وادعی ان الافتاء بالتزوج بغیره خلاف المذهب الصحیح ولا دلیل یدل علی ذالک من الکتاب والسنة واقوال الفقهاء فاجبت بان ذالک هو مقتضی قول الله عز وجل فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره فقد دلّ علی ان الطلاق الثلاث یحرّم المرأة علی الاوّل ویبیح لها ان تنکح زوجاً غیره مطلقاً سواء اقر به الزوج او انکر وهو قول اکثر اهل العلم ماخلا الحسن البصری ومن وافقه وهذا هو مقتضی اطلاق المتون قال فی البحر واطلق فشمل ما اذا کان الزوج الاوّل معترفاً

بالطلاق الثلاث او منكراً بعد ان كان الواقع الطلاق الثلاث ولهذا قالوا
لو طلقها ثلاثاً وانكرلها ان تتزوج بآخر وتحلل نفسها سراً منه (وما كان
مباحاً سراً فهو مباح علناً وانما اشاروا عليها بالتحليل سراً لان القاضى لايقبل
قولها من غير بينة ولو تزوجت علناً ردها القاضى الى الاول وعاقبها وعاقب
الزوج الثانى كما هو ظاهر) اذا غاب فى سفر فاذا رجع التمست منه تجديد النكاح
لشك خالج قلبها (وهذا هو ما ذكره المحقق فى الفتح ولم يذكر فيه خلافاً كما مر)
وقد ذكر فى القنية خلافاً (ولا عبرة بنقله ما لم يتأيد بنقل غيره من الثقات و
اما مجرد ذكر صاحب البحر وصاحب الدر قول القنية فلا يدل على ثبوت الخلاف
فى المسئلة) فرقم للاصل بانها ان قدرت على الهروب منه لم يسعها ان تعتد
وتتزوج بآخر لانها فى حكم زوجية الاول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز
شمس الائمة الاوزجندى وقال قالوا هذا فى القضاء ولها ذالك ديانة (هذا
هو الذى افتيت به وجمعت به بين القولين وصرح به العلامة الشامى فماذا
يقول الذى لقبه السفهاء بامام الهند فى شمس الائمة الاوزجندى هل هو
جاهل او مفسد ؟ قاتلهم ان يؤفكون. فتبا للعقول المعكوسة والقلوب
المنكوسة حيث ردته قائلة بان ذالك من ابحاث الشامى ولا عبرة بابحاث ابن
الهمام فما ظنك بمن هو دونه ولا يشك عاقل فى انه ليس من ابحاث الشامى
قط وانما هو من اقوال المشائخ منقول عن كثيرين منهم) قال وكذالك ان
سمعته طلقها ثلاثاً ثم جحد وحلف انه لم يفعل وردها القاضى عليه لو
يسعها المقام معه ولم يسعها ان تتزوج بغيره ايضاً (لانها لو تزوجت بعد
ما ردها القاضى على الاول اجتمع عليها زوجان هذا بظاهر الامر وذالك
بباطنه فلا دلالة فيه على عدم جواز التزويج لو امنت من رد القاضى اياها
عليه لكونها فى منعة من قومه او ببلدة لا قاضى بها فافهم) قال يعنى البديع
والحاصل انه على جواب شمس الاسلام الاوزجندى ونجم الدين النسفى و
السيد ابى شجاع وابى حامد والسرخسى يحل لها ان تتزوج بزوج آخر فيما
بينها وبين الله تعالىٰ (فماذا يقول الذى لقبه السفهاء بامام الهند فى

هؤلاء الاجلة الفقهاء هل کانوا کلهم مفسدین او جهلاء؟ فانهم قد افتوا بما افتیت به واتبعوا ما اقتدیت به) وعلی جواب الباقین لایحل انتهی (قلت جواب الباقین مقید بما اذا ردها القاضی علی الاول او خافت ان یردها علیه فلاتتزوج علنًا وانما تحلل نفسها سرا کما تقدم) وفی الفتاوی السراجیة: اذا اخبرها ثقة ان الزوج طلقها وهو غائب وسعها ان تعتد وتتزوج ولو بقیده بالدیانة (فکیف لو شهد عندها عدلان او سمعت الطلاق باذنیها) قال المصنف (ای صاحب الکنز) وقد نقل ــــــ (الی) طلق امرأته ثلاثا وغاب عنها فلها ان تتزوج بزوج آخر بعد العدة ــــــ ونقل آخر انه لایجوز فی المذهب الصحیح اهـ قلت:- انما رقم شمس الائمة الاوزجندی وهو الموافق لما تقدم عنه (قلت: هو قول السرخسی ایضاً کما مر) والقائل بانه المذهب الصحیح العلاء الترجمانی (قلت: هذا هو حجة الخصم الذی خالفنی فی حادثة الفتویٰ وزعم ان العدول عن المذهب الصحیح باطل ولم یدر المسکین ان المذهب الصحیح لایثبت بنقل صاحب القنیة وحده ولا بقول العلاء الترجمانی فحسبه فهل یجوز لعاقل ان یترک شمس الائمة الاوزجندی ونجم الدین النسفی والسید ابا شجاع و ابا حامد والسرخسی وهم ائمة اجلة اعلام مشهورون بنقل المذهب و معرفته بالافتاء بخلاف المذهب الصحیح ویجعل ما ذکره العلاء الترجمانی مذهباً صحیحاً؟ کلا فان حمل علی القضاء فذاک والا فهو مشکل مخالف لتصریحات الفقهاء کافة کما قاله العلامة الشامی واذا کان کذالک فلا یکون ما قاله الترجمانی مذهباً صحیحاً مالم یتبین حاله ویعرف طبقته فی الفقهاء فانه کما اظن رجل مجهول لا سیما والناقل عنه هو صاحب القنیة وحده ولا عبرة بنقله مالم یتأید بنقل غیره من الثقات کما هو معروف عند الفقهاء) ثم رقم بعده لعمر النسفی وقال حلف بثلاثة فظن انه لم یحنث وعلمت الحنث وظنت انها لو اخبرته ینکر الیمین فاذا غاب عنها بسبب من الاسباب فلها التحلل دیانة لا قضاءً (هذا هو الذی نقله المحقق عن نجم الدین النسفی ولم یذکر فیه خلافاً وهو اعرف الناس بمذهب الحنفیة و

اصوله) قال عمر النسفى سألت عنها السيد ابا شجاع فكتب انه يجوز ثم سألته بعد مدة فقال انه لايجوز والظاهر انه انما اجاب فى امرأة لايوثق بها اه كذا فى شرح المنظومة (قلت: ويحتمل انه افتى بالديانة مرة وبالقضاء اخرىٰ اوافتى مرة فيمن قدرت على الفرار من الزوج الاول وامنت الرد عليه واخرىٰ فيمن لم تقدر على ذالك فافهم)-

وفى البزازية: شهد (قلت: واما اذا كانت ببلدة لاقاضى بها فحضور الزوج وغيبته سواء لانه ان انكر لم يحتج الى القضاء بالفرقة كما لايخفى وهذا اذا شهد بالطلاق الثلاث واحد واما اذا شهد به ثقتان فهو اذا سمعته باذنيها يجب عليها ان تفرمنه ولها ان تتزوج بآخر سرا لتحلل به نفسها اذا كانت ببلدة بها قاض يخاف ان يردها على الاول او علنًا ان امنت ذالك كله لانها تعلم انها اجنبية منه محرّمة عليه فلها من الحكم ما للاجنبيات ومن ادعىٰ غير ذالك فعليه البيان) وفيها سمعت بطلاق زوجها اياها ثلاثًا ولاتقدر على منعه الابقتله ان علمت انه يقربها تقتله بالدواء ولاتقتل نفسها (صريح فى كونه اجنبيا عنها فيما بينهما وبين الله تعالىٰ) وذكر الاوزجندى انها ترفع الامر الى القاضى فان لم يكن لها بينة تحلفه فان حلف فالاثم عليه (قد تقدم انه ليس من اقوال الائمة الاربعة فى شئ وليس بصحيح وانما هو قول الحسن البصرى ومن وافقه وخالفه فى ذالك اكثر اهل العلم) وان قتلته فلاشئ عليها والبائن كالثلاث (صريح فى انها لاتحل للاول بعد حلفه ايضًا والالم يجز لها ان تقتله) وفى التتارخانية وسئل الشيخ ابو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها انه طلقها ثلاثًا ولاتقدر ان تمنعه نفسها بل يسعها ان تقتله فى الوقت الذى الذى يريد ان يقربها ولاتقدر على منعه الا بالقتل فقال لها ان تقتله وهكذا كان فتوى الشيخ الامام شيخ الاسلام عطاء بن حمزة ابى شجاع وكان القاضى الامام الاسبيجابى يقول ليس لها ان تقتله وفى الملتقط وعليه الفتوىٰ (محمول على انها لا تقتله

قصداً لان الدافع لا یقصد القتل ولها ان تدفعه عن نفسها بما امکن ولو آل
الی نفسه فلا شئ علیها فی الباطن کما مر فی قول احمدؒ) وفی فتاوی الشیخ الامام
محمد بن الولید السمرقندی فی مناقب ابی حنیفة عن عبد الله بن المبارک عن
ابی حنیفةؒ ان لها ان تقتله وفی المحیط فی مسئلة النظم وینبغی لها ان تفتدی
بما لها وتهرب منه فان لو تقتدر قتلته متی علمت انه یقربها ولکن ینبغی
ان تقتله بالدواء ولیس لها ان تقتل نفسها قلت: قال فی الملتقی وان قتلته بآلة
یجب علیها القصاص اھ (ص۵۸ ج ۴) (لانها فی ظاهر الحکم قتلت زوجها عمداً
وان کانت فی الباطن قد قتلت من اراد ان یزنی بها فلا ینبغی ان تقتله بالآلة
کیلا تقتل به وفی کل ذالک من الاقوال دلالة صریحة علی کون المرأة اجنبیة
عن زوجها محرمة علیه اذا سمعت منه الطلاق الثلاث او شهد به عدلان
فلها ان تعتد وتتزوج بآخر سرا وتحلل نفسها لو خافت ان یدعیها فترد
علیه وتعاقب او علناً لو امنت ذالک ولو تخف ولا یجوز لها المقام عنده ولا
ان تجدد بینها وبینه عقد النکاح حتی تنکح زوجاً غیره قال فی البزازیة سمع
رجل من امرأة انها مطلقة الثلاث والزوج یقول لا بل مطلقة اثنتین لا یسع
لمن سمع منها ان یحضر نکاحها (ای بهذا المطلق) ویمنعها ما استطاع اھ
من البحر (ص۵۹ ج ۵) واما حمل الخصم هذا القول علی معنی انه لا یسع لمن سمع
منها ان یحضر نکاحها بآخر غیر المطلق لکونها زوجة المطلق حکما وقضاءً
فتاویل باطل قطعاً اما اولاً فلان صاحب البحر انما ذکره فی تائید ما ذکره
قبل من قبول قول المرأة دون الزوج ولا یخفی ان قبول قول المرأة انما هو
فی المنع من حضور نکاحها بهذا المطلق لکونها تدعی حرمتها علیه واما ثانیاً
فلان التاویل الذی ذکره الخصم یرده ما فی البحر بعد ذالک عن البزازیة ایضاً
وفیها قالت طلقنی ثلاثاً ثم ارادت تزویج نفسها منه (لکونه ینکر الطلاق الثلاث)
لیس لها ذالک اصرت علیه او کذبت نفسها اھ ص۵۹ ج ۴ واذا لو یکن لها ذالک
وجب علی من سمع منها ان یمنعها من النکاح بهذا المطلق ما استطاع واذا شهد
عند المرأة شاهدان عدلان ان زوجها طلقها ثلاثاً وهو یجحد ذالک لو یسعها

ان تقوم معه وان تدعه یقربها فان حلف الزوج علی ذالک فردها القاضی علیه لا یسعها المقام معه وینبغی لها ان تفتدی بمالها او تهرب منه فان لم تقدر علی ذالک قتلته متی علمت انه یقربها لکن ینبغی ان تقتله بالدواء ولیس لها ان تقتل نفسها واذا هربت منه لم یسعها ان تتزوج بزوج آخر قال الشیخ شمس الائمة الحلوانی فی کتاب الاستحسان هذا جواب الحکم واما فیما بینها وبین الله تعالیٰ اذا هربت فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر کذا فی المحیط اھ عن العالمگیریة ص۱۳۰ ج۲ — قلت: وهذا الذی ذکره من حکم الدیانة مسکوت عنه فی قول محمد واکثر العلماء وقد صرح به المشائخ الاعلام وحکم القضاء هو المراد بقول العلاء الترجمانی انه لا یجوز لها التزویج بآخر فی المذهب الصحیح اھ ای هو المذهب الصحیح قضاءً لا دیانةً ولکن هذا آخر الکلام مع الخصم الالد الخصام والعلم لله الملک العلام والصلوٰة والسلام علی سید الانام سیدنا النبی محمد علی الدوام وعلی آله واصحابه البررة الکرام الی یوم القیام والحمد لله الذی بعزته وجلاله ونعمته تتم الصّٰلحٰت

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه - ۲۷ رجب ۱۳۵۸ھ

از تھانہ بھون

فصل فی الخلع واحکامہ والطلاق علی مال

ماں باپ کے کہنے سے عورت خلع لے سکتی ہے یا نہیں

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں (۱) کہ اپنے ماں باپ کے کہنے پر عورت خلع لے سکتی ہے؟

(۲) عورت ماں باپ کے گھر میں ہے۔

(۳) عورت مہر کے ساتھ خلع چاہتی ہے کیا درست ہے ؟

(۴) شوہر کہے کہ میری شادی کا خرچہ عورت دے تو خلع دیتا ہوں اس کا کہنا جائز ہے ؟

الجواب:۔ (۱) محض والدین کے کہنے سے عورت کو خلع لینا جائز نہیں بلکہ اس وقت جائز ہے جبکہ عورت یہ جان لے کہ مجھے اس شوہر کے ساتھ موافقیت اور نباہ نہیں ہوسکتا

قال فی الدر : ولا بأس به عند الحاجة للشقاق بعدم الوفاق اھ

(۲) اگر عورت ماں باپ کو وکیل بنادے تو وہ اسکی طرف سے وکالۃً خلع لے سکتے ہیں۔

(۳) اگر بضرورت خلع لے رہی ہے تو مہر کیساتھ خلع کرنا جائز ہے۔

(۴) اگر زیادتی مرد کی جانب سے ہے تو اسکو بشرط معافی مہر کرنا بھی جائز نہیں اس سے زیادہ کی شرط کرنا تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگی اور اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہے تو شرط معافی مہر تو بلا کراھت جائز ہے اور اس سے زیادہ لینا مکروہ تنزیہی ہے

قال فی الدر:۔ وکرہ تحریماً اخذ شئ ویلحق به الابراء عمالها علیه ان نشز وان نشزت لا ولمنه نشوز ایضاً ولو باکثر مما اعطاها علی الاوجه وتعبیر الملتقی بلا باس به یفید انها تنزیهیة وبه یحصل التوفیق اھ (ص۹۲۳)

بشرط معافی مہر طلاق کی ایک صورت

(سوال) اگر کوئی شخص یہ شرط کرلے کہ تم میری لڑکی کو طلاق دیدو وہ شخص اس شرط پر طلاق دیدے کہ "تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق)۔ کیا یہ طلاق مقبول ہوگی۔ اگر وہ مہر کا پھر دعویٰ کرلے تو کیا طلاق واقع ہوگی ؟

الجواب:۔ ان الفاظ سے ابھی طلاق کا وقوع نہیں ہوا چاہے دوسرے فریق دعویٰ مہر کرے یا نہ کرے بلکہ وقوع طلاق اس شخص کی موت کے وقت ہوگا جس شوہر نے

یہ کہا ہے کہ اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو لانہ ح یظھر عدم ادعاءہ یا اس وقت ہوگا جبکہ دوسرا شخص مہر سے شوہر کی براءت اور اپنا لادعویٰ ہونا پوری پختگی کے ساتھ چند گواہوں کے سامنے تحریر کردے کہ عرفاً اس سے بھی دعویٰ کا عدم متحقق ہوجاتا ہے اور محاورہ کے موافق اگر اس شخص سے جس نے یہ قول زبان سے کہا ہے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو تو طلاق" اس طرح کی تحریر کے بعد دریافت کیا جائے کہ آیا تیری شرط متحقق ہوگئی یا نہیں؟ تو وہ ضرور کہدیگا کہ ہاں، اب شرط متحقق ہوگئی کیونکہ مقصود اس قول سے کہ "اگر تم مہر کا دعویٰ نہ کرو" یہ ہے کہ مجھے عدم دعویٰ کا اطمینان ہوجائے جسکی ایک صورت موت بھی ہے اور عرفاً ایک صورت یہ بھی ہے جسکو محاورات میں عدم دعویٰ کا مصداق سمجھتے ہیں ومثل ذالك یعتبر فی الکلام وفی الفنا وی رجل عاتبتہ امرأة فی شرب الشراب فقال: ان ترکتُ شربہ ابداً فانت طالق ان کان یعزم ان لایترك شربھا لایحنث وان کان لایشربھا کذا فی الخلاصة اھ من العالمگیریة (ص ۱۱۰-ج -۲) فقد جعل عزم الشرب شرباً مع ترکہ ظاھراً تبعاً للمحاورة والعرف فینبغی ان یکون فی الصورة المذکورة ایضاً کذالك فان اقرار الرجل عند الحاکم ببرأة الخصم من المھر والشھادة علی کتابتہ بالبرأة منہ وان الکاتب لا یستحق دعویٰ علی ذالك اصلاً بمنزلة عدم الدعویٰ عرفاً وھذا ھو الذی یریدہ المتکلم بقولہ اگر تو دعویٰ نہ کرے

قال فی الدر وغیرہ :۔ فی ان لم اطلقك یقع فی آخر عمرہ الخ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۹۔ شعبان ۱۳۴۳ھ

شوہر بذریعہ خط اپنے باپ کو وکیل بالخلع بنادے۔ اور عورت کا اس سے خلع کا مطالبہ کرنا اور ایسی صورت میں خلع کے بعد نکاح ثانی کرنا۔

(سوال) ہمارے شہر کا ایک شخص مسمّٰی بہ میر عالم المعروف بہ فقیر محمد تقریباً دس سال سے ملک برما چھاونی رنگون پولیس میں ملازم ہے نامبردہ کاتب بھی ہے اس عرصہ میں اسکی کتابت ہم سے رہی اس کے خط سے ہم بخوبی واقف ہیں شناخت کرسکتے ہیں اسکی منکوحہ وطن میں تھی جسکو وہ بغیر شادی کے سسرال کے گھر چھوڑ گیا تھا ایک سال ہوا کہ میر عالم کی خوشدامن نے لڑکی کو دوسری جگہ دینا چاہا میر عالم کے والد سے کہا کہ یا تو اسکو بلاؤ آکر شادی کرے یا میری لڑکی کو طلاق دیدے کہ میں دوسری جگہ شادی کردوں والد میر عالم نے خط وکتابت شروع کی کبھی وہ

آنیکا وعدہ کرتا اور کبھی وہ طلاق کا وعدہ کرتا آخر والد کے مجبور کرنے پر اس نے لکھ دیا کہ یہ عورت میرے کام کی نہیں میں شادی نہیں کرتا آپ میری طرف سے مختار ہیں اتنا روپیہ اگر دیوے تو بیشک کر دو آپ کا فیصلہ مجھے منظور ہوگا یہ خط سابقہ تحریروں کے موافق تھا مشابہ تام حتی کہ ہم نے اسی کا ظن کرکے والد سے طلاق دلوائی۔ اور خلع وصول کرلیا والد نے فارغ خطی لکھدی ہے اب میں مسماۃ کا دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتا ہوں کیونکہ میں شہر کا امام ہوں اور کل واقعات اور خط وکتابت سے اور مشابہت خطوط سے اور دیگر قرائن سے ظن غالب صحت ہے اور ایک مولوی صاحب دوسرے شہر کے الخط یشبہ الخط سے استدلال کرکے مختار نامہ کو غلط قرار دیتے ہیں فریقین میں کوئی نزاع نہیں فقط مولوی صاحب معترض ہیں۔

(۱) کیا مختار نامہ صحیح اور طلاق واقع ہوئی ہے اور اسکا نکاح میں دوسری جگہ پڑھا سکتا ہوں یا نہیں؟

(۲) اگر سابقہ تحریر غیر معتبر عند الشرع ہے تو رجسٹری خطوط سے یا اور کسی طریق سے ہم اسکی قلمی فارغخطی منگا کر دوسری جگہ نکاح کرکے دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب:- (۱) قال فی الخلاصۃ:- والکتابۃ علی ثلثۃ اوجہ ان کتب علی وجہ الرسالۃ وھو ان یکتب علی صحیفۃ مصدراً معنوناً وثبت ذالک باقرارہ وبینۃٍ فھو کالخطاب اھ

وفیہ ایضاً:- ولو جحد الزوج الکتاب وقامت علیہ البینۃ انہ کتب بیدہ فرق بینھما اھ (ص ۹۱ ج-۲)

اس سے معلوم ہوا کہ معاملات میں خط اس وقت حجت ہے جبکہ کاتب کے اقرار یا بینۃ سے یہ ثابت ہو جائے کہ یہ اس کا خط ہے نیز اگر کاتب خط کا انکار کردے تو محض تشابہ خط سے اسکو مجبور نہیں کیا جا سکتا بلکہ بینۃ عادلۃ (یعنی دو گواہ) اگر شہادت دی کہ یہ خط کاتب نے ہمارے سامنے لکھا ہے اس وقت اسکو مجبور کیا جا سکتا ہے۔ اور باقی مکتوب الیہ کو اسکے خط کی شناخت ہونا اور اس سے غلبہ ظن ہونا یہ معاملات میں کافی نہیں البتہ دیانات میں کافی ہے پس صورت مسئولہ میں یہ خلع اس وقت صحیح ونافذ ہوگا جبکہ میر عالم اقرار کرے کہ یہ خط میرا ہی ہے یا دو مسلمان عادل گواہی دیں کہ اس نے ہمارے سامنے لکھا ہے جب تک وہ اقرار نہ کرے یا بینۃ قائم نہ ہو اس وقت تک اس عورت کا نکاح دوسری جگہ نہ کیا جائے۔

(۲) رجسٹری خطوط اور قلمی فارغخطی بھی تحریر ہی ہونگی اس کے لئے بھی اقرار یا بینہ کی ضرورت ہوگی۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ ذی الحجہ ۴۴ھ

رسالہ "قطع اللجاج فی بعض احکام الخلع والطلاق وتعدد الازواج" (خلع طلاق مغلظ اور تعدد ازواج کے متعلق چند سوالات)

(سوالات) مکرم ومحترم سیدی مولانا اشرف علی صاحب دام الطافکم: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ؛

میں خدمت سامی میں چند استفسارات پیش کرکے آپکی اسلامی اخوت اور قومی ہمدردی سے متوقع ہوں کہ آپ اپنے اوقاتِ عزیزہ کے چند لمحہ صرف کرکے حتی المقدور جلد انکے جواب دینے کی کوشش کرینگے جواب کی آسانی کیلئے سوالات کے سامنے نصف کالم سادہ چھوڑ دیا ہے تاکہ آپکو سوالات نقل کرنیکی زحمت نہ ہو اور انکے محاذ میں صرف جواب لکھکر یہاں بھیجدیا جائے اگرچہ یہ تمام سوال ضروری معلوم ہوتے ہیں تاہم اگر آپ کو کسی سوال کا جواب دینے میں کسی وجہ سے تامل ہو تو اُسے چھوڑ کر بقیہ کا جواب تحریر فرمادیا جائے میں آپ کی اس تکلیف کا (منجانب ریاست) شکرگذار ہونگا۔ فقط خیر طلب ضیاء العلوم مفتی محمد انوار علی ایم اے منشی فاضل سکریٹری صحت عامہ وتعلیمات گورنمنٹ بھوپال عبدالرزاق۔ ۲۹ نومبر ۲۸ء

متعلق خلع:-

(۱) کیا حضور سرورکائنات علیہ افضل الصلوٰت والتحیات کے عہد مبارک میں خلع کا کوئی واقعہ ہوا تھا۔؟

(۲) اگر ہوا تھا تو اس کا فیصلہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ یا کسی اور نے؟

(۳) اس فیصلہ میں تفریق محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر کی گئی تھی یا اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کرنیکے بعد اسکی بناء پر حکم صادر فرمایا گیا تھا۔؟

(۴) اس میں تفریق کا مرد کو حکم دیا گیا تھا یا اسکی مرضی پر چھوڑ دیا گیا تھا۔

(۵) تفریق کے ساتھ کوئی شرط لازم کی گئی تھی یا نہیں؟

(۶) زمانہ مابعد میں فتویٰ اس فیصلے کے مطابق رہا یا اس میں کچھ ترمیم کی گئی؟

(۷) اگر کچھ ترمیم ہوئی تو کیا اور کن وجوہ اور دلائل کی بناء پر ایسا کیا گیا؟

؎ لما صار السوال والجواب قدراً معتدا بہ جعلہ سیدی حکیم الامۃ رسالۃ مستقلۃ وسماہ بہ۔ ظفر

متعلق طلاق مغلظہ

(۱) کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں طلاق مغلظہ کے واقعات پیش آئے تھے اور اگر آئے تھے تو انکی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک کیا تھا۔

(۲) کیا ایک وقت میں تین طلاقیں دینا آیت "الطلاق مرتان" کے خلاف نہیں ہے

(۳) عہد خلفائے راشدین کا دستور العمل کیا تھا؟

(۴) آئمہ اربعہ کے اس بارہ میں اقوال کیا ہیں؟

(۵) آپ کی ذاتی رائے اس معاملہ میں کیا ہے؟

متعلق تعدد ازواج

قرآن حکیم نے ایک بیوی کے ہوتے ہوئے مزید نکاح ایک خاص شرط پہ مشروط کیا ہے لیکن بالعموم اب لوگ اس کا خیال کئے بغیر محض نفسانی خواہشات کی بناء پر ایسا کرتے ہیں اور فرمان الہٰی "فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ" کو فراموش کیے ہوئے ہیں اس لئے اگر کوئی اسلامی ریاست قرآن کے فرمان کی اتباع میں قانوناً کوئی ایسی قید عائد کر دے کہ مثلاً کوئی شخص جب تک اپنی ضرورت اور استطاعت عدل کی بابت قاضی کو اطمینان دلا کر اس کی اجازت حاصل نہ کرے تب تک وہ اس کا مجاز نہ ہو۔ تو کیا آپ کی رائے میں یہ مناسب ہوگا یہاں یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ ہمارے یہاں قانوناً ہر نکاح محکمہ قضاء کی اجازت کا محتاج ہے اور اگر کوئی شخص اجازت کے بغیر نکاح پڑھ دے تو فریقین کے ساتھ وہ بھی ملزم قرار دیا جاتا ہے اسلئے اگر بالفرض مجوزہ بالا صورت آپ کے نزدیک نامناسب ہو تو کیا پھر مجوزہ حالت معاملات مذہبی میں مداخلت نہیں ہے۔ اسکی نسبت آپ کا کیا خیال ہے فقط

الجواب واللہ الموفق للصواب

تقریر جواب سے پہلے یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ سوال جس صورت سے کیا گیا ہے وہ خلاف قاعدہ ہے کیونکہ کسی معاملہ کے متعلق یہ دریافت کرنا کہ اس کا کوئی واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں پیش آیا تھا یا نہیں۔ محض امر زائد ہے۔ قانون اسلام مکمل قانون ہے اسمیں قیامت تک پیش آنے والے واقعات کا حکم موجود ہے خواہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آئے ہوں یا نہ آئے ہوں اور ظاہر ہے کہ جو قانون قیامت تک کے واقعات کو محیط ہوگا وہ صرف اُن واقعات کے ساتھ مخصوص کیونکر

ہوسکتا ہے جو حضورؐ کے زمانہ میں پیش آئے ہوں

دوسرے : فاضل مستفتی کو معلوم ہے کہ اس زمانہ میں مجتہد کوئی نہیں بلکہ جملہ علماء مقلد ہیں جو اس قانون کے موافق جو مجتہدین اُمت قرآن واحادیث سے مستنبط کرکے مدون کر گئے ہیں فتوے دیتے ہیں پس ان علماء مقلدین سے یہ سوال کرنا کہ اس واقعہ میں حضورؐ نے کیا فیصلہ کیا اور یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پیش آیا تھا یا نہیں؟ امر زائد ہے بلکہ ان سے تو صرف اتنا سوال کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ مجتہدین نے قرآن وحدیث سے مستنبط کرکے جو قانون اسلام مدون کیا ھے اس میں اس واقعہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ پس جس صورت کے سوال ھمارے سامنے ھے اس صورت پر جواب دینا ھمارے ذمہ لازم نہیں مگر تبرعاً محض اس غرض سے ہم فاضل مستفتی کے ہر سوال کا جواب دیتے ہیں کہ شاید کسی کو مجتہد کا ماخذ اور دلیل معلوم کرنیکا شوق ہو تو اس کا یہ شوق بھی پورا ہوجائے اس ضروری گذارش کے بعد ھم سوالات کا جواب شروع کرتے ہیں واللہ الموفق

جواب سوال اوّل متعلق خلع

محترم سائل نے اس کے متعلق متعدد سوالات کئے ہیں اور یہ کچھ ظاہر نہیں کیا کہ ان سوالات کثیرہ کا منشا کیا ہے؟ بظاہر ھم نے جو اُن کا منشا سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ سائل محترم خلع کو اور تفریق بالخلع کو حاکم کے فیصلہ پر منحصر رکھنا چاہتے ہیں اور یہ کہ بدون فیصلہ حاکم کے خلع معتبر نہ ہو اگر یہی منشا ھے جو ھم سمجھے ہیں تو سائل محترم کو معلوم ہونا چاھیئے کہ شرعاً خلع حاکم اسلام کی اطلاع اور اس کے فیصلہ پر موقوف نہیں بلکہ بدون علم حاکم و بغیر اطلاع حاکم بھی مرد اپنی بیوی سے یا زوجہ اپنے مرد سے بتراضی خلع کرسکتی ہے اور جب زوجین بتراضی باھم خلع کرلیں تو خلع سے ایک طلاق بائن عورت پر واقع ہوجائیگی اگر اس سے زائد کا نام نہ لیا گیا ہو یا زوج نے زائد کی نیت نہ کی ہو اور اگر دو یا تین طلاق پر خلع کیا گیا ہو تو جس عدد کا نام لیا گیا ہے وہی واقع ہوگا یا زوج نے لفظ خلع سے تین طلاق کا قصد کیا ہو تو تین ہی واقع ہونگی :

قال فی الھندیة :- الخلع ازالة ملك النكاح ببدل بلفظ الخلع كذا فی فتح القدير ـ وشرطه شرط الطلاق وحكمه وقوع الطلاق البائن كذا فی التبيين ويصح نية الثلاث فيه ـ حضرة السلطان ليس بشرط لجواز الخلع عند عامة العلماء والصحيح قولهم كذا فی البدائع : اذا تشاق الزوجان وخافا ان لا

یقیما حدود اللہ فلا بأس بان تفتدی نفسہا منہ بمال یخلعہا بہٖ فاذا فعلا ذالک وقع تطلیقۃ بائنۃ ولزمہا المال کذا فی الھدایۃ اھ (ص۳۷۱ - ج-۲)

وفی رحمۃ الامۃ : واتفق العلماء علی ان المرأۃ اذا کرھت زوجہا بقبح منظر او سوء عشرۃ جاز لہا ان تخالعہ علی عوض وان لم یکن من ذالک بشئ وتراضیا علی الخلع من غیر سبب جاز ولم یکرہ الخ (ص۱۰۰)

اب اس کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

روی مالک فی المؤطا والشافعی عنہ عن ھشام عن ابیہ عن جمھانؑ عن ام بکرۃ الاسلمیۃ انہا اختلعت من زوجہا عبد اللہ بن خالد بن اسید ثم اتیا عثمان فی ذالک فقال ھی تطلیقۃ الا ان تکون سُمّیت شیئًا فہو ما سمّیت اھ کذا فی التلخیص الحبیر (ص ۳۱۶ ج - ۲)

اس سے صرف ثابت ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم کے خلع کرلیا پھر حضرت عثمان کی طرف رجوع کیا تو انہوں نے فرمایا کہ خلع ایک طلاق ہے مگر یہ کہ اس سے زائد کا نام لیا گیا ہو تو جو کہا گیا ہو وہی واقع ہوگا۔ معلوم ہوا کہ تفریقِ خلع کا مدار حاکم کی تفریق پر نہیں بلکہ لفظ خلع خود ایک طلاق ہے امام مالک نے مؤطا میں روایت کیا ہے۔ عن نافع ان ربیع بنت معوذ بن عفراء جاءت ھی وعمہا الی عبد اللہ بن عمر فاخبرتہ انہا اختلعت من زوجہا فی زمان عثمان بن عفان فبلغ ذالک عثمان فلم ینکرہ وقال عبد اللہ بن عمر عدتہا عدۃ المطلقۃ اھ (ص ۷۴-ج۳ مع الزرقانی)

اس میں بھی تصریح ہے کہ زوجین نے بدون اطلاع حاکم خلع کرلیا جب حضرت خلیفہ کو اسکی خبر پہونچی تو آپ نے اسپر انکار نہیں کیا اور عبد اللہ بن عمر نے خلع کو طلاق قرار دیا پس خلع کو یا تفریق بالخلع کو فیصلۂ حاکم پر موقوف کرنا غلط ہے اور اگر ایسا کیا گیا تو یہ مداخلت فی الدین میں داخل ہوگا۔ اب میں محترم مستفتی کے سوالات کا جواب بھی دینا چاہتا ہوں جو خلع کے متعلق انہوں نے کئے ہیں۔

ؑ قال الحافظ وضعفہ احمد بجمھان اھ۔ قلت: قال الحافظ فی التقریب مدنی قدیم مقبول من الثالثۃ اھ وفی تہذیب التہذیب ذکرہ مسلم فی الطبقۃ الاولیٰ من اھل المدینۃ و ذکرہ ابن حبان فی الثقات (ص۱۱۱ ج-۲) فالحدیث صحیح ولا اقل ان یکون حسناً۔ ظفر۔

(الف) ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں بھی خلع کا واقعہ پیش آیا ہے جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے اور اس سے پہلے اس امر کی تصریح کر دی ہے۔

و اجاز عمر الخلع دون السلطان (ای بغیر اذنہ) کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو بدون اطلاع حاکم وسلطان کے بھی جائز قرار دیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں مصنف ابن ابی شیبہ سے اسکو موصولاً اسطرح روایت کیا ہے کہ بشر بن مروان (حاکم مدینہ) کے پاس ایک مرد و عورت کے خلع کا واقعہ پیش ہوا تو اس نے خلع کو جائز قرار نہ دیا، تو عبداللہ بن شہاب خولانی نے کہا کہ حضرت عمرؓ نے خلع کو جائز قرار دیا ہے اور طحاوی نے کہا ہے کہ جو لوگ خلع کو اذنِ سلطان پر موقوف رکھتے ہیں ان کا قول شاذ ہے جم غفیر کے مخالف ہے اور قیاساً بھی غلط ہے کیونکہ جب طلاق بدون اذنِ حاکم کے جائز ھے تو ایسے ہی خلع ہے (ص۳۴۷ ج۔۹) تفصیل اس واقعہ کی جو حضورؐ کے زمانہ میں واقعہ ہوا تھا یہ ہے کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا یا رسول اللہ میں ثابت بن قیس کے دین اور اخلاق میں عیب بیان کرنا نہیں چاہتی لیکن میں (اُن کے نکاح میں رہ کر) اسلام میں کفر کا اندیشہ کرتی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان کا باغ انکو واپس کردوگی؟ کہا، ہاں، تو حضورؐ نے (ثابت بن قیس سے) فرمایا کہ باغ کو قبول کرلو اور اسکو طلاق دیدو یہ بخاری کی روایت کا ترجمہ ہے اور نسائی کی روایت میں یہ ہے کہ ثابت بن قیس نے کسی بات پر اپنی بیوی کو مارا تھا اور ہاتھ توڑ دیا تھا۔ اور عبدالرزاق کی روایت میں یہ ھے کہ بیوی نے حضورؐ سے عرض کیا کہ مجھکو خدا نے جو حسن و جمال دیا ہے وہ آپ کو معلوم ہے اور ثابت بن قیس بدصورت ہے۔ اور یہ جو کہا کہ مجھکو اسلام میں کفر کا اندیشہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ میں انکے ساتھ اسلامی قاعدہ کے موافق نباہ نہیں کرسکتی بلکہ اندیشہ ھے کہ اُن کی نافرمانی کروں اور شوہر کی نافرمانی اسلام کے خلاف ہے اور یہ کافر عورتوں کا کام ہے ذکرہ الحافظ فی الفتح۔ واللہ اعلم

(ب) اس واقعہ میں یہ ضروری ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلع کا فیصلہ فرمایا مگر اسکی وجہ یہ نہ تھی کہ بدون حضورؐ کے فیصلہ کے خلع نہ ہوسکتا تھا بلکہ اسکی وجہ صرف یہ تھی کہ عورت نے اپنے شوہر سے بلاواسطہ اس معاملہ کی گفتگو کی ہی نہیں بلکہ وہ ابتداءً خود حضورؐ کے پاس آگئی۔ اور چونکہ زوجین میں باہم خلع کی کچھ گفتگو نہیں ہوئی تھی اسلئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول عورت سے دریافت کیا کہ تم مہر واپس کر سکتی ہو جب وہ اسپر راضی ہو گئی تو حضورؐ نے مرد سے فرمایا کہ اپنا باغ لیکر اسکو طلاق دیدو۔ اور اگر زوجین میں خلع کی گفتگو پہلے ہو جاتی تو پھر طلاق کے حکمؐ ضرورت نہ تھی کیونکہ خلع خود ہی طلاق ہے

(ج) اس واقعہ میں محض سائلہ کی خواہش کی بناء پر تفریق کی گئی اور اسکے وجوہ واسباب کی تحقیق کی ضرورت اسلئے نہیں ہوئی کہ سائلہ نے خود وہ اسباب بیان کردیئے تھے جنکی بناء پر وہ خلع چاہتی تھی۔

(د) اس واقعہ میں مرد کو تفریق کا حکم دیا گیا تھا مگر یہ حکم وجوب کیلئے نہ تھا بلکہ بطور ارشاد و اصلاح کے تھا۔ قالہ الحافظ فی الفتح (ص۳۵۱ ج-۹) مرد پر عورت کی درخواست کے بعد خلع کا قبول کرنا واجب نہیں بلکہ اُسکو اختیار ہے کہ قبول کرے یا نہ کرے اور حاکم شوہر کو قبولِ خلع پر مجبور بھی نہیں کر سکتا الا اذا کان ظالماً معروفاً بہ۔ کیونکہ اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ خلع طلاق ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

انما یملك الطلاق من اخذ بالساق رواہ ابن ماجہ والدار قطنی (مقاصد حسنہ ص۵۲)

قلت: واسنادہ حسن۔ جسکا مطلب یہ ہے کہ طلاق شوہر کے قبضہ میں ہے یہ قول اس امر کی دلیل ہے کہ حضورؐ کا واقعہ خلع میں ثابت بن قیس کو طلاق کا حکم فرمانا بطور مشورہ کے تھا بطور ایجاب کے نہ تھا۔

(ھ) اس واقعہ میں تفریق کے ساتھ صرف یہ شرط تھی کہ وہ باغ واپس کردو جو شوہر نے مہر میں دیا ہے اور یہ شرط اسلئے کی گئی کہ اس واقعہ میں خود عورت کی طرف سے مفارقت کی درخواست تھی اور اُسی کو شوہر سے نفرت تھی شوہر کو اس سے نفرت نہ تھی۔ نہ شوہر کی طرف سے اسپر کچھ زیادتی[ع] تھی اور اس صورت میں ائمہ مذاہب کا یہی مذہب ہے جو حدیث میں ہے کہ مرد کو مہر واپس کر لینا بلکہ اس سے زائد لینا بھی جائز ہے جبکہ عورت خوشی سے زائد دینے پر راضی ہو اور اگر مرد کی زیادتی ہو یا طرفین کی زیادتی ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے جو فقہ میں مفصل مذکور ہے

(و) حضرات ائمہ مجتہدین نے احادیث کے خلاف فتویٰ کبھی نہیں دیا یہ اور

ع والذی ورد فی الروایات انہ ضربہا فکان ذالك بحق لکون المرأۃ نافرۃ عنہ مبغضۃ لہ ولا یبعد من مثلہا الاباء عن المضاجعۃ وللزوج حق ان یضربہا علی ذالك۔ ظفر۔

بات ہے کہ ناواقف لوگ حدیث کا غلط مطلب سمجھ کر ائمہ مجتہدین کے فتوی کو حدیث کیخلاف سمجھیں یا کسی مسئلہ کا مدار ایک ہی حدیث پر رکھیں اور دوسری روایات پر نظر نہ کریں۔

(ن) ترمیم کچھ نہیں ہوئی حضرات مجتہدین نے ایک ہی حدیث پر مسئلہ کا مدار نہیں رکھا بلکہ اس کے ساتھ دوسری احادیث کو اور صحابہ کے اقوال کو ملا کر قانون خلع کو مکمل طور سے مدوّن کیا ہے۔

جواب سوال دوم متعلق طلاق مغلظہ

اس مسئلہ میں جملہ ائمہ مذاہب کا قول یہ ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے تو اگر وہ مدخولہ ہے تو اسپر تین طلاق واقع ہوجائینگی خواہ تفریقاً دی یا مجموعۃً اور اگر غیر مدخولہ ہے تو اگر مجموعۃً ایک لفظ سے تین طلاق دی ہیں تو اسپر تینوں واقع ہونگی۔ اور اگر تفریقاً تین لفظوں سے تین طلاقیں دی ہیں تو اسپر ایک واقع ہوگی اور دو لغو ہو جائینگی۔

قال الزرقانی فی شرح المؤطا: والجمهور علی وقوع الثلاث بل حکی ابن عبد البر الاجماع قائلاً ان خلافه شاذ لا یلتفت الیه اھ (ص ۳۵-ج ۳)

وقال الحافظ فی الفتح: ویحتمل ان یکون مراده ای مراد البخاری بعدم الجواز من قال لا یقع الطلاق اذا أوقعها مجموعة للنهی عنه وهو قول الشیعة وبعض اهل الظاهر اھ (ص ۳۱۰ - ج - ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ بجز شیعہ اور بعض اہل ظاہر کے تمام علماء کا اسپر اجماع ہے کہ تین طلاقیں مجموعۃً دینے سے تین ہی واقع ہونگی۔ البتہ تین طلاق مجموعۃً یا ایک مجلس میں دینا مکروہ تحریمی ہے اگر کسی کو تین طلاق ہی دینا ہو تو تفریق کے ساتھ ایک ایک طلاق ایک ایک طہر میں دے سعید بن منصور نے بسند صحیح حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دیتا تو حضرت عمر اسکے کمر پر دُرّے لگاتے تھے "ذکرہ الحافظ فی الفتح (صفحہ مذکور)

اب محترم مستفتی کے سوالات کا جواب دیتا ہوں۔

(الف) ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی دو واقعہ طلاق مغلظہ کے واقع ہوئے ہیں ایک واقعہ سنن نسائی میں محمود بن لبید انصاریؓ کی روایت سے

مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہونچی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہیں تو حضورؐ غضبناک ہوکر (خطبہ کیلئے) کھڑے ہوگئے اور فرمایا کہ میرے سامنے ہی کتاب اللہ کے ساتھ لہو ولعب کیا جانے لگا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے کہا، یارسول اللہ! کیا میں اسکو قتل ہی نہ کردوں اھ؟ اسپر آپؐ خاموش ہوگئے یہ حدیث فتح الباری میں حافظ نے نقل کرکے اس کے رواۃ کو ثقہ کہا ہے اور "نیل الاوطار" میں ابن کثیر سے اسکی سند کا جید ہونا نقل کیا ہے اور جوہر نقی میں اسکو صحیح کہا ہے اس سے یہ بات تو ظاہر ہے کہ تین طلاق ایک دم سے دینا خلاف شریعت ہے اور حرام کے قریب ہے رہا یہ کہ تین ایک دم سے دینے میں تین واقع ہونگی یا ایک؟ اس سے یہ حدیث ساکت ہے[عہ]۔

دوسرا واقعہ رکانہؓ بن عبد یزید کا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو تین طلاق دیدی تھیں پھر انکو رنج ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا آپؐ نے پوچھا کہ تم نے کیونکر طلاق دی ہے کہا ایک مجلس میں تین طلاق دی ہیں حضورؐ نے فرمایا وہ تو ایک ہی ہے اگر چاہو رجوع کرلو چنانچہ انہوں نے رجعت کرلی اسکو محمد بن اسحاق صاحب مغازی نے روایت کیا ہے مگر ائمہ حدیث نے اسکو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس کے الفاظ میں اضطراب واختلاف ہے بعض روایات میں یہ وارد ہوا ہے کہ رکانہ نے اپنی بیوی کو بلفظ البتۃ سے تین طلاق دی تھی اور یہ لفظ چونکہ قطع تعلق کو بتلاتا ہے اور اسی وجہ سے بعض تابعین لفظ البتۃ سے تین طلاق واقع کرتے تھے تو کسی راوی نے اسکو روایت بالمعنیٰ کرکے یوں تعبیر کردیا کہ رکانہ نے تین طلاق دی تھیں ابوداؤد نے فرمایا ھے کہ راجح یہی ہے کہ رکانہ نے طلاق بلفظ البتۃ دی تھی جیسا کہ حافظؒ فتح الباری میں ذکر فرمایا ھے اور اسکی نیت ایک طلاق کی تھی اسلئے اسکو ایک[عہ] قرار دیا اور علامہ زرقانی نے فرمایا ھے کہ رکانہ کی حدیث کے الفاظ مختلف ہیں، فاذا تعارضا تساقطا (ص۳۶ ج-۳)

(ب) ہاں ایک وقت میں تین طلاق دینا خلاف کتاب اللہ ضرور ہے جو ایسا کرتا ہے سخت گناہ کا مرتکب ہے مگر اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ تین طلاق دینے سے تین واقع

عہ مگر کنز العمال میں حضرت علیؓ کی روایت میں یہ ہے کہ جو شخص قطعی طلاق دیگا ہم اسپر تین طلاق لازم کردینگے (ص۱۷ ج-۵) ظفر۔

عہ المراد الحرمۃ فی هذه الصورة الرجعة اللغوية ولو كانت بالنكاح لا الاصطلاحية بدونه۔ ظفر۔

نہ ہوں یقیناً تین ہونگی کما مر ذکر الاجماع علیہ

(ج) عہد خلفائے راشدین میں جو شخص تین طلاق دیتا تھا اسکی بیوی پر تین طلاق ہی[عہ] واقع سمجھی جاتی تھی مگر اس کے ساتھ اس شخص کو سزا بھی دیجاتی اور صحیح مسلم میں جو ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور عہد صدیق میں اور شروع زمانہ خلافت فاروقی میں تین طلاق کو ایک شمار کرتے تھے تو اسکے اندر بعض روایات میں یہ قید بھی ہے کہ جب عورت غیر مدخولہ ہوتی تو تین کو ایک قرار دیتے تھے (رواہ ابو داؤد کما فی الفتح لابن حجر ص ۳۱۷ ج ۳ وسکت عنہ) اور رزین کی روایت میں یہ لفظ ہے "کان ابن عباس یقول اذا قال انتِ طالق انت طالق فھی واحدۃ ان اراد التوکید للاولیٰ وکانت غیر مدخول بھا کذا فی جمع الفوائد (ص۲۳۱ ج ۱) —— پس یہ حدیث جمہور کے خلاف نہیں کیونکہ تطلیق ثلاث بتفریق کلمات میں جمہور بھی اس کے قائل ہیں کہ اگر زوجہ غیر مدخولہ ہو تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی اور مدخولہ ہو تو دیانۃً ایک ہی ہوگی اگر وہ نیتِ تاکید کا مدعی ہو۔ اور قضاءً تین واقع ہونگی۔ واللہ اعلم

(د) ائمہ کے اقوال اوپر گذر چکے

(ہ) دین میں کسی عالم کی ذاتی رائے کی کچھ وقعت نہیں۔ فان الدین لیس بالرأی

(جواب سوال سوم متعلق تعدد ازواج)

اس مسئلہ میں یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ مرد کو چار عورتوں سے نکاح کرنا مطلقاً جائز ہے خواہ اسکو چار کی واقعی ضرورت ہو یا محض خواہش نفسانی کی بناء پر ایسا کرے گو افضل یہی ہے کہ بلا ضرورت چار نکاح نہ کرے "احترازاً من الجور وادخال الغم علی الاولی" لیکن اگر کوئی محض خواہش نفسانی سے ایسا کرے تو اسکو حق جائز سے روکنے کا کسی کو حق نہیں حدیث میں ہے "لم یر للمتحابین مثل النکاح" رواہ ابن ماجہ والحاکم وسندہ صحیح (شرح جامع الصغیر للسیوطی ص۱۹۲ ج ۳) —— اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی مرد کو کسی عورت سے محبت ہو جائے یا بالعکس تو انکو باہم نکاح کر لینا چاہئے" و

عہ ملاحظہ ہو فتح الباری ص ۳۱۵ تا ص ۳۱۹۔ جلد ۹ جس میں حضرت ابن عباس وابن عمر رضی اللہ عنہما کا فتویٰ سند صحیح سے نقل کیا گیا ہے اور ملاحظہ ہو کنز العمال ص۱۶۲ ج ۵ جس میں حضرت عمرؓ وحضرت علی وامام حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے فتاویٰ طرق متعددہ سے مذکور ہیں۔ ظفر۔

اخرج الشیخان عن ابی ھریرۃ رضؓ تنکح المرأۃ لمالھا وجمالھا وحسبھا ودینھا فاظفر بذات الدین تربت یداک (مقاصد حسنہ ص۹) اس میں دینداری کی وجہ سے نکاح کی ترغیب دی گئی ہے مگر مال اور جمال کی بناء پر نکاح کرنے سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ نہ اسکو حرام کہا گیا اور خود نص میں "ماطاب لکم من النساء" وارد ہے جس میں چار نکاح کو محض دل کی خوشی اور پسندیدگی کی بناء پر جائز کیا گیا ہے۔ نیز نص میں "لا تحل لک النکاح من بعد ولا ان تبدل بھن ازواج ولو اعجبک حسنھن" اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعدد ازواج محض اعجاب حسن کی بناء پر بھی جائز تھا گو آپ اس وجہ سے کوئی نکاح بھی نہ کیا ہو مگر آپ کیلئے جائز ضرور تھا پھر نو۹ بیویوں کے بعد آپ کو اس سے منع کر دیا گیا غرض نصوص شریعت سے خواہش نفسانی کی بناء پر بھی تعدد ازواج کی اجازت ظاہر ہے۔ اور اسکے ساتھ عدل کو بھی فرض کیا گیا ہے مگر عدل کو شرط صحتِ نکاح نہیں قرار دیا گیا بلکہ شریعت نے اس کے متعلق صرف وعید پر اکتفا کیا ھے۔

فھی الحدیث: عن ابی ھریرۃ اذا کانت عند الرجل امرأتان فلم یعدل بینھما جاء یوم القیامۃ وشقہ مائل او ساقط رواہ احمد والدارمی واصحاب السنن والحاکم واللفظ لہ وابن حبان وصححہ الحاکم علی شرط الشیخین وابن دقیق العید (ص۳۱۴ ج-۲- تلخیص حبیر)

پس تعدد ازواج کی صورت میں شوہر پر جو عدل واجب ہے وہ دیانۃً واجب ھے قاضی اور حاکم کو اس میں بازپرس یا دست اندازی کا کچھ حق نہیں حکام کا صرف اتنا فرض ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کی شکایت کرے تو شوہر کو نان و نفقہ دینے پر مجبور کریں اور عمر بھر میں ایک دفعہ مقاربت پر۔ اس سے زائد پر حاکم شوہر کو مجبور نہیں کر سکتا (ملاحظہ شامی باب القسم ص۶۵۲ تا ص۶۵۴ ج-۲) —— ہاں اسکو نصیحت کر دے کہ اپنی بیوی کے حقوق پوری طرح ادا کرنا چاہیئے اور اگر وہ اس پر ظلم کرتا ہو تو ظلم سے روکدے۔

اس معروض کے بعد سوال کا جواب یہ ہے کہ اسلامی ریاست کو تعدد ازواج کے بارہ میں تانونا اس قسم کی قیود عائد کرنا کہ جب تک قاضی کو ضرورت اور استطاعت عدل کا اطمینان دلا کر اسکی اجازت حاصل نہ کریں تب تک کوئی اس کا مجاز نہ ہو۔ یقیناً

مداخلت فی الدین وتضییق علی المسلمین فیما وسع اللہ لہم میں داخل ہے۔ اسی طرح ہر نکاح کا محکمۂ قضاء کی اجازت کا محتاج ہونا اور جو بدون قاضی کی اجازت کے نکاح پڑھ دے اسکو مع فریقین کے ملزم قرار دینا بھی صریح مداخلت فی الدین ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض صحابہ نے مدینہ کے اندر بدون حضورؐ کی اطلاع کے نکاح کیا ہے اور آن پر کوئی انکار نہیں کیا گیا چنانچہ عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعۂ نکاح مشہور ومعروف ہے۔

البتہ اگر نکاح خوانوں کی جہالت کی وجہ سے نکاحوں میں گڑبڑ ہوتی ہو تو اس قید کے عائد کرنیکا مضائقہ نہیں کہ جو شخص جب تک احکام نکاح سے واقف نہ ہو اور اسکی سند اسکے پاس نہ ہو اس وقت تک کسی کا نکاح نہ پڑھے ورنہ مجرم ہوگا کیونکہ اسکی نظیر زمانہ صحابہ میں موجود ہے حضرت عمرؓ نے قانونؑ نافذ کیا تھا "لایجلس فی سوقنا الا فقیہ اوکما قال ولا احضس الآن موضعہ"، کہ ہمارے بازار میں بجز اس شخص کے جو فقہ سے واقف ہو بیع وشراء کیلئے کوئی نہ بیٹھے باقی ہر نکاح کو محکمۂ قضا کی اجازت کا محتاج کر دینا یہ بالکل خلاف شریعت ہے اور مسلمانوں کو تنگی میں ڈالنا ہے جو یقیناً مداخلت فی الدین ہے۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۲۳-ج ۲ ۴۷ھ

ع قلت: قد اخرجہ الترمذی عن عمر بلفظ لایبیع فی سوقنا الا من قد تفقہ فی الدین کذا فی جمع الفوائد (ص۲۲۷ ج-۱) ظفر۔

فصل فی فسخ النکاح عند کون الزوج مفقوداً او عنیناً او متعنتاً فی النفقة او مجنوناً

زوجۂ مجنون کا حکم

(سوال) ایک شخص دیوانہ ہوگیا ھے طلاق وغیرہ سے بے خبر ھے اسکی بیوی علیٰحدہ ہونا چاہتی ہے علیحدگی کی کوئی صورت ہے یا نہیں؟

الجواب: نہ مجنون کی طلاق معتبر ہے اور نہ جنون کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ہے اسلئے علیحدگی کی کوئی صورت نہیں۔

کما فی الدر:۔ لا یقع طلاق المولیٰ علی امرأة عبدہ والمجنون الخ شامی ص۶۹۹ ج۲ ولا یتخیر احد الزوجین بعیب الآخر ولو فاحشاً کجنون و جذام الخ (ص۹۸۳ ج۲ شامی) واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ

الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ ۱۰ صفر ۴۵ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(سوال) ایک مسئلہ میں پیچیدگی پڑگئی جسکی وجہ سے پریشانی بڑھ گئی ھے صورتِ واقعہ یہ ہے کہ ایک لڑکی نابالغہ کا عقد نکاح ایک نابالغ لڑکے سے فریقین کے والدین نے کردیا لڑکے کی عمر ۴ سال کی اور دختر کی عمر ۵ سال اب اس نکاح کو عرصہ ۸ سال کا ہوگیا اب دختر کی عمر ۱۳ سال اور لڑکے کی عمر ۱۲ سال ہے مگر اب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا لایعقل محض ہے اس وقت تک نہ تو وہ کچھ زبان سے بولتا ہے اور نہ کچھ سمجھتا ہے اور نہ اسکو کچھ کھانے پینے کا ہوش ہے اسکی والدہ اسکو جبراً کچھ کھلا پلا دیتی ہے بچپن میں لڑکے کے نہ بولنے کا والدین کو کچھ خیال نہ ہوا جوں جوں وہ بڑھتا گیا اسکے نہ بولنے کی حالت دیوانگی معلوم ہوتی گئی۔ لڑکی کی عمر ۱۳ سال ہے وہ ایسے دیوانہ لایعقل کے ساتھ اپنی عمر کس طرح گذار سکتی ہے؟ ایسی حالت میں مطابق شرع

شریف ان میں تفریق ہو سکتی ہے یا نہیں؟ فریقین کے والدین جنکی ولایت میں عقد ہوا زندہ ہیں اور چاہتے ہیں کہ بموجب احکام شرع ان میں تفریق ہو جائے اور دختر کا عقد کسی دیگر شخص سے کر دیا جائے۔ اُمید کہ آنجناب اس معروضہ کے جواب سے جلد ممتاز فرمائیں گے۔ مکرر عرض یہ ہے کہ لڑکے کو نگرانی میں رکھا جاتا ہے اگر اسکو نگرانی میں نہ رکھا جائے تو وہ بھاگتا ہے۔ محمد حسین مینیجر طلسمی پریس میرٹھ

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں ائمہ حنفیہ میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ وامام ابو یوسفؒ کے نزدیک شوہر کے مجنون ہونیکی صورت میں زوجہ کو حقِ فسخ نکاح حاصل نہیں۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک حقِ فسخ حاصل ہے، پس اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو ایسے مقدمہ کی سماعت کا اختیار ہو خواہ حکومت انگریزی کا ہو یا ریاست دیسی کا اس نکاح کو امام محمدؒ کے مذہب کی بناء پر فسخ کر دے تو فسخ ہو سکتا ہے اور چونکہ فریقین اس نکاح کے فسخ پر رضامند ہیں اسلئے غالب ہے کہ حکام کو اسکے فسخ کرنے میں تامل بھی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

حررہ حبیب احمد کیرانوی

مقیم تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۴ محرم ۴۰ھ

زوجہ عنین کا حکم اور اسکی عدت اور مہر کا بیان

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ:۔

(۱) زید جو تقریباً ۲۸ ،۳۰ سال سے محض عنین یعنی نامرد ہے اور قطعی عورت کے کام کا نہیں ہے اور اکثر معالجات کرنے کے باوجود مایوس العلاج ہے وہ اپنی بیوی کو کہ جس کے ساتھ عقد ہوا۔ ۱۵، ۱۶ سال ہوئے نفقہ نہیں دیتا اور نہ اپنے پاس رکھتا ہے اور نہ طلاق دیتا ہے اس وجہ سے لڑکی کے والدین اسکی بے کسی سے سخت پریشان ہیں اور مسماۃ بھی زید کے نامرد ہونیکے باعث نالاں ہے اور بعد عقد کے اپنی زندگی والدین کے یہاں گذارتی ہے اب اسکے والدین عقد ثانی کرنا چاہتے ہیں اس صورت میں شارع علیہ السلام کا کیا حکم ہے؟ اور جدائی زن وشوہر میں ہوسکتی ہے یا نہیں؟

(۲) مطلقہ عنین کو عدت کی ضرورت ہوگی یا نہیں؟ فقط بینوا توجروا

مرسلہ مرزا حنیف بیگ قصبہ و ڈاکخانہ سیانہ ضلع بلند شہر

الجواب :- صورت مذکورہ میں مسماۃ کو کسی حاکم مسلم کی عدالت میں زوج کے عنّین ہونیکا دعویٰ کرکے فسخِ نکاح کی درخواست کرنی چاہئے اور حاکم مسلم کو چاہئے کہ جب عورت ایسا دعویٰ کرے تو وہ زوج سے دریافت کرے کہ نکاح کے بعد سے ابتک تونے کسی وقت زوجہ سے صحبت کی ہے یا نہیں ؟ اگر وہ اقرار کرے کہ میں نے ایک بار بھی اس سے صحبت نہیں کیا وہ دعویٰ کرے کہ میں نے صحبت کی ہے لیکن عورت یہ کہے کہ میں ابتک باکرہ ہوں اور ایک عورت یا دو عورتیں اپنے مشاہدہ سے اسکی تصدیق کردیں کہ بیشک یہ باکرہ ہے دونوں صورتوں میں حاکم مسلم شوہر کو ایک سال کی مہلت دے کہ اگر ایک سال کے اندر اندر تونے زوجہ سے صحبت کی تو خیر ورنہ میں نکاح فسخ کردونگا پھر اگر مہلت دینے کے بعد بھی اُس نے سال بھر میں صحبت نہ کی تو حاکم عورت کو اختیار دیدے کہ چاھے تو شوہر کے پاس رھنا منظور کر یا علیحدہ ہونا منظور کر تجھے اختیار ہے حاکم کے اختیار دیدینے کے بعد جب عورت یہ کہدے کہ میں اس سے علیحدہ ہونا اختیار کرتی ہوں تو عورت کے یہ کہدینے سے طلاق بائن پڑ جائیگی اور بہتر یہ ہے کہ حاکم بھی اپنی زبان سے یہ کہدے کہ میں نے دونوں میں تفریق کردی۔

قال فی البدائع :- ص ۳۲۵ - ج - ۲ - وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینھما کذا ذکرہ الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ بنفس الاختیار و ذکر القاضی فی شرحہ مختصر الطحاوی: انہ تقع الفرقۃ بنفس الاختیار فی ظاھر الروایۃ ولا یحتاج الی القضاء کخیار المعتقۃ وخیار المخیرۃ اھ قلت: و اخترت ھذہ الروایۃ لکونھا ارفق بالناس

(۲) اگر عنین زوجہ کے ساتھ خالی جگہ (مکان) میں یکجا بھی نہیں ہوا اور خلوت صحیحہ کے شرائط نہیں پائے گئے ہیں تب تو عورت کو عدت نہ کرنی پڑیگی اور اگر خلوتِ صحیحہ ہو چکی ہے تو اسپر عدت لازم ہوگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے

فی البدائع :- ولھا المھر کاملاً وعلیھا العدۃ بالاجماع ان کان الزوج قد خلا بھا و ان کان لم یخل بھا فلا عدۃ علیھا و لھا نصف المھر ان کان مسمّٰی اھ (ص ۳۲۶ ج- ۲)

اور عورت کو دونوں صورت میں مہر بھی ملیگا خلوت ہو چکنے کی صورت میں پورا

پورا مہر اور خلوت نہ ہونیکی صورت میں آدھا ملیگا۔ واللہ اعلم

(تنبیہ) حاکم مسلم اگر عدالت انگریزی کا ہو وہ بھی کافی ہے بشرطیکہ حکومت کی طرف سے اس کو اس مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اختیار دیدیا گیا ہو اور اگر پہلے سے اختیار نہ دیا گیا ہو تو درخواست دیکر اس کو اختیار حاصل کرلینا چاہیئے یا گورنمنٹ اس مقدمہ کو کسی عالم کے پاس بھیجدے اور اسکو حکم شرعی کے مطابق فیصلہ کا اختیار دیدے یا مسماۃ کسی اسلامی ریاست کے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے سب صورتوں میں یہ نکاح فسخ ہوسکتا ہے فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲۱۔صفر ۵۴ھ

مفقود الخبر پر موت کا حکم کرنے کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) حضرت اقدس مدظلہ تعالیٰ۔ بعد آداب و تسلیمات کے گذارش ہے ایک استفتاء بریسال سے بندہ کے پاس آیا ہے۔ صورت واقعہ یہ ہے کہ ۶۔آدمی بولبشر دریا کے کنارہ ایک جنگل میں جوانلوگوں کے مکان سے قریب ہے اور لب دریا ہے بڑی بڑی لکڑیاں جنگل سے کاٹ کر اور ان کو رسیاں اور درختوں کے بیل سے باندھ کر اور اس کے ساتھ ایک کشتی کو رسیوں سے باندھ کر یہ لوگ اپنے مکان کی طرف لکڑیوں کو لانے لگے یہ دریا بہت عظیم الشان اور موّاج ہے اور خلیج بنگال میں جاگرا ہے طغیانی کے وقت سات آٹھ میل سے بھی زیادہ چوڑا ہوجاتا ہے جب وہ لوگ مکان کی طرف آرہے تھے قضا کا طوفان اُٹھا کشتی میں سے ہوانے ایک چٹائی اڑاکر دور پھینکدی۔ کشتی پر دو آدمی تھے وہ دونوں کشتی کو لکڑیوں کے مجموعہ سے الگ کرکے چٹائی لینے کیلئے گئے اور چار آدمی لکڑیوں پر رہے اتنے زور سے طوفان ہونے لگا کہ کشتی اور لکڑی پھر یکجا نہ ہوسکی اور لکڑی والے الگ بے قابو اور کشتی والے الگ بے قابو۔ جو ملاح اور کشتیوں میں تھے جو ماہی گیروں کی کشتی کہلاتی ہے اور وہ بزعم ملاحان کم ڈوبتی ہیں وہ بھی ان لکڑیوں کو تھام نہ سکے اور آٹھ دس بجے رات تک مختلف جگہوں کے ماہی گیروں نے ان چاروں کی آوازیں سنیں مگر کسی کو ہمت نہ ہوئی روکنے کی اور جب اخیر رات تک طوفان تھما اور روز روشن ہوا تو وہ دونوں کشتی والے کہاں کہاں سے مارے مارے پھر کر گھر واپس آئے لیکن وہ چاروں بے سراغ ہوگئے اور لکڑیوں کا بھی پتہ نہیں ماہی گیر لوگ کہتے ہیں کہ وہ لکڑیاں زور سے سمندر کی طرف جارہی تھیں اس واقعہ کو تیرہ مہینہ

گذرا لیکن اول چاروں کا ابتک پتہ نہیں ان چاروں کی بیویاں جوان جوان موجود ہیں تو ان کا کیا حکم ہے ؟ ۔ در مختار ص۸۱ ج ۳ میں ہے " اختار الزیلعی تفویضہ الی الامام۔ وفی الشامیۃ :۔ علیٰ ھذا القول و قال الزیلعی لانہ یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبۃ الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملک العظیم اذا انقطع خبرہ یغلب علی الظن فی ادنیٰ مدۃ انہ قد مات ومقتضاہ انہ یجتھد و یحکم القرائن الظاھرۃ الدالۃ علی موتہ و علیٰ ھذا یتبنی ما فی جامع الفتاوی حیث قال و اذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما فقد فی وقت الملاقاۃ مع العدو او مع قطاع الطریق اوسافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر و ما اشبہ ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات و ان کان بین احتمالین و احتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیوتہ الخ۔ بموجب اس روایت کے اس حادثہ خاص میں گمان موت کا غالب ہے مہلکہ ہے ، چاروں کا ایک ساتھ گم ہونا ، مکان کے قریب گم ہونا ، کشتی والوں کا لوٹنا اوران کا نہ لوٹنا ۔ بنگال کا دریا پرخطر اور عظیم الشان ہونا بنگال میں ایسے واقعات کا ان دریاؤں میں ہوتے رہنا. سمندر کے دہانہ سے قریب ہونا. اور حسب تصریح صاحب جامع الفتاوی بحر کا واقعہ ہونا حضرت اقدس کی کیا رائے ہے اور قاضی تو ہے نہیں پس مولویان انکے قائم مقام سمجھے جائیں گے ؟ اسکے سوا کیا چارہ پس حضرت والا کی رائے بھی موافق روایت مذکورہ ہو تو ابھی حکم موت کیا جائے یا چار سال بعد حسب روایت امام مالکؒ ؟ مگر مشکل یہ ہے کہ مدونہ میں قضائے قاضی شرط لکھی ہے. بہرحال حضور کے ارشاد کا انتظار ہے ۔ اگر میرا خیال غلط ہے تو تنبیہ فرمایا جائے ۔

الجواب :۔ اس مسئلہ میں بجز قضاء حاکم مسلم کوئی چارہ نہیں اگر کوئی حاکم مسلم انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو اور اس مقدمہ کا فیصلہ کرے بشرطیکہ اس کو اختیارات بھی اس مقدمہ کے پورے حاصل ہوں اور حکم بالموت کردے تو اسی وقت وہ عورتیں نکاح سے خارج ہو کر بعد عدتِ موت نکاحِ ثانی کر سکتی ہیں مولویوں کا فیصلہ حَکَمْ کا فیصلہ ہوگا ۔ اور حَکَمْ کی ولایت غائب پر نہیں ہوتی لھذا وہ حکمِ موت علی الغائب کا اختیار نہیں رکھتا۔ واللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفاعنہ

مفقود الخبر کی موت کیلئے قضاء قاضی شرط ہے

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ چھ شخص مفلس دریائے شور کے کنارہ کے جنگل سے لکڑی چُن کر چار تودے اس دریا کے پانی پر جمع کر کے سخت باندھی قضارا اندھیری رات کو سخت طوفان ہوا تند ہوا چلنے لگی ان میں سے دو شخص جو اپنے ساتھ کے توشہ لدا ہوا کشتی پر سوار تھے ہوا اور پانی کے سیلاب نے انکو تودے سے جدا کر کے سمندر کے کنارہ پہ ڈالدیا یہ دونوں مع کشتی سلامت گھر واپس آئے باقی چار شخص جو تودے پر رہ گئے تھے طوفان اور طغیانی کپانی نے چاروں تودوں کو سمندر میں کہاں کہاں بہا لیگیا معلوم نہیں۔ واللہ علیم و بکل شئی خبیر، اب ایک سال سے زیادہ عرصہ ہوا ہے کہ باوجود بہت تفتیش و تلاش کے اس مہلکہ میں گرنے والوں کی کوئی خبر نہیں ملی اب ان چار شخص مہلکہ میں گرا ہوا ہیزم کش مفلسوں کیلئے شرعاً حکم مردہ کا ہوگا یا زندہ کا اور انکی بیویوں کو نکاحِ ثانی کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں؟ اور حضرات علماء کی خدمت میں یہ بھی قابل عرض ہے کہ ایسی حالت پر سمندر کے مہلکہ میں گرا ہوا کوئی کبھی زندہ رہ سکتا نہیں۔

الجواب:- الحمد لولیہ والصلوٰۃ والسلام علی نبیہ وآلہ واصحابہ اجمعین۔ ہاں ایسے خوفناک مہلکہ میں گرا ہو تو انکے لئے شرعاً البتہ موت کا حکم ہے جیسا کہ تنقیح میں بیان کیا اسکو علامہ ابن عابدینؒ نے اور حاشیہ در المختار میں بیان مفقود کے تحت جامع الفتاویٰ سے نقل کیا ہے۔ واذا فقد فی المھلکۃ فموتہ غالب فیحکم بہ کما اذا فقد فی وقت الملاقاۃ مع العدو او مع قطاع الطریق او سافر علی المرض الغالب ھلاکہ او کان سفرہ فی البحر وما اشبہ ذالک حکم بموتہ لانہ الغالب فی ھذہ الحالات وان کان بین احتمالین واحتمال موتہ ناش عن دلیل لا احتمال حیاتہ لان ھذا الاحتمال کاحتمال ما اذا بلغ المفقود مقدار ما لا یعیش علی حسب ما اختلفوا فی مقدارہ نقل عن الغنیۃ۔

مخفی ومحتجب نہیں ہے کہ اشخاص مذکورین سوال کی موت پر بڑی دلیل ہے طوفان کے وقت سمندر میں تودے ہیزم کے ساتھ بے توشہ بہجانا اور مفلس شخصوں کا حالتِ حیات میں برس روز تلک اپنے اہل وعیال سے منقطع الخبر رہنا مستبعد ہے پس

جب اشخاص مذکورین سوال کیلئے شرعاً حکم موت ہے تو البتہ انکی ازواج کیلئے بھی شرعاً تزویج ثانی کی تجویز ہے اور یہ حکم کوئی بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں بلکہ قرائن اور اجتہاد اسمیں اصل چیز ہے

کما فی الشامی :۔ ومقتضاه انه یجتهد و یحکم بالقرائن الظاهرة الدالة علی موته اھ هذا ما تیسر من الجواب مختصراً فمن شاء الاستقصاء فلیراجع الی کتب الفقه ۔ الکاتب الحقیر الفقیر المذنب الراجی الی رحمة ربه الباری ابوسعید محمد عبد الغفور سلمه الشکور :

(الکلام علی الجواب المذکور)

مجیب سلمہ نے شامی کی جس عبارت کا حوالہ اپنے جواب میں دیا ہے اس سے صراحۃً یہ امر واضح ہے کہ صورتِ مسؤلہ میں حکم بالموت قاضی یا امام کرسکتا ہے بدون قضاء کے حکم بالموت نہیں ہوسکتا ۔ درمختار میں ہے ۔

واختار الزیلعی تفویضه للامام اھ ۔ علامہ شامی اس قول کے تحت فرماتے ہیں ۔ (قوله واختار الزیلعی تفویضه للامام) قال فی الفتح فای وقت رای المصلحة حکم بموته قال فی النهر : وفی الینابیع : قیل : یفوض الی رای القاضی ولا تقدیر فیه فی ظاهر الروایة ، وفی القنیة : جعل هذا روایة عن الامام اھ ۔ قلت : والظاهر ان هذا غیر خارج عن ظاهر الروایة ایضاً بل هو اقرب الیه من القول بالتقدیر لانه فسره فی شرح الوهبانیة بان ینظر ویجتهد ویفعل ما یغلب علی ظنه فلا یقول بالتقدیر لانه لم یرد به الشرع بل ینظر فی الاقران وفی الزمان والمکان ویجتهد ثم نقل عن مغنی الحنابلة حکایة عن الشافعی ومحمد وانه المشهور عن مالک وابی حنیفة وابی یوسف وقال الزیلعی لانه یختلف باختلاف البلاد وکذا غلبة الظن تختلف باختلاف الاشخاص فان الملك العظیم اذا انقطع خبره یغلب علی الظن فی ادنی مدة انه قد مات اھ

اس عبارت کا حاصل صرف یہ ہے کہ حکم بموت المفقود کیلئے تقدیر مدت

کی ضرورت نہیں بلکہ یہ امر مفوض الی رای القاضی والامام ہے قاضی اور امام کو نظر و اجتہاد سے جس وقت موت مفقود کا غلبہ ظن ہو جائے حکم بالموت کر دے اس کے بعد شامی میں وہ عبارت ہے جو مجیب سلمہ نے نقل کی ہے جس میں یجتهد و یحکم القرائن الظاهرة الخ اور فیحکم بموته کی ضمیریں سب امام و قاضی کی طرف راجع ہیں۔ یعنی قاضی کو اجتہاد سے کام لینا چاہئے اور قرائن ظاہرہ کو حکم بنانا چاہئے اور اسی پر جامع فتاویٰ کی عبارت کو مبنی کیا ہے کہ جب مفقود مہلکہ میں گم ہو جائے تو اسکی موت کا حکم لگایا جائے یعنی قاضی و امام کو یہ حکم لگا دینا چاہئے اس عبارت سے یہ کسیطرح مفہوم نہیں ہوتا کہ محض مفتی کا حکم بالموت کافی ہے اور قضاء کی ضرورت نہیں علامہ شامیؒ نے اس عبارت کے خاتمہ پر لکھا ہے فلذا قلنا ان هذا مبنی علی ما قال له الزیلعی تامل اھ (ص ۵۱۱ و ۵۱۲) اور امام زیلعی کا قول اوپر مذکور ہو چکا ہے کہ انکے نزدیک تفویض الی رای الامام مختار ہے اور شامی ص ۵۱۲ ج ۳ میں ہے۔ قلت لکن المتبادر من العبارة ان المنصوص علیه فی المذهب الثانی ثم رایت عبارة الواقعات عن القنیة ان هذا ای ماروی عن ابی حنیفة من تفویض موته الی رای القاضی نص علی انه انما یحکم بموته بقضاء الخ ــ اس سے صاف ظاہر ہے کہ بصورت فقد فی المهلکة قضاء قاضی یا حکم امام ضروری ہے اس کے بغیر حکم بالموت نہیں ہو سکتا پس مجیب سلمہ کا یہ کہنا کہ یہ حکم بادشاہ یا امیر کیلئے خاص نہیں کسیطرح صحیح نہیں واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۰ رجمادی الاولی ۱۳۴۱ھ

شوہر عنین کا حکم | (**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین و حامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا لڑکا اور عمرو کی لڑکی کے درمیان قبل بلوغت شادی ہوئی اب زوجین سن بلوغ کو پہونچ گئے جسکو عرصہ چھ برس کا ہوا مگر ان دونوں میں کوئی سروکار نہیں ہے تحقیقات سے معلوم ہوا کہ لڑکا نامرد ہے عمرو ایسی حالت میں چاہتا ہے کہ دونوں میں علیحدگی ہو جائے مگر زید کا لڑکا بوجہ خفت طلاق دینا نہیں چاہتا ہے ایسی حالت میں

کیا کرنا چاہیئے مطابق شرع شریف حکم تحریر فرمایا جائے۔

المرسل۔ عبدالعظیم پارچہ فروش شہر آرہ چوک

الجواب :- صورتِ مسؤلہ میں لڑکی کو چاہیئے کہ وہ حکومت میں استغاثہ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں چاہتی ہوں کہ میرا مقدمہ کسی حاکم مسلم کے سپرد کیا جائے تاکہ وہ شرعی حکم مطابق اس کا فیصلہ کردے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ اس صورت میں معتبر نہیں جب حکومت کی طرف سے کسی حاکم مسلم کے سپرد یہ مقدمہ کر دیا جائے تو عورت اسکے سامنے دعویٰ کرے کہ میرا شوہر نامرد ہے اسلئے میں اس سے علیحدگی چاہتی ہوں حاکم شوہر سے دریافت کرے اگر وہ بھی اپنے نامرد ہونیکا اقرار کرے تو حاکم اسکو پورے ایک سال شمسی کی مہلت دے جس میں عورت و مرد کے ایام مرض محسوب نہ ہونگے نہ وہ ایام محسوب ہونگے جن میں عورت شوہر سے بدون اسکے اذن کے غائب رہے اس سال کے اندر اندر اگر علاج وغیرہ کرکے ایک بار بھی شوہر نے بیوی سے صحبت کرلی تو پھر عورت کو اس دعویٰ جدائی کا حق نہ رہے گا اور اگر سال بھر وہ عورت کے پاس نہ پہونچ سکا اور صحبت نہ کرسکا اور اقرار کرلیا کہ میں نے اس عرصہ میں بیوی سے صحبت نہیں کی تو حاکم مسلم ان دونوں میں تفریق کردے یعنی یہ کہدے کہ میں تم دونوں کا نکاح توڑتا ہوں حاکم کے اس کہنے سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوجائیگی عدت کے بعد وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے اور اگر شوہر نے اپنے نامرد ہونیکا اقرار نہ کیا بلکہ دعویٰ کیا کہ میں نے عورت سے وطی کی ہے تو حاکم مسلم معتبر دائیوں سے کہے کہ وہ لڑکی کو دیکھیں اور بتلائیں کہ وہ باکرہ ہے یا ثیبہ اگر وہ کہیں کہ لڑکی ثیبہ ہے تو پھر اس عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر وہ باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت کے دعویٰ کو صحیح سمجھکر شوہر کو ایک سال کی مہلت دیگا جیسا کہ اوپر گذرا اور سال تمام ہونیکے بعد اگر شوہر و عورت میں اختلاف ہوا عورت نے کہا کہ اس نے مجھ سے وطی نہیں کی اور مرد نے کہا کہ میں نے وطی کی ہے تو حاکم اس وقت بھی دائیوں سے کہیگا کہ وہ عورت کو دیکھیں اور دیکھکر بتلائیں اگر وہ کہیں کہ یہ ثیبہ ہے تو عورت کا دعویٰ جدائی صحیح نہ ہوگا اور اگر باکرہ بتلائیں تو حاکم مسلم عورت سے قسم لیکر ان دونوں میں تفریق کردے تفریق کرنے سے عورت پر طلاق واقع ہوجائیگی اور عدت کے بعد دوسرے شخص سے وہ نکاح کرسکیگی۔

قال فی الفتاوی الحامدیۃ :۔ لا یفرق بینھما بمجرد دعواھا انہ عنین مالم یثبت عنتہ باقرارہ او بقول النساء انھا بکر فیوجل من وقت المرافعۃ سنۃ کاملۃ ولا یحسب منھا ایام مرضہ ولا مرضھا ولا ایام غیبتھا عنہ ولو لحجھا او ھروبھا منہ فان وطی والا بانت بالتفریق ان طلبت وتاجیل العنین لا یکون الا عند قاضی مصر او مدینۃ کما افتی بذالک الخیر الرملی اھ (ص ۳۳ ج ۔ ۱) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد ۔ ۲۰ رجب ۱۳۴۱ھ

زوجہ مجنون کا حکم

(سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ آمنہ بنت حاجی عبدالغنی صاحب کا شوہر مسمّٰی اسماعیل عرصہ چار یا پنج سال سے بالکل دیوانہ ہوگیا ہے بہت علاج معالجہ کرایا۔ لیکن اچھا نہیں ہوا اور نہ آئندہ امید ہے مسماۃ مذکورہ بالکل جوان ہے کیا ایسی صورت میں مسماۃ نکاح ثانی کرسکتی ہے یا نہیں؟ بحوالہ کتب تحریر فرمائیں بینوا توجروا ۔

الراقم حاجی عبدالغنی صاحب از دیراول بندر کاٹھیاواڑ

الجواب :۔ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ مذکورہ کے نکاح ثانی کی صرف ایک صورت ہے کہ کوئی مسلمان حاکم جو اس قسم کے مسائل کے فیصلہ کا اختیار حکومت کی طرف سے رکھتا ہو اپنے اختیار حاکمانہ سے تفریق کردے بعد تفریق حاکم مسماۃ عدت تین حیض پوری کرکے نکاح کرسکتی ہے اسکے بغیر کوئی صورت نکاح ثانی کی نہیں اور حاکم مسلم اس صورت میں ایک سال کی مہلت دینے کے بعد تفریق کرسکتا ہے اسکے بغیر نہیں۔

وفی العالمگیریۃ :۔ قال محمد ان کان الجنون حادثاً یؤجلہ سنۃ کالعنۃ ثم یخیر المرأۃ بعد الحول اذا لم یبرأ وان کان مطلقاً فھو کالجب وبہ ناخذ کذا فی الحاوی القدسی اھ (ص ۱۵۷ ۔ ج ۔ ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

المقیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۷ صفر ۱۳۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی کی ایک صورت کا حکم

(سوال) ایک شخص اپنی بیوی کو گھر میں چھوڑ کر سفر میں چلا گیا تھا ۔ برس دو برس کے بعد لگاتار دو تین

خبر اسکی موت کی آئی۔ پس اس کا ایک حقیقی بھائی تھا اس نے تیسری خبر کے بعد اس عورت کے ساتھ بعد انقضائے عدتِ موت نکاح کرلیا۔ پھر دو ایک برس کے بعد اس کا بھائی سفر سے بیماری کی حالت میں گھر آیا اور اپنی عورت کو اپنے پاس لے گیا مگر بسبب مرض کے اس سے ہم بستر نہ ہوسکا دو تین مہینہ کے بعد اسی بیماری میں اسکی موت واقع ہوئی اب اس صورت میں حکم شرعی کیا ہے ؟ اس عورت کو ناکح ثانی جو زوج اول کا بھائی ہے بغیر نکاح کے اپنے پاس رکھ سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب :- صورتِ مسئولہ میں اگر مفقود کے بھائی نے نکاح اس وقت کیا ہے جبکہ متواتر خبر موت سے اسکو ظنِ غالب موت کا ہوگیا تھا تو اس صورت میں اسکو زوجہ مفقود سے نکاح کرنے میں گناہ نہیں ہوا اور اگر ان خبروں پر اسکو وثوق نہ تھا تو گناہ ہوا۔ بہر حال جب شوہر اول زندہ واپس آگیا تو معلوم ہوا کہ نکاح ثانی صحیح واقع نہ ہوا تھا لھذا اب شوہر اول کی موت کے بعد شوہر ثانی اس عورت سے بعد عدت نکاح کرسکتا ہے بدون تجدید نکاح کے اسکو نہیں لے جاسکتا اور اس وقت عورت کو پورا اختیار ہے کہ خواہ وہ شوہر ثانی سے نکاح کرے یا اسکے علاوہ کسی اور سے نکاح کرے شوہر ثانی نکاح ثانی کی وجہ سے اسکو اپنے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ علمِ حیاتِ مفقود سے وہ نکاح باطل ولغو ہوگیا وطی بالشبہ سے زیادہ اسکی کوئی حیثیت نہیں۔

فی الھندیۃ :- غاب من زوجتہ البکر سنتین فتزوجت وجاءت باولاد او نعی الیھا زوجھا فتزوجت بآخر فولدت فالولد عند الامام للاول نفاہ او ادعاہ او ادعاہ الثانی او نفاہ لاقل من ستۃ اشھر او اکثر من سنتین وللزوج الثانی ان یدفع الزکاۃ الیھم وتقبل شھادتھم لہ فی الوجیز للکردری و روی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفۃ ان الاولاد للزوج الثانی راجع الی ھذا القول وعلیہ الفتویٰ کذا فی التجنیس اھ (ص ۳۰ - ج - ۲) تعلم بطلاق النکاح الثانی بعلم حیاۃ الاول رأیؐ واما الاختلاف فی حکم الاولاد ورجوعہ الی انھا للثانی فلیجعل وطی الثانی وطی بشبہۃ ھذا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ۲۹ صفر ۴۳ھ

زوجۂ مفقود کے نکاح ثانی اور واپسی مفقود کی ایک صورت

(سوال) عمرو کو عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ لاپتہ ہے اب عمرو کی منکوحہ خالدہ کے بسر اوقات کیلئے کوئی وسیلہ نہ رہا اسلئے خالدہ نے زید سے نکاح کر لیا کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ ــــ بعدازیں دو ایک بچہ بھی زید کے یہاں بعد نکاح کے پیدا ہوئے اسقدر مدت گزرنے کے بعد عمرو بھی چلا آیا اس صورت میں عورت و بچہ کس کو ملینگے اور جسکو ملیں گے انکے لئے نکاح اوّل کافی ہے یا کہ نکاح ثانی کی ضرورت ہے؟

الجواب :- عمرو کا نکاح باقی ہے اور عورت اسی کی ہے دوبارہ نکاح کرنیکی ضرورت نہیں اور زید کا نکاح صحیح نہیں ہوا لیکن اولاد زید ہی کی ہے

کما فی الدر المختار :- (غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولاداً) ثم جاء الزوج الاول (فالاولاد للثانی علی المذهب) الذی رجع الیه الامام وعلیه الفتویٰ کما فی الخانیة والجوهرة والکافی وغیرها وقال الشامی تحت قوله (حکی اربعة اقوال) لان الولد للفراش الحقیقی وان کان فاسداً (الیٰ ان قال) : وانما وضع المسئلة فی الولد اذ المرأة ترد الی الاول اجماعاً اھ (ص ۱۰۳۸ - ج ۲)-

وفی العالمگیریة :- (ص ۷۰ - ج - ۲) غاب عن زوجته البکر سنتین فتزوجت وجاءت بالاولاد (الی ان قال) وروی عبد الکریم الجرجانی عن ابی حنیفة رح ان الاولاد للزوج الثانی ورجع الی هذا القول وعلیه الفتویٰ کذا فی التجنیس (الیٰ ان قال) ولو کان الاول حاضراً - والمسئلة بحالها فالولد للاول کذا فی الوجیز للکردری ــــ قلت :- فما قال الشامی تحت قول الدر (فلا عدة فی باطل) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته فالدخول فیه لا یوجب العدة ان علم انها للغیر الخ یحمل علی العلم الیقینی وهو منتف فی زوجة الغائب (المفقود) والله اعلم

اور عورت پر عدت بھی واجب ہے یعنی زوج ثانی (زید) سے علیحدگی کے بعد عدت گزرنے تک عمرو کو صحبت وغیرہ جائز نہیں

وان فرق بعد الدخول کان علیها الاعتداد من وقت الفرقة

لامن وقت الوطی وکذا لوکانت الفرقۃ بغیر قضاء (قاضی خان ص۲۶۹ ج ۲)

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۵، ذی قعدہ ۴۳ھ

و اللہ اعلم
عبدالکریم عفی عنہ
۵، ذی قعدہ ۴۳ھ

زوجۂ مجنون کا حکم

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ھندہ کا عقد نکاح دس سال کی عمر میں زید سے ہوگیا اور زید نکاح سے تقریباً عرصہ ایک سال کے بعد دیوانہ ہوگیا اور ابتک اسکی حالت بدستور خراب ہے اور بظاہر کوئی امید تندرست ہونکی نہیں ہے نکاح کو ہوئے تقریباً عرصہ دس سال کا ہوگیا لڑکی کی عمر بیس سال ہے دوران شادی لڑکی صرف دس یا پانچ روز کیلئے شوہر کے مکان پر گئی تھی۔ باقی اس وقت اپنے والدین کے پاس ہے اور اس کے والدین ھی خورد و نوش وغیرہ کے کفیل ہیں اب ایسی صورت میں مسماۃ کا نکاح دوسری جگہ کردیا جائے یا نہیں؟ بعض علماء سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ایسے نکاح کو حاکم شرع سے فسخ کراکر دوسری جگہ نکاح کرسکتا ہے مگر یہاں کوئی حاکم شرع یا عدالت شرعی ایسی نہیں ہے جو فیصلہ مطابق شریعت کر سکے اگر کسی اسلامی ریاست کے قاضی شرع سے نکاح فسخ کرادیا جائے تو نکاح فسخ ہو جائیگا۔ اسمیں کیا ہونا چاھئے۔ فقط عبدالشکور پٹواری بلند شہر بالائے کوٹ کھال منہاراں۔

تنقیح :- جنون زید کے بعد ھندہ نے نکاح زید میں رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی یا نہیں ؟ اور اظہار رضامندی کے وقت ھندہ بالغہ تھی یا نابالغہ ؟ مفصل لکھا جائے کہ ھندہ نے بعد جنونِ زید کیا کہا ؟

جواب تنقیح :- ھندہ بوقت جنونِ زید نابالغہ تھی اور جب بالغ ہوئی تو زید کے نکاح میں رہنے پر رضامندی ظاہر نہیں کی بلکہ اپنا عقد ثانی کرنا چاھتی ہے۔

الجواب :- اگر کسی اسلامی ریاست میں ھندہ اور شوہر مجنون مع اسکے ولی کے پہونچ جائیں اور ھندہ فسخ نکاح کا مطالبہ کرے اور قاضی فریقین کے سامنے عقد نکاح کو فسخ کردے تو فسخ ہو جائیگا۔ بشرطیکہ تاجیل عنین کے موافق ایک سال کی مہلت دینے کے بعد فسخ کرے۔

کما صرح فی العالمگیریۃ :- (باقی صرف ایک فریق کے جانے سے کچھ نہ ہوگا)

لان قضاء القاضی لا ینفذ فیما لیس فی ولایتہ واذا تحاکما وتنازعا ای الخصمان کلاھما فقد دخلا فی ولایتہ ۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۵ شعبان ۴۳ھ

جس عورت کا شوہر غائب ہو اور نفقہ نہ بھیجتا ہو اس کا نکاح فسخ کرنا اور اسکے لئے عوام کی طرف سے قاضی مقرر کرنا ۔

(سوال) حامداً ومصلیا ومسلماً ماقولکم رحمکم اللہ تعالیٰ :-

اندرینکہ در دیار ما اکثر کسان در رنگون وغیرہ رفتہ بعضے نکاح ثانی کردہ وبعضے با قلاشی وضیق دستی و شراب خوری مبتلا شدہ رخت اقامت می اندازند وبرائے زوجہ ہائے آنان بوجہ خوراکی و پوشاکی چیزے نمی فرستند ونہ رجعت بسوئے خانہ ھائے می سازند ونہ طلاق می دھند وبعض در دیار خود سکونت ورزیدہ باز دواج زنی دیگر اوقات می گذارند وزن اول را نہ در خانہ دارے خود می آرند ونہ از زوجیت خود جدا می سازند پس با نوہائے اوشان بجہت عدم حصول نفقہ وسکنیٰ والبسہ یک قلم عاجزہ ومجبورہ گشتہ اکثر بفعل شنیع مثل زناکاری وپردہ دری مبتلا می شوند وبعضے با مرد دیگر از خانہ خودہا بیرون شدہ بجرائم علانیہ گرفتار می گشتند پس اندریں صورت ہائے مذکورہ خانون ہا بیچارہان را ہیچ صورت مباینت ہست یا نہ؟ وبوقت ضرورت شدیدہ بمذہب ومسلک امام دیگر عمل کردن جائز ہست یا نہ ؟ ودریں ریاست وحکومت نصاریٰ کہ قاضی شرعی مفقود ہست علماء محلہ را باتفاق ساکنان محلہ و باشندگان قریہ حسب قولِ فقہاء ویکون القاضی[ع] قاضیاً بتراضی المسلمین مقرر کردہ تفریق بین اوشان میتوانند کرد یا نہ ؟ بینوا توجروا ۔

الجواب ھو الموافق بالحق والصواب

درصورتِ مسئولہ تفریق بین زوجین نزد امام ما جائز نیست کیف ما کان ۔

کما فی الدر المختار : ولا یفرق بینھما بعجزہٖ عنھا بانواعھا الثلاثۃ الخ اما امام شافعیؒ وقتیکہ زوج معسر ومفلس باشد یا غائب گردد تفریق جائز داشتہ اند ۔ کما فی فیھا ایضاً : وجوزہ الشافعیؒ باعسار الزوج وبتضررھا

ع کذا فی رد المحتار ص۸۴۲ ج ۱ ۔ تحت قول الدر باب الجمعۃ ونصب العامۃ الخطیب ۔ عبد الکریم

بغیبۃ ولو قضی بہ حنفی لم ینفذ نعم لو امر شافعیاً فقضی بہ نفذ اذا لم یرتش الآمر والمامور بحر۔ وفی رد المحتار:۔ تحت قول الدر المختار: نعم لو امر شافعیاً ثم اعلم ان مشائخنا استحسنوا ان ینصب القاضی الحنفی نائباً من مذہبہ للتفریق بینہما اذا کان الزوج حاضراً۔ وابی عن الطلاق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لا یتیسر بالاستدانۃ اذ الظاہر انہا لا تجد من یقرضہا وغنی الزوج مالاً امر متوہم والتفریق ضروری اذا طلبتہ وان کان غائباً لا یفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبۃ ثم بعد نقل اختلاف الفقہاء ذکر والحاصل ان التفریق بالعجز عن النفقۃ جائز عند الشافعیؒ حال حضرۃ الزوج وکذا حال غیبۃ مطلقاً الیٰ قولہ وذکر فی الفتح انہ یمکن الفسخ بغیر طریق اثبات عجزہ بل بمعنیٰ فقدہ وھو ان تتعذر النفقۃ علیہا۔ وفی شرح الوقایۃ اما عند الشافعیؒ فالقاضی یفرق بینہما لانہ لما عجز عن الامساک بالمعروف ینوب القاضی منابہ فی التسریح بالاحسان واصحابنا لما شاھدوا الضرورۃ فی التفریق لان دفع الحاجۃ الدائمۃ لا یتیسر بالاستدانۃ والظاہر انہا لا تجد من یقرضہا وغنی الزوج فی المال امر متوہم استحسنوا ان ینصب القاضی نائباً شافعی المذہب یفرق بینہما انتہیٰ۔ ــــ وبوقت ضرورتِ شدیدہ بر مذہب امام دیگر حنفی را عمل کردن جائز ودرست است کما یفہم من رد المحتار حاشیۃ الدر المختار: وذکر ابن وھبان فی منظومتہ انہ لو افتی بقول مالک فی الضرورۃ یجوز واعترضہ شارحہا ابن الشحنۃ بانہ لا ضرورۃ للحنفی الی ذالک وقال الشارح فی الدر المنتقی ھذا لیس باولیٰ لقول القہستانی لو افتی بہ فی موضع الضرورۃ لا بأس بہ علیٰ ما اظن انتہیٰ ملخصاً واللہ اعلم وھکذا فی النظم فلو افتیٰ بہ فی موضع الضرورۃ ینبغی لا بأس بہ علی ما اظن انتہیٰ ــــ وبناء بر قول فقہاء۔ ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین کما فی رد المحتار: اگر مسلمانان اتفاق شدہ عالمے متدین را قاضی مقرر سازند وفلوسے بوجہ رشوت نہ گیرد

وخالصۃً لِلّٰہ تفرق کردہ دہند امید عند اللہ ماجور شوند۔ واللہ اعلم بالصواب و عندہ ام الکتاب۔ محمد عبد الحکیم غفر لہ الکریم۔

لیس للاحناف ان یفتوا بخلاف مذہب امامہم ولکن لما کانت الضرورۃ داعیۃ الیٰ رفع الحاجۃ الدائمۃ کما حررہ المجیب فینبغی للحنفی ان یفتیٰ للتفریق بینہما دفعاً للضرورۃ الشدیدۃ۔ کتبہ العبد الضعیف الراجی الیٰ رحمۃ ربہ الودود ابو المحمود محمد عبد المعبود تکانوی الحنفی۔

لیس للمقلد ان یفتیٰ بغیر قول امامہ وعند الضرورۃ ینبغی ان ینصب قاضیاً فی مذہبہ صورۃ واقعۃ فیقضی بما ہو واقع لہ وفیما لم یوجد قاض علی الوصف المذکور والضرورۃ داعیۃ فللحنفی ان یفتی بقول غیر امامہ دفعاً للحاجۃ: بندہ محمد ناظر غفر لہ

ان مست الحاجۃ کما حررہ المفتی جداً فالحکم لغیر المذہب لرفع الضرورۃ ودفع الفتنۃ ہو عین اتباع المذہب کما لا یخفی علی ارباب الدرایۃ واللہ اعلم۔ عزیز الرحمٰن عفی عنہ از دار العلوم دیوبند۔

التنقید علی الجواب

فی رد المحتار بعد قولہ وان کان غائباً لا یفرق لان عجزہ غیر معلوم حال غیبتہ المذکورۃ فی الجواب وان قضیٰ بالتفریق لا ینفذ قضاءہ لانہ لیس فی مجتہد فیہ لان العجز لم یثبت اھ ونقل فی البحر اختلاف المشائخ وان الصحیح کما فی الذخیرۃ عدم النفاذ لظہور مجازفۃ الشہود کما فی العمادیۃ والفتح وذکر فی قضاء الاشباہ فی المسائل التی لا ینفذ فیہا قضاء القاضی ان منہا التفریق للعجز عن الانفاق غائباً علی الصحیح لا حاضراً اھ (ص ۱۰۸۰ ج-۲) پس مجیب نے "ثم بعد نقل اختلاف الفقہاء" میں ایک مختصر عبارت کے ذکر پہ اکتفا کیا اور اس اختلاف فقہاء کو نقل نہ کیا اسمیں سوائے اس کے کیا مصلحت ہے کہ پوری عبارت نقل کرنے میں اپنے مدعا کے خلاف تصحیح صریح موجود تھی اسلئے مبہم لکھدیا تاکہ تصدیق کرنے والوں کو اس تحریر سے اتفاق ہوسکے۔ افسوس! کہ مجیب کی طرح مصدقین نے بھی اس عبارت متروکہ کی طرف خیال نہ فرمایا اگر اس عبارت کے

ترک سے اختصار مقصود تھا تو بعد نقل اختلاف الفقہاء کے ساتھ والصحیح عدم النفاذ بھی لکھدینا لازم تھا غرض یہ ہے کہ زوجہ غائب کی تفریق مذہب صحیح پر کسی طرح نہیں ہوسکتی باقی حاضر معسر کی زوجہ کے متعلق ضرورت شدید کے وقت قول "نعم لو امر شافعیاً فقضی به نفذ" صحیح ہے اسی بشرائطہ لیکن اس کے واسطے قاضی کی ضرورت ہے اور قاضی مقام سوال میں موجود نہیں اس واسطے یہ صورت بھی منصور نہیں اور مجیب نے جو صورت تحریر کی ہے کہ "یصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" وہ صحیح نہیں کیونکہ اس جزئیہ کو صورت مسئولہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ قول مذکور جمعہ کے باب میں ہے پوری عبارت شامی باب الجمعہ کی یہ ہے "فلو الولاة کفار أیجوز للمسلمین اقامة الجمعة ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین" اور دیگر کتب فقہ میں بھی ایسا ہی ہے پس اس "القاضی" میں لام عہد ہے یعنی قاضی جمعہ۔ اور صورت مسئولہ کو جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ لان الجمعة من العبادات والتفریق من المعاملات وشتان بینهما ـــ بلکہ فیصلہ کنندہ قاضی ہونے کیلئے حکومت کی طرف سے امر ضروری ہے صرف مسلمانوں کے تقرر وانتخاب سے قاضی نہیں ہوسکتا

کما فی العالمگیریة (ص۱۶۲ ج ۴): اذا اجتمع اهل بلدة علی رجل و جعلوه قاضیاً یقضی فیما بینهم لا یصیر قاضیاً واذا اجتمعوا علی رجل و عقدوا معه عقد السلطنة او عقد الخلافة یصیر خلیفة وسلطاناً کذا فی المحیط اه وقال العلامة الشامی فی کتاب القضاء:۔ تحت قول الدر: (ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر) ای الظالم وهذا ظاهر فی اختصاص تولیة القضاء بالسلطان ونحوه کالخلیفة لو اجتمعوا اهل بلدة علی تولیة واحد القضاء لم یصح بخلاف ما لو ولوا سلطاناً بعد موت سلطانهم کما فی البزازیة۔ نهر وتمامه فیه۔ اور اسکے بعد گو علامہ موصوف نے فرمایا ھے ـــ قلت:۔ هذا حیث لاضرورة والا فلهم تولیة القاضی ایضاً کما یاتی بعده لیکن آگے چلکر درمختار میں بھی صرف تقرر والی وامام جمعہ کا ذکر ہے قاضی کا کوئی ذکر نہیں اور شامی نے بھی تاتارخانیہ وفتح القدیر سے جو عبارات نقل کی ہیں ان میں بھی براہ راست اہل اسلام کو اس کا اختیار نہیں دیا کہ معاملات کا فیصلہ کرنے والا قاضی

مقرر کر سکتے ہیں بلکہ صرف امام و قاضی جمعہ ہی کا اختیار دیا ہے اور تقرر قاضی کی یہ صورت تجویز فرمائی گئی ہے کہ اول اہل اسلام کسی مسلمان کو والی بنا دیں پھر وہ والی کسی کو قاضی کا عہدہ سپرد کرے۔ عبارات یہ ہیں۔

و فی الدر المختار :۔ ولو فقد والٍ لغلبة کفار وجب علی المسلمین تعیین والٍ و امام للجمعة فتح (تاتارخانیہ) الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد و بلاد الاسلام التی فی ایدی الکفرة لاشك انہا بلاد الاسلام لا بلاد دار الحرب لانہم لم یظہروا فیہا حکم الکفر والقضاة مسلمون والملوك الذین یطیعونہم عن ضرورة مسلمون ولو کانت عن غیر ضرورة منہم ففساق وکل مصر فیہ والٍ من جہتہم تجوز فیہ اقامة الجمع والاعیاد و اخذ الخراج و تقلید القضاة و تزویج الایامی لاستیلاد المسلم علیہ و اما اطاعة الکفر فذاك مخادعة و اما بلاد علیہا ولاة کفار فیجوز للمسلمین اقامة الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیاً بتراضی المسلمین ویجب علیہم ان یلتمسوا والیاً مسلماً منہم اھ

و فی الشامیة ایضاً :۔ وعزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین (فتح القدیر) و اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ہو فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیاً فیولی قاضیاً او یکون ہو الذی یقضی بینہم و کذا ینصبوا اماماً یصلی بہم الجمعة اھ

کتب مذکورہ کے علاوہ دیگر کتب فقہ میں بھی بہت تلاش کیا گیا مگر امام جمعہ کے سوا براہ راست قاضی کا تقرر مسلمانوں کے سپرد ہونا کسی جگہ نظر سے نہیں گذرا سب یہی لکھتے ہیں کہ یا تو غیر مسلم حاکم کی منظوری سے نصب قاضی ہو سکتا ہے یا اول اہل اسلام کسی کو باقاعدہ قیود و شرائط[ع] کے ساتھ والی بنا دیں پھر اس والی کی طرف سے تقرر ہو سکتا ہے۔ اور راز اس میں

ع قیود و شرائط بوقت ضرورت کتب فقہ میں ملاحظہ ہوں اس جگہ ایک شرط کا ذکر ضروری ہے وہ یہ کہ امیر و والی با اختیار و صاحب اقتدار ہو۔ دلیل اسکی یہ ہے کہ کتب مذہب میں امام کیلئے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ معلوم ہوتا ہے کہ والی با اختیار کا تقرر ہونے کے بعد اگر کوئی اختلاف کرے تو وہ جرم بغاوت ہیں ماخوذ ہوسکتا ہے اور اگر تقرر قاضی من العامہ کے بعد کچھ لوگ اختلاف کر کے دوسرا قاضی مقرر کرلیں یا ویسے ہی اس قاضی کا حکم نہ مانیں تو اس کا کچھ علاج نہیں۔ پس اس سے واضح ہوگیا کہ قاضی کو براہ راست مقرر کیا جائے تو اسکو قوت تنفیذ حاصل نہیں ہوسکتی اور بلا قوت تنفیذ کسی کا نام قاضی رکھدینا محض بیکار ہے۔ لہذا جواب مولوی عبدالحلیم صاحب کا لکھا ہوا صحیح نہیں بلکہ سوال کا صحیح جواب یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں سے بعض صورتوں میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے تفریق نہیں ہوسکتی اور قاضی خود مسلمان مقرر کریں تو وہ قاضی نہیں ہوسکتا اور بعض صورتوں میں قاضی کو بھی تفریق کا حق حاصل نہیں

(فائدہ) اس مختصر تحریر سے یہ تو واضح ہوگیا کہ روایات فقہ نصب القاضی من العامہ کی عدم صحت پر متفق ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

نعم التحقیق و بالقبول حقیق — حررہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ خانقاہ امدادیہ

اشرف علی ۲۶ رمضان ۴۲ھ — تھانہ بھون ضلع مظفر نگر۔ ۲۴ رمضان ۴۲ھ

آخر الجواب صحیح

ظفر احمد عفا عنہ

۲۶ رمضان ۴۲ھ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) یہ شرط مصرح ہے چنانچہ شرح عقائد میں ہے " سائساً ای مالکاً للتصرف فی امور المسلمین بقوۃ رأیہ ورویتہ ومعونۃ بأسہ وشوکتہ قادراً بعلمہ وعدلہ وکفایتہ وشجاعتہ علی تنفیذ الاحکام وحفظ حدود دار الاسلام وانصاف المظلوم من الظالم — اور علت اسکی یہ لکھی ہے۔ اذ الاخلال بھذہ الامور مخل بالغرض من نصب الامام اور ان اغراض کی مذمت لکھی ہے۔" والمسلمون لا بد لھم من امام یقوم بتنفیذ احکامھم واقامۃ حدودھم وسد ثغورھم وتجھیز جیوشھم واخذ صدقاتھم وقھر المتغلبۃ والمتلصصۃ وقطاع الطریق واقامۃ الجمع والاعیاد وقطع المنازعات الواقعۃ بین العباد وقبول الشھادات القائمۃ علی الحقوق وتزویج الصغار والصغائر الذین لا اولیاء لھم وقسمۃ الغنائم ونحو ذالک من الامور التی لا یتولاھا احاد الامۃ اھ اور والی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حکم زوجۂ محبوس بحبس دوام | **(سوال)** کیافرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) چودہ سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ زید ملک نیپال میں بجرم قتل عمداً ماخوذ ہوا اور اب گذشتہ سال اسکو حبس دوام کی سزا ہوگئی اپیل میں بھی ناکامی ہوئی اور فیصلہ بحال رہا اب تک زید کی بیوی باوجود طرح طرح کی تکلیفوں کے صرف اس اُمید پر کہ شاید میرا شوہر رہا ہو جائے بیٹھی رہی لیکن اب جبکہ اسکی سزا ہو جانیکے باعث اسکی اُمید رہائی بالکل منقطع ہو چکی ہے تو زید کی بیوی کا مستقبل نہایت ہی تاریک نظر آتا ہے اور اسکو طرح طرح کی مصیبتیں برداشت کرنی پڑتی ہیں اور اسکے میکہ والے بھی نان ونفقہ کا بار نہیں اُٹھا سکتے وہ سخت مصیبت میں ہے بیوی کی عمر ۲۵ ۲۶ رسال ہے اس کا شوہر زید جو ریاست نیپال میں حبس دوام کی سزا بھگت رہا ہے نہایت ہی شریر آدمی ہے اور باوجود سخت کوششوں کے بھی وہ طلاق دینے پر کسی طرح رضامند نہیں ہوتا، معاملہ چونکہ ایک دیسی ریاست کا ہے وہ بھی نیپال جیسی ریاست جہاں معمولی معمولی باتوں کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وامیر بھی انہیں اغراض کے واسطے مقرر کیا جاتا ہے اسواسطے قوت وشوکت امور متعلقہ کی تنفیذ میں شرط ہونا لازم ہے۔ کما لا یخفیٰ علی من له ادنیٰ فهم۔ اور سخت حیرت ہے کہ بعض لوگ اس شرط اعظم کو اڑاتے ہیں اور اسپر اس سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتدا میں شوکت وغلبہ حاصل نہ تھا حالانکہ آپ اول ہی سے امام واجب الطاعۃ تھے ان حضرات کو اول تو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ یہ زمانہ اجتہاد کا نہیں اور تصریحات مذہب کے بعد قیاس کا حق نہیں دوسرے یہ غور کرنا لازم ہے کہ انبیاء کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور یہ گفتگو ہے منصوب من العباد میں ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا کسی طرح درست نہیں علاوہ ازیں ایک امر قابل توجہ یہ بھی ہے کہ اگر نصب امام ووالی کیلئے قوت وشوکت شرط نہیں تو کتب فقہ میں ایسے احکام درج کیوں کئے جن میں فقدان امام مفروض ہے بے ملکی نواب کے تقرر کا کیا شکل ہے جس کے نہ ہوتے سے طرح طرح کے مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے اور علماء ھند ودیگر ممالک چین وغیرہ نے اسطرف التفات کیوں نہ کیا ایسا زمانہ تو کوئی آیا نہیں جس میں صرف زبان سے کسی کو امام یا والی وامیر کا خطاب دیدینا غیر ممکن ہوگیا ہو پھر علمائے اسلام بالخصوص مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ وغیرہ سلمہ اکابر کا اس فریضۂ مذہبی کو ترک کرنے میں کیونکر معذور ہو سکتے ہیں ایسی کھلی بات میں زیادہ گفتگو کرتے ہوئے شرم آتی ہے اس قدر تحریر کی بھی حاجت نہ تھی مگر ضرورت زمانہ نے مجبور کیا کہ غلط مسائل شائع ہو رہے ہیں اور ان پر بلاسوچے سمجھے دلائل قائم کئے جاتے ہیں اسلئے بقدر ضرورت یہ مضمون حاشیہ پر لکھدیا ہے۔ فقط والسلام۔

فیصلہ کیلئے ایک طویل زمانہ درکار ہوتا ہے جس کا اندازہ اسی مقدمہ سے کیا جاسکتا ہے کہ چودہ سال میں زید کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اسلئے وہاں کے حکام کے ذریعہ سے زید سے جبراً طلاق حاصل کرنا تقریباً ناممکن ہے اگر ایسی کوشش کی بھی جائے تو نتیجہ پیدا ہونے تک زید کی بیوی کی عمر تباہ ہو جائیگی اسلئے برائے کرم پورے غور و فکر کے بعد فرمائیں کہ آیا صورتِ مسئولہ مشرحہ میں زید کی بیوی بغیر طلاق کے نکاح ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر صورتِ مذکورہ میں عورت اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ھے تو اسکی شکل کیا ہوگی؟ جبکہ ھمارے یہاں انگریزی حکومت ھے اور زید ایک دیسی ریاست میں محبوس ھے

(۲) مسلمان کلکٹر ضلع یا مسلمان ڈپٹی کلکٹر قاضی تسلیم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ —

المستفتی۔ شیخ چھیدی عبدالحمید قصبہ لار محلہ دکن

ضلع گورکھپور۔ مرقومہ ۳ر جولائی ۱۹۲۷ء

الجواب:۔ یہ شخص مفقود نہیں کیونکہ مفقود وہ ہے جسکی موت و حیات کا علم نہ ہو اور اس شخص کی جگہ بھی معلوم ہے حیات بھی معلوم ہے لھذا یہ مفقود نہیں بلکہ ضار بغیبتہ ہے اور اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک فرقت بین الزوجین نہیں ہو سکتی اور امام مالکؒ کا قول چار سال کی مدت کا مفقود کے بارے میں ہے اور یہ شخص مفقود نہیں پس اس صورت میں امام مالکؒ کے نزدیک بھی وسعت نہیں لھذا زید کی بیوی بدون زید کی طلاق یا موت کے کسی دوسرے سے نکاح نہیں کر سکتی۔

قال فی الدر:۔ ولا یفرق بینھما بعجزہ عنھا بانواعھا الثلاثۃ (ای الماکول والملبوس والمسکن ۱۲۔ ش) ولا بعدم ایفائہ حقھا ولو غائبا ولو موسرا (قال الشامی المناسب ولو معسراً) وجوزہ الشافعی باعسار الزوج وبتضررھا بغیبتہ ولو قضٰی بہ حنفی (ای علی الغائب) لم ینفذ لو امر شافعیاً تقضٰی بہ نفذ اھ (صفحہ ۱۰۷۹ ج ۲)

وفیہ ایضا:۔ فی باب المفقود۔ ھو شرعاً غائب لم یدر احیٌّ ھو فیتوقع أم میت اودع اللحد البلقع اھ قال الشامی عن البحر: فالمدار انما ھو علی الجھل بحیاتہ وموتہ لا علی الجھل بمکانہ اھ (ص ۵۰۷ ج ۳)

اور اس صورت میں عورت کو اور اسکے والدین کو اس مصیبت پر صبر کرنا چاھیئے

جیسا کہ اس صورت میں صبر کرنے جبکہ لڑکی کا کسی جگہ سے پیغام ھی نہ آتا اور نکاح ہی نہ ہوا ہوتا۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۸ محرم الحرام ۴۶ھ

تفریق زوجۂ مفقود کیلئے دارالاسلام میں قضاءِ قاضی شرط ہے اور یہ کہ چار سال کی مدت انتظار بعد رفع الی الحاکم سے شمار ہوگی، اور دار الحرب میں مالکیہ کا وہی مذہب ہے جو حنفیہ کا ہے۔

(سوال) مرجع العلماء جناب مولانا صاحب زید مجدھم — بعد تحفۂ تعظیمات معروض اینکہ۔ ھمارے فقہ کی کتب حنفیہ مثل جامع الرموز وغیرہ میں اور نیز حضرتِ بابرکت نے فتاوی امدادیہ میں افادہ فرمایا ہے کہ روز فقدان سے مفقود کی عورت بحکم حاکم مسلم زوج کو حکمی موت میں داخل کرکے عدت گذار کر نکاح کرسکتی ہے مگر مدونہ کبریٰ تصنیف امام مالک صاحبؒ جلد دوم صـ۹۲ طبع مصری میں ھے کہ وہ چار برس بحکم حاکم گذرنے ضروری ہیں سوائے حکم حاکم کے مرورِ سنین کا کوئی اعتبار نہیں اگرچہ بیس برس گذر گئے ہوں وہ عبارت یہ ہے "ضرب اجل المفقود، قلت:۔ ارأیت امرأۃ المفقود العسر لاربع سنین فی قول مالك بغیر امر السلطان (قال) قال مالك: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الیٰ موضعہ الذی خرج الیہ فاذا یئس منہ ضرب لھا من تلك الساعۃ اربع سنین (سحنون) عن ابن وھب عن عبد الجبار بن عمر عن ابن شھاب ان عمر بن الخطاب ضرب للمفقود من یوم جارت امرأتہ اربع سنین ثم امرھا ان تعتد عدۃ المتوفیٰ عنھا زوجھا ثم تصنع فی نفسھا ما شاءت اذا انقضت۔ وقال ربیعۃ بن ابی عبد الرحمٰن: المفقود الذی لا یبلغہ السلطان ولا کتاب سلطان فیہ قد اضل اھلہ وما لہ فی الارض فلا یدری این ھو وقد تلوموا فی طلبہ والمسئلۃ عنہ فلم یوجد فذاك الذی یضرب الامام فیما بلغنا لامرأتہ الاجل ثم تعتد بعدھا عدۃ الوفاۃ اھ

زرقانی علی الموطا للامام مالکؒ میں بھی مرورِ چار سال بامر سلطان کو

ثابت رکھا ہے اور یہی عبارت نقل کی گئی اب عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہ حنفی میں مالکی مذہب کی نقل کرنے میں غلطی اور مسامحت کی ہے جیسا کہ صاحب جامع الرموز منتساح مشہور ہے اور غالباً اس مسئلہ میں سب کا پیشوا بھی وہی معلوم ہوتا ہے یا کوئی اور جواب ہو سکتا ہے جس سے کہ ہماری کتب حنفیہ کی نقل درست اور مرور چار برس کا روز فقدان زوج سے مراد ہو یا مرسلطان یا نہ۔ بعض فضلاء رامپور وغیرہ فرماتے ہیں کہ جامع الرموز کا مطلق چار برس کا کہنا اگرچہ بغیر سلطانی امر کے ہو کتب مالکیہ کے خلاف ہے اور اپنے مذہب پر صاحب مذہب ہی کو پوری اطلاع ہوتی ہے نہ کہ غیر کو جیسا کہ ھدایہ میں نسبت حلتِ متعہ بطرف امام مالک صاحبؒ نسبت کرنا مخالف تھا کتب مالکیہ کے لھذا احناف نے رد کردیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بے شک مذہب مالک کی نقل وہی معتبر ہے جو کتب مالکیہ میں موجود ہے مدونہ کی عبارت جیسا کہ سوال میں مذکور ہے اور میں نے خود بھی اسکو مدونہ میں دیکھا ہے اس امر میں صریح ہے کہ زوجۃ المفقود چار سال قضاء حاکم وامر حاکم کے بعد گذارے اس سے پہلے اس کا چار سال یا بیس سال گذارنا معتبر نہیں۔

وقال الحافظ ابن حجر فی الفتح ایضاً: ان مذهب الزهری فی امرأة المفقود انها تربص اربع سنين وقد اخرجه عبد الرزاق وسعيد بن منصور وابن ابی شيبة باسانيد صحيحة عن عمر وثبت ايضاً عن ابن عمر وابن عباس قالا تنتظر اربع سنين وثبت ايضاً عن عثمان وابن مسعود فی رواية وعن جمع من التابعين كالنخعی وعطاء والزهری ومكحول والشعبی واتفق اكثرهم على ان التاجيل من يوم ترفع امرها للحاكم وعلى انها تعتد عدة الوفاة بعد مضی الاربع سنين ولم يفرق اكثرهم بين احوال الفقد الا ما تقدم عن سعيد بن المسيب (قال اذا فقد فی الصف عند القتال تربصت امرأته سنة واذا فقد فی غير الصف فاربع سنين) وفرق مالك بين من فقد فی الحرب فتؤجل الاجل المذكور (ای اربع سنين) وبين من فقد فی غير الحرب فلا تؤجل بل تنتظر مضی العمر الذی يغلب على الظن انه لا يعيش اكثر منه وقال احمد والحق ان من غاب عن اهله فلم يعلم

خبره لاتاجیل فیه و انما یؤجل من فقد فی الحرب و فی البحر او نحو ذالك وجاء عن علی اذا فقدت زوجها لم تزوج حتی یقدم او یموت وقال عبد الرزاق بلغنی عن ابن مسعود انه وافق علیا فی امرأۃ المفقود انها تنتظره ابداً ومن طریق النخعی لا تزوج حتی ستین عمره وهو قول فقهاء الکوفة والشافعی وبعض اصحاب الحدیث اھ (ص۳۸ ج - ۹)

اس سے معلوم ہوا کہ زوجہ مفقود کیلئے ائمہ اربعہ میں سے امام احمد و مالک چار سال کے انتظار کے قائل ہیں۔ مگر دونوں کے نزدیک تاجیل امام شرط ہے بدون تاجیل امام کے چار سال گذرنا معتبر نہیں اور انکے نزدیک بھی تاجیل باربع سنین ہر مفقود کیلئے نہیں بلکہ مفقود فی الحرب ونحوھا کیلئے ہے اور مفقود فی غیر الحرب کیلئے وہ بھی امام ابوحنیفہ وشافعی کی طرح موت اقران کے قائل ہیں یہ تو اصل مسئلہ کی تحقیق تھی اور حضرت حکیم الامت نے اپنے فتاویٰ میں کسی جگہ قضاء قاضی کا مذہب مالک میں مشروط ہونا ضرور ظاہر فرمایا ھے جیسا کہ مجھے یاد پڑتا ہے اور مصنفین حنفیہ کا اس شرط کو ظاہر نہ فرمانا یا تو بوجہ اختلاف روایات مالک کے ہے ممکن ہے کہ ان سے کسی روایت میں یہ شرط مروی نہ ہو جس سے حنفیہ نے اطلاق سمجھا اور مالکیہ نے دوسری روایت سے اسکو مقید سمجھا یا بوجہ قلت ممارست بفقہ مالک کے ھے اور حنفیہ کی طرح مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ بھی حنفیہ کے مذہب کے بیان میں ایسی غلطیاں بکثرت کرتے ہیں کہ خاص کو عام مقید کو مطلق بیان کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ ۲ ربیع الاول ۴۶ھ

قلت: والذی صرح به الشیخ حکیم الامة فی بعض فتاواه مانقله من کتاب شرح الشیخ الدردیر علی مختصر الشیخ الخلیل فی المذهب المالکی و نصه ولزوجة المفقود الرفع للقاضی والوالی ووالی الماء وهو الساعی ای جابی الزکوٰة والا فلجماعة المسلمین فیؤجل الحر اربعین سنین ان دامت نفقتها من ماله والا طلق علیه لعدم النفقة من حین العجز عن خبره بالبحث عنه فی الاماکن التی یظن ذهابه لو لیها فی البلدان بان یرسل الحاکم رسولاً بکتاب الحاکم تلك الاماکن مشتمل علی صفة الرجل وحرفته و نسبه لیفتش عنه فیها ثم بعد الاجل الکائن بعد کشف الحاکم

عن امرہ ولم يعلم خبرہ اعتدت عدة كالوفاة (ایں حکم در دار الاسلام بود چنانچہ درآں کتاب تصریح است وبعد چند سطر حکم مقابلش یعنی زوجۂ مفقود در دار الکفر می آرد هكذا)
و بقيت زوجة الاسير وزوجة مفقود ارض الشرك للتعمير ان دام نفقتها والا فلهما التطليق كما لو خشيا الزنا وهو (اى) التعمير سبعون سنة من يوم ولد اه ص۳۹۹ الى ص۴۰۱

وفى مقدمات ابن رشد القاضى المالكى فالمفقود هو الذى يغيب فينقطع اثره ولا يعلم خبره وهو على اربعة اوجهٍ مفقود فى بلاد المسلمين ومفقود فى بلاد العدو ومفقود فى صف المسلمين فى قتال العدو ومفقود فى حرب المسلمين فى الفتن التى تكون بينهم فاما المفقود فى بلاد المسلمين فالحكم فيه اذا رفعت امرأة امرها الى الامام ان يكلفها اثبات الزوجية والمغيب فاذا اثبت ذالك عنده كتب الى والى البلد الذى يظن انه فيه او الى البلد الجامع ان لم يظن به فى بلد بعينهٖ متبحثاً عنه ويعرفه فى كتابه اليه باسمه ونسبه وصفته ومتجره ويكتب هو بذالك الى نواحى بلدہٖ فاذا ورد على الامام جواب كتابه بانه لم يعلم له خبر ولا وجد له اثر ضرب لامرأته اجلا اربعة اعوام ان كان حرا او عامين ان كان عبدا ينفق عليها فيها من ماله وفى مختصر ابن عبد الحكيم ان الاجل يضرب من يوم الرفع ص۱۰۱/۲ قال: واما المفقود فى بلاد الحرب فحكمه حكم الاسير ولا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته او ياتى عليه من الزمان مالا يحيى الى مثله فى قول اصحابنا كلهم حاشا اشهب فانه حكم له بحكم المفقود فى المال والزوجة جميعًا واختلف فيمن ذهب فى البحر الى بلاد الحرب ثم فقد فقيل انه كالمفقود فى بلاد المسلمين لامكان ان تكون الريح قدرته الى بلاد المسلمين الا ان يعلم انه جاز فى بعض جهات الروم (مثلاً) ثم فقد بعد ذالك وقيل انه كالمفقود فى بلاد الحرب اھ ثم فصل فى حكم المفقود فى صف المسلمين فى قتال العدو وفى القتال بين المسلمين وذكر ان فى ذالك روايات مختلفة ففى بعضها له حكم المفقود

فی دار الاسلام وفی بعضہا لہ حکم المقتول فتتلو مرامہ أنہ سنۃ او نحو ذالک وفی بعضہا لہ حکم الاسیر وقد تقدم واللہ تعالیٰ اعلم ـــــ قلت: وبہ تبین ان قول مالک فی المفقود کقولنا فی غالب الاحوال الا فی الذی فقد فی دار الاسلام فیضرب لامرأتہ الاجل عندہ بعد الرفع الی الحاکم من یوم الرفع او من یوم ورود جواب کتابہ الی البلدان ولیس للمرأۃ عندہ ان تنتظر اربعۃ اعوام بنفسہا کما افتی بذالک بعض العلماء بالہند اخذا بقول مالک وہو خطأ صریح۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۷ ربیع الاول ۴۶ھ

حکم زوجۂ مجنون مفقود

(**سوال**) کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمبئی میں ایک شخص دیوانہ ہوگیا اور احمد آباد کے قریب میران داتار صاحب کا مزار ہے جہاں ایسے دیوانوں کو بغرض حصول شفا لوگ لیجاتے ہیں چنانچہ شخص مذکور دیوانے کی زوجہ اس دیوانے کو اپنے ہمراہ لیکر میران داتار صاحب کے مزار پر لیجانیکے واسطے ریل میں سوار ہوگئی راستہ میں عورت مذکور سوگئی جب بیدار ہوئی تو اپنے زوج دیوانے کو نہ پایا عورت نے پہلے تو خود بہت جستجو کی بعد ازاں انعامی اشتہار بھی چھپوایا بعد ازاں عورت کے اقارب نے اجمیر دہلی تک سفر کرکے بھی اس شخص دیوانے کی جستجو کی اس واقعہ کو تقریباً پانچ سال کا عرصہ ہوچکا ہے مگر ابتک اس شخص دیوانے کا کچھ پتہ نہیں ملا اب عورت مذکورہ چونکہ جوان بعمر ۲۳ سالہ ہے اور نان ونفقہ سے بھی تنگ ہے اس واسطے بصورتِ مذکورہ کسی دوسرے شخص سے وہ عورت نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

العبد ہاشم بن آدم کوسیٹی۔ العبد اسماعیل احمد۔ شاہد احمد بن محمد

الجواب:۔ نہیں کرسکتی البتہ اگر حکامِ انگریزی کسی مسلمان حاکم کو ایسے مقدمہ میں شرعی فیصلہ کرنیکا اور اس مفقود کے حکم بالموت کا اختیار باقاعدہ دیدیں تو پھر سوال کیا جائے اسکی تدبیر بتلائی جائیگی۔ اشرف علی

تتمہ سوال بالا

بعد از سلام مسنون عرض ہے کہ مفقود مذکور اور اسکی زوجہ ہر دو رہ باسنت مانگرول کے رہنے والے ہیں بوجہ روزگار کے بمبئی میں رہتے تھے زوج کے مفقود ہونیکے بعد زوجہ

اپنے اصلی وطن مانگرول میں چلی آئی۔ اب عرض یہ ہے کہ یہاں کا رئیس مسلمان اور حاکم با اختیار ہے اپنے رعایا پر جو قانون چاہے نافذ کر سکتا ہے اور گورنمنٹ نے بھی حاکم مذکور کے اختیار مذکور کو تسلیم کیا ہوا ہے صرف سہولت کیلئے حاکم نے اپنے قلمرو میں قانون انگریزی کو جاری کر رکھا ہے اب حاکم مذکور مفقود مذکور کی نسبت (جو کہ علاقہ انگریزی میں مفقود ہوا ہے) حکم بالموت کر سکتا ہے یا نہیں؟ فتاوی امدادیہ ج ۳۔ ص ۸۰۔ سطر ۷ پس بنائے علیہ دریں ملک آں حکام کہ برائے ایں غرض از سرکار مامور کردہ می شود اگر مسلمان باشندہ در حکم قضاۃ ھستند مثل ڈپٹی وغیرہ نیز ص ۸۰۔ سطر ۲۲ اگر قاضی شرعی است کہ برائے فصل خصومات مقرر کردہ شد قضائش نافذ می شود نیز ص ۸۲ سطر ۱۳ صورت ثانیہ (یعنی جہاں کفار کی طرف سے حاکم مسلمان ہو) میں فسخ معتبر نہ ہوگا بینوا توجروا۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورت مسئولہ میں عورت اس واقعہ کا مرافعہ حاکم مسلم مانگرول کی عدالت میں کرے پھر حاکم مذکور کو چاہئے کہ مفقود کی تلاش و تفتیش کرے اگر مایوسی ہو جائے اور اسکے ظن غالب میں مفقود کی موت راجح ہو تو تاریخ مرافعہ سے چار سال کے بعد حکم بالموت کر سکتا ہے علی مذهب مالك وعلى مذهبنا ايضا فان الزيلعي اختار تفويضه الى رأى الحاكم (در ص ۵۱۱ ج۔۳) — پھر حکم بالموت کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات کے پوری کرکے نکاح کر سکتی ہے۔ قلت: ولما كان المفقود في وطنه في ولاية هذا الحاكم المسلم يجعل كانه مفقود دار الاسلام ولو سلم انه مفقود دار الحرب فان الملك الحربي اذن له في الحكم بين الناس الذين هم في الاصل تحت ولايته وان سكنوا بلاد الحرب للكسب كما هو الظاهر من اصولهم والله اعلم۔

وفي المدونة: قال مالك، في الاسير: يفقد في ارض العدو انه ليس بمنزلة المفقود لانه في ارض العدو وقد عرف انه قد اسر ولا يستطيع الوالي ان يستخبر عنه في ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد في ارض الاسلام اھ (ص ۹۸ ج۔۲) — قلت: وهل اذا كان نفقد في ارض الحرب وملكها مسالم للسلطان المسلم فهو كالاسير ام لا الظاهر الثاني لامكان

الاستخبار عنہ فی ارض المسالم و اللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ امدادیہ۔ ۱۱ شوال ۴۶ھ

صورت تفریق زوجۂ عنین | (سوال) کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ عرصہ اندازاً تیرہ چودہ سال کا مقتضی ہوا کہ محمد سعادت علی ساکن حال جہانگیر آباد بھوپال نے اپنی دختر کا عقد اپنے رشتہ دار نامی محمد وسیع ساکن ضلع میرٹھ سے کر دیا تھا۔ اتفاق سے شوہر نامرد وعنین نکلا اس وجہ سے اسکو ندامت ہوئی اور وہ اپنے وطن چلا گیا۔ مدعیہ کے باپ نے بعد تین چار سال کے محکمہ قضا بھوپال میں چارہ جوئی بابت گلو خلاص کی محکمہ موصوف سے باضابطہ ذریعہ عدالت مافوق مدعا علیہ طلب کیا گیا مگر وہ باوجود طلبی اور زمین چار سال گذر جانے کے حاضر نہ ہوا محکمۂ قضاء نے مقدمہ خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ جدائی زوجین غیر ممکن ہے اور محکمہ افتاء بھوپال نے فتوی تحریر فرمایا کہ شریعت غزا دادرسی مظلومان و فیصلات خلائق ہر قسم سے کہیں عاجز نہیں اور علاوہ غیر کی صورت میں علاج شرعی ہو سکتا ہے جو بذریعہ کتاب القاضی الی القاضی کے حسب معروض بالا کاروائیاں تکمیل ہو سکتی ہیں یعنی باضابطہ میعاد ایک سال دیگر اطلاع دیجائے اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ ھدایت جلد ۲ باب العنین جدائی ممکن ہے اسپر فرمانروائے بھوپال سے بنام قاضی صاحب بھوپال مکرر تحقیقات کا حکم فرمایا گیا قاضی صاحب سابق نے بعد ایک دو سال کے مکرر خارج فرمایا کہ بلا حاضری مدعا علیہ تصفیہ نہیں ہو سکتا مجبوراً باپ مدعا علیہ نے جا بجا سے فتوے علماء دین سے حاصل کر کے خدمت میں قاضی صاحب حال پیش کی کہ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ مدعا علیہ کو باضابطہ میعادی ایک سالہ اطلاع دی جانے پر اور بحالت عدم حاضری مدعا علیہ علیحدگی زوجین بروئے شریعت شریف جائز ہے تب محکمہ قضا نے ذریعۂ اشتہارات و اخبارات اعلان کیا اور ایک حکم باضابطہ اطلاعاً مدعا علیہ کو دیا کہ اگر اس مرتبہ مدعا علیہ حاضر نہ ہوا تو یہ سمجھا جائیگا کہ مدعا علیہ کو علیحدگی منظور ہے اور اُسے بروئے شریعت شریف حکم قطعی علیحدگی زوجین دیا جائیگا۔ تاہم مدعا علیہ اندر میعاد مقررہ حاضر نہ ہوا۔ بعد میعاد باپ مدعا علیہ کو بلوا لیا جائے۔ چنانچہ تب وہ حاضر ہوا اور ایک ہندو ڈاکٹر کا سرٹیفیکٹ بھی لاکر پیش کیا کہ میں اب اچھا ہوں۔ اس پر باپ مدعیہ نے جب کہا جناب کے سرٹیفیکٹ ڈاکٹر کافر کا شریعت غزا میں جائز نہیں بمقابلہ

تحقیقات شرعیہ کے اور جس حال میں آپ خود عالم و حاکم محکمہ قضا ہیں اور حکیم بھی ہیں مدعا علیہ کا معائنہ بھی کرا سکتے ہیں ایسی صورت میں یہ سرٹیفیکٹ کافی کا دیا ہوا اور عدم موجودگی فریقین وعدالت کے حاصل کیا گیا ہے کب جائز سمجھا جا سکتا ہے اسپر قاضی صاحب نے بخیال دور اندیشی اہل برادری ہونیکے مقدمہ خارج فرما دیا اور مثل داخل دفتر فرما دی اور کوئی تصفیہ نہ فرمایا مدعا علیہ مع باپ کے واپس وطن خود چلا گیا اسی طرح زمانہ عقد سے اس وقت تک عرصہ چودہ سال کا ہوگا نہ تصفیہ کیا گیا نہ نان ونفقہ دیا گیا۔ اسی عرصہ میں والدین مدعا علیہ کا انتقال ہوگیا اور ماں مدعیہ کا انتقال ہوگیا صرف باپ مدعیہ جو ضعیف العمر بیکار خانہ نشین بیمار ھے اگر وہ بھی قضا کر گیا تو کوئی سرپرست مدعیہ کا نظر نہیں آتا ایسی صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے کہ جس حالت میں مدعیہ کو نہ جانا منظور ہے نہ مدعا علیہ کو کوئی ضرورت لاحق ہوئی۔ جائے غور ھے۔ کہ اسقدر عرصہ گذر جانے پر اور جوانی مدعا علیہ اتر جانے تک کوئی برائی بھلائی یا خواہش تک نہ معلوم ہو جیسا زمانہ ابتداء میں معصوم صفت نابالغ تھا تا این دم نابالغ موجود ہے اور نہ نان ونفقہ دے اگر دعویٰ نان ونفقہ کیا جائے تو یہ اندیشہ ھے کہ سابقہ دعویٰ پہ عرصہ چودہ سال کا گذر گیا دوبارہ پہ عمر نوح درکار ہے اس وقت بجز سرپرست وکفیل باپ خود مدعیہ کے کوئی دوسرا نظر نہیں آتا ایسی حالت میں بجز گلو خلاصی مدعیہ کیونکر اوقات بسرے ممکن ہے اس واسطے براہ خدا ورسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جلد سے جلد اسبارہ میں فتویٰ مرحمت فرمایا جائے جو مدعا علیہ کو پہونچکر مدعیہ و باپ مدعیہ جو چراغ سحر ہے تا دفت دعاگو رہینگی اور اللہ جل شانہ جزائے خیر دیگا واجب جان کر عرض کیا گیا۔

سائل۔ طفیل احمد برادر چچا زاد مدعیہ ساکن جھانگیر آباد بھوپال

الجواب:۔ قال فی البدائع فی باب العنین: واذا ثبت (ای بعد التاجیل سنۃ) انہ لم یطأھا اما باعترافہ واما بظھور البکارۃ فان القاضی یخیرھا فان الصحابۃ رضی اللہ عنھم خیروا امرأۃ العنین ولنا فیھم قدوۃ فان شاءت اختارت الزوج الی ان قال فان اختارت المقام مع الزوج بطل حقھا ولم یکن لھا خصومۃ فی ھذا النکاح ابدا لما ذکرنا انھا رضیت بالعیب فسقط خیارھا وان اختارت الفرقۃ فرق القاضی بینھما کذا ذکرہ الکرخی ولم یذکر الخلاف وظاھر ھذا الکلام یقتضی انہ لا تقع الفرقۃ

بنفس الاختیار فی ظاهر الروایۃ (ای بعد تخییر القاضی ایاھا) ولایحتاج الی القضاء لخیار المعتقہ وخیار المخیرۃ وروی الحسن عن ابی حنیفۃ انہ لاتقع الفرقۃ مالم یقل القاضی فرقت بینکما وجعلہ بمنزلۃ خیار البلوغ ھکذا ذکر و ذکر فی بعض المواضع ان فی قول ابی حنیفۃ ماروی الحسن عنہ و ماذکر فی ظاہر الروایۃ قولھما وجہ روایۃ الحسن ان ھذا الفرقۃ بطلاق لاخلاف بین اصحابنا و انما المخالف فیہ الشافعی فانما فسخ عندہ والمسئلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ تأتی فی موضعھا و القاضی یقوم مقام الزوج ولان ھذہ الفرقۃ یختص بسببھا القاضی وھو التاجیل لان التاجیل[ع] لایکون الا من القاضی فکذا الفرقۃ المتعلقۃ بہ کفرقۃ اللعان وجہ المذکور فی ظاہر الروایۃ ان تخییر المرأۃ من القاضی تفویض الطلاق الیھا فکان اختیارھا الفرقۃ تفریقًا من القاضی من حیث المعنیٰ لامنھا اھ (ص ۳۲۵ و ۳۲۶-ج-۲) قلت: وفیہ دلالۃ علی انہ لابد من تخییر القاضی للمرأۃ بین القیام مع الزوج والفرقۃ منہ اتفاقًا بین اصحابنا خلاف ما یوھمہ کلام الشامی فی ھذا المقام۔ وللہ در صاحب البدائع فما افصح بیانہ وما ابلغ کلامہ وان الخلاف فی انہ ھل یتوقف الفرقۃ بعد تخییر القاضی علی قولہ فرقت بینکما اولا فروایۃ الحسن عن ابی حنیفۃ وھی التی اختارھا اصحاب المتون انہ لابد من تفریق القاضی بل تقع الفرقۃ باختیار المرأۃ نفسھا بعدما خیرھا القاضی وھو المذکور فی ظاہر الروایۃ۔ واللہ اعلم

مسئلہ عنین میں قاضی کا مہلت دینا مرد کو اور مہلت دینے کے بعد عورت کو قیام مع الزوج اور آزادئ نفس میں مختار بنانا ضروری ہے اسکے بغیر عورت نکاح سے نہیں نکل سکتی پھر امام صاحب کے نزدیک قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت آزادئ نفس کو اختیار کرے قاضی کا یوں کہنا بھی ضروری ہے کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی

[ع] صرح بہ فی البحر والفتح والھندیہ ان تاجیل غیر القاضی باطل وکذا تاجیل المرأۃ۔ ظفر۔

اور صاحبین کے نزدیک اسکے کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ قاضی کے اختیار دینے کے بعد جب عورت اپنے نفس کی آزادی کو اختیار کرلے تو اسی طلاق پڑ جائیگی۔

چونکہ صورت مسؤلہ میں قاضی سے عورت کو آزادی نفس اختیار کرلینے کا اختیار نہیں دیا نہ یوں کہا کہ میں نے تم دونوں میں تفریق کردی اسلئے ابھی تک یہ عورت شوہر کے نکاح میں ہے دوسرے کسی مرد سے نکاح نہیں کرسکتی فلتصبر ولتحسب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون ۳ ذی الحجہ ۱۳۴۶ھ

رسالہ "غایۃ المقصود فی نھایۃ المفقود" تحقیق مذہب مالکؒ در زوجۂ مفقود

(سوال) کیا فرماتے ہیں حضرات علمائے دین اس اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی لڑکی سید خانم صغر سنی میں محمد سرور ولد عبدالرحمٰن کو نکاح یعنی ایجاب وقبول کردی روبرو گواہاں کے بعد خطبہ اور نکاح کے محمد سرور کہیں چلا گیا ھے عرصہ قریباً چھ سال گذر چکے ہیں اسکے زندہ ہونے اور مرنے کی خبر کسی نے آجتک نہیں دی اور لڑکی اپنی جگہ کہتی ھے کہ والد نے مجھے قید کردیا ھے کہ کہیں شادی بیاہ کرکے مجھکو نہیں دیا اور نہ دیتا ہے اور جوان چار پانچ سال کی ہوں اور نہ ھمارے خاوند مذکورہ نے کوئی خبر نیک و بد بھیجی ہے اور اسکے والدین رو پیٹ کر صبر کر رھے ہیں ادھر ھم گرفتار والدین کے شرم وحیاء میں کب تک رہونگی یہ مشکل امر ہے بینوا توجروا فی الدارین۔

الجواب:۔ اگر مسماۃ سید خانم کا شوہر مفقود الخبر ہوگیا ہے اور کچھ پتہ اسکے مرنے جینے کا نہیں ہے تو اسکو قاضی، اگر قاضی نہ ہو تو جماعت مسلمین، چار سال کی مہلت دیں اور شوہر کی تلاش میں کوشش کریں اگر اس عرصہ میں بھی شوہر کا پتہ نہ چلے تو چار سال کے بعد مسماۃ مذکورہ عدتِ وفات چار مہینہ دس دن پورے کرکے نکاح ثانی کرسکتی ہے بدون تاجیل قاضی یا جماعت مسلمین کے عورت کو نکاح ثانی کرنا جائز نہیں ہے اور یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے حنفیہ نے بھی بضرورت اسپر فتویٰ دیا ہے

وفی المدونۃ الکبریٰ: قلت: ارأیت امرأۃ المفقود اتعتد بعد الاربع سنین فی قول مالک بغیر امر السلطان قال: قال مالک رحمہ اللہ: لا وان اقامت عشرین سنۃ ثم رفعت امرھا الی السلطان نظر فیھا وکتب الی موضعہ الذی خرج الیھا فان یئس ضرب لھا من

تلك الساعة اربع سنين الخ۔ واللّٰہ اعلم

كتبه مسعود احمد عفا اللّٰه عنه — الجواب صحیح

دار العلوم دیو بند۔ ۱۸ محرم ۱۳۴۶ھ — محمد رسول خان عفی عنہ

(الكلام على الجواب المذكور)

سيدى ومولاى المحترم زادت معاليكم اقدم الى حضار الاعتاب تحيات منها سيد الانام عليه وعلى آله افضل الصلوات واكرم التسليمات من المفضل المنعام ومن بعد فابدى لسيادتكم ان العلماء ههنا كانوا يفتون الزوجة المفقود حسب ماذكره العلامة ابن عابدين بمذهب المالكيه كما افاده مولانا عبد الحى الكهنوى وحضرت مولانا الكنگوهى قدس الله سرهما العزيز فكانوا يقولون انه ان مضى على فقده اربع سنين وتحقق الفقد حسب القواعد الشرعية فليحكم الحاكم الاسلامى او من جعل حاكماً بالتحكيم بموت المفقود ويامر الزوجة ان تعتد عدة الوفاة ومثل هذا مذكور فى الفتاوى الامدادية وكان مفتى هذه الديار ويجاوز هذا ويفتى بان المسلمين اذا لم يجد والحاكماً او محكماً كذالك فليعملوا بفتوى الامام مالك من كبار انفسهم قد جرى هذا العمل والفتوى الى ما شاء الله ثم احدث بعض العلماء ههنا تشديداً فقال: اذا رفع امر زوجة المفقود الى حاكم اوجماعة المسلمين فليتفقدوا الفقد اجديداً فان لم يتبين امره فليؤجل من بعد ذالك اربع سنين وان مضى قبل الرفع عشرون او اربعون سنة فاذا كملت المرأة مدة اربعين سنة تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج وقال: ان المذكور فى كتب المالكية هكذا وفق عبارة المدونة كما هى مذكورة فى الجواب قدمت الى داعيكم هذه الفتوى للتصحيح فانكرتها ورأيت ان المدونة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها لديهم ولا يعتمد عليها من كل الوجوه وانما يعتمدون على مختصر الخليل وشرحه فينبغى ان ينظر اليه ويفتى به۔ قلت: ان الظن ان مراد صاحب المدونة ان امر المفقود لايتم شرعاً اى لا يتحقق فقده الشرعى الا بعد مساعى السلاطين ومن ناب منابهم فانهم فى الازمنة السالفة لدى قلة الوسائل لهم الذين كانوا قادرين على معرفة المفقود حق المعرفة فالحاصل ان هذه القيود انما هى لتحقق الفقد فان ثبت الفقد فى زماننا الذى كثر فيه الوسائل ويقدر فيه احاد الناس على ما كان لا يقدر على مثله فى الماضى السلاطين والملوك فلا حاجة

حينئذ إلى التأجيل بعد رفع المسئلة و بعد مضى المدة التى تطول على أربع سنين من لدن الفقد الشرعى - و كيف ما كان فإن المقصد من عبارة المدونة تحقيق الفقد فإذا ثبت الفقد الطويل قبل ذلك فلاحاجة حينئذ إلى التأجيل ثم على التسليم نقول إن الديار الهندية حيث كانت خالية عن السلطان الاسلامى ونائبه فانما يتيسر فيها الرفع بعده إلى جماعة المسلمين اذ آحادهم ولاشك أن المرأة رفعت أمرها إليهم منذ فقدت زوجها أو بعد مدة يسيرة من حيث صاروا يفتقدونه بما تيسر لديهم فينبغى أن تعتبر المدة منذ الافتقاد ثم بعد ذلك كله وتسليم الأمور بأجمعها صرحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر با لتأجيل إن كان لديها نفقة من زوجها فأما إذا لم يكن لديها النفقة فليحكم عليها بالطلاق بمجرد الرفع كما هو فى عبارة الخليل وشرحه فياسيدى إن المصائب التى تنزلت بالديار الهندية إنما ترجع عامتها إلى عدم النفقات وصعوباتها فحينئذ لاحاجة إلى التأجيل والانتظار الشديد و إنما احتجنا إلى مذهب مالك رحمه الله والافتاء به للضرورات الشديدة الحادثة فى زماننا. فالمرجو من مكارم أخلاقكم أن تنظروا إلى ما ذكر الداعى الحقير واطلعونا بما يلزم حتى نجرى التصحيحات والفتاوى بمقتضاها وهذه عبارة الخليل وشرحه :

فصل ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء وإلا فلجماعة المسلمين فيؤجل الحر أربع سنين ان دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ولا يحتاج فيها لاذن وليس لها البقاء بعدها و قدر طلاق بدخول الثانى فتحل للأول إن طلقها اثنتين فإن جاء أو تبين انه حى أومات فكالوليين اه بقدر الحاجة۔

وقال فى شرح الدردير: فصل لذكر المفقود وأقسامه الأربعة (فولزوجة المفقود) أى ببلد دار الاسلام بدليل ما يذكره فى غيره حرة أو أمة صغيرة أو كبيرة الرفع للقاضى والوالى أى حاكم السياسة ووالى الماء وهو الساعى اى جابى الزكوٰة ان وجد واحد منهم فلجماعة المسلمين من صالحى بلدها و لها ان لا ترفع وترضى بالمقام معه فى عصمته حتى يتضح امره أو تموت وظاهره انها مخيرة فى الرفع لاحد الثلاثة والنقل انها إن أرادت الرفع و وجدت الثلاثة وجب للقاضى فإن رفعت لغيره حرم عليها وصح و ان رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضى بطل فان لم يوجد قاض فتخير فيها فان رفعت لجماعة المسلمين

مع وجودها فالظاهر الصحة فيؤجل الحر أربع سنين إن دامت نفقتها من ماله وإلا طلق عليه لعدم النفقة ويؤجل العبد نصفها سنتين من حين العجز عن خبره بالبحث عنه فى الأماكن التى يظن ذهابه إليها من البلدان بان يرسل الحاكم رسولا بكتاب لحاكم تلك الاماكن مشتمل على صفة الرجل وحرفته ونسبه - ليفتش عنه فيها ثم بعد الأجل الكائن بعد كشف الحاكم عن امره ولم يعلم خبره اعتدت عدة كالوفاة أى كعدة الوفاة للحرة بأربعة أشهر وعشر والأمة لشهرين وخمس ليال على ما تقدم ولو غير مدخول بها لانه يقدر موته فلا نفقة لها فيها كما قال وسقطت بها أى فيها اى العدة النفقة ولا تحتاج الزوجة فيها أى العدة بعد فراغ الأجل لإذن من الحاكم لان اذنه حصل بضرب الاجل أولاً وليس لها البقاء أى اختيار البقاء فى عصمته بعدها أى بعد الشروع فيها على المعتمد وبعد الفراغ اتفاقاً وقدر طلاق من المفقود حين الشروع فى العدة يفيتها عليه يتحقق وقوعه بدخول الزوج الثانى عليها حتى لو جاء الأول قبل دخول الثانى كان أحق وبعد الدخول بانت من الأولى وتأخذ منه جميع المهر وإن لم يكن قد دخل بها التشكيل تقدير هذا الطلاق بأنه لاحاجة له مع تقدير موته وعد تها عدة الوفاة فتحل للأول وهو المفقود ان كان قد طلقها اثنتين اه بقدر الحاجة

وقال فى بيان القسم الثانى من المفقود وهو مفقود غير بلاد الاسلام ما نصّه وزوجته الاسير وزوجته مفقود ارض الشرك للتعمير ان دامت نفقتها وإلا فلها التطليق كما لو خشيت الزنا وهو أى التعمير أى مدته سبعون من يوم ولد وسمّيها العرب وقاقة الاعناق واختار الشيخان ثمانين وحكم بخمس وسبعين الخ بقدر الحاجة -

المتشبث بأذيال الكرام

احقر الطلبة حسين احمد غفرله من ديوبند

فى ۵ من صفر ۱۳۴۷ھ

الجواب عن مسئلة المفقود

من جامع إمداد الأحكام

أما بعد فإنى أحمد الله اليكم الذى لا اله إلا هو وأصلى وأسلم على سيدنا النبى

محمد سيّد الرسل وخيره إليه من خلقه وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيامة ۔

وأمّا مسئلة زوجة المفقود فسمعت سيّدى حكيم الأمّة دام مجده وعلاه أنه راى فتوى بخط حضرة شيخ وقته مولانا الكنكوهى قدس الله سرّه وهو يعرف خطّه حق المعرفة وهى منقولة بعد جوابى وفيها صرّح الشيخ رحمه الله بكون ذلك مقيّداً بحكم الحاكم نعم قد اطلق القول فى ذلك مولانا عبد الحى رحمه الله فى فتاواه وقال: إن امرأة المفقود تتربّص أربع سنين ثمّ تعتدّ بعد ذلك عدة الوفاة ۔ ولنا فيه نظر لكون المدار فى ذلك على الافتاء بمذهب مالك وليس مذهبه كذلك مطلقًا كما صرّح به فى المدوّنة وأما قولكم أطال الله بقاءكم ان المدوّنة وان كانت من الكتب القديمة المعتبرة لدى المالكية ولكنها غير مفتى بها الخ ۔ فيخالفه قول الحافظ ابن حجر فى تعجيل المنفعة (ص٤) ولفه ليس الامر عند المالكية كما ذكر (الحسينى أن الموطّا لمالك هو مذهبه الذى يدين الله به اتباعه ويقلّدونه) بل اعتمادهم فى الأحكام والفتوى على مارواه ابن قاسم عن مالك سواء وافق ما فى الموطّا ام لا الخ ولا يخفى أن رواية ابن القاسم عن مالك هو ما فى المدوّنة لسحنون وأيضًا فإن عبارة المدوّنة صريحة فى أن امراة المفقود لا تعتد إلاّ أربع سنين فى قول مالك بغير أمر السلطان وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها ۔ وكتب إلى موضعه الذى خرج إليه فإذا يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين الخ ص٩٢ ج١ ۔ وعبارة مختصر الخليل وشرحه ليست بصريحة فى خلاف ذلك أنها لا تعتد إلا أربع سنين من وقت فقده لا من وقت الرفع وأمّا قولكم وكيفما كان فإن المقصد من عبارة المدوّنه تحقيق الفقد الخ فلا سبيل لنا إلى ذلك مالم ينص عليه الامام أو أحد من أصحابه لاحتمال أن يكون وجهه ذلك أن المعتبر هو الرفع الى السلطان دون غيره كما قال علمائنا أن المعتبر من البيّنة واليمين ما

ـه فلينظر الفتوى التى رأيتموها للشيخ بالاطلاق هل هى مكتوبة بخطّه أو خط غيره فإنّ المعتمد عليها هى التى تكون بخطّه ۔ منه

يكون منهما بين يدى القاضى فى مجلس حكمه دون ماسواه كيف لا و قد قال مالك رحمه الله و إن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها الخ ولا يخفى أن بمثل تلك المدة الطويلة لا يكون الفقد خافيا على جماعة المسلمين من صالحى بلدها الذين تفقدوه بما تيسر لديهم فلو كان الرفع إلى جماعة المسلمين معتبرًا عنده لم يقل ماقال لوجود الرفع الى الجماعة فى تلك المدة بلا شك و أما قولكم قد صرحت المالكية أن المرأة إنما تؤمر بالتاجيل إن كان لديها نفقة من زوجها و إلا فيحكم عليها بالطلاق بمجرد الرفع ففيه انا لا ننكر ذلك ولكن الكلام فى أن الحاكم عليها بالطلاق من هو والرفع المعتبر كيف هو والذى تحصل لنا من المدونة ان الرفع لا يعتبر إلا إلى السلطان (وفى حكمه نائبه) وهو الذى يوجل لها الاجل ويقع بانقضاءه الطلاق عليها والله أعلم و بعد ذلك كله فقد صرح فى المدونة وفى المقدمات لابن رشد أن المفقود فى بلاد الحرب حكمه حكم الاسير لا تتزوج امرأته ولا يقسم ماله حتى يعلم موته أو يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله فى قول المالكية كلهم حاشا اشهب اه (ص۱۵۶ ج۲) فكيف يجوز الافتاء بأن تعتد الاربع سنين من وقت الفقد أو الرفع إلى جماعة المسلمين فى الهند مع كونها دار الحرب فليس ذلك من مذهب مالك فى شيئ والذى ذكره فى مختصر الخليل وشرحه أن زوجة مفقود ارض الحرب إن لم يكن لها نفقة من زوجها فلها التطليق فهذا إذا كانت الزوجة فى دار الاسلام وفقد الزوج فى أرض الحرب كما هو ظاهر مما ذكروه فى علة التعمير و اما إذا كان الزوج والزوجة كلاهما من اهل ارض الحرب فلم نر فيه نقلاً عن المالكية ولا يجوز الإفتاء بالقياس فى مذهب الغير هذا فاللازم فى هذه المسئلة الاستفتاء من علماء المالكية بالحرمين فهم أعرف بمذهب مالك منا معشر الحنفية فيستفسر عنهم حكم زوجة المفقود فى دار الحرب كالهند وهل يضرب لها الاجل أربع سنين ام لا تتزوج حتى يأتى عليه من الزمان مالا يجيئ إلى مثله و إن الرفع لا بد و ان يكون لدى القاضى أو الحاكم أو يكتفى إلى جماعة المسلمين او المحكم أيضًا فيفتى بمثل فتواهم - والله تعالى أعلم

حرره الاحقر خادمكم الاصغر ظفر احمد عفا عنه

۹ر صفر ۱۳۴۷ھ

التتمة الاولیٰ: ثم راجعت شرح الزرقانی علی الموطأ وهو من متاخری المالکیة من اصحاب القرن الحادی عشر فوجدته قد قال فی شرح حدیث مالك عن یحیی بن سعید عن ابن المسیب ان عمر بن الخطابؓ قال: أیما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أین هو فانها تنتظر أربع سنین الخ ما نصه تنتظر أربع سنین من العجز عن خبره لأنها غایة أمد الحمل ولانها التی تبلغها المکاتبة فی بلاد الاسلام سیرًا ورجوعًا وضعف الأول بقول مالك لو أقامت عشرین سنة ثم رفعت یستأنف لها الأجل و بأنها إذا کانت صغیرة أو آیسة أو الزوج صغیرًا تضرب الأربع ولاحمل منها والثانی بقول مالك أیضًا تستأنف الأربع من بعد الیاس وانها من یوم الرفع ولو رجع الکاشف بعد سنة انتظرت تمام الأربع ولو کانت العلة کونها أمد الکشف لم تنتظر تمامها وقیل: لاعلة له إلا الاتباع واستحسن اھ (ص۵۷ ج۳)

قلت: وبهذا اظهر ضعف العلة التی ذکرتموها أن مراد المدوّنة ان امر المفقود لایتم شرعًا أی لا یتحقق فقده الشرعی الا بعد مساعی السلاطین ومن ناب منابهم الخ بل الظاهر أن علة الاتباع لاغیر۔ وفی الزرقانی أیضًا: فی الفرق بین امرأة المفقود وبین التی بلغها طلاق زوجها وهو غائب أن الأولیٰ تفوت علی الزوج الأول بدخول الثانی والثانیة لاتفوت بدخوله علی رای اللخمی وعلل الفرق بأنه لم یکن فی هذه (أی التی بلغها طلاق زوجها) أمر ولاقضیة من حاکم بخلاف امرأة المفقود اھ (ص۵۷ ج۳) وهذا یدل علی أن أمر الحاکم وقضیته فی امرأة المفقود أمر متفق علیه عند المالکیة فان الفرق لایعلل إلا بالمتفق علیه کما هو ظاهر. والله تعالیٰ أعلم وهو أیضاً مقتضی القیاس۔ ففی الدر المختار: عن واقعات المفتین معزیاً للقنیة انه انما یحکم بموته بالقضاء لانه امر محتمل فمالم ینضم إلیه القضاء لایکون حجة اھ والقضاء الذی هو حجة إنما هو قضاء القاضی أو نائبه دون جماعة المسلمین من صالحی البلد کما لا یخفی فان جماعة المسلمین لا ولایة لهم علی أحد بخلاف القاضی او نائبه۔

نقل جواب مسئلہ مفقود از حضرت مولانا گنگوہی جوکہ از قاضی عبدالحق حاصل شد و حضرت حکیم الامت خط مولانا شناختہ این فتویٰ را در امداد الفتاویٰ ملحق ساختہ۔

یہ فتویٰ رسالۃ الامداد - ماہ ربیع الثانی ۱۳۳۹ھ ج - ۶ ع ۱۰ ص ۲۲ میں طبع ہو چکا اور اس کا اصل مسودہ امداد الفتاویٰ قلمی میں موجود ہے۔

جس وقت سے کہ خبر زوج کی گم ہے کہ بعد تحقیق اس کا کہیں نشان نہیں ملا اس وقت سے کامل چار سال کر کے حاکم مسلمان تفریق کر دے بعد تفریق کے دس روز اور چار ماہ وہ عورت عدت کرے اور پھر نکاح دوسرے سے کر دیا جائے۔ یہ مذہب امام مالکؒ کا ہے اس پر فتویٰ اس وقت میں دیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم۔

کتبہ الاحقر رشید احمد عفی عنہ گنگوہی

مہر

قلت: وفيه تصريح باشتراط قضاء القاضى للتفريق وبان الاربع سنين تبتدئ من وقت اليأس عن المفقود وبعد التفتيش عنه بقى ان هذا التفتيش يكفى من آحاد المسلمين اولابد من تفتيش الحاكم بعد المرافعة. فكلام الشيخ ساكت عنه وصرّح كلام المدوّنة بالشق الثانى ولم نر فى كتب المالكية مايخالفه صريحاً فهو المعتمد حتى يحدث الله بعد ذلك أمراً. والسلام ظفر احمد عفا عنه

التتمة الثانية: فإن قيل: لو أقامت حكومة الهند لمسلميها قضاة مسلمين لفصل المقدمات التى يحتاج فيها إلى قضاء القاضى فهل لا يجوز لهؤلاء القضاة الحكم بمذهب مالك فى امرأة المفقود كما هو ظاهر ما ذكرته عن المدوّنة والمقدمات لابن رشد ان اعتداد الاربع سنين انما هو لزوجة مفقود دار الاسلام دون دار الحرب بل لها التعمير اى تربّص زمان لا يجئ إلى مثله وهو سبعون سنة. قلنا: لو وجد فى الهند قضاة مسلمون كما هو المسئول من الحكومة ونرجو الله تعالى الظفر به فلا حاجة لنا إذن بالقضاء بمذهب مالك بل يقضى القضاة بمذهب أبى حنيفة المختار للزيلعى وهو أن ضرب الأجل فيه مفوض إلى رأى الامام ولا تقدير فيه فى ظاهر الرواية كما فى الينابيع قال فى الفتح: فأى وقت راى المصلحة حكم بموته (شامى ص ۵۱۱ ج ۳) وأيضاً فعلّة الفرق بين مفقود دار الاسلام ومفقود دار الحرب عند مالك كونه فى دار العدو ولا يستطيع الولى

أن يستخبر عنه فی ارض العدو فليس هو بمنزلة من فقد فی دار الاسلام كما هو فی المدونة (ص۹۸ ج-۲) واذا وجدت فی دار الحرب قضاة مسلمون انتفت علة الفرق فالظاهر كون حكمهما سواء وأيضًا فما ذكرناه عن المدونة والمقدمات من الفرق بين مفقود دار الاسلام ودار الحرب صورته أن يكون المفقود فی ارض الحرب وزوجته فی دار الاسلام وأما إن كان كلاهما فی ارض الحرب فلم نجد فی ذلك نقلاً عن المالكية وأيضًا إذا اقام ملك دار الحرب لأهلها المسلمين قضاة منهم فح لا يصح القول بكونها دار الحرب إلا على قول البعض وعند بعضهم تصير بذلك أرض الاسلام هذا - ولله الحمد على متواتر إحسانه والانعام وعلى سيدنا النبي محمد صلى الله عليه وسلم أفضل الصلاة وأزكى السلام وعلى آله وأصحابه البررة الكرام إلى يوم القيام بل إلى بقاء دار السلام۔

حکم زوجۂ مفقود وتحقیق مذہب مالکیہ

سوال: سيدی و مولائی المحترم - زادت معاليكم - أقدم إليكم تحيات سنها سيد الانام عليه وعلى آله وصحبه الصلوة والسلام وإظهار غاية الاشتياق للثم الأنامل والأقدام فالمعروض على سمو مقامكم انی كنتُ أرسلتُ حسب الامر السامی استفتاء إلى علماء المالكية بالمدينة المنورة سابقًا فجاء الجواب المنسلك المطوی فی هذا الظرف فذلك مرسل إلى سيادتكم حتى تنظروا فيه فتفيدونا بما يلزم علينا لدی الافتاء وارسلوا لنا بعينه حتى يكون سندًا لدينا - هؤلاء يصرحون بأن الحكم فی هذه الديار كالحكم بالديار الاسلامية للمفاقيد وازواجهم وحيث أن أكثر المفاقيد لا يتركون نفقة لازواجهم وفی غالب الاحيان يخشى عليهن من الفتن مالا يخفى على مثل جنابكم فهل يصح ان يفتى بالتطليق ام لا ؟ - حسين احمد غفر له

الجواب : از ناکارہ اشرف علی عفی عنہ بخدمت بابرکت مکرمی معظمی دام فیضہم۔

السلام علیکم زید عنایتہ۔ مجھ کو علم کافی تو کبھی بھی حاصل نہیں ہوا اور رجب سے علم ظاہری کی خدمت سے محروم ہوں وہ ناتمام علم بھی اور زیادہ ناتمام ہوگیا اس لئے مولوی ظفر احمد کو سب سوال وجواب دیدئے ان کی تحریر پیش خدمت ہے اور وہ تحریر میرے بھی جی کو لگتی ہے۔ واللہ اعلم۔

(بقیہ سوال بالا)

حیث أن ساداتنا الفقهاء افتوا بمذهب المالکیة فی زوجة المفقود لأجل الشدائد والفتن الواقعة فی زماننا وقد رأینا الافتاء بتربّص اربع سنین بعد العرض علی الحاکم أو جماعة المسلمین ثم تفتیشهم ثم حکمهم بالتربّص المذکور ثم عدّتها عدّة الوفاة مما لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْ جُوْعٍ ولا یدفع المضرّة فلم لا یفتی بالتطلیق کما هو مصرّح فی کتب المالکیة ونصوصهم مقدمة بین أیدیکم ۔

سیّدی منذ مدّة مدیدة أشتهی الحضور علی الأعتاب ولکن الزمان لا یساعدنی حیث إن الأوان أوان آخر السنة والکتب إلی هٰذه الساعة لم تصل إلی نهایتها بل بقی لها مقدار عظیم ۔ وبناء علیه یذهب الکثیر من الاوقات الخارجة فی التدریس حتی بعد العشاء ومع ذلک فان یسّر الله تعالیٰ أحضر لیالی الجمعة فی المستقبل وعلی الله التکلان والرجاء ان لا تنسوا اخویدکم عن الدعوات الصالحة فانه فی غایة من الاحتیاج إلی دعواتکم وأنظارکم العلیاء وتوجّه هممکم العالیة ۔ لازلتم مرکز الآمال آمین

سائل بالا

الجواب : اس لطف وعنایت کا شکر گزار ہوں، گو شکر گزاری سے بھی معذور ہوں اور اس کے صلہ میں بجز دعاء کے کیا کر سکتا ہوں اگر معذور نہ ہوتا تو خود حاضر ہو کر شکر گزاری کرتا۔ آپ کی زیارت کو سعادت سمجھتا ہوں مگر کوئی حرج یا کلفت بھی گوارا نہیں اگر بدون اس کے مشرّف فرمایا جائے تو زہے قسمت ۔ اگر وقت معلوم ہو جائے تو اسٹیشن پر حاضر ہوں اب تو بہت قریب ہو گیا ہے۔ باقی دعاء کی استدعا کرتا ہوں ۔ والسّلام

اشرف علی

فتاوٰی علماء مالکیہ از مدینہ منورہ زادہا اللہ شرفاً ونوراً

متعلقہ زوجۃ المفقود

استفتاء

ما قول سادا تنا المالكية اطال بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم، آمين في هذه المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر أم لابدّ من رفع الأمر إلى الوالى أو الحاكم او جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبيّن تعتد عدّة الوفاة كما يفهم من المدوّنة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم؟

(٢) هل يلزم حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم أيضًا؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هنالك حاكم اسلامى يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك؟ وفي أى قسم من الأقسام الأربعة المذكورة للمفقود في مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هنالك بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة في مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشتمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الأصلية أم كيف الأمر؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوج أو أراد أهلها ذلك؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة او يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها او فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي أم لابد من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل.

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم۔ الحمد لله والصلاة والسلام على رسوله وآله أمّا بعد: فالجواب عن المسألة الاولى هو ما فهمتم لازلتم من أهل الفهم من المدوّنة ومختصر الشيخ خليل من أن المفقود عنها زوجها لا بد لها من احد الأمرين إما أن ترضى المقام مع زوجها المفقود أو تريد المفارقة فان أرادتها فلابدّ لها من رفع أمرها إمّا إلى القاضي أو إلى الوالي أو إلى والي الماء وإن لم يوجدوا فلجماعة المسلمين من صالحي بلدها وجيرانها وإما انها تعتدّ أو تتزوّج برجل آخر من غير رفع أمرها إلى القاضي أو من ذكر فلا قائل بحلّيته وجوازه لما فيه ما لا يخفى من الفساد ونصّ المدوّنة قلت: أى قال سحنون لابن القاسم أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الاربع سنين في قول مالك بغير أمر السلطان؟ قال مالك: لا۔ قال مالك: وإن أقامت عشرين سنة ثم رفعت أمرها إلى السلطان نظر فيها وكتب إلى موضعه الذي خرج إليه فإن يئس منه ضرب لها من تلك الساعة أربع سنين، فقيل لمالك: أتعتدّ بعد الأربع سنين أربعة أشهر وعشرا عدّة الوفاة من غير أن يأمرها السلطان بذلك قال: نعم ما لها وما للسلطان في الاربعة أشهر وعشر التي هي عدّة۔ ونصّ المختصر ولزوجة المفقود أشرح وهو من غاب في بلاد الاسلام وانقطع خبره وأمكن الكشف عنه: الرفع للقاضي والوالي! ش! اى وحاكم البلاد ووالي الماء الساعي لجلب الزكوٰة! وإلا فلجماعة المسلمين! ش! ولها عدم الرفع والبقاء في عصمته حتى يتضح أمره فيوجل الحرّ أربع سنين وإن دامت نفقتها! ش! فان لم تدم نفقتها فلها التطليق بلا تأجيل وكذا إن خشيت على نفسها الفساد من يوم العجز عن خبره ثم اعتدت كالوفاة وسقطت بها النفقة ودليل ذلك ما رواه مالك عن يحيى بن سعيد عن سعيد بن المسيب عن عمر بن الخطّاب رضي الله تعالى عنه انه قال: أيما امرأة فقدت

زوجها ولم تدر اين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتد أربع أشهر وعشرا ثم تحل وما روى ابن وهب عن عبد الجبار عن ابن شهاب أن عمر بن الخطاب رضى الله تعالى عنه ضرب للمفقود من يوم جاءت اربع سنين ثم أمرها أن تعتد عدة المتوفى عنها زوجها ثم تصنع فى نفسها ما شاءت اذا انقضت عدتها وفى الحديث لا ضرر ولا ضرار .

اما المسألة الثانية فجوابها يعلم مما قبلها وهو قول مالك رح : لا تعتد الاربع سنين بغير امر السلطان ونص القاضى ابن فرحون فى كتاب تبصرة الحكام فى اصول الأقضية ومناهج الاحكام فى فصل ما يفتقر الى حكم الحاكم على ان التطليق على الناشين وغيرهم مما لا بد فيه من حكم الحاكم -

أما المسألة الثالثة : فجوابها والله اعلم أن المرأة المسلمة التى فقدت زوجها فى بلاد استولت عليها الكفار مدة مديدة كما فى مصر والشام والهند تعتد أربع سنين ثم تعتد عدة الوفاة أربعة أشهر وعشرا وزوجها يكون فى عداد القسم الأول من أقسام المفقود لانهم عرفوه بانه من غاب وانقطع خبره وامكن الكشف عنه وعرفوا القسم الثانى وهو المفقود فى ارض الحرب بانه من غاب وانقطع خبره ولم يمكن الكشف عنه لانه فقد فى ارض الحرب اما البلاد المذكورة وان كان حاكمها كافرا فلا تكون كأرض حرب من كل وجه لوجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فاتضح بهذا أن حكمها حكم من فقدت زوجها ببلاد الاسلام فلا تنتظر مدة التعمير -

وأما المسألة الرابعة : فيفهم جوابها مما قبلها أيضا وهو أنه لا فرق بين المفقود فى أرض الاسلام وبين المفقود فى البلاد المستعمرة لما قدمنا من وجود قضاة المسلمين فيها وولاتها وامكان الكشف عنه فعلى هذا لا تختص الصورة الثانية المذكورة فى المختصر بالمسلمة الكائنة فى بلاد الاسلام بل تشمل من كانت فى البلاد المستعمرة لكفار لما قدمنا من ان المراد بالشركية البلاد الحربية التى لا يمكن للمسلم الوصول اليها فلا تتمكن القضاة من التفتيش فيها لا مطلق البلاد الكفرية لأنها ربما تكون مسلمة أو ذمية وأما القاطنة بالبلاد الشركية الحربية فحكمها هى وزوجها حكم المسبيين فيفديهما الامام من بيت المال ان كان والا فمن ماله بالغا ما بلغ والا فعلى جميع المسلمين .

وأما المسألة الخامسة : فجوابها ان المفقود عنها اذا لم يترك لها نفقه واحتاجت

غاية الاحتياج اوخافت على نفسها الفساد ان لها التطليق بلا تأجيل كما هو مفهوم الشرط في قول الشيخ خليل في مسئلة المفقود وتؤجل اربع سنين ان دامت نفقتها وقال شراحه قاطبة فان لم تدم نفقتها او خشيت الفساد فلها التطليق بلا تأجيل فترفع أمرها إلى الحاكم و تثبت عدم النفقة والاحتياج بما يثبت به فإما ان يطلق الحاكم بنفسه او يأمرها بالتطليق وهو قول الشيخ خليل فهل يطلق الحاكم أو يأمرها به ؟ قولان و أما ارادة اهلها تزويجها فلا عبرة به مالم تطلب الفراق بنفسها الا أن تكون سفيهة فيقوم وليها مقامها إذا تحقق لديه ضررها .

و أما المسئلة السادسة : فجوابها انه لا يحل لمن لم يكن عندها نفقة اومن خشيت الفساد من النساء ان تطلق نفسها قبل ثبوت ضررها عند الحاكم سواء عدم النفقة أو خشيت الفساد لما تقدم في الجواب عن المسئلة الأولى من جواب مالك و ما تقدم في الجواب عن المسئلة الثانية : وهو قول قاضي المدينة ابن فرحون في تبصرته إن التطليق على الغائبين وغيرهم مما يفتقر إلى حكم الحاكم فلابد من ثبوت ضررها عند الحاكم فإما ان يطلق الحاكم و اما ان يأمرها بتطليق نفسها وهو قولان مشهوران لكن القول الثاني أقوى لقول رسول الله صلى الله عليه وسلم لبريرة لما اعتقت أنتِ أملك بنفسك إن شئتِ أقمت مع زوجكِ و إن شئت فارقتيه .

و أما قولكم وعلى الثاني كيف يعمل فالجواب عنها ان أحكام قضاتهم نافذة ماضية وان كانت توليتهم الصادرة من الكفار باطلة وبهذا افتى الامام ابو عبدالله المازري لما سئل عن احكام تأتي في زمنه من صقلية من عند قاضيها أوشهود عدولها فأجاب جواباً طويلاً إلى أن قال : و أما الوجه الثاني وهو تولية الكافر للقضاة و الامناء لعجز الناس بعضهم عن بعض فقد ادعى بعض أهل المذهب أنه واجب عقلاً و إن كان باطلاً تولية الكافر لهذا القاضي إما بطلب الرعية له و اقامته لهم لذلك فلا يطرح حكمه وينفذ كما لو ولاه سلطان مسلم - وفي كتاب الأيمان في مسئلة الحالف لأقضينك حقك إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولى قاضياً عدلاً فأحكامه نافذة انتهى وفي كتاب بيان وجوب الهجرة للشيخ عثمان فودي الفلاني المالكي - مانصّه : وتولية

الكافر للقاضي باطلة ومع ذلك لا يقدح في تنفيذ أحكامه أذ مجرا الناس بعضهم عن بعض واجب وفي ذلك يقول الناظم :

تولية الكافر للقضاة باطلة والحكم ذو اثبات لان مجرا الناس بعضهم على بعض محتم كما قد انجلى .

قلت : اقل أحوالهم أن يكونوا كالمحكمين أو بمنزلة جماعة المسلمين فقد تقدم ان المفقود زوجها ترفع أمرها للقاضي أو للوالي وإن لم يجدوا فلجماعة المسلمين ـ والعلم عند الله وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم

أمر بكتابته محمد الطيب ابن اسحاق الأنصاري

الجواب

فتوٰی مالکیہ مرسلہ کو دیکھ کر اس امر میں تو اطمینان ہو گیا کہ مالکیہ کے نزدیک دارالاسلام میں جماعۃ المسلمین اور جیران صالحین کی طرف مرافعہ بھی مثل مرافعہ الی السلطان کے ہے مگر کتبِ مالکیہ کی نصوص سے صراحۃً یہ معلوم ہو رہا ہے کہ مرافعہ الی السلطان او من فی حکمہ اور تطلیق و ضربِ اجل زوجۂ مفقود دارالاسلام کے لئے خاص ہے اور زوجۂ مفقود دارِ حرب کے لئے صرف تعمیر ہے۔ اس کے بارہ میں مفتی مالکیہ نے فتوٰی مرسلہ میں محض اپنے قیاس سے بدون کسی نص مذہب کے حوالہ کے ہندوستان، مصر و شام کو بحکم دارالاسلام قرار دیکر ان بلاد میں بھی نفقہ زوجہ مفقود کو مثل زوجہ مفقود دارالاسلام کے قرار دیا ہے پس اولاً تو آجکل کے علماء کا قیاس حجت نہیں۔ دوسرے علت اس کی یہ بیان کی ہے ،، لوجود القضاۃ المسلمین فیہا وولاتہم وامکان الکشف عنہ ۔ اور علت ہندوستان میں مفقود ہے کیونکہ یہاں قضاۃ[عہ] و ولاۃ مسلمین موجود نہیں اور انگریزی عدالتوں میں جو حکام مسلمین موجود ہیں وہ مسئلہ مفقود و امثالہ من مسائل الطلاق والنکاح وغیرہ میں قانون انگریزی کے پابند ہیں قانون اسلامی کے موافق فیصلہ کے مجاز نہیں۔ فوجودہم کالعدم ۔ البتہ اگر گورنمنٹ

عہ لا يقال العلة في الاصل امكان الكشف وهي موجودة في الهند وان لم يكن لنا فيها قضاة وولاة مسلمون لانا نمنع امكان الكشف بدون القضاة والولاة فان العامة لا تيسر لها من أسباب الكشف ما يتيسر للحكام كما لا يخفى فان عمال الحكومة إذا امروا بالكشف عن أحد ولو كان مختفياً من كل وجه يكشفونه بالجهد البليغ والعامة لا يجهدون ولو جهدوا لا يقدرون كما هو شاهد ـ منه

ہندوستان میں بھی محکمہ قضا کو قائم کر دے اور قضاۃ کو ان مسائل میں قانون اسلام پر فیصلہ کا اختیار دے تو بیشک ہندوستان کے مفقود کو بحکم مفقود دار الاسلام کہنا صحیح ہوگا پس ہندوستان میں مذہب مالکؒ کے موافق زوجہ مفقود کے لئے تطلیق وضرب اجل متصور نہیں وهذا ما قلناه قبل ونشكركم على ما مننتم به علينا من تجشم الاستفتاء من مالكية الحرم النبوی لازلتم عونا للمسلمين وغياثاً للمسترشدين - والسلام

حررہ خویدم محکم ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۵ر جمادی الثانی ۵۵ھ

(نوٹ) اس کے بعد مولانا حسین احمد صاحبؒ نے مالکیہ کے دوسرے فتاویٰ بھیجے ہیں - جو درج ذیل ہیں - ظفر

استفتاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

ما قول سادا تنا المالكية اطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم في هذه المسائل الآتية :

(۱) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبين امره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر ام لابد من رفع الامر الى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع اليه فاذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظارها أربع سنين فان لم يتبين تعتد عدة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم ؟

(۲) هل يلزم حكم الحاكم او حكم جماعة المسلمين لانتظار اربع سنين ام يصح ذلك بغير الحكم ايضاً ؟

(۳) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدة مديدة وفقدت مسلمة من اهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامي يفصل الاحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هنالك ؟ وفى أى قسم من الاقسام الاربعة المذكورة للمفقود فی

مختصر الخليل يكون عداده ؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى اربع سنين ان تعتد عدة الوفاة ثم تتزوج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكّان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هناك أم تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفّار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الأمر ؟

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة أو كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف السبيل لها إذا أرادت التزوّج أو أراد أهلها ذلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها اذا لم يكن عندها النفقة وهى محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعى أم لابدّ من الحكم وعلى الثانى كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التى تغلّب عليها الكفار ؟ أفيدونا ولكم اجر الجزيل

فتوىٰ علامہ سعید بن صدّیق مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منورہ

الجواب

بسم الله الرحمن الرحيم

(١) الجواب ، والله أعلم بالصواب ومن فضله نرتجى الثواب هو أنّ نصوص المذهب مطبقة على أن المفقود على ستّة أقسام كما ستمرّ مفصلة الأحكام وعلى أن زوجته لابدّ لها من الرفع إلى القاضى أو الوالى أو من يقوم مقامهما عند عدمهما من والى الماء أو جماعة المسلمين لأنهم يقومون مقام الحاكم العدل عند عدمه ولكن عند وجود الثلاثة لا ترفع إلا للقاضى فان رفعت لغيره مع التمكّن من الرفع له حرم عليها ذلك ولن مضى ما فعله ان كان

هو الوالى لا جماعة المسلمين - هذا ما يظهر من كلام ابن عرفه كما قاله الاجهورى
وأمّا لو رفعت لجماعة المسلمين مع وجود الوالى فالظاهر مضى فعلهم وفى النفهرى
وتبعه اللقانى أن ظاهر كلام خليل ان الثلاثة فى مرتبة واحدة الا أن القاضى
أضبط ووجود القاضى أوغيره ممن ذكر مع كونه يجوز أو ياخذ المال الكثير بمنزلة
عدمه فترفع لجماعة المسلمين من صالحى جيرانها وعدولهم وغيرهم لا نهم
كالامام عند عدمه وما يفهم من تعبيرهم بجماعة المسلمين ان الواحد لا يكفى
وكذا الاثنان وبه صرّح الاجهورى فعلم أنها إن أرادت الرفع فى شان
زوجها ووجدت الثلاثة وجب الرفع للقاضى فان رفعت لغيره حرم وصحّ و
ان رفعت لجماعة المسلمين لم يصح وإن لم يكن قاض خُيّرت فيهما فان رفعت
لجماعة المسلمين صحّ على الظاهر وان لم يوجد واحد من الثلاثة رفعت لجماعة
المسلمين. وأهلها منهم وكذا القضاة والأمناء المولون للأحكام من الكفار
المستولين على بلاد المسلمين لعجز الناس بعضهم عن بعض وقد ادعى
أهل المذهب أنه واجبٌ عقلاً و إن كان باطلاً تولية الكافر لهؤلاء القضاة إمّا
بطلب الرعية له أو إقامته لهم للضرورة لذلك فلا يطرح حكمهم بل ينفذ كما لو
ولاهم سلطان مسلم فتمضى أحكامهم للضرورة و لئلا يزهد الناس فى قبول
توليتهم فتضيع الحقوق وفى كتاب الايمان فى مسئلة الحالف ليقضينّك حقك
إلى أجل أقام شيوخ المكان مقام السلطان عند فقده لما يخاف من فوات القضية
وعن مطرف وابن الماجشون فيمن خرج على الامام وغلب على بلد فولّى قاضيًا
عدلاً فأحكامه نافذة وقال ابن عرفة : لم يجعلوا قبول الولاية للمتقلب المخالف
للامام جرحة لخوف تعطيل الاحكام .

(٢) واما المفقود فى بلاد الاسلام فقد عرفه ابن عرفة بقوله هو من
انقطع خبره ممكن الكشف عنه فالاسير ونحوه ممن لا يمكن الكشف عنه لا يسمّى
مفقودًا فى إصطلاح الفقهاء فالمفقود فى بلاد الاسلام فى غير مجاعة ولا
وباء إن لم ترض زوجته بالصبر إلى قدومه فلها أن ترفع أمرها إلى الخليفة
أو القاضى أو من يقوم مقامهما فى عدمهما ليفحّصوا عن حال زوجها بعد أن

تثبت الزوجية و غيبة الزوج والبقاء في العصمة الى الآن و إذ اثبت ذلك عندهم
كتبوا كتاباً مشتملاً على اسمه ونسبه وصفته إلى حاكم البلد الذى يظن وجوده
فيه و إن لم يظن وجوده فى بلد بعينه كتب إلى البلد الجامع واستصوب ابن ناجى
ان أجرة الرسول الذى يفحص عن المفقود على الزوجة فاذا انتهى الكشف ورجع
إليه الرسول وأخبره بعدم وقوفه على خبره فالواجب أن يضرب له أجل أربع سنين
للحر وسنتان للعبد وهذا التحرير محض تعبد لفعل عمر بن الخطاب وأجمع عليه
الصحابة ومحل التأجيل المذكور إن كان للمفقود مال تنفق منه المرأة على نفسها
فى الأجل ويزاد على ذلك عدم خشيتها الزنا بلاولى لشدة ضرر ترك الوطى الناشئ
عن الزنا ألا ترى أنها لو أسقطت النفقة على زوجها يلزمها الاسقاط و إن
أسقطت عنه حقها فى الوطء لايلزمها ولها أن ترجع فيه وأيضًا النفقة يمكن
تحصيلها من غير الزوج بتسلف ونحوه بخلاف الوطء و إن دامت النفقة ولم تخش
الفتنة فيؤجل الاجل المذكور من يوم ترفع ذلك للحاكم ويرسل فى النواحى للكشف
عنه ولا يضرب له الاجل بمجرد الرفع بل بعد تمام الكشف و إلى جميع ما سبق اشار
خليل بقوله ولزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء و إلا فلجماعة
المسلمين فيؤجل أربع سنين إن دامت نفقتها والعبد نصفها من العجز عن خبره
ثم اعتدت كالوفاة وهى أربعة أشهر وعشراً للحرة وشهران وخمس ليال مع
أيامها إن كانت رقيقة ويلزمها مايلزم المتوفى عنها من الاحداد زمن عدتها
ولا نفقة لها زمن عدتها و أما فى مدة الاجل فتنفق من مال الزوج وإليه أشار
خليل بقوله وسقطت بها النفقة وليس لها البقاء بعد انقضاء العدة فى عصمة
المفقود لأنها أبيحت لغيره ولا حجة لها فى أنه أحق بها ان قدم لأنها على حكم الفراق
حتى تظهر حياته إذ لو ماتت بعد العدة لم يوقف له إرث منها واما إن لم
يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار من غير تأجيل لكن بعد اثبات ما تقدم
تزيد اثبات العدم و استحقاقها للنفقة وتحلف مع البينة الشاهدة لها
أنها لم تقبض منه نفقة بهذه المدة ولا اسقطتها عنه وبعد ذلك يمكنها الحاكم
من تطليق نفسها بأن توقعه ويحكم به أو يوقعه الحاكم ومثل المفقود من علم

موضعه وشكت زوجته عدم النفقة يرسل إليه القاضى إما أن تحضر أو ترسل النفقة أو تطلقها و إلا طلقها الحاكم بل ولو كان حاضرًا وعدمت النفقة ثم بعد الطلاق تعتد عدة الطلاق بثلاثة أقراء للحرّة وقرئين للأمة فيمن تحيض و إلا فثلاثة أشهر للحرّة و الزوجة الامة لاستوائها فى الأشهر.

(٣) واما زوجة مفقود ارض الشرك ومثلها زوجة الاسير فانها يبقيان لانقضاء مدة التعمير و الى مالها واختلف فى قدرها فقيل سبعون سنة وهو قول امام مالك وابن القاسم واشهب قال القاضى عبد الوهاب هو الصحيح و قيل ثمانون سنة وحكم بخمس وسبعين سنة و انما لم يضرب لها اجل كزوجة مفقود ارض الاسلام لتعذّر الكشف عن زوجها ومحل بقائها إن دامت نفقتها كغيرها و إلا فلها التطليق وأمّا زوجة المفقود فى القتال الواقع بين المسلمين والكفّار فإنّها تعتد بعد مضى سنة كاملة بعد الفحص عن حاله وأما زوجة المفقود فى معترك المسلمين فتعتدّ بعد الفراغ من القتال والاستقصاء فى الكشف عنه ولا يضرب لها أجل لأنه يحمل امره على الموت ولذلك يقسم ماله حين شروعها فى العدّة أمّا لو شهدت البيّنة على أنه خرج من الجيش ولم نشاهده فى المعترك فانه يكون كالمفقود فى بلاد المسلمين فيجرى فى زوجته ما تقدّم وأمّا زوجة المفقود فى زمن المجاعة أو الوباء او الكبة او اسعال فتعتدّ بعد ذهاب ذلك المرض وبقى من شك فى حاله هل فقد فى بلاد المسلمين أو الكفار لانصّ فى حاله. قال الاجهورى: وينبغى العمل بالأحوط فتعامل زوجته معاملة زوجة مفقود ارض الشرك بخلاف من سافر فى البحر فانقطع خبره فسبيله سبيل المفقود إلا أن يكون فقد فى شدّة ريح والمراكب فى المرسىٰ ولم يتبيّن له خبر فيحكم بموته لغلبة الظن بغرقه. هذا ملخص أحكام المفقود بأقسامه.

حرّره ٧ رجادى الاولى ١٣٤٨هـ

سعيد بن صديق أحسن الله إليه فى الفانية والدائمة

ومنّ عليه وعلى المسلمين بحُسن الخاتمة

سعيد بن صديق مهر

فتوی علامہ محمد الفاہاشم مالکی مفتی مالکیہ مدینہ منوّرہ

استفتاء

بسم الله الرحمن الرحيم

ماقول ساداتنا المالكية أطال الله بقاءهم ونفع المسلمين بعلومهم فى هٰذا المسائل الآتية :

(١) امرأة مسلمة فقدت زوجها منذ سنين ولم يتبيّن أمره مع كثرة التفتيش والتنقير هل يجوز لها بعد مضى أربع سنين أن تعتدّ عدّة الوفاة ثم تتزوج بزوج آخر؟ أم لا بدّ من رفع الامر إلى الوالى أو الحاكم أو جماعة المسلمين ثم تفتيش ذلك المرفوع إليه فإذا يئس يحكم بعد ذلك بانتظار أربع سنين فإن لم يتبيّن تعتدّ عدّة الوفاة كما يفهم من المدونة ومختصر الخليل وشرحه للدردير أم كيف الحكم ؟

(٢) هل يلزم (ان يشترط) حكم الحاكم أو حكم جماعة المسلمين لانتظار أربع سنين أم يصح ذلك بغير الحكم أيضًا ؟

(٣) بلاد اسلامية استولى عليها الكفار منذ مدّة مديدة وفقدت مسلمة من أهلها زوجها فيها وليس هناك حاكم اسلامى يفصل الأحكام حسب القوانين الشرعية فكيف السبيل لها هناك؟ وفى أىّ قسم من الأقسام الاربعة المذكورة للمفقود فى مختصر الخليل يكون عداده؟ وهل يصح للمرأة هناك بعد مضى أربع سنين سنين أن تعتدّ عدة الوفاة ثم تتزوّج أم سبيلها التعمير فقط ؟

(٤) هل الصورة الثانية للمفقود المذكورة فى مختصر الخليل تختص بامرأة كانت من سكّان البلاد الاسلامية فذهب زوجها إلى البلاد الشركية ففقد هنالك ام تشمل القاطنة بالبلاد التى استولى عليها الكفار وبالديار الحربية الاصلية أم كيف الامر

(٥) المفقود عنها زوجها سواء كانت من البلاد الاسلامية أو الشركية اذا لم يترك زوجها عندها نفقة وهى فى غاية من الاحتياج والفاقة او كانت بحيث يخشى عليها الفساد بالعزوبة كيف لها إذا أرادت التزوّج أو أراد اهلها ذٰلك ؟

(٦) المفقود عنها زوجها إذا لم يكن عندها النفقة وهي محتاجة أو يخشى عليها من الفساد هل يصح تطليقها أو فسخ نكاحها بغير حكم الحاكم الشرعي ام لا بدّ من الحكم؟ وعلى الثاني كيف يعمل بالبلاد الاسلامية التي تغلب عليها الكفار؟ أفيدونا ولكم الاجر الجزيل.

الجواب

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ألحمد لمستحقه اتم الصّلاة والتسليم على خير خلقه وآله وصحبه وتابع ماوصّى به.

أما السوال الأوّل: عن مسلمة فقدت زوجها سنين وبولغ في التفتيش عنه ليتبيّن فلم ينفع ذلك ولم يظهر أسالم هو أم هالك؟ فجوابه إذا كان الفقد في أرض الاسلام وله مال ينفق منه على زوجته المتروكة في المقام هو ما في المؤطأ والمدوّنة وغيرهما عن مالك عن يحيي بن سعيد أن عمر بن الخطّاب قال: أيّما امرأة فقدت زوجها فلم تدر أين هو فانها تنتظر أربع سنين ثم تعتدّ أربعة أشهر وعشرا ثم تحل وعن ابن وهب أن عمر عمل بذلك ورواه الائمة مالك والشافعي وأحمد وابن أبي شيبة والبيهقي والدارقطني عن عمر وعثمان وعلي وابن عبّاس وابن الزبير رضى الله عنهم ـ وقال مالك: ينفق على امرأة المفقود من ماله في الأربع سنين لا في العدّة ـ وقال: لا يقسم ميراث هٰذا المفقود حتى يأتي موته أو يبلغ من الزمان مالا يجيئ إلى مثله وهو سبعون أو خمس وسبعون أو ثمانون ذكره الشيخ خليل وغيره وفي هٰذا قال الناظم محمد بن عاصم في تحفة الحكام

ومن بأرض المسلمين يفتقد فاربع من السنين الأمد وباعتداد الزوجة الحكم جرى تبعصا والمال فيه عمرا ـ

وقول السائل: هل تعتد لنفسها بعد الاربعة الأعوام عدة الحمام أم ترفع أمرها للحكّام أو جماعة الاسلام فجوابه ما في المدوّنة لسحنون قلت: أرأيت امرأة المفقود أتعتدّ الأربع في قول مالك بغير امر السلطان ـ قال ابن القاسم قال مالك: لا وان أقامت عشرين سنة ـ ثم ذكر أنها ترفع أمرها للسلطان فيبحث عنه وبعد اليئس

يضرب أربع سنين وفى مختصر الشيخ خليل المالكى وشروحه وحواشيه أن لزوجة المفقود الرفع للقاضى والوالى ووالى الماء أى جابى الزكوة وإلا فلجماعة المسلمين قيل: أقلهم ثلاثة من الصلحاء أو واحد عدل عارف يرجع إليه فى المهمات والرجاء. أما مفقود أرض الشرك والاسير فلا يورث مالهما ولا تنكح زوجتهما إلا بعد التعمير. وفى حاشية العدوى على الرسالة أن زوجة مفقود أرض الشرك وزوجة الاسير تبقيان مدة التعمير لتعذر الكشف عن زوجيهما ان دامت نفقتهما وإلا فلهم التطليق كما إذا خشيتا على أنفسهما الزنا ومثله فى شروح المختصر وغيرها اعتاق ام ولده بعد مها النفقة أيضاً دفعاً للضرر أو تتزوج بمن ينفق عليها. وفى هذا قال الناظم محمد بن عاصم: وحكم مفقود بأرض الكفر فى غير حرب حكم من فى الأسر تعميره فى المال والطلاق ممتنع ما بقى الانفاق،

أما المفقود فى حرب المسلمين مع بعضهم أو فى زمن الطاعون فيورث وتعتد زوجته عدة الوفاة بعد انفصال الصفين ورجوع الخبر إلى البلدين وفى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم وحكم مفقود بأرض الفتن - فى المال والزوجة حكم من فنى مع التلوم لأهل الملحمة - بقدر ماتنصرف المنهزمة.

واما المفقود فى حرب المسلمين للكفار فتعتد زوجته عدة الوفاة ويقسم ماعنده من التركات بعد سنة وشئ من الانتظار وفى ذلك قال الناظم محمد بن عاصم:

وإن يكن فى الحرب فالمشهور	فى ماله والزوجة التعمير
وفيه أقوال لهم معينة	أصحها القول سبعين سنة
وقد أتى القول بضرب عام	من حين يأس منه لا القيام
ويقسم المال على مماته	وزوجه تعتد من وفاته
وذا به القضا فى اندلس	لمن مضى فمقتضيهم موئس

أما السوال الثانى: وهو هل يلزم حكم الحاكم أو جماعة المسلمين بانتظار الاربع سنين أو يصح بلا حكم من المذكورين؟ فجوابه ما فى شرح الدردير وحاشيته ان رفعت أمرها للقاضى بجيب فان رفعت لوالى السياسة أو والى الماء الجابى الزكوة مع وجود القاضى حرم عليها ذلك وصح الحكم وإن

رفعت لجماعة المسلمين مع وجود القاضي بطل الحكم وان لم يوجد قاضٍ خُيرت في الرفع للوالي أو الساعي فان رفعت لجماعة المسلمين مع وجودهما فالظاهر الصحة اما ان كانوا جائرين بأخذ مال منها ظلماً ليكشفوا لها عن حال زوجها فلها الرفع لجماعة المسلمين أمّا أجرة المبعوث لطلب الزوج فقيل على الزوجة وقيل على بيت المال، و قيل: إن كان لها مال فعليها و إلّا فعلى بيت المال- وعند الحنابلة لايفتقر في ضرب المدّة إلى حاكم البلدة (فائدة عن المسؤلة عنه زائدة) عند الحنفية لا تطلق زوجة المفقود ولا يورث ماله الّا بعد سنّ التعمير مائة وعشرين أو تسعين أو ثمانين أو سبعين أو ستّين أو برأى حاكم المسلمين وعند الحنابلة ان كان ظاهر غيبته السلامة لا تطلق امرأته ولا يورث في تركته إلا بعد تسعين سنة وإن كان ظاهرالهلاك فبعد أربع سنين وعند الشافعية في قول الشافعي القديم تطلق بعد أربع سنين و يورث بعد مدّة لايعيش إلى مثلها - و في الجديد: لا تطليق ولا توريث إلا بعد ثبوت موته أو طلاقه لما رواه الشافعي عن علي رضي الله عنه امرأة المفقود ابتليت فلتصبر حتى يأتي يقين موته ولحديث امرأة المفقود امرأته حتى يأتيها البيان - رواه الدارقطني والبيهقي عن المغيرة بن شعبة لكن الشافعية والحنابلة كالمالكية في جواز تطليقها لعدم النفقة

و أما السوال الثالث : عن مسلمة فقدت زوجها في بلاد اسلامية استولى الكافر عليها وحازها وليس هناك حاكم اسلامي كيف تعمل إذا ارادت زواجها ؟ فجوابه ما في الشرح أقرب المسالك للدردير : أن زوجة المفقود في أرض الاسلام تعتد عدة وفاة ان رفعت أمرها للحاكم ان كان ثَمّ أو لجماعة المسلمين عند عدمه ولو حكماً قال: كما في زماننا بمصر اذ لا حاكم فيها شرعي فيكفي الواحد من جماعة المسلمين ان كان عدلاً عارفاً شانه أن يُرجع إليه في مهمات الامور بين الناس لامطلق واحد وعند الحنابلة لا تفتقر امرأة المفقود إلى حكم حاكم البلدة كما في كشاف القناع و شرح المنتهى للشيخ منصور الحنبلي، وقول السائل: وفي أيّ قسم للمفقود يكون هذا؟ جوابه هو أنه من الفقد في بلد الاسلام إذا كانت شعائره فيها تقام - وفي حاشية الصاوي والدسوقي أن بلاد الاسلام لا تصير دار حرب بأخذ الكفّار لها

بالقهر مادامت شعائر الاسلام قائمة بها وعليه يكون اعتدادها عدة الوفاة بعد أربع سنين وانتهاء الكشوفات ويختص حكم المفقود بزوجته الساكنة فى بلاد الاسلام اوفى التى استولى عليها الكفار مع إقامة شعائر الاسلام فيها بين الانام أما الساكنة فى البلاد الحربية الاصلية فلاموالاة لنا فى أمورها بالكلية .

أمّا السوال الرابع عن فسخ نكاح المفقود بعدم النفقة فى زمن التربّص والقعود فجوابه مافى شرح الدردير وعبد الباقى والخرشى وغيرها أن المفقود انما يؤجل لامرأته مادامت نفقتها وإلّا طلقت عليه بعدم النفقة وقضى صلى الله عليه وسلم فى الرجل لايجد ماينفق على امرأته بأن يفرق بينهما ـ رواه الدارقطنى والبيهقى وذكره مالك والشافعى وعلماء الحنابلة عن سعيد بن المسيب واخبر ان ذلك من السنة وعلى ذلك المالكية والشافعية والحنابلة واستحسن متأخروا الحنفية نصب غير حنفى يحكم بذلك للضرورة فى حضور الزوج ـ ذكره صدر الشريعة والكواكيسى وابن عابدين وغيرهم .

أمّا السوال الخامس عن فسخ نكاح امرأة المفقود بخشية الفساد والزنا فجوابه مافى حاشية العدوى على الرسالة والصاوى على أقرب المسالك وشرحه للدردير أن ضرب الاجل لامرأة المفقود إنما هو إذا دامت نفقتها من ماله ولم تخش الفتنة والزنا وإلّا فلها التطليق بعدم النفقة او بخوف الزنا ـ

أمّا السوال السادس وهو هل يصح تطليقها أو الفسخ بغير حاكم شرعى و كيف العمل فى ذلك فى البلاد الاسلامية التى تغلب عليها الكفار بالقوة الظلامية فجوابه مافى الحاشية الصاوى المالكى على أقرب المسالك وكتب الشافعية أن الفسخ بعدم النفقة ونحوها إنما يكون بحكم الحاكم أو المحكم وان لم يكن حاكم فجماعة المسلمين العدول يقومون مقامه فى ذلك وفى كل أمر يتعذر فيه الوصول إلى الحاكم العادل والواحد منهم كافٍ إن كان عدلاً عارفاً يرجع اليه فى المهمات عمرنا الله بخبره فى الحياة وبعد الممات ـ وصلى الله وسلم على صاحب المعجزات والكرامات ـ

العبد الفقير محمد الشهير بألفا هاشم بن احمد لازال
مع الاخوان فى عناية الصمد ـ

آخر الجواب

بعد النظر فی جمیع الفتاوٰی الواصلة من المدینة المنورہ فی الباب ، أقول وباللہ التوفیق ۔ فتوٰی علامہ سعید بن صدیق مالکی وفتوٰی علامہ محمد الفا ھاشم مفتی مالکیہ مدینہ منورہ سے امور ذیل مستفاد ہوتے ہیں اور زوجۂ مفقود کے لئے اس کے موافق فتوٰی دینے کا مضائقہ نہیں ۔

(۱) زوجۂ مفقود ارض حرب کے لئے جو حکم تعمیر ہے وہ مطلقاً نہیں بلکہ وجود نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کے ساتھ مقید ہے اور اگر نفقہ نہ ہو یا ہو مگر زوجۂ مفقود بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو بلکہ اپنے نفس پر ابتلاء بالزنا کا اندیشہ رکھتی ہو تو اس کے لئے اس صورت میں حکم تعمیر نہیں بلکہ اس کے لئے حکم تطلیق ہے ۔ ملاحظہ ہو فتوٰی علامہ سعید بن صدیق من قوله و حمل التأجیل المذکور ان کان للمفقود مال إلی قوله و ان دامت النفقة ولم تخش العنت فیؤجل الاجل المذکور ومن قوله وأما زوجة مفقود ارض الشرك و مثلها زوجة الاسیر فانهما یبقیان لانقضاء مدة التعمیر إلی قوله وحمل بقائهما إن دامت نفقتهما بغیرهما و الافلها التطلیق ۔ نیز ملاحظہ ہو فتوٰی علامہ محمد الفا ہاشم من قوله اما مفقود أرض الشرك و الأسیر إلی قوله و إلا فلها التطلیق و إلی قوله تعمیرہ فی المال و الطلاق ممتنع ما بقی الانفاق » ومن قوله اما السؤال الرابع عن فسخ نکاح المفقود بعدم النفقة إلی قوله و الاطلقت علیه بعدم النفقة و إلی قوله فجوابه ما فی حاشیة العدوی علی الرسالة والصاوی علی أقرب المسالك وشرحه للدردیر أن ضرب الاجل لامرأة المفقود الخ

(۲) دار الاسلام میں بھی چار سال کی مدت مقرر کرنا اور اس کے بعد عدت وفات کا پورا کرنا اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ زوجۂ مفقود کے لئے نفقہ موجود ہو اور وہ اندیشۂ ابتلاء بالزنا سے محفوظ ہو ۔ ملاحظہ ہو عبارات متقدمہ جن کا حوالہ عـ۱ میں دیا گیا ہے اگر نفقہ موجود نہ ہو یا ہو مگر عورت بقاء فی العصمة پر صابر نہ ہو تو دار الاسلام میں بھی حکم تطلیق مثل زوجۂ مفقود دار الحرب ہے البتہ بقاء نفقہ وصبر علی البقاء فی العصمة کی صورت

عـ۱ مراد مجموعہ عبارات ذیل ہے جس میں حکم تعمیر بھی ایک جزو ہے ۔

میں دار الحرب و دار الاسلام کا حکم مختلف ہے اور دار الحرب میں اس صورت میں حکم تعمیر ہے اور دار الاسلام میں حکم یہ ہے کہ عورت جس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ کی طرف مرافعت کرے تو حاکم مسلم اول مفقود کی تلاش کرے اور مفتش کی اجرت بیت المال کے ذمہ ہے اگر بیت المال ہو ورنہ عورت کے ذمہ ہے پھر بعد یاس کے زوجۂ مفقود کے لئے چار سال کی مدت مقرر کرے بعد تمام ہونے چار سال کے عورت عدتِ وفات چار ماہ دس دن مع احداد کے پوری کرے اور عدتِ وفات کے لئے حکم حاکم ومن بحکمہ شرط نہیں ۔

(۳) حکم تطلیق زوجۂ مفقود ہی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ اگر شوہر کا مقام معلوم ہو مگر نفقہ نہ پہنچاتا ہو جب بھی یہی حکم ہے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ سعید بن صدّیق من قوله ومثل المفقود من علم موضعه وشكت زوجته عدم النفقة إلى قوله بل ولو كان حاضرًا و عدمت النفقة الخ وفتویٰ علامہ محمد ہاشم الفا من قوله طريق تطليق زوجة المفقود الى آخر الكلام ۔

(۴) تطلیق یا فسخ بعدم النفقۃ یا بخوف ابتلاء بحکم حاکم مسلم ہوگا اگر حاکم مسلم نہ ہو تا بحکم محکم مسلم یا بحکم جماعت مسلمین عدول ہوگا ۔ اور ایک .... عادل مسلمان بھی حکم کرسکتا ہے جبکہ وہ ایسا شخص ہو جس کی طرف مہمات میں رجوع کیا جاتا ہو پھر یا تو حاکم مسلم (ومن بحکمہ) عورت پر خود طلاق واقع کردے یا اس کو اختیار دیدے کہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرے اور حاکم مسلم (ومن بحکمہ) اس طلاق کو جائز کردے ۔ ملاحظہ ہو فتویٰ علامہ محمد الفا ہاشم کی الحاقی عبارت ۔ لیکن علامہ سعید بن صدّیق نے عدم نفقہ کی صورت میں تطلیق بلا تاجیل کو بھی جائز کہا ہے اور علامہ الفا ہاشم نے ایک ماہ کا انتظار یا جو مقدار اجتہاد حاکم میں مناسب ہو ضروری قرار دی ہے اور خوف عنت کی صورت سے علامہ سعید نے تعرض نہیں کیا کہ اس میں تاجیل ہے یا نہیں ۔ اور علامہ ہاشم نے کم از کم ایک سال تک صبر کرنا ضروری فرمایا ہے ۔ ملاحظہ ہو فتوی علامہ ہاشم مع عبارت الحاق وفتویٰ علامہ سعید بن صدیق من قوله و أما إن لم يكن له مال فلها التطليق عليه بالاعسار ومن غير تاجيل اور علامہ محمد طیب نے عدم نفقہ وخوفِ زنا دونوں حالتوں میں تطلیق بلا تاجیل بیان کی ہے وهذا لفظه وقال شراحه يعنى شراح مختصر الخليل قاطعة فان لم تدم نفقتها أو خشيت الفساد فلها التطليق بلا تاجيل الخ

والله تعالىٰ اعلم ۔

(۵) طریقۂ تطلیق یہ ہے کہ عورت حاکم مسلم یا جماعت مسلمین یا واحد عدل مرجوع الیہ فی المہمات کے سامنے دو شاہدوں کی شہادت سے اس بات کا ثبوت دے کہ فلاں شخص سے اس کا نکاح ہوا ہے وہ اس کا شوہر ہے اور وہ اتنی مدت سے غائب ہے اور اس کے لئے کچھ نفقہ نہیں چھوڑا، نہ کسی کو وکیل بالنفقہ بنایا اور نہ عورت نے نفقہ کو معاف وساقط کیا اور عدم عفو واسقاط پر حلف کرے اس کے بعد حاکم مسلم یا جو بحکم حاکم ہو یوں کہے کہ میں نے نکاح کو فسخ کر دیا یا یوں کہے کہ میں نے تجھ پر مفقود کی طرف سے طلاق واقع کر دی یا عورت کو امر کرے کہ تو اپنے اوپر طلاق واقع کر لے یا اپنے نکاح کو فسخ کر دے پھر حاکم مسلم عورت کے فعل پر فیصلہ وحکم کر دے۔ یہ صورت تو تطلیق وفسخ بعدم النفقہ کی ہے اور بصورت خوفِ زنا یہ حکم ہے کہ عورت اول شہادتِ شاہدین سے اپنی زوجیت مع الغائب کا ثبوت دے اور اس کی غیبت کو ثابت کرے اس کے بعد حلف کرے کہ میں اپنی عصمت کی حفاظت سے عاجز ہوں اور ابتلاء بالزنا کا اندیشہ قوی رکھتی ہوں۔ پس اگر عورت نے ایک سال تک صبر کر کے مرافعہ کیا ہو تب تو اس وقت حاکم مسلم ومن بحکمہ اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاعِ طلاق کا امر کرے اور اگر سال پورا نہ ہوا ہو تو اس کو ایک سال پورا کرنے کا امر کرے بعد سال تمام[1] ہونے کے پھر اس پر طلاق واقع کر دے یا اس کو ایقاع کا امر کرے اور حاکم مسلم ومن بحکمہ اس کے ایقاع کے بعد حکم طلاق کر دے اور اس کے بعد عورت عدتِ طلاق تمام کر کے دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔ ھذا ما ذکرہ العلامۃ محمد الفاھاشم فی فتواہ ص۲ عبارت الحاق ومثلہ فی فتوی سعید بن صدیق ص۱ عبارت مخطوطہ۔ ومثلہ فی فتوی العلامۃ محمد الطیب بن اسحاق ص۲ س۱۵ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تتمہ: یہ حکم نکاح وطلاق زوجۂ مفقود کا ہے رہا تقسیم ترکہ ومیراث کا حکم تو اس میں مالکیہ وشافعیہ وحنابلہ سب کے سب حنفیہ کے موافق ہیں الا فی بعض صور المفقود وھو ما اذا کان الفقد فی حالٍ یغلب علی الظن ھلاکہ۔ فافہم۔ حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ

۴ رجب ۴۷ھ

[1] ھذا اما ذکرہ الفاھاشم وأما علی ما ذکرہ الآخران فلھا التطلیق بلا تأجیل کما مر ولکن الأحوط ما قالہ الفاھاشم إلا أن یضطر إلی العمل بقول الآخرین فلا بأس بہ أیضاً۔ ظفر

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

الجواب الاخیر صحیح
حسین احمد غفرلہ
صدر مدرس دار العلوم دیوبند

الجواب صحیح
محمد رسول خان عفا عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع غفرلہ

الجواب الاخیر صحیح
بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

الجواب الاخیر هو الصحیح
محمد اعزاز علی غفرلہ

الحاق: طریق تطلیق زوجة المفقود أو الغائب الذی تعذر الارسال الیه أو أرسل إلیه فتعاند ان کان بعدم النفقة فان الزوجة تثبت بشاهدین أن فلانا زوجها وغاب عنها ولم یترك لها نفقة ولاوکیلاً بها ولا اسقطتها عنه وتحلف علی ذلك فیقول الحاکم فسخت نکاحه أوطلقتك منه أو یأمرها بذلك ثم یحکم به وهذا بعد التلوم بنحو شهر او باجتهاده عند المالکیة وفورًا اومتراخیاً عند الحنابلة وبعد ثلاثة أیام عند الشافعیة وان کان لخوفها الزنا وتفردها بعدم الوطئ والغنا مع وجود النفقة والغنا فبعد صبرها سنة فاکثر عند جل المالکیة وبعد ستة أشهر عند الحنابلة - وفقنا الله إلی الأعمال الزکیة -

العبد الفقیر محمد الفاهاسم بن احمد

تلخیص المعلومات فی تلخیص المظلومات

سوال :- نحمده ونصلی علی رسوله الکریم - ما قولکم علماء دین (۱) زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فلاں شخص اپنی بیوی کو چھوڑ کر بے یار و مددگار مفقود الخبر ہو گیا یا فلاں شخص اپنی بیوی سے بے پرواہ ہو گیا اور غیر عورت سے ناجائز تعلق پیدا کر لیا اور عورت گھر میں محبوس اپنی مصیبت کے دن بسر کر رہی ہے بالخصوص مفقود الخبر کی عورت کا تو کوئی دوسرا نکاح مذہب فقہ حنفیہ کی رو سے ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی اور نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور پر معلوم ہوئی لہذا ضرورت ہے کہ عورتوں کو اس ضروری مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ شریعت صاف حکم کرتی ہے کہ اگر عورت نکاح کے وقت شوہر سے یہ شرط کرے کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں چاہوں گی خود طلاق لے لوں گی

اور مرد قبول کرے تو نکاح بھی صحیح ہو جائیگا اور نیز ایسی عورتوں کو حق حاصل ہوگا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو عورت جب چاہے طلاق لے سکتی ہے۔ یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ چنانچہ درمختار (باب الامر بالید میں ہے: "نکحها على أن أمرها بيدها صح"

(شامی باب الامر بالید) مفید بما اذا ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك على أن امری بيدی أطلّق نفسی كلما أريد أو على أنی طالق فقال الزوج: فعلت۔

(البحرالرائق) فصل فی الامر بالید۔ ولو بدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك على أنی طالق أو على أن أمری بيدی أطلق نفسی كلما أريد فقال الزوج: قبلت وقع الطلاق وصار الامر بيدها۔

(قاضی خان جلد ۱) فصل فی النکاح علی الشرط: و ان ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك على أنی طالق أو على أن يكون الأمر بيدی أطلّق نفسی كلما شئت فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح۔

(عالمگیری) الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح ومالا ینعقد: ان ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك على أنی طالق أو على أن يكون الأمر بيدی أطلّق نفسی كلما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النكاح ويقع الطلاق ويكون الامر بيدها۔

اور احتیاط یہ ہے کہ نکاح کے وقت یہ شرط کی جائے کہ فلاں فلاں اشخاص جو متدیّن اور معتبر ہوں ان کے ہاتھ میں عورت کا معاملہ ہوگا جب وہ چاہیں طلاق دیدیں اگر شوہر عورت کے حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے یا تکلیف پہنچائے یا آئندہ جیسا موقعہ محل ہو تو عورت کو اختیار دیا جائے۔ زید کا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟ مع حوالۂ کتب تحریر فرمایا جائے میں نے مختصر کر کے لکھا ہے اصل کتاب جو زید نے چھپوا کر شائع کی ہے وہ بھی برائے مطالعہ ہدیۃً ارسال ہے واپس کرنے کی ضرورت نہیں۔ فقط

محمد احمد ناظم کتب خانہ احیاء الدین
محلہ شاہ گنج الہ آباد ۱۴۵

الجواب

اس رسالہ مرسلہ کو دیکھا گیا مسئلہ بالکل صحیح ہے۔ واقعی عورتوں کی بہت سی تکالیف کا اس صورت میں انتظام وانسداد ہو جائے گا مگر اس مسئلہ "الامر بالید" کے جزئیات بہت دقیق ہیں اس لئے ہر عورت کو وہ الفاظ بتلائے جائیں جن میں کوئی خلجان پیش نہ آئے ہمارے نزدیک بہتر لفظ یہ ہے کہ نکاح کے وقت عورت یا اس کا ولی یا عورت کا وکیل (قاضی نکاح خوان) یوں کہے کہ میں نے مسماۃ فلاں دخترِ فلاں کا نکاح تم سے کر دیا اس شرط پر کہ مسماۃ کو اختیار ہو کہ وہ جس وقت چاہے اپنے خاندان یا بستی کے دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں سے مشورہ کو موافقتِ رائے کر کے اپنے اوپر ایک طلاق بائن ایک دفعہ واقع کرے بدون دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ اور موافقت رائے کے عورت کو یہ اختیار نہ ہوگا اھ اگر الفاظ اختیار مثلاً اس طرح ہوئے کہ اگر شوہر نے سال بھر نفقہ وغیرہ نہ دیا یا سال بھر غائب رہا یا اس نے دوسری عورت سے تعلق کر لیا تو مسماۃ کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار ہوگا تو ان لفظوں سے جو اختیار حاصل ہوتا ہے وہ اس ساعت کے ساتھ مقید ہوتا ہے جس ساعت میں سال تمام ہو کر دوسرا سال شروع ہوا یا اس مجلس سے مقید ہوتا ہے جس میں دوسری عورت سے تعلق کا علم ہوا ہے اگر اس ساعت یا اس مجلس میں عورت نے اپنے اوپر طلاق واقع نہ کی تو اب اختیار اس کے ہاتھ میں نہ رہیگا۔ اسی طرح بعض لوگ ایجاب وقبول کے وقت شرطِ اختیار کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ نکاح سے پہلے کابین نامہ لکھواتے ہیں اور بعد نکاح کے شوہر سے دستخط کرا لیتے ہیں۔ یہ صورت بھی بعض دفعہ بیکار ثابت ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ شرط اختیار ایجاب وقبول کے ساتھ ساتھ ہو اور الفاظِ اختیار میں صیغۂ شرط عام ہو کہ جس وقت عورت چاہے، اور ایک طلاق بائن سے زیادہ کا اختیار دینا فضول ہے اور ایک دفعہ سے زیادہ اختیار دینا بھی زائد از ضرورت ہے اور عورت کے سوا کسی دوسرے کو بھی اختیار دینا مضر ہے بلکہ عورت ہی کو اختیار دیا جائے مگر اس کے اختیار کو دوسرے برآوردہ نیک آدمیوں کے مشورہ وموافقت رائے سے مشروط کر دیا جائے۔

الدلائل: قال فی العالمگیریة ص۸۶ ج۲: إذا قال لها طلقی سواء قال لها إن

شئت أو لاهلها ان تطلق نفسها فی ذلك المجلس خاصةً وليس له ان يعزلها اھ

وفيه ص۹۲ ج۲: الفاظ الشرط - إن و إذا - و إذا ما - و كل وكلما - و متى - ومتى ما ففی هٰذه الالفاظ إذا وجد الشرط انحلت اليمين وانتهت لانها لا تقتضی العموم والتكرار فبوجود الفعل مرّة تم الشرط وانحلت اليمين فلا يتحقق الحنث بعده إلّا فی كلما لانها توجب عموم الافعال اھ

وفيه أيضاً: ولو قال لها: أنت طالق متى شئت اومتى ما شئتِ واذا شئتِ واذا ما شئتِ فلها ان تشأ فی المجلس وبعد القيام عن المجلس ولو ردت لم يكن ردًّا ولا تطلق نفسها إلا واحدة ولو قال: أنت طالق زمان شئتِ أوحين شئتِ فهو بمنزلة قوله إذا شئتِ فلا يقتصر على المجلس اھ ص۸۹ ج۲ ولو قال: إن شئتِ وشاء فلان تعلق بمشيتهما - كذا فی الكافی.

وفيه أيضاً: ولو قال: اذا مضى هٰذا الشهر فأمرها بيد فلان فمضى الشهر فأمرها بيده فی مجلس علمه وإن علم بعد شهرين لأن التفويض معلق بمضی الشهر والمعلق بالشرط يصير مرسلاً عند وجود الشرط ولو ارسل التفويض بعد مضی الشهر يقتصر على مجلس علمه فكذا هٰذا اھ ص۸۲ ج۲

ولو قال: أمرك بيدك إلى عشرة أيام فالأمر بيدها من هٰذا الوقت إلى مضی عشرة أيام و يحفظ قضاء العشرة بالساعات - والله تعالىٰ أعلم.

حرّره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

از تھانہ بھون - ۲۵ رمضان ۴۷ھ

تتمہ سوالِ مذکور سوال:- ماقولکم علماء دین رحمکم اللہ - زید کہتا ہے کہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ بیچاری عورتیں شوہر کے ظلم سے پریشان رہتی ہیں اس طرح کہ کوئی شخص عورت کو چھوڑ کر مفقود الخبر ہوگیا اور عورت نہایت تکلیف و مصیبت سے گھر کی چار دیواری میں اپنے انتظار کے دن بسر کر رہی ہے اور مذہبِ حقہ حنفیہ کی رو سے اس کا کوئی دوسرا نکاح نہیں ہوسکتا کیونکہ نہ تو شوہر نے طلاق دی، نہ اس کے مرنے کی خبر مصدقہ طور سے معلوم ہوئی - نیز ایسا واقعہ بھی ہوتا رہتا ہے کہ فلاں شخص اپنی منکوحہ سے بے پرواہ ہوگیا غیر عورت سے ناجائز تعلق کر لیا نہ تو نان نفقہ کی کفالت

کرتا ہے نہ طلاق دیتا ہے۔ علی ہذا القیاس بہت سے واقعات ہیں کہ جس سے دل دُکھتا ہے اس لئے ضرورت سمجھی گئی کہ اس مسئلہ سے آگاہ کیا جائے وہ یہ ہے کہ اگر نکاح کے وقت عورت شوہر سے یہ شرط کرے (خواہ بذریعۂ وکیل یا خود) کہ میں نکاح اس شرط پر کرتی ہوں کہ جب میں طلاق چاہوں گی طلاق لے لوں گی اور مرد قبول کرلے تو نکاح بھی صحیح ہوجائیگا اور عورت کو بھی یہ حق حاصل رہے گا کہ جب اس قسم کی کوئی ایذا رسانی کا سامان بہم پہنچایا جائے اور بجز علیحدگی کوئی صورتِ مفر باقی نہ رہے تو جب چاہے طلاق لے سکتی ہے اور یہ مسئلہ تمام کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ بحرالرائق میں ہے: ولو بدأت المرأة فقالت: زوّجتُ نفسی منك علی انی طالق أو علی أن أمری بیدی أطلّق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدها (فصل فی الامر بالید۔ قاضی خان جلد اول) وان ابتدأت فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أو علی أن یکون الأمر بیدی أطلّق نفسی کلّما شئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الامر بیدها۔

(فصل فی النکاح علی الشرط) عالمگیری الباب الثانی فیما ینعقد به النکاح وما لا ینعقد و إن ابتدأت المرأة فقالت زوّجت نفسی منك علی أنی طالق أو علی أن یکون الامر بیدی أطلّق نفسی کلماشئتُ فقال الزوج: قبلتُ جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الامر بیدها۔ انتہیٰ کلام زید

اور بکر کہتا ہے کہ افسوس ہے کہ زید نے تحقیق نہیں کی یہ قول جو اس نے نقل کیا ہے نہ تو امام اعظمؒ کا قول ہے نہ امام محمدؒ کا بلکہ یہ فقیہ ابواللیثؒ کی رائے ہے۔

قاضی خان میں ہے: تزوّج امرأة علی أنها طالقٌ أو علی ان امرها بیدها ذکر محمّد فی الجامع أنه یجوز النکاح والطلاق باطل ولا یکون الامر بیدها۔ وذکر فی الفتاویٰ عن حسن بن زیاد إذا تزوّج امرأة علی أنها طالق إلی عشرة أیام أو علی أن یکون الأمر بیدها بعد عشرة أیام ان النکاح جائز والطلاق باطل ولا تملك أمرها۔

عالمگیری میں ہے: رجلٌ تزوّج امرأة علی أنها طالقٌ أو علی أن امرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد فی الجامع أنه یجوز النکاح والطلاق باطل۔

بحرالرائق میں ہے: تزوّج امرأة علی أنها طالقٌ أو علی أن أمرها بیدها تطلّق نفسها کلما ترید لا یقع الطلاق ولا یصیر الأمر بیدها۔

تمام کتبِ فقہ میں ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد نکاح ہو وہ شرط قابلِ قبول نہیں لہٰذا زید نے جو نقل کی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ بکر کے قول کی مصلحت یہ ہے کہ اگر زید کے قول کو صحیح مانا جائے تو اس میں ایک فساد برپا ہو جائے گا وہ یہ کہ عموماً عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے بس وہ ذرا ذراسی بات پر طلاق لے لیا کریں گی اور شوہر بیوی میں جو تعلقات رہنا چاہیئے وہ نہ رہ سکیں گے۔ نیز بنا چہرہ جو عورتوں کی آزادی کا خواہاں ہیں ان کو اور تقویت ہو جائیگی نیز وہ عورتیں جن کا نکاح بالشرط نہیں ہو رہے وہ بھی طلاق لے لیا کریں گی اگرچہ ان کا طلاق لینا زید کے قول پر صحیح نہ ہوگا مگر غلط فہمی سے شوہر بیوی میں جھگڑا پڑ جائیگا۔ علیٰ ھٰذا القیاس اور بہت سے فساد پیدا ہوں گے۔ غرض یہ کہ عورتیں آزاد ہو جائیں گی اور وہ مرد جو عورتوں پر ظلم کرتے ہیں ان کے لئے قاضی مقرر ہو جو ان کا فیصلہ کر دیا کرے تو کوئی فساد نہ رہے۔ انتہی کلام بکر۔

سائل عرض کرتا ہے کہ اس مسئلہ میں یہاں دونوں طرف سے مضمون شائع ہو گئے ہیں کوئی امر محقق طے نہیں ہوتا ہے عوام سخت خلجان میں ہیں ایک کا معتقد دوسرے کی بدگوئی کرتا ہے اس لیے احقر نے جناب والا کو یہ تمام تحریر نقل کر کے تحقیق اصل مسئلہ کی چاہی ہے۔ حضرت کے نزدیک جو امر محقق اور مفتٰی بہ ہو مع حوالہ کتب تحریر فرمائیے تاکہ یہاں الٰہ آباد میں جو جناب کے خدام ہیں ان کو خصوصاً اور دوسرے لوگوں کو عموماً اطمینان حاصل ہو اللہ تعالےٰ جناب کو اجر عظیم عطا فرمادے۔ السائل: عبدالودود

رانی منڈی الٰہ آباد فاسٹ کمپنی۔ درزی کی دکان

الجواب

بکر نے مسئلہ میں غور نہیں کیا اور قاضی خان وغیرہ کی ادھوری عبارتیں نقل کر کے خواہ مخواہ لوگوں کو مغالطہ میں ڈالا۔ دراصل جس صورت میں طلاق اور تفویض کو باطل کہا گیا ہے یہ وہ صورت ہے جبکہ مرد ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتا ہوں اس شرط پر کہ تجھے اپنی ذات کے معاملہ میں اختیار ہوگا اور عورت بعد میں یوں کہے کہ میں نے قبول کیا تو اس صورت میں نکاح صحیح اور تفویض باطل ہے اور اگر عورت کی طرف سے ابتداءً ہو کہ عورت ابتداءً یوں کہے کہ میں تجھ سے نکاح کرتی ہوں اس شرط پر کہ مجھے

اپنے معاملہ کا اختیار ہوگا کہ جب چاہوں طلاق لے لوں تو اس صورت میں جب مرد اس کو بعد نکاح قبول کریگا تو نکاح اور شرط دونوں صحیح ہیں بکر کا یہ کہنا کہ یہ قول صرف فقیہ ابواللیث کی اپنی رائے ہے بالکل غلط ہے یہ محض اگر ابواللیث کی رائے ہے اور مذہب ابوحنیفہؒ و محمدؒ و ابو یوسفؒ اس کے خلاف ہے تو وہ اس صورتِ خاص میں جبکہ شرط کی ابتداء عورت کی طرف سے ہو اور مرد بعد میں قبول کرے کوئی جزئیہ دکھلادے جس میں تصریح ہو کہ نکاح اور شرط دونوں باطل یا صرف شرط باطل ہے اور نکاح صحیح ہے مگر وہ ہرگز اس کی جرأت نہیں کرسکتا اور جتنے جزئیات بکر نے پیش کئے ہیں وہ اس صورت میں ہیں جبکہ بداءت بالشرط مرد کی طرف سے ہو اور زید نے جس صورت کا اعلان کیا ہے وہ وہ ہے جس میں بداءت بالشرط عورت کی طرف سے ہے۔ چنانچہ زید نے اپنے رسالہ میں جو عبارات فقہیہ بعبارت عربیہ نقل کی ہیں ان میں بداءت بالشرط من الرجل وبداءت بالشرط من المرأۃ کے احکام مختلف ہونے پر اشارہ موجود ہے البتہ اتنی کمی رہ گئی کہ زید نے اردو میں اس فرق پر تنبیہ نہیں کی تاکہ ناقص الاستعداد بھی فرق کو سمجھ جائے۔

خلاصۃ الفتاوٰی میں ہے: لو بدأت المرأۃ فقالت: زوّجتُ نفسی منك علی أنی طالقٌ أو علی أن الأمر بیدی أطلق نفسی کلما أرید فقال الزوج: قبلتُ وقع الطلاق وصار الأمر بیدھا و مطلقۃ الثلاث ینبغی أن تقول ھکذا حتی ینقطع طمع المحلل اھ ص۲۹ ج-۲

قاضی خان میں ہے: وعن ھٰذا قالوا: مطلقۃ الثلاث إذا أرادت أن تزوج المحلل وخافت أن لا یطلقھا فالحیلۃ لھا فی ذلك أن تقول زوّجت نفسی منك علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلما أرید ثم یقبل الزوج فیکون الأمر بیدھا بعد النکاح تطلق نفسھا متی شاءت اھ (ص ۱۵۵- ج ۱) خلاصہ میں ابتداءً تعلیق من المرأۃ کی صورت کو بدون ذکر اختلاف بیان کیا ہے اسی طرح خلاصہ میں اور قاضی خان میں مطلقۃ الثلاث کے مسئلہ کو جزماً بدون ذکر خلاف بلکہ سب فقہاء و مشائخ کی طرف منسوب کر کے ذکر کیا ہے پس اس کو صرف فقیہ ابواللیث کی رائے بتلانا غلط ہے اور بکر نے جو یہ قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ عقد میں وہ شرط لگانا جو منافی عقد ہو قابلِ قبول نہیں "کلمۃ حقٍ أرید بھا الباطل" کا مصداق ہے۔ نکاح میں اصل یہ ہے کہ نکاح کو معلق

بالشرط کرنا تو باطل ہے اور مقرون بالشرط کرنا جائز ہے۔ معلق بالشرط تو بالکل باطل ہے کہ اس صورت میں نکاح ہی نہ ہوگا جیسے یوں کہے کہ میں نکاح کرتا ہوں اگر میرا باپ راضی ہو یا عورت یوں کہے کہ میں قبول کرتی ہوں اگر میرا باپ راضی ہو مثلاً۔ اور مقرون بالشرط میں حکم یہ ہے کہ شرطِ صحیح کے ساتھ نکاح مقرون ہو نکاح بھی صحیح اور شرط بھی، اور شرط فاسد کے ساتھ مقرون ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ میں اس شرط سے نکاح کرتا ہوں کہ عورت کے لئے مہر نہ ہوگا تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہے اور شوہر کے ذمہ مہر مثل ہوگا گو عورت نے عدم مہر کی شرط کو قبول بھی کر لیا ہو کیونکہ نکاح بلا مہر امت کے لئے مشروع نہیں اب اگر بکر کے نزدیک نکاح بشرط تفویضِ طلاق میں اس لئے شرط باطل ہے کہ وہ اس شرط کو فاسد سمجھتا ہے تو اس کے فساد کی دلیل بیان کرے کیا اس کے نزدیک نکاح کے اندر طلاق مشروع نہیں یا تفویض الی المرأۃ جائز نہیں یقیناً ہر شخص جانتا ہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں جس طرح نکاح مشروع ہے طلاق بھی مشروع ہے اور جس طرح بعض اوقات نکاح واجب ہو جاتا ہے اسی طرح بعض دفعہ طلاق بھی واجب ہو جاتی ہے جبکہ مرد حقوق ادا کرنے سے عاجز ہو جائے اور عورت صبر نہ کرنا چاہے۔ جب یہ ہے تو وہ اس شرط کو کس دلیل سے فاسد کہتا ہے اور کیا اس کے نزدیک بیع بشرط الخیار[1] صحیح نہیں اور کیا شرط خیار سے من لہ الخیار کو بیع کے ابقاء و فسخ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا اگر بیع میں شرط خیار جائز اور من لہ الخیار کو اس سے ابقاء و فسخ عقد کا اختیار حاصل ہو جاتا ہے تو نکاح میں اگر عورت یہ شرط کرے کہ مجھے اختیار ہوگا جب چاہوں اپنے اوپر طلاق واقع کر لوں تو اس کے باطل کرنے کی کیا وجہ ہے۔ نیز وہ بتلائے کہ نکاح سے پہلے اجنبیہ کی طلاق کو معلق علی النکاح کرنا صحیح ہے یا نہیں مثلاً اِن تزوّجتکِ فانتِ طالِقٌ۔ پھر اس میں اور صورتِ متنازعہ میں کیا فرق ہے اگر شرط طلاق نکاح سے جمع نہیں ہو سکتی تو یہ تعلیق باطل ہونا چاہیئے اخیر میں ہم بکر کو بتلانا چاہتے ہیں کہ نکاح بشرط تفویض الی المرأۃ جبکہ ابتداء بالشرط عورت کی طرف سے ہو صرف فقیہ ابو اللیث کا

[1] اس تمثیل سے یہ مقصود نہیں کہ جو احکام بیع بشرط خیار کے ہیں بعینہٖ وہی احکام نکاح میں جائز ہیں بلکہ صرف یہ مقصود ہے کہ بکر کا نکاح بشرط تفویض مشروط بشرط منافی کہنا غلط ہے کیونکہ یہ نظیر بیع بشرط خیار کی ہے اور اس کو کسی نے شرط فاسد یا شرط منافی نہیں کہا۔ منہ

قول نہیں بلکہ فقیہ نے صرف بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے فرق کو ظاہر کیا ہے ورنہ نفسِ مسئلہ کہ اگر بداءت من المرأۃ ہو تو نکاح و شرط دونوں صحیح اور بداءت من الزوج ہو تو نکاح صحیح اور شرط لغو ہے، مسلّم بین الفقہاء ہے۔ فقیہ نے ان دونوں صورتوں میں فرق کو واضح کردیا ہے۔ ملاحظہ ہو عالمگیری۔

وفی الهندیة : کتاب الحیل ص۳۹۲ ج۲ وحیلة اخری فی اصل المسئلة أن تقول المرأة لمحلل زوّجتُ نفسی منك علی أن أمری بیدی أطلق نفسی کلّما أرید ثم یقبل الزوج فیصیر الامر بیدها تطلق نفسها کلما أرادت ولو بدأ المحلل فقال تزوّجتك علی أن أمرك بیدك تطلق نفسك کلما تریدین فقبلت صحّ النکاح ولا یصیر الأمر بیدها وحیلة أخری أن یقول المحلل للمرأة تزوّجتك علی أن أمرك بیدك بعد ما تزوّجتك وطلّقی نفسك کلما تریدین فقالت المرأة قبلت یصیر الأمر بیدها أیضًا اھ

کتاب الحیل میں زوجۃ المحلل کے لئے یہ حیلہ بلا ذکر خلاف مذکور ہے جس کو فقیہ ابو اللیث کے ساتھ خاص کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اب فقیہ نے بداءت من المرأۃ وبداءت من الزوج کے حکم میں اختلاف کی یہ وجہ بیان کی ہے :

لأن البداءة إذا کانت من الرجل کان الطلاق والتفویض قبل النکاح فلا یصح أمّا إذا کانت من المرأة یصیر التفویض بعد النکاح لأن الزوج لما قال بعد کلام المرأة قبلت والجواب یتضمن إعادة ما فی السوال صار کأنه قال قبلت علی أنك طالق أو علی أن یکون الأمر بیدك فیصیر مفوضًا بعد النکاح اھ قاضی خان (ص۲۹ ج۲) وشامی (ص۶۹۹ ج۲) قلت : ولذا ان قال الزوج ابتداءً تزوّجتك علی أن أمرك بیدك بعد ما تزوّجتك وقبلت یصیر الامر بیدها أیضاً لکونه علّق التفویض علی النکاح فیکون مفوضًا بعدهٗ لا قبله فافهم.

رہا بکر کا یہ کہنا کہ اس مسئلہ کو صحیح مان لیا جائے تو فساد برپا ہوجائیگا کیونکہ عورتوں میں آزادی کا مادہ آجکل موجود ہے اور نئے چہرے کی اس سے تائید ہوگی جو آزادی نسوان کے خواہاں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فساد اس مسئلہ کی صورت پر متفرع نہیں کیونکہ یہ مسئلہ تو کتب میں بہت عرصہ سے موجود ہے اور اب تک اس سے کوئی فساد نہیں ہوا فساد کا اصلی

سبب عورتوں کی اصلاح و تعلیم کا اہتمام نہ کرنا ہے۔ نیز مردوں کا دین سے آزاد ہونا اور بہت سے بہت اگر اس مسئلہ کی وجہ سے کچھ فساد ہوگا بھی تو کیا ہوگا اس سے زیادہ تو نہ ہوگا کہ عورت جب چاہے گی طلاق لے لیگی تو طلاق لے لینا کچھ فساد نہیں اور اس سے زیادہ فساد یہ ہوسکتا ہے کہ طلاق کی کثرت ہوجائے گی تو نکاح و طلاق کی کثرت بھی فساد نہیں بلکہ کثرتِ زنا فساد ہے اور اس مسئلہ کی اشاعت سے زنا کا انسداد ہوجائے گا کیونکہ جو عورت مرد سے راضی نہ ہوگی یا مرد اس کو تنگ کریگا یا نفقہ نہ دیگا وہ ان صورتوں میں بسہولت اس کے نکاح سے آزاد ہوکر دوسرا نکاح کرسکے گی یہ تو نہ ہوگا کہ عورت مفقود و زوجۂ العنّین و زوجۂ الظالم خواہش نفس سے مجبور ہوکر دوسرے شخص سے ناجائز تعلق کرلیتی ہے اس کی کیا وجہ کہ بکر کو مردوں کی اس بے رحمی پر غصہ نہیں آتا اور عورتوں کی مظلومیت دور ہونے سے وہ ناخوش ہے اور جو صورت بکر نے عورتوں کے لئے بیان کی ہے کہ ہندوستان میں قاضی مقرر کیا جائے سو اول تو یہ علماء کے ہاتھ میں نہیں برسوں سے علماء حکومت کو اس طرف متوجہ کررہے ہیں مگر حکومت توجہ نہیں کرتی اور قاضی مقرر ہوجانے کے بعد بھی عورتوں کی تکالیف کا بالکلیہ انسداد نہیں ہوسکتا گو ایک حد تک کم ہوجائیں گے کیونکہ قضاۃ و حکام کا مرتشی نہ ہونا یہ بکر کے ہاتھ میں نہیں اور کسی کے بھی قبضہ میں نہیں۔ اب اگر قاضی مرتشی ہوا اور اس نے مرد سے رشوت لے کر عورت کی فریاد پر توجہ نہ کی تو کیا سبیل ہوگی اس لئے بہتر صورت یہی ہے جو زید نے بیان کی ہے اور اگر ہم تسلیم کرلیں کہ زید نے جس مسئلہ کو ظاہر کیا ہے اس سے فساد بھی برپا ہوں گے تو یہ فساد نفس مسئلہ کی صحت کا نتیجہ نہیں بلکہ اس مسئلہ کی اشاعت کا نتیجہ ہوگا۔ پس بکر کو لازم تھا کہ نفسِ مسئلہ کا ابطال نہ کرتا بلکہ زید سے یوں کہتا کہ مسئلہ تو صحیح ہے مگر یہ زمانہ اس کی اشاعت کا نہیں کیونکہ اس پر یہ فسادات متفرع ہوں گے مگر اس کے بعد بکر کو ان فسادات کا بھی کوئی سہل انتظام بتلانا چاہیے جو مردوں کے ظلم اور بے پروائی سے عورتوں میں رونما ہورہے ہیں کہ تمام مدارس کے مفتی عورتوں کی فریاد سنتے سنتے تھک گئے۔ واللہ المستعان فقط

الجواب صحیح
اشرف علی
۲۲ر ذی قعدہ ۴۷ھ

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون
۲ر ذی قعدہ ۴۷ھ

واپسی مفقود کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ کلثوم حنفی المذہب کا شوہر سولہ برس سے مفقود الخبر رہا اور مفقود الخبری سے سات برس بعد اس نے فتویٰ لے کر اپنے شوہر کے حقیقی چھوٹے بھائی سے نکاح کر لیا اور اس شوہر کے نطفہ سے دو بچے موجود ہیں۔ پہلا شوہر اب آیا اور عورت کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتا ہے اور عورت اس کے ساتھ رہنے پر رضامند ہے تو اب عورت کو اس کے ساتھ رہنا چاہیئے یا نہیں اگر رہنا چاہیئے تو کیا اس کے ساتھ دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا وہی اول نکاح کافی ہے؟

واضح رہے کہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ دو چار مرتبہ رہی۔ جواب باصواب عنایت فرمائیں۔ سائل: اللہ دین سبزی فروش محلہ حیدر گنج صدر ضلع سلطان پور اودھ

الجواب

یہ عورت اپنے پہلے شوہر کے ساتھ ہی رہے دوسرے شوہر سے الگ ہو جائے پہلے شوہر کے پاس رہنے کے واسطے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں بلکہ پہلا نکاح باقی ہے لیکن اس عورت کو دوسرے شوہر سے الگ ہو کر عدّت گزارنا ضروری ہے بدون عدّت گزارے ہوئے پہلے شوہر کے پاس نہ جائے اور عدّت اس کی تین حیض ہے اگر حمل نہ ہو اور حمل ہو تو عدّت وضع حمل ہے اور دوسرے نکاح کے بعد جو اولاد ہوئی ہیں وہ دوسرے شوہر کی اولاد ہیں اور حلالی ہیں جو دوسرے شوہر کی وارث شرعی ہیں۔ فقط

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

حکم زوجۂ مجنون

سوال: ایک دوست کی سالی ہے اور اس کے شوہر کو عرصہ گیارہ بارہ سال کا ہوا پاگل ہو گیا ہے کبھی تو گفتگو ہوشیاروں کی سی کرتا ہے کبھی بالکل پاگلوں کی سی۔ مسماۃ علیحدہ ہیں اور کئی بچے بھی ہیں، مسماۃ کی عمر ۲۵ سال ہے۔ کیا اس کی علیحدگی کی کوئی شرعی صورت ہو سکتی ہے؟ ایک صاحب کہتے ہیں کہ عدالت سے تو علیحدگی ہوگی وہ ہندو کی عدالت ہے یا انگریز کی مسلمان کی نہیں

کیا کوئی صورت ایسی ہوسکتی ہے کہ شرعی علیحدگی تو یہاں ہوجائے اور عدالتی عدالت میں بسماۃ واقعی بہت پریشان ہیں اکثر ملاقات کے وقت وہ دوست تذکرہ کرتے ہیں اور پریشانی بیان کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اگر کوئی صورت سمجھ میں آجائے تو اس سے مطلع فرمادیں۔

المرسل: محمد عثمان دریبہ کلاں دھلی

الجواب

اگر مجنون ایک مرتبہ بھی ہم بستری کرچکا ہو خواہ جنون سے قبل یا جنون کے بعد تو پھر اس عورت کو تفریق کا حق نہیں رہتا۔ بس صورت مسئولہ میں جب وہ صاحب اولاد ہے تو تفریق کا حق حاصل نہیں، نہ غیر مسلم حاکم کرسکتا ہے نہ مسلم حاکم۔ اور غیر مسلم حاکم کی کسی صورت میں بھی تفریق معتبر نہیں۔ اور یہ صورت بھی کافی نہیں کہ شرعی فیصلہ عالم کردے اور تفریق غیر مسلم حاکم کردے الا آنکہ وہ حاکم کسی عالم کو اختیار فیصلہ کا باقاعدہ دیدے۔

فقط والسلام۔ احقر عبدالکریم عفی عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۲ رجب ۴۸ھ

ایضاً ایضاً ایضاً سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ سے نکاح کرنے کے پندرہ سولہ روز کے بعد سفر کو چلا گیا ایک سال کے بعد وہ سفر سے مجنون ہوکر گھر واپس آیا اور اسی حالت پر اس کو متواتر پانچ سال گزر گئے ہیں کہ اس کو اپنی زوجہ سے کسی قسم کا تعلق زوجیت نہیں ہے لہذا ہندہ اپنے مجنون زوج کے زیر نکاح رہنے میں اس کے مجنون ہونے کے بعد ہی سے لے کر اس وقت تک برابر ناراضگی ظاہر کرتی ہے۔ حتی کہ اولیاء جب زوج کے مکان پر جانے کے لئے مجبور کرتے ہیں اس وقت جواب دیتی ہے کہ میں خودکشی کرلوں گی مگر اس زوج کے مکان پر ہرگز نہیں جاؤں گی اور ہمیشہ یہ چاہتی ہے کہ کسی طرح اس زوج سے نکاح فسخ ہوجائے۔ اب استفتاء اس امر کا ہے کہ مطابق مذہب حنفی کے اس زوجہ سے نکاح فسخ ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہوسکتا ہے تو اس کو مفصلاً دلائل وبراھین کے ساتھ تحریر فرمایا جائے۔ بینوا

تو جروا ۔ المستفتی : محمد عنبر علی عفی عنہ

الجواب وهو الموفق للصواب

امام ابوحنیفہ و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک تو مجنون کی زوجہ کا نکاح جنون کی وجہ سے فسخ نہیں ہو سکتا اور عموماً کتب فقہ میں انہیں کے مذہب کو لیا ہے۔
فتح القدیر نے اس کی ادلہ اور اس کے خلاف کی ادلہ کا جواب نہایت بسط سے دیا ہے۔ شامی نے بھی اس کو پسند کیا ہے۔ غرض حنفیہ کا قوی و راجح مذہب یہی ہے کہ جنون موجب فسخ و تفریق نہیں ہے۔ البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جنون کی وجہ سے تفریق ہو سکتی ہے اور بعض فقہاء نے اس پر فتویٰ بھی دیا ہے۔ چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے :

قال محمد : إن كان الجنون حادثاً يؤجله سنة كالعنة ثم تخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ او ان كان مطبقاً فهو كالجب، وبه نأخذ كذا في الحاوي القدسي (ص ۱۵۷ / ج ۲-۳)

اس لئے اس قول کو لینے کی بھی گنجائش ہے اور تفریق کا طریقہ یہ ہے کہ عورت قاضی کے پاس درخواست دے، قاضی مجنون کو ایک سال مہلت علاج کے واسطے دے دے۔ بعد ایک سال گزر جانے کے دیکھا جائے اگر تندرست ہو جائے تو فبہا ورنہ عورت اگر چاہے تو تفریق کر دی جائے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر کسی شخص سے نکاح ہو سکتا ہے اور گو اس ملک میں بقاعدۂ شرعیہ قاضی نہیں ہیں لیکن جو مسلمان حاکم ایسے امور کا فیصلہ کرنے کے واسطے سرکار کی طرف سے اختیار رکھتے ہیں وہ بھی مثل قاضی کے ہیں اس واسطے ایسے جج وغیرہ کے ہاں درخواست دی جائے۔ اور اگر اس جگہ کوئی مسلمان حاکم ایسا نہ ہو جو شریعت کے موافق فیصلہ کر سکے تو پھر اس صورت میں فقہ حنفی کی رو سے تو کوئی صورت تفریق کی معلوم نہیں ہوتی البتہ مالکیہ کے نزدیک ایسی صورت میں دیندار مسلمانوں کی پنچایت جس میں کوئی معاملہ فہم عالم بھی ہوں ایسے امور کا فیصلہ کر سکتی ہے۔

كما قال الخليل في مختصره : ولزوجة المفقود الرفع للقاضي والوالي ووالي الماء والا فجماعة المسلمين اھ (از فتویٰ سعید صدیق مدنی)

اور ضرورت کے موقعہ پر دوسرے ائمہ کے مذہب پر فتویٰ ہو سکتا ہے جبکہ اپنے مذہب میں کوئی گنجائش نہ نکل سکے اس واسطے اگر اس علاقہ میں مسلمان حاکم ان امور میں اختیار رکھنے والا نہ ہو تو

محلہ یا شہر کی پنچایئت میں معاملہ پیش کر دیا جائے وہ باقاعدہ تحقیقات کر کے ایک سال کی میعاد مقرر کر دیں اور سال گزرنے پر پھر جمع ہوکر زوج کے حال کی تفتیش کی جائے اگر اس کا جنون زائل نہ ہوا ہو تو عورت کو اس کے نکاح سے الگ کر دیا جائے اور اس تمام کارروائی میں کم از کم ایک معاملہ فہم عالم پنچایئت کے ہمراہ ضرور ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

تنبیہ ضروری: امام محمدؒ کے قول میں کہ جس کو لیکر یہ فتویٰ دیا گیا ہے جنونِ حادث و مطبق کا حکم جداگانہ لکھا ہوا ہے مگر ہم نے مطلقاً ایک سال کی مہلت لکھی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جنونِ مطبق کی تفسیر نماز روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ کے بارہ میں تو موجود ہے مگر زوجۃ المجنون کے بارے میں جنونِ مطبق کی تفسیر کہیں نہیں ملی اور قیاس کی جرأت نہیں ہے خاص کر جب مطبق کو حادث کا مقابل گردان کر کہیں تفسیر نہ ہو اور محض مطبق کی تفسیر سے یہ لازم نہیں آتا کہ حادث کے مقابلہ میں جب مطبق ہو تب بھی اس کی تفسیر یہی ہے پس احتیاط اس میں ہے کہ مطلقاً تاجیل پر عمل کیا جائے خصوصاً جبکہ پنچایئت فیصلہ کرنے والی ہو کیونکہ پنچایئت کا فیصلہ معتبر ہونا فقہ حنفی میں تو ہے نہیں فقہ مالکی سے اس کا فتویٰ دیا گیا ہے اور مالکیہ کے مذہب میں جنونِ مطبق و غیر مطبق میں کوئی تفصیل نہیں بلکہ صاحبِ تحفہ نے لکھا ہے: وھو معنی قول خلیل و مجنونھما و ان مرّۃ فی الشھر قبل الدخول وبعدہ الخ

(از فتویٰ صالح تونسی مدرس مسجدِ نبوی) فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم از خانقاہ امدادیہ

تھانہ بھون - مورخہ ۱۰ رجادی الثانی ۵۰ھ

فصل فی احکام الحرمۃ المصاھرۃ

سوتیلی ماں کے مس کرنے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی پہلی بیوی مسماۃ زینب ایک لڑکا مسمی خالد کو چھوڑ کر مرگئی تو زید نے اپنا نکاح ثانی ہندہ سے کیا اور کچھ دنوں کے بعد زید اپنا بیٹا خالد جس کی عمر ۲۵ سال ہے اور بیوی ثانی ہندہ کو چھوڑ کر پردیس چلا گیا تو بارہا دیکھا گیا کہ خالد اپنی سوتیلی ماں ہندہ کی چارپائی پر راتوں کو سو رہا ہے اور اکثر مکان خلوت میں دونوں رہا کئے یہاں تک کہ غلبۂ نیند سے صبح ہو گئی اور دونوں ایک ہی

چارپائی پر دونوں پائے گئے اس حرکت سے خالد پر زنا کا جرم عائد ہوتا ہے یا کس گناہ کا مرتکب ہوگا اور ہندہ اپنے شوہر زید کی قابل ہے یا حرام ہوگئی ؟

سائل : مخلص حسین مدرس مدرسہ اسلامیہ
قصبہ جلال پور ضلع فیض آباد

الجواب

صورتِ مسئولہ میں خالد پر زنا کی تہمت بلا ثبوت شرعی کے نہیں لگائی جاسکتی۔ اور ہندہ اپنے شوہر پر جب حرام ہوگی جبکہ چند باتوں میں سے ایک بات ثابت ہوجائے

۱ یہ کہ خالد نے ہندہ کو یا ہندہ نے خالد کو شہوت کے ساتھ چھوا تھا اور جس حصۂ جسم کو چھوا تھا وہ موٹے کپڑے سے مستور نہ تھا

۲ یا یہ کہ خالد نے ہندہ سے معانقہ کیا تھا اور معانقہ کے وقت اس کے عضو میں انتشار تھا۔

۳ یا ایک نے دوسرے کا بوسہ لیا تھا۔

۴ یا خالد نے ہندہ کے پستان چھوئے تھے۔

قال فی العالمگیریة : (ص ۵ و ۶ و ۷ - ج ۲) ولاتثبت بالنظر إلی سائر الاعضاء إلاّ بشهوة ولا بمس سائر الأعضاء إلا عن شهوة بلا خلاف .كذا فی البدائع

و فیه أیضاً : ثم لافرق فی ثبوت الحرمة بالمسّ بین کونه عامداً أو ناسیاً أو مکرهاً أو مخطئاً .کذا فی فتح القدیر- أو نائماً - کذا فی معراج الدرایة - و اذا قبّلها ثم قال لم یکن عن شهوة أو لمسها أو نظر إلی فرجها ثم قال لم یکن بشهوة فقد ذکر الصدر الشهید فی التقبیل یفتی بثبوت الحرمة مالم تتبیّن أنه قبّل بغیر شهوة و فی المسّ و النظر لا یفتی بالحرمة إلا إذا تبیّن أنه فعل بشهوة لأن الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والنظر - کذا فی المحیط - ولو أخذ ثدیها وقال : ما کان عن شهوة لایصدق لأن الغالب خلافه - و فی البقالی و یصدق إذا أنکر الشهوة فی المس إلا أن یقوم وآلته منتشرة فیعانقها - کذا فی المحیط اھ

پس اگر ان تین باتوں میں سے ایک کا بھی ثبوت ہوگیا تو ہندہ زید پر حرام ہوگئی

اور اگر یہ باتیں ثابت نہ ہوئیں اور نہ ہندہ و خالد نے اقرار کیا تو زید کو اپنے وجدان سے اگر ظن غالب یہ ہو کہ ہندہ و خالد بہ نیتِ فاسد ایک پلنگ پر لیٹے تھے تو اس کو ہندہ کو طلاق دیدینا چاہیئے۔ اور اگر ایسا گمان نہ ہو تو نکاح باقی ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد

خسر کے اپنی بہو سے زنا کر لینے سے فسخ نکاح کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ چھکن کا نکاح بزمانہ نابالغہ ہمراہ مسمّٰی عمر پسر عبد الغنی سے ہوا تھا اس وقت مسماۃ چھکن بعمر سولہ سالہ ہے اور وہ بالغہ ہوگئی اور مسمّٰی عمر بعمر ۱۲ سال نابالغ ہے۔ مسماۃ چھکن سے اس کا خسر زنا کرتا ہے اور جس کے زنا کرنے کی تصدیق زوجۂ خسر و داماد خسر و دیگر معتبر مردمان سے ہوئی تو کیا از روئے شریعت مسماۃ چھکن کا نکاح ہمراہ عمر اس کے شوہر کے رہا یا نہیں؟ از طرف مسماۃ سوئی۔ پانی پت مخدوم زادگان

الجواب

قال فی الدر: و بحرمة المصاهرة لا یرتفع النکاح حتی لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتارکة وانقضاء العدة اھ

وفی الشامیة: (قوله إلا بعد المتارکة) أی و إن مضی علیها سنون کما فی البزازیة وعبارة الحاوی إلا بعد تفریق القاضی أو بعد المتارکة اھ (ص ۴۶۳ ج ۲)

وفی الشامیة ایضاً: قال شمس الائمة السرخسی زعم بعض مشائخنا أن هذا الحکم (ای الطلاق) غیر مشروع أصلاً فی حق الصبی حتی ان امرأته لا تکون محلاً للطلاق وهذا وهم عندی فإن الطلاق یملك بملك النکاح إذ لا ضرر فی إثبات أصل الملك بل الضرر فی الایقاع حتی إذا تحققت الحاجة أی صحة إیقاع الطلاق من جهته لدفع الضرر کان[1] صحیحاً فاذا اسلمت زوجته و ابی فرق بینهما وکان طلاقاً عند ابی حنیفة رح ومحمد رح و إذا ارتد والعیاذ بالله وقعت البینونة وکان طلاقاً فی قول محمد رح و اذا وجدته مجبوباً فخاصمته فرق بینهما و کان طلاقاً عند بعض المشائخ اھ ـــ قلتُ: حاصله أنه کالبالغ فی وقوع الطلاق منه

---

[1] قلت: ولا شك فی تحقق الحاجة إلیه فی الصورة المسؤلة لدفع الضرر عنه ۱۲ منه

بهٰذه الاسباب إلا أنه لا يصح ايقاعه منه ابتداءً للضرر عليه ومثله المجنون اهـ
(ص ۶۳۹ - ج ۲)

وفي الدر : وجوزه (أي طلاق الصبي) الامام احمد قال الشامي أي إذا كان مميزًا يعقله بأن يعلم أن زوجته تبين منه كما هو مقرر في متون مذهبه فافهم الخ
(ص ۷۰۰ - ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں مسماۃ چھکن اپنے شوہر عمر پر حرام ہوگئی اب زندگی بھر وہ اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی لیکن اس حرمت سے نکاح نہیں ٹوٹتا عمر کا نکاح چھکن سے ابھی باقی ہے اس لئے جب تک عمر بالغ ہوکر طلاق نہ دے یا کوئی قاضی شرع ان دونوں میں تفریق نہ کر دے چھکن کا نکاح کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا۔ اگر کوئی مسلمان حاکم جس کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا اختیار دیا گیا ہو (گو وہ انگریزی حکومت ہی کی طرف سے ہو) زوجین کے درمیان تفریق کرے اور یہ فیصلہ کر دے کہ میں نے اس نکاح کو توڑ دیا تو شوہر کی نابالغی میں بھی مسماۃ چھکن پر طلاق پڑجائے گی پھر وہ دوسرے سے نکاح کرسکتی ہے۔

تتمۃ الجواب

قال الشامي : وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقد صرحوا في النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولاً بها كتركتك أو خليت سبيلك وأما غير المدخول بها فقيل تكون بالقول وبالترك على قصد عدم العود إليها وقيل لا تكون إلا بالقول فيهما الخ (ص ۴۶۳ - ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مسماۃ چھکن کا شوہر اس سے ہم بستر نہ ہوا ہو اور بلوغ کے بعد بھی ہم بستر نہ ہوا اور اس کو چھوڑ رکھے اور زبان سے اتنا کہدے کہ میں اس سے تعلق رکھنا اور اس کے پاس جانا نہیں چاہتا تب بھی یہ نکاح بلوغ کے بعد ٹوٹ جائیگا گو بالغ ہوکر شوہر طلاق نہ بھی دے پس اگر نابالغی کے زمانہ میں کسی حاکم مسلم نے اس نکاح کو فسخ بھی نہ کیا اور عمر کو بالغ ہونے کے بعد سمجھا دیا جائے کہ یہ لڑکی تجھ پر حلال نہیں رہی اور باتوں باتوں میں وہ اتنا کہدے کہ میں اس سے ہم بستر ہونے اور تعلق رکھنے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اتنا کہدینے سے بھی مسماۃ چھکن اس کے نکاح سے نکل جائے گی واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۱۹ صفر ۴۱ھ

حرمتِ مصاہرت میں نفی شہوت کی تحقیق اور لمس بالشہوت کا حکم

سوال : زید نے اپنی خوشدامن سے کچے چاول نمونہ (دیکھنے) کے لئے مانگے اس نے چاول لیکر زید کے ہاتھ پر رکھدیئے زید کے دل میں یہ خیال تھا کہ اگر اس کے یعنی خوشدامن کے ساتھ ذرا بھی مس بالشہوت ہو جائے تو زوجہ حرام ہوجاتی ہے اس لئے وہ بہت احتیاط کرتا تھا لیکن اس وقت جب خوشدامن نے اس کے ہاتھ پر چاول رکھے تو اُسے معاً یہ خیال آیا کہ یہی مس بالشہوت باعثِ حرمت ہوجاتا ہے کہیں ایسا نہو جائے اس خیال کے آتے ہی اس کے آلۂ تناسل میں خفیف سا احساس پیدا ہوا مگر یہ احساس قیام آلہ کی حد تک نہیں پہنچا صرف خفیف سا احساس تھا اور میلانِ قلب الی المباشرۃ بھی ہرگز ہرگز نہ تھا صرف تصور سے یہ احساس پیدا ہوا۔ زید نے ٹٹولا تو آلہ سست اور افتادہ تھا مگر کچھ قلیل سی حس تھی جس کے قوی ہونے سے قیام اور انتشار ہوجاتا ہے ممکن ہے کہ اس حس سے پہلے کی نسبت کچھ تغیر پیدا ہوا ہو مگر قیام کی صورت نہ تھی صرف ضعیف سا احساس تھا۔ کتبِ فقہ میں حدِ شہوت یہ لکھی ہے "وحد الشهوة انتشار الآلة اوازدياده ان كانت منتشرة" عالمگیری ملخصًا وحدّ الشهوة تحرّك الآلة أوازدياده (درمختار) زید یہ فیصلہ نہیں کرسکتا کہ انتشارِ آلہ کے کیا معنی ہیں اور کیا حد ہے۔ آیا ذرا سا احساس اور تغیر بھی اس میں آجاتا ہے یا نہیں؟ قاموس میں لکھا ہے : "انتشر في الرجل الغظ" اور لغوظ کے معنوں میں لکھا ہے : "لغظ ذكره قام، والغظ الرجل والمرأة علاها الشّبق ۔ شبق: اشتدّت غلمته ۔ اور غلمہ میں لکھا ہے : غلم واغتلم : غلب شهوة ۔ غلم البعير: هاج" اس عبارت سے تو معلوم ہوا کہ انتشار کے معنی سخت شہوت کے ہیں معمولی خیال یا احساس اس میں داخل نہیں لیکن یہ معلوم نہیں کہ فقہاء رحمہم اللہ نے یہ معنی مراد لئے ہیں یا نہیں؟ اور صورتِ مذکورہ میں حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہے یا نہیں۔ نیز زید کو یہ قلیل احساس اس سے پیدا نہیں ہوا کہ وہ خوشدامن کی طرف مائل ہوگیا تھا۔ حاشا وکلا، یہ خیال اسے عمر بھر کبھی نہیں گزرا بلکہ اس تصوّر سے کہ ساس سے ایسا فعل باعثِ حرمت ہے۔ اسی تصوّر سے یہ احساس پیدا ہوگیا۔ از راہِ عنایت دونوں باتوں کا جواب دیں کہ انتشار اور تحرّک آلہ کے معنی قیامِ آلہ اور غالب شہوت کے ہیں جیسا کہ قاموس سے سمجھا جاتا ہے یا کچھ اور ہیں اور وہ کیا ہیں اور صورتِ مذکورہ میں زید کی زوجہ کے متعلق کیا حکم ہے؟ والسلام

الجواب

اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہے اور خفیف سا احساس حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے جبکہ میلانِ قلب بھی نہ تھا اور بظاہر چاول ہاتھ میں رکھنے کے وقت بھی نہ تھا بلکہ بعد میں خیال مذکور آکر خفیف احساس سا ہوا جو کہ حدِ شہوت میں داخل نہیں ہے

قال فی الدر المختار : والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما - قال فی الشامی : فيفيد اشتراط الشهوة حال المسّ فلو مسّ بغير شهوة ثم اشتهى عن ذلك لا تحرم عليه ردالمحتار ص۲۸۰ - ج۲ - فقط واللہ اعلم

کتبہٗ عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مفتی دار العلوم دیوبند
۷ ربیع الاول ۴۵ھ

تنقیح

۱ یہ شخص جوان ہے یا بوڑھا ؟

۲ سوال میں یہ مذکور نہیں کہ خوشدامن سے چاول لیتے ہوئے اس کا ہاتھ اس کے ہاتھ سے مس ہوا یا نہیں ؟ اس کی تشریح کی جائے۔

۳ سوال میں یہ بھی مذکور نہیں کہ آلہ تناسل میں خفیف سا اثر چاول لیتے وقت ہوا یا اس کے بعد میں ؟ اس کو بھی واضح کیا جائے

۴ سوال میں یہ تو مذکور ہے کہ میلان الی المباشرت ہرگز نہ تھا مگر کیا چاول لیتے ہوئے اس کو التذاذ اور شہوت بھی بالکل نہیں ہوئی کیونکہ التذاذ بدون میلان الی المباشرت کے بھی ہو سکتا ہے۔ ان تنقیحات کے جواب کے بعد حکم بتلایا جائیگا۔ یہ پرچہ بھی واپس کیا جائے۔ فقط ظفر احمد از تھانہ بھون

جناب مولانا صاحب !

صاحبِ واقعہ کے مستفسرہ حالات یہ ہیں :

۱ یہ شخص جوان، قادر علی المباشرت ہے اور بوقتِ شہوت اچھی طرح سے انتشار

ہوتا ہے۔

۲ چاول لیتے وقت تھوڑا سا مس بلاحائل خوشدامن کے ہاتھ سے ہوا۔

۳ اس کے متعلق یقین نہیں کہ یہ خفیف سا اثر کب پیدا ہوا۔ خیال راجح یہ ہے کہ پہلے تصوّر کی وجہ سے طبیعت میں کچھ ذرا سا اثر تھا اور مس ید کے وقت یقین نہیں کہ اس اثر میں اضافہ ہوا یا نہیں۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ اس شخص نے اپنی بیوی سے جو پاس ہی چارپائی پر پڑی تھی اور یہ شخص اس کے پاس دوسرے چارپائی پر بیٹھا تھا چاول دیکھنے کے لئے مانگے، بیوی نے اپنی والدہ کو کہدیا کہ چاول لادے اس شخص کو فوراً یہ تصوّر آیا کہ ساس سے مس بالشہوت ہونے سے (یا مباشرت کا وقوع ہونے سے) عورت حرام ہوجاتی ہے۔ اس نے بہترا اِدھر اُدھر دیکھا کہ چاول کپڑے رکھا لوں مگر اور کوئی چیز نہ تھی ناچار اس نے ہاتھ پھیلایا اور ساس نے چاول رکھدی اس وقت طبیعت میں خفیف سا اثر تھا اور غالباً پہلے سے پیدا ہوا تھا اور یہ معلوم نہیں کہ مس کے وقت اضافہ ہوا یا نہیں ؟

۴ التذاذ کے متعلق بھی کچھ یقینی یاد نہیں کہ واقع ہوا یا نہیں ؟ صرف تصوّر سے کچھ التذاذ قلب بھی ہوا ہو تو بعید نہیں یقینی امر اتنا ہے کہ خفیف سا احساس تھا فقط جو کچھ یاد تھا اور یاد آیا وہ سب لکھ دیا ہے۔ شاید بے اختیاری سے کچھ ذرا سا التذاذ ہوا ہو مگر یقین اس کے متعلق نہیں۔ والسلام

الجواب من جامع امداد الاحکام

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔ کیونکہ مس کے وقت اضافۂ شہوت کا یقین نہیں۔

قال فی الدر المختار: وفی المس لا تحرم مالم تعلم الشہوۃ لأن الأصل فی التقبیل الشہوۃ بخلاف المس (ص ۴۶۲ - ج ۲)

اور شہوت کے معنی باب مصاہرت[ع] میں تحرکِ آلہ ہے یا ازدیادِ تحرک۔ اگر پہلے سے تحرک موجود ہو اور یہی مراد انتشار سے ہے۔ باقی لغوظ قوی یا قیام کامل مراد نہیں جیسا کہ

ع اس مسئلہ کی مزید تفصیل جلد تاسع کے فتاویٰ ماہ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ میں موجود ہے۔ وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ ظفر احمد

سائل نے سمجھا ہے کہ سخت شہوت مراد ہے۔

قال الشامی : عن الفتح وفرع علیه لو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأً لاتحرم أمّها مالم یزدد الانتشار اھ (ص۴۵۹ ج۲)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر عمداً فخذِ بنت میں ایلاج ہو تو زیادتِ انتشار کی ضرورت نہ تھی یا پہلے سے منتشر نہ ہوتا اور خطأً فخذِ بنت میں ایلاج ہو کر انتشار ہو تب بھی زیادت انتشار کی ضرورت نہ ہوتی والمراد بالإیلاج ماکان بدون المس بالید بلاحائل والا فھو کافٍ للحرمة۔ واللہ أعلم۔

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہِ اشرفیہ

۱۶ر جمادی الاولی ۱۳۴۵ھ

بیٹی سے زنا کیا تو بیوی حرام ہو جائے گی

سوال : مکرم جناب مولوی صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک شخص پوچھتا ہے کہ عرصہ دس سال کا ہوا کہ مجھ سے بیٹی کے ساتھ زنا کا گناہ ہو گیا اور اب تک اس کی ماں میرے پاس ہے اور اولاد بھی ہو رہی ہے۔ میں اس گناہ کا اقرار کرتا ہوں اور جو سزا میری ہو اس کے لئے تیار ہوں۔ اس کی ماں کو الگ کروں تو گھر بار نہ اجڑنے کے لئے یہ بھی ممکن ہے کہ میں اس سے بالکل علیحدہ رہوں لیکن وہ گھر میں رہے اور وہ بال بچوں کی پرورش کرے اور اس کو خرچ دیتا رہوں میں اس سے پردہ کروں یا اس کو طلاق دیکر بالکل کوئی تعلق نہ رکھوں؟

الجواب : خانقاہ امدادیہ ۲۰ر جمادی الاول ۴۳ھ

بیٹی کے ساتھ زنا کرنے سے اس کی ماں مرد پر حرام ہو گئی۔ اب اس سے وطی اور جماع جائز نہیں۔ باقی نکاح بدون فسخ قاضی یا متارکت احد الزوجین کے نہیں ٹوٹتا اور متارکت کے معنی یہ ہیں کہ طلاق دیدے یا مرد و عورت میں سے کوئی یہ کہہ دے کہ میں تجھ سے علاقہ نہیں رکھنا چاہتا۔ سو جب تک تفریقِ قاضی یا متارکت کا تحقق نہ ہو نکاح نہیں ٹوٹتا پس یہ شخص اپنی بیوی کو اسطرح گھر میں رکھ سکتا ہے کہ اس کے پاس نہ جائے اور نان ونفقہ دیتا رہے بشرطیکہ اس صورت میں یہ اندیشہ نہ ہو کہ کسی وقت مبتلائے جماع ہو جائیگا اور بیوی سے ترکِ جماع کر کے بدون نکاح رہنے میں اس کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو اور بیوی

کی عفت پر بھی اندیشہ نہ ہو۔ والسلام

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

حرمتِ مصاہرہ کی ایک صورت کے متعلق مدرسہ سہارنپور و خانقاہِ امدادیہ کے دو مختلف فتویٰ

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اور مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شریر لڑکا جو سنِ بلوغت کو نہ پہنچا تھا، عادت شرارت سے اکثر جو لڑکیوں میں کھیلا کرتا تھا بطور کھیل کے لڑکیوں سے زنا کی نقل کیا کرتا تھا۔ ایک روز اپنی سوتیلی چچی کے پاس جو جوان تھی لیٹ گیا، رات کا وقت تھا اور چچی اس کی بالکل برہنہ ہوتی تھی اس سے حسبِ عادتِ شرارت ہاتھ کی انگلی سے زنا کیا۔ اگر یہ بالغ ہوتا یا اس کو تندی ہوتی تو اصلی زنا کرنے میں اس کے کوئی شک نہ تھا۔ اور عمر کا حال اس عرصہ کا پورے طور سے معلوم نہیں کہ عمر دس برس کی تھی یا کچھ کم و بیش۔ چونکہ اس بات کو اس وقت عرصہ ۴۲ سال بلکہ زیادہ گزر چکا ہے۔ بالغ نہ ہونے کا تو پتہ خوب یاد ہے نہ تو اس عرصہ میں کبھی احتلام ہوتا تھا نہ انزال ہوتا تھا بلکہ تندی بھی شاید نہ ہوتی ہو اگر تندی ہوا کرتی تو ضرور اس وقت بھی ہوتی جس وقت یہ امر انگلی سے ہوا حالانکہ اس وقت اس لڑکے کی چچی کی جب آنکھ کھلی اس نے یہ معاملہ دیکھ کر اس لڑکے کو اپنے پیٹ پر لٹا لیا تب بھی اس کو تندی نہیں ہوئی۔ اس معاملہ کے دس بارہ برس بعد اس کی چچی کی لڑکی پیدا ہوئی۔ جوان ہونے پر اس کی شادی کر دی اب وہ لڑکی بیوہ ہے اس لڑکی سے اس شخص کا جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے حسب قانونِ شریعت نکاح درست ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

حامدًا و مصلیاً و مسلماً

اقل مدت بلوغ لڑکے کی بارہ سال ہے اس سے پیشتر لڑکا بالغ نہیں ہوتا۔ بارہ برس کے بعد جو زمانہ ہوگا وہ زمانہ مراہقیت کا ہوگا جو وطی وغیرہ کے بارہ میں بالغ کا حکم رکھتا ہے۔ چونکہ لڑکے کی عمر اس وقت بارہ برس سے کم تھی اس لئے اس کے اس فعل سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی، اس کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہے۔

فی الشامی تحت قولہ : فلو جامع غیر مراهق زوجة أبيه لم تحرم (فتح)

تتحصل من هذا أنه لابد فی کل منهما من سن المراهقة و اقله للأنثى تسع وللذکر اثنا عشر لأن ذلك أقل مدة یمکن فیه البلوغ اھ واللہ أعلم

رقمہٗ ضیاء احمد عفی عنہ

مورخہ ۱۹ ؍ جمادی الاول ۴۴ھ

صحیح

عبد اللطیف عفا اللہ عنہ
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

الجواب صحیح
خلیل احمد عفی عنہ

سوال مکرّر از سائل بالا

جناب مولانا صاحب، دام ظلکم ۔ بعد سلام مسنون کے عرض پرداز ہوں ۔ چونکہ اس واردات کو عرصہ ۴۲ سال سے زیادہ گزر چکا ہے اس لئے عمر کا حال پورے طور سے معلوم نہیں ۔ آیا عمر لڑکے کی بارہ (۱۲) سال سے کم تھی یا کچھ زیادہ تھی عمر کی نسبت احتمال ہے ۔ البتہ نابالغ ہونے کا اطمینان پورے طور سے ہے ۔ چونکہ بالغ ہونے کا ثبوت انزال ہونے پر منحصر ہے اس عرصہ میں انزال مطلق نہ ہوتا تھا یہ خوب یاد ہے اور عمر کی نسبت اس لئے احتمال ہے کہ اکثر ہم لوگوں میں لڑکے پندرہ سال سے بھی زیادہ عمر میں بالغ ہوتے ہیں ۔ بارہ تیرہ برس کی عمر میں اکثر شہوت اور انتشار بھی نہیں ہوتا اس لئے قیاساً یہ احتمال ہے کہ شاید عمر ۱۲ سال کی ہو گئی ہو یا اس سے زیادہ یا کم ہو ۔ اس صورت میں علماء دین اور مفتیان شرع متین کی نکاح کر لینے کی نسبت کیا رائے ہے؟ اگر قانونِ شریعت کے موافق کوئی صورت نکاح درست ہونے کی ہو تو کر لیا جائے ۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً

جیسا کہ بلوغ کی اقل مدت بارہ سال ہے ایسا ہی مراہقیت کی بھی اقل مدت بارہ سال ہے ۔ مراہق اس کو کہتے ہیں جو قریب البلوغ ہو ۔ اور ثبوتِ حرمت کی اصلی علت وجودِ شہوت ہے ۔ چونکہ درصورتِ مسئولہ عمر شخصِ مذکور کی متعین نہیں اور عدم شہوت متیقن ہے اس لئے اس سے حرمت ثابت نہ ہو گی پس زید کا نکاح اس عورت کی لڑکی سے شرعاً جائز ہو گا ۔ رقمہٗ ضیاء احمد عفی عنہ ۔ مورخہ ۷ ؍ جمادی الاول ۴۴ھ

صحیح
عبد اللطیف
مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور

صحیح
خلیل احمد عفی عنہ

الجواب من الخانقاہ الامدادیہ

صورتِ مسئولہ میں جب عمر کا حال مشکوک ہے کہ بارہ برس سے زیادہ تھی یا بارہ برس تھی یا اس سے کم تھی تو اس شخص کا عمر کے اعتبار سے تو مراہق ہونا مشکوک ہے مگر اس کے افعال سے مراہق ہونا غالب ہے کیونکہ چچی کے ساتھ یہ حرکت بدون شہوت کے عادۃً نہیں ہوسکتی ایسی شرارت اپنے ہم عمروں کے ساتھ ہوا کرتی ہے وہ بھی جاگتے ہوئے اور بڑے کے ساتھ سوتے ہوئے اس کا منشا محض شرارت نہیں بلکہ شہوت کو بھی دخل ہے اور مراہقیت مشکوک بھی اور موجب بھی باب فروج میں احتیاط لازم ہے۔

قال فی الشامیۃ : مس المراھق کالبالغ ۔

وفی البزازیۃ : المراھق کالبالغ لو جامع اولمس بشھوۃ تثبت حرمۃ المصاھرۃ لہ (ص ۳۶۱)

وفی الاشباہ : إذا کان مراھقاً تتحرك آلتہ ویشتھی النساء اھ (۳۲۹)

قال الحموی : الظاھر أن تحرك الآلۃ یستلزم الاشتھاء فالاشتھاء علۃ التحرك فی نفس الامر والتحرك علۃ العلم بالاشتھاء اھ

اس سے معلوم ہوا کہ مراہق ہونے کے لئے عورتوں کی طرف خواہش ہونا اصل ہے اور تحرکِ آلہ مطلق ہے اسمیں تندی ہونا ضروری نہیں ۔

وفی الشامیۃ : ولو شك اطلق واحدۃ أم أکثر بنی علی الاقل اھ وعن الامام الثانی إذا کان لایدری أثلاث أم أقل یتحری وان استویا عمل بأشد ذلك علیہ اشباہ قال ط : وعلی قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعلہ لأنہ یعمل بالاحتیاط خصوصاً فی باب الفروج اھ ــ قلتُ : ویمکن حمل الاول علی القضاء والثانی علی الدیانۃ ویؤیدہ مسئلۃ المتون فی باب التعلیق لو قال : إن ولدت ذکراً فأنت طالق واحدۃ وان ولدت أنثیٰ فانت طالق ثنتین فولدتھما ولم یدر الأول تطلق

واحدة قضاءً وثنتين تنزهاً أی دیانةً اھ (ص ۷۴۵ - ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں یہ شخص خوب سوچے کہ اس وقت اس کی عمر بارہ سال تھی یا نہیں؟ اور چچی کے ساتھ یہ حرکت کرتے ہوئے شہوت تھی یا نہیں؟ اگر غالب گمان یہ ہو کہ عمر بارہ سال سے کم تھی اور اس فعل کے وقت شہوت نہ تھی تب تو اس کی لڑکی سے قضاءً و دیانۃً نکاح درست ہے اور اگر کسی ایک طرف گمان غالب نہ ہو بلکہ بارہ سال یا زیادہ یا کم سب کی طرف برابر خیال ہو۔ اسی طرح شہوت و عدم شہوت کا خیال بھی برابر ہو تو اس صورت میں دیانۃً اس لڑکی سے نکاح درست نہیں اور اگر غلبۂ خیال کا بارہ سال اور شہوت کے وجود کی طرف ہو تب تو کسی طرح بھی نکاح درست نہیں هكذا ينبغي التفصيل في المقام والحمد لله الملك المنعام۔

حرّرہ ظفر احمد عفاعنہ - از تھانہ بھون

۲۹ رجمادی الثانی ۴۲ھ

شوہر اس اقرار کے بعد کہ اس کے باپ نے اس کی بیوی سے زنا کیا ہے" انکار کرے اور عورت بھی مدعیہ زنا ہو جبکہ خسر انکار کرتا ہے تو اس صورت میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی یا نہیں۔

خلاصۂ سوال: اگر زوج اپنی عورت کے متعلق اس امر کا اقرار کر چکا ہو کہ میرے باپ نے اس سے زنا کیا ہے اور بعد میں انکار کر دے اور عورت بھی دعویٰ زنا کا کرتی ہو اور اس کا خسر منکر ہو تو حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب

فی العالمگیریة: (ص ۶ ج ۲) ولو أقرّ بحرمة المصاهرة يؤاخذ به ويفرق بينهما (إلى أن قال) والاصرار على هذا الاقرار ليس بشرط حتى لو رجع عن ذلك وقال كذبت فالقاضي لا يصدّقه الخ

اس سے معلوم ہوا کہ صورتِ مسئولہ میں مسماۃ غلام بی بی شیخ غلام پر حرام ہو گئی لهذا اس سے الگ کرادی جائی یعنی قاضی تفریق کر دے یا زوج خود طلاق دیدے یا بدون طلاق ہی یہ ظاہر کر دے کہ میں نے اس کو ترک کر دیا ہے۔

کما فی الدر مع الشامی: (ص ۴۶۳ - ج ۲) وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوّج بآخر إلّا بعد المتاركة۔ قال الشامی تحت قوله (إلّا بعد المتاركة)

أى و إن مضى عليها سنون كما فى البزازية وعبارة الحاوى الا بعد تفريق القاضى أو بعد المتاركة اھ وقد علمت أن النكاح لا يرتفع بل يفسد وقال صاحب الدر (ص ۱۰۶) (او) المتاركة اى اظهار العزم من الزوج (على ترك وطئها) بان يقول بلسانه تركتك بلا وطئ ونحوه ومنه الطلاق وانكار النكاح لو بحضرتها والا لا، لا مجرد العزم لو مدخولة اور چونکہ حَکَم بمنزلہ قاضی ہوتا ہے اس لئے اگر زوج خود جدا نہ کرے تو حَکَم کے ذمہ بعد ثبوتِ شرعی تفریق واجب ہے۔

کمافی الدر المختار : بل یجب علی القاضی التفریق بینهما۔

وقال الشامی تحت قوله (على القاضی) ای ان لم یتفرقا (ص ۵۰۶ ج ۲) واللہ اعلم

کتبه الاحقر عبدالکریم عفی عنه

۲۶ محرم ۱۳۴۴ھ

خسر نے شہوت کے ساتھ بہو کا ہاتھ پکڑا تو عورت خاوند پر حرام ہوجائے گی۔

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ باپ نے اپنے بیٹے کی عورت کا ہاتھ شہوت سے پکڑا عورت ہاتھ چھڑا کر بغرض بچانے عزت کے پڑوس کے مکان میں چلی گئی حالتِ مذکورہ میں عورت اپنے شوہر پر حلال ہے یا نہیں؟ اور نکاح قائم ہے یا نہیں؟

تنقیح : ہاتھ پر کپڑا تو نہ تھا؟

جوابِ تنقیح : ہاتھ پر کپڑا نہ تھا۔

الجواب

اگر خسر شہوت کے ساتھ بدون کپڑے کے ہاتھ پکڑ لے تو عورت خاوند پر حرام ہوجاتی ہے لیکن جب تک حاکم اسلام علیحدہ نہ کرے یا زوج طلاق وغیرہ سے جدا نہ کرے اور اس کے بعد عدت نہ گزرے اس وقت تک اور کسی سے نکاح جائز نہیں۔

فى العالمگیریة (ص ۵ - ج - ۲) وكذا تحرم المزنى بها على آباء الزانى واجداده وإن علوا وأبناءه وإن سفلوا - كذا فى فتح القدير -

و فيه بعد أسطر : و كما تثبت هذه الحرمة بالوطى تثبت بالمس والتقبيل

ع‍ہ ليس فى سائر النسخ ولعله غلط ما قاله شيخنا

والنظر إلى الفرج بشهوة كذا فى الذخيرة سواء كان بنكاح أو ملك أو فجور عندنا كذا فى الملتقط۔

وفى الدر المختار : وبحرمة المصاهرة لا يرتفع النكاح حتى لا يحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة وانقضاء العدة۔ والله اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

ار جمادی الاول ۴۴ھ

جواب میں تفصیل کی ضرورت ہے وہ یہ کہ بیٹے کی عورت شہوت سے پکڑنے کا دعویٰ کرتی ہے اب خسر سے پوچھا جائے اگر شہوت سے انکار کردے تو قسم کے ساتھ اس کا قول معتبر ہے۔

قال الشامی نقلاً عن الجوهرة للحداوی : لو مس أو قبل وقال لم اشتهِ صدق إلا إذا كان المس على الفرج والتقبيل فى الفم اھ (ص ۴۶۲ ج-۲)

اور اگر شوہر کا باپ خود سرے سے واقعہ ہی کا انکار کرے تو اب یا تو عورت کے پاس بیّنہ ہے (یعنی دو گواہ) یا نہیں ؟ اگر بیّنہ ہے تو اس کے متعلق سوال دوبارہ کیا جائے۔ اور بینہ نہیں ہے تو اس عورت کا خاوند اگر عورت کو سچا سمجھے اور اس کا دل گواہی دے کہ اس کا قول سچّا ہے تب تو یہ اس پر حرام ہو جائے گی اور اگر اس کا دل واقعہ کی تصدیق نہ کرے یا باپ کے متعلق عورت کے ادعاءِ شہوت کو دل قبول نہ کرے تو حرمت نہ ہوگی۔ کذا یظهر من الشامیة (ص ۴۵۷ ج-۲) والله أعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۱۳ ر جمادی الاول ۴۴ھ

حرمتِ مصاہرہ کے متعلق ایک استفتاء

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مثلاً زید نے اپنے والد عمر کی منکوحہ ہندہ سے حسب ذیل واقعات کیا جن کی تفصیل یہ ہے کہ زید عمر کا لڑکا ہے جو کہ پہلی منکوحہ سے ہے جب زید کی عمر تقریباً سات سال یا اس سے کچھ کم وبیش ہوئی اس وقت عمر نے دوسرا نکاح ہندہ سے کیا جب ہندہ اپنے خاوند کے گھر آئی تو زید چونکہ چھوٹی عمر کا لڑکا تھا اس لئے ہندہ اس کو اپنے لڑکے کی طرح محبت کرنے لگی اور زید کو بھی ان سے غایت

اُنسیت ہوگئی اور چونکہ ھندہ نہایت حسینہ جمیلہ نوجوان تھی اس وجہ سے بھی زید کو ان کی طرف طبعی میلان تھا اور بہت ممکن ہے کہ اس میں کچھ کچھ بدنگاہی کا بھی آمیزش ہو۔ غرض جبکہ زید ہمیشہ ھندہ کے پاس سہنے رہنے لگا اور عمر کی زیادتی کی وجہ سے کچھ کچھ شہوت میں بھی زیادتی ہونے لگی اور پھر زید بدچلن لڑکوں کے ساتھ رہکر (جو کہ اس سے عمر میں بڑے تھے اور بعض اس میں بالغ یا قریب البلوغ بھی تھے) بُری بُری باتیں سیکھنے لگا اور دن بدن زید میں بھی ان لڑکوں کی صحبت کی وجہ سے خباثت کی باتیں پیدا ہونے لگیں جب اس نے اپنے باپ کی منکوحہ ھندہ کو بھی بدنگاہی سے دیکھنے لگا اور جتنا اشتہا بڑھتا گیا اتنا ہی اس مرض میں زیادتی ہونے لگی چنانچہ انہی اثناء میں جبکہ اس کی عمر نو یا دس سال کی ہوئی ھندہ نے ایک دفعہ زید کو بوجہ تنہا ہونے کے رات کو اپنے پاس لیا تھا کیونکہ اس وقت زید سے عورتیں نہیں شرماتی تھیں اور ھندہ کو بھی زید کو اپنی طرف میلانِ بد کا اندیشہ نہ تھا پس زید نے اس کے پاس لیٹ کر غالباً ایک دفعہ سو جانے کے بعد جب آنکھ کھلی تو ھندہ کو سوتی ہوئی پایا تو یہ شرارت کی کہ اپنے رخسار کو ھندہ کے رخسار کے ساتھ اور غالباً اپنے ہونٹ اس کے ہونٹ یا رخسار کے ساتھ اشتہا کے ساتھ ملایا اور ہاتھ سے بھی دیگر اعضاء کے ساتھ مس کیا علاوہ فرج کے اور غالباً پستان کو بھی بوجہ خوف بیدار ہونے کے مس نہیں کیا مگر اس واقعہ کے وقت زید کو انزال تو بالکل نہیں ہوتا کیونکہ منی اس وقت پیدا نہ ہوا تھا البتہ اتنی بات تھی کہ پہلے سے لڑکوں کو دیکھا دیکھی جلق کرنے لگا تھا اول اول تو زید کا کچھ بھی خارج نہ ہوتا تھا مگر شاید اس واقعہ کے وقت ایک دو قطرہ مذی کی طرح رقیق یا اس سے کچھ کم و بیش نکلنے لگا تھا۔ کچھ اچھی طرح زید کو یاد نہیں۔ ہاں اس وقت عورت سے وطی کرنے کو جی چاہتا تھا اور غالباً اس واقعہ کے بعد (گو اس کو بعدیت میں ایک گونہ تردد ہے مگر اغلب بھی یاد آتا ہے کہ یہ واقعات پہلے مذکورہ واقعہ کے بعد میں ہوئے اور ممکن ہے کہ بعض دفعہ قبل ہو اور بعض دفعہ بعد میں ایسا ہوا ہو بلکہ اغلباً یہی صورت معلوم ہوتی ہے) بعض بعض دفعہ گھر کے کاموں میں کہ جس میں دو آدمی کی ضرورت ہوتی ہے زید ھندہ کے ساتھ ملکر کام کرتا تھا اور اس میں زید کو حظ آتا تھا اور اگر موقع پاتا تو اپنے بدن کو ھندہ کے بدن کے ساتھ لگا دیتا گو اغلب یہ ہے کہ ملانا کپڑے کے اوپر سے ہوتا تھا اور یاد آتا ہے کہ غالباً ھندہ کے ہاتھ کی چوڑیاں دیکھنے کے بہانے سے اپنے ہاتھ سے بلا حائل کپڑا وغیرہ کے اس کے ہاتھ سے مس کیا تھا لیکن مس کرتے ہی

جب اپنے اندر کچھ اشتہا کی زیادتی دیکھا تو فوراً ہاتھ کو علیحدہ کر لیا تھا اور غلبۂ ظن یہی ہے کہ ان تمام واقعات کے وقت زید کی عمر دس یا گیارہ سال سے متجاوز نہ تھی اور برس چھ مہینہ کی زیادتی کمی کا بھی احتمال ہے گو احتمال کمی کا زیادہ ہے شاید تحقیق کرنے کی کوشش کرنے سے کچھ صحیح اندازہ لگ جائے ان واقعات کے بعد جب زید میں آثارِ بلوغ ظاہر ہونے لگے اور غالباً ھندہ کو بھی اس امر کا احساس ہو گیا کہ زید کو میری طرف بری میلان اور بد نگاہی ہے، تب وہ زید سے بہت احتیاط کرنے لگی اور زید بد صحبت لڑکوں کے ساتھ رہ کر رات دن شہوت رانی کے قصّوں میں مبتلا ہو گیا چونکہ زید کو مع اس کے ہم مشربوں کے ھندہ پر پہلے سے نگاہ بد جم چکی تھی لیکن اپنی خواہش پوری کرنے کی اور تو کوئی صورت قابو میں نہ تھی آخر میں یہ بات طے کی کہ کسی طرح ھندہ کی فرج کو دیکھ کر اس پر تصوّر کر کے جلق وغیرہ کیا جائے۔ چنانچہ ایک دفعہ جبکہ ھندہ کے خاوند مکان پر نہ تھا اور رمضان شریف کا زمانہ تھا زید مع اپنے ایک ہم مشرب کے ھندہ کے پاس ارادہ مذکورہ سے جانے کا قصد کر کے چلا۔ لیکن دوسرا بوجہ خوف وغیرہ کے پیچھے رہ گیا اور زید ہندہ کے پاس پہنچا تو دیکھتا ہے کہ ھندہ جلتی چراغ چھوڑ کر سو رہی ہے اور چونکہ ھندہ کے وضع حمل کا زمانہ نہایت قریب تھا غالباً اس واقعہ کے پندرہ بیس روز بعد ہی ولادت ہوئی شاید اس لئے بھی بہت غافل ہو کر پڑی رہی اور زید نے اس کے پاس آہستہ سے بیٹھ کر مقامِ مخصوص سے کپڑا اٹھا کر خود گھور گھور کے فرج خارج کو دیکھا اور دوسرے اعضاء کو بھی شہوت کے ساتھ مس کرتا رہا یہاں تک کہ جب ان امور سے ھیجان بہت زیادہ ہو گیا اور خود انزال ہونے کا خوف ہو گیا تو زید وہاں سے بالکل چلے آنے کے ارادہ سے اٹھا لیکن ابھی تک ھندہ کے بستر سے علیحدہ ہونے نہ پایا تھا از خود انزال ہو گیا اور انزال کے وقت ھندہ زید کی ملموس بھا اور منظور الیھا نہ تھی۔ اس کے بعد جب ہیجان کم ہو گیا تو پھر دیکھنے کے ارادہ سے عود کیا کیونکہ مقصود تو صرف فرج کو دیکھنا تھا لیکن دوبارہ جا کر نہ تو ابھی تک کسی عضو کو ہاتھ وغیرہ سے مس کیا اور نہ فرج کو دیکھا اتنے میں ھندہ کو خبر ہو گئی اور ممکن ہے کہ جب وہاں سے جانے لگا تھا اس وقت خبر ہو گئی ہو۔ غرض جاتے ہی جب اس نے زید کو دیکھا دھمکایا تو زید وہاں سے بھاگ گیا اس واقعہ کے بعد کوئی ایسی بات نہیں کی کہ جس سے حرمتِ مصاہرۃ کا شبہ ہو پس ان واقعاتِ مذکورہ سے زید کا ھندہ سے موافق مذہب حنفیہ حرمت مصاہرۃ ثابت ہو گئی یا نہ؟ بر تقدیرِ اول عمر جو کہ زید کا والد ہے اس سے ھندہ کی تفریق واجب ہو گی یا نہیں؟ اور

زید ان گناہوں سے توبۃ النصوح کیونکر حاصل کر سکتا ہے۔ بیّنوا توجروا

الجواب

زید کے جو واقعات دس یا گیارہ سال کی عمر کے لکھے ہیں ان سے تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں کیونکہ بارہ سال سے پہلے شرعاً لڑکا مراہق نہیں مانا گیا لانہ لا یتصور منہ الاحبال وھو الاصل فی حرمۃ المصاھرۃ اور جو ایک واقعہ بلوغ کے زمانہ میں نظر الی الفرج اور مساس کا لکھا ہے اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی بوجہ مساس کے نہ بوجہ نظر الی الفرج کے کیونکہ نظر الی الفرج الخارج موجب حرمت نہیں فی الاصح اگر زید کو بعد مساس کے انزال نہ ہو جاتا مگر چونکہ اس کو مساس کے بعد انزال ہو گیا اس لئے اس سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

قال فی الشامیۃ: لا بد فی کلّ منھما من سن المراھقۃ و أقلہ للأنثی تسع وللذکر اثنا عشر لأن ذلک أقل مدۃ یمکن فیھا البلوغ کما صرّحوا بہ فی باب بلوغ الغلام وھٰذا یوافق ما مرّ من أن العلّۃ ھی الوطئ الذی یکون سبباً للولد أو المس الذی یکون سبباً بھٰذا الوطئ ولا یخفی أن غیر المراھق منھما لا یتأتی منہ الولد اھ (ص ۲۶۱ ج ۲)

وفی الدر: ھٰذا إذا لم ینزل فلو أنزل مع مسّ أو نظر فلا حرمۃ، بہ یفتی ابن کمال وغیرہ اھ

قال الشامی: لانّہ بالانزال تبین أنہ غیر مفضٍ إلی الوطئ (ھدایہ)

قال فی العنایۃ: ومعنی قولھم ھٰذا أن الحرمۃ عند ابتداء المس بشھوۃ کان حکمھا موقوفاً إلی أن یتبین بالانزال فان أنزل لم تثبت والا ثبتت اھ (ص ۴۵۹ - ج ۲)

وفی التحریر المختار: قول الشارح: ھٰذا إذا لم ینزل اھ أطلق فی الانزال فشمل ما إذا لو أنزل بمجرّد المسّ أو بعدہ ولو بجماع فی زوجتہ الأخریٰ اھ (سندی عن غایۃ البیان ص ۱۸۲ ج ۱) قلتُ: فیہ تصریح بأن مقارنۃ الانزال (أی قبل سکون شھوۃ حادثۃ بالمس) بالمس غیر شرط ویؤیدہ ما فی فتح القدیر تحت قول الھدایۃ: ولو مس فأنزل فقد قیل أنہ یوجب الحرمۃ والصحیح أنہ لا یوجبھا الخ ما نصّہ ثم شرط الحرمۃ بالنظر أو المسّ أن لا ینزل فان أنزل فالمختار لا تثبت کقول المصنف وشمس الائمۃ والبزدوی بناءً علی أن الأمر موقوف حال المسّ إلی ظھور عاقبتہ إن

ظهر انه لم ينزل حرمت و إلا لا اھ (ص ۱۳۱ ج ۳) ۔ قلت : وعاقبة الشئ ما يعقبه لاما يقارنه فظهر أن مقارنة الانزال بالمس و نحوه ليس بشرط بل الشرط معاقبته و تفسيره ماذكره السندی عن غاية البيان ۔ و أيضًا فقد صرّحوا بأن الافضاء والاتيان فی الدبر لا يوجبان حرمة المصاهرة ولم يقيدوهما بأن لا يكون قبلهما مسّ ولا نظر وإن كان شئ منهما فلا ينفصل جسمه عن جسمها حتی ينزل و ان انفصل جسمه عن جسمها بعد المس ولو لحل اللباس ثم جامعها و أفضاها أو أتاها فی دبرها حرمت حيث سكتوا عن كل ذلك تبين ان المقارنة بين المس والانزال وبين المس والافضاء وبين المس والاتيان فی الدبر ليس بشرط بل تكفی تعقب شئ منهما عن المس والنظر لنفی الحرمة للعلة التی ذكرها فی العناية ۔

تتمّہ : یہ تو معلوم ہو گیا کہ انزال مس کے بعد بھی مسقطِ حرمت ہے اور مقارنت شرط نہیں لیکن کیا اس بعدیت کی کوئی حد بھی ہے یا نہیں تو قواعد سے مفہوم ہوتا ہے کہ جب تک اس شہوت کو سکون نہ ہو جو مس و نظر سے پیدا ہوئی ہے اس مدت میں اگر انزال ہو گیا تو مسقطِ حرمت ہے ورنہ مسقطِ حرمت نہیں کیونکہ انزال کو عاقبۃ المس جب ہی کہہ سکتے ہیں جبکہ مس کو انزال میں دخل ہو اور سکونِ شہوت کے بعد جو انزال ہوگا وہ اس مس کی عاقبت نہیں بلکہ کسی دوسرے فعل کی عاقبت ہے اور غالباً درمختار کی عبارت میں "مَعَ مَسٍّ او نظرٍ" بلفظ معیت اسی کی طرف اشارہ کرنے کے واسطے اطلاق کیا گیا ہو ولم ارہ صریحاً ۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۲ شوال ۴۶ھ

مصاہرت کی ایک خاص صورت کا حکم

سوال : ایک شخص نے اپنے لڑکے کی عورت سے فعل بد کرنے کی نیت سے اپنے دل کا راز بیان کیا اور کسی وقت موقع پا کر اس عورت سے جو اس کے بیٹے کی زوجہ ہے اس کا ہاتھ پکڑا لیکن دل کی مراد پوری نہ کر سکا اور کتنی راتوں کو اس عورت کے بستر کو خالی پاکر اس کے بستر پر جا کر سویا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا لیکن جب عورت مذکور نیند سے بیدار ہوئی فوراً اٹھ کر بھاگی اور اپنی حرمت و عزت کو بچائی کسی وقت وہ مرد اس کو اپنے قابو میں نہ لا سکا اور ایک بار اس عورت کو ان کے والد کے مکان سے لاتے وقت اسی مرد مذکور نے یعنی اس عورت کے خاوند کے والد نے راستہ

میں اکیلا پاکر اس دن بھی اپنے دل کی باتیں بیان کیں اور بعض بعض دفعہ ہاتھ پکڑا لیکن عورت نے اپنی عزت کو بچائی اور مرد مذکور اس معاملہ کا انکار کرتے ہوئے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اس عورت کے بارے میں شریعتِ محمدیہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی اس عورت کو رکھنا اس مرد کے لڑکے کے لئے جائز ہے یا نہیں اگر رکھے تو اس کے واسطے نکاح دوبارہ کرنا ہوگا یا نہیں۔ نیز اس عورت پر طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی ان ساری باتوں کا جواب عنایت فرمائیں۔

عرضگزار: خادم، غلام، محمد منصور علی

ساکن مرزاپور ڈاکخانہ ٹنیتوش ضلع شیرہ

تنقیح

۱۔ مندرجہ بالا تینوں واقعات میں عورت کے ہاتھ اور بدن پر کپڑا تھا یا نہیں؟ اور کپڑا باریک تھا یا موٹا؟

۲۔ یہ عورت بالغہ ہے اور یہ جو بیان لکھا ہے تمام عورت کی زبان سے سنا ہے ان سب باتوں کا کوئی گواہ نہیں؟

۳۔ اس عورت نے اپنے شوہر سے بھی یہ قصّہ بیان کیا یا نہیں اور اس شوہر نے کیا جواب دیا اس کو سچّا سمجھا یا جھوٹا؟

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ عورتِ مذکورہ نے یہ تمام قصہ اپنے شوہر سے بیان کیا تھا اور عورت کی باتوں سے شبہ ہونے کے سبب سے اس عورتِ مذکورہ کے شوہر نے اپنے والد سے یہ تمام قصہ دریافت کیا تھا اسی سبب سے اس لڑکے کے والد نے ان تمام باتوں سے انکار کرکے قرآن شریف کی قسم کھانے کا وعدہ کیا اور یہ واقعہ جب ہوا تھا ان ایام میں عورت مذکورہ کے پہناوے میں (لباس میں) ہمارے اس ملک کے جولاہے کا بنا ہوا موٹا کپڑا تھا اور عورت مذکورہ کے بدن میں کپڑا لپٹا تھا اور یہ جو واقعہ عورت نے بیان کیا حضور کے ۱ و ۲ کے اس قصّہ کو قریب ایک برس سات ماہ گزر گئے اور ۳ کے قصے کو بھی ایک برس دو ماہ گزر گئے اور یہ عورت اتنی مدت تک اپنے شوہر کی خدمت میں تھی اور شوہر نے اپنی عورت کی تمام باتوں کو جھوٹا جانا اس وجہ سے شوہر نے اس عورت کو اپنی خدمت میں رکھا تھا۔

عورت کے ہاتھ میں کپڑا تھا یا نہیں اس کو عورت بھی نہیں کہہ سکتی اُسے یاد نہیں ہے۔ یہ عورت مذکورہ اور مرد مذکور ایک دوسرے پر جھوٹ بات بیان کرتے ہیں۔ اب حضور مہربانی فرماکر شریعت کے موافق جواب تحریر فرماکر دل خوش کیجئے

الجواب

تنقیح : عورت صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے یا تقبیل واخذ ثدی ومس فرج، ومعانقہ بانتشارِ آلہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے

اگر صرف چھونے اور ہاتھ پکڑنے کی مدعی ہے اور خسر شہوت کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے عورت کا قول معتبر نہیں بلکہ اس پر بیّنہ ہے۔ اور اگر تقبیل واخذ ثدی و مس فرج ومعانقہ بلا حائل کی بھی مدعی ہے یا ان میں سے کسی ایک کی مدعی ہے تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ خسر ان افعال کا اقرار کرکے شہوت کا منکر ہے یا ان افعال ہی کا منکر ہے اگر ان افعال کا اقرار کرکے شہوت کا منکر ہے تو عورت کا قول معتبر ہے اور اگر ان افعال ہی کا منکر ہے تو خسر کا قول مع الیمین معتبر ہے اور عورت کے ذمہ بیّنہ ہے پس صورت واقعہ مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

قال فی الدر : و ان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه وأنکرها الرجل فهو مصدق لاهی (لانه ینکر ثبوت الحرمة والقول للمنکر، شامی) إلاأن یقوم الیها منتشرًا آلته فعانقها أو یأخذ ثدیها أومسّ فرجها أو یقبلها علی الفم والحق الکمال الخدّین بالفم اھ (ص۴۶۴ ج۲) واللہ أعلم

ظفر احمد

تتمۃ الجواب

قال فی البحر وفی فتح القدیر : وثبوت الحرمة بلمسها مشروط بأن یصدقها ویقع فی اکبر رأیه صدقها وعلی هذا ینبغی أن یقال : ان فی مسه إیاها لا تحرم علی أبیه و ابنه إلاأن یصدقاها أو یغلب علی ظنهما صدقها ثم رأیت عن أبی یوسف ما یفید ذلك اھ (ص۱۰۱ ج۳)

قلت : ولما کان ثبوت الحرمة مشروطًا بالتصدیق و إذا فات الشرط

فات المشروط فلا تثبت الحرمة بدون التصديق و اذا لم تثبت يحل للمرأة القيام مع زوجها ولكن يحتمل أن يكون المراد الثبوت قضاءً ويؤيده ما في الفتح بعد كلامه المذكور ثم رأيت أبا يوسف أنه ذكر في الامالي قال امرأة قبلت ابن زوجها وقالت كان عن شهوة ان كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها وقعت الفرقة اهـ (ص۱۳ ج۳) وأمّا ديانةً فينبغي أن تفتي المرأة بحرمة تمكينها إيّاه على نفسها فلا تمكنه بالرضاء وتسعى في الامتناع منه بالهرب أو بالخلع كما إذا طلقها ثلاثًا وأنكر تطليقه إياها ولا بيّنة لها فانه لا يفرق بينهما قضاءً ويفتى في حق المرأة بالتحريم ووجوب الامتناع منه۔ والله اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ھ

خلاصہ یہ کہ صورتِ مسئولہ میں اگر عورت کو خسر کے متعلق شہوت و بدنیتی کا دعوٰی ہے کہ اس نے شہوت سے اس کو مس کیا ہے اور عورت کے پاس بیّنہ نہیں ہے اور خسر اور شوہر دونوں عورت کی تکذیب کرتے ہیں تو قضاءً اس صورت میں حرمت ثابت نہیں ہوتی اور ظاہر میں نکاح صحیح ہے لیکن چونکہ عورت کو اپنا سچا ہونا معلوم ہے اس لئے اس کو اپنے حق میں اس نکاح کو فاسد سمجھنا چاہئے اور اگر ممکن ہو تو شوہر سے علیحدہ ہو جائے اور اپنی رضا سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے بشرطیکہ ایسا کرنے پر وہ قادر ہو اور ضررِ عظیم کا اندیشہ نہ ہو اگر ضررِ عظیم اور تکلیف کا اندیشہ ہو تو وہ معذور ہے اسلئے تحملِ ضررِ عظیم کی وہ مکلف نہیں۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۷ ذی الحجہ ۴۶ھ

حدیث سے حرمت مصاہرت بالزنا کا ثبوت

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی بہو یعنی اپنے بیٹے کی بیوی سے جبرًا زنا کیا تو کیا وہ بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے یا نہ؟ اب بیٹے کو اپنی بیوی سے جماع کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کسی صورت سے اس عورت کو خاوند کے گھر میں رہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہیں ہے تو اس کا نکاح فسخ سمجھا جائیگا یا ضرورت طلاق کی ہوگی؟ بیّنوا توجروا۔

عہ أفتينا بذلك أخذًا بقول الشافعي دفعًا للحرج۔ ظفر

الجواب

حنفیہ کے نزدیک زنا سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے صورتِ مسئولہ میں بیٹے کی بیوی بیٹے پر حرام ہوگئی اور اس کو اس سے جماع و مقدماتِ جماع سب حرام ہو گئے لیکن نکاح فسخ نہیں ہوا بلکہ فاسد ہوا جس کا طلاق یا متارکت سے قطع کر دینا بیٹے پر واجب ہے اگر اس کی زوجہ دوسرے شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہو اور اگر وہ بخوشی اس کے گھر رہنا چاہے اور دونوں احتیاط من المقاربت و من مقدماتہا پر قادر ہوں اور بے احتیاطی متعلق سترِ عورت و خلوت وغیرہا کا اندیشہ نہ ہو اور گھر میں اس کو رکھنے کی سخت ضرورت ہو مثلاً وہ صاحبِ اولاد ہے جن کی پرورش کے لئے اس کا رہنا ضروری ہے کیونکہ شوہر پرورشِ اولاد کا کوئی دوسرا سامان نہیں کر سکتا ۔ یا کر سکتا ہے مگر خود عورت کو دوسرے سامان پر اطمینان نہیں تو ان قیود کے ساتھ یہ بھی جائز ہے کہ بیٹا اپنی بیوی کو طلاق و متارکت سے الگ نہ کرے بلکہ اپنے ہی گھر میں رکھے اور دونوں باہم پوری احتیاط رکھیں ۔ عورت وجہ و کفّین کے سوا باقی جسم کو شوہر سے ہمیشہ مستور رکھے اور کبھی خلوت کا بھی موقع نہ دے بلکہ ہمیشہ کسی معتبر عورت کے ساتھ گھر میں رہے اور جن لوگوں کو واقعۂ زنا کی اطلاع ہو چکی ہو ان کو اس سے بھی اطلاع کر دیا جائے کہ اب اس عورت کو اس صورت سے گھر میں رکھا گیا ہے ۔ بیوی بنا کر نہیں رکھا گیا ۔

وھذا مما یعرف ولا یعرف وإنما ذکرناہ توسعة علی المضطر ولیس فی قیام المرأة فی بیت الزوج بعد حرمتھا علیہ إلا مثل ما فی قیام المستأجرة لخدمة البیت فی بیت المستاجر ۔ اللّٰھمّ إلاّ أن یقال فرق بینھما وھو أن الرجل یحتشم من غیر منکوحتہ وکذا تحتشم ھی منہ بخلاف ما اذا کانا زوجین قد اختلطا زماناً قلنا فلاجل ذلك قیّدناہ بالقدرة علی التوقی والاحتیاط والاضطرار الی ذلك وإلا فلا یجوز ویمکن الاستیناس بقولہ تعالیٰ : فَإِنْ أَرْضَعْنَ لَكُمْ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ ۔ الآیة ۔ حیث أباح الاسترضاع من المطلقات بعد انقضاء عدّتھنّ فافھم ۔ والاصل فی ثبوت حرمة المصاھرة بالزنا قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لسودة فی ولد جاریة زمعة : واحتجبی منہ یا سودة ! الحدیث، وھو متفق علیہ

لأنه صلى الله عليه وسلم لما رأى الشبه بعتبة علم أنه من مائه فاجراه في الاحتياط مجرى النسب. قال ابن حزم وهو قول الثوري. وفي المعالم للخطابي وهو مذهب أصحاب الرأي والاوزاعي وأحمد. قال وفي قوله صلى الله عليه وسلم: احتجبي منه ياسودة! حجة لهم. كذا في الجوهر النقي (ص ۸۵ - ج ۲)

وفيه أيضًا قبله (ص ۸۴ - ج ۲) قال ابن حزم: وروينا عن ابن عباس أنه فرق بين رجل وامرأته بعد ان ولدت له سبعة رجال كلهم صار رجلاً يحمل السلاح لأنه كان أصاب من أمها مالا يحل. وروى عبد الرزاق في مصنفه عن عثمان بن سعيد عن قتادة عن عمران بن حصين في الذي يزني بأم امرأته قال حرمتا عليه جميعاً اهـ اسناده حسن وهذا أن صحابيين قد صرحا بما دل عليه الحديث المرفوع وأقوال الصحابة عندنا حجة وقد رواه ابن حزم عن سعيد بن المسيب وأبي سلمة بن عبد الرحمن وعروة بن الزبير (وهؤلاء كبار التابعين) ورواه ابن أبي شيبة بسند صحيح عن ابن المسيب والحسن وعبد الرزاق وعن عطاء وطاوس وابن ابي شيبة عن قتادة وأبي هاشم في الرجل يقبل أم امرأته أو ابنتها قالا حرمت عليه ابنته. وعن ابن مغفل (وهو عبد الله صحابي) وعن عكرمة مثله كذا عن الجوهر النقي ملخصاً صحته اوالحسن كما ذكرنا في مقدمة إعلاء السنن، نقلاً عن الحافظ ابن حجر في الفتح والتلخيص. والله تعالى أعلم.

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۹ محرم ۴۷ھ

جب تک مس بالشہوت نہ ہو مطلق مس موجب حرمت نہیں

سوال: ایک شخص مسمّٰی سوم بیان کرتا ہے کہ میری ساس یعنی میری منکوحہ کی ماں ایک شب کو جس میں میں نیند میں تھا میرے اوپر آکر چارپائی کے نزدیک کھڑے ہو کر ایک ہاتھ میرے سینہ کے اوپر رکھا اور منہ اپنا میرے منہ سے ملایا اس وقت میں بیدار ہو گیا اور مجھ کو کہا کہ میں تیرے ساتھ سوتی ہوں میں نے ان کو کہا کہ یہ کام مجھ سے نہ ہوگا۔ پھر وہ چلی گئی۔ مجھ کو اس وقت شہوت کا انتشار وغیرہ کچھ نہ تھا اس کے بعد ایسے ہی زبانی میرے ساتھ محبت بہت کرتی

ہے اور دیگر لوگوں میں ان دونوں کی آپس میں ظاہری محبت دیکھ کر بُری محبت کی شہرت ہو گئی ہے عورت سے پوچھا گیا کہ تو اپنے داماد کے ساتھ منہ ملایا اور ہاتھ سینے کے اوپر رکھا کہ وہ ایسا کہتا ہے۔ عورت نے کہا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کیا وہ میرا داماد ہے مجھ کو اسی کی وجہ سے اس سے محبت ہے، میں نے ہاتھ یا منہ اس پر نہیں لگایا، وہ جھوٹ کہتا ہے اب چونکہ سومر خود اس بات کا مدعی ہے کہ میرا منہ لگایا اور سونے کے واسطے خواہش کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت کو شہوت تھی۔ کیا سومر پر منکوحہ کی حرمت ثابت ہوئی یا نہیں؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

صورتِ مسئولہ میں مرد تقبیل کا مدعی نہیں بلکہ صرف اس کا مدعی ہے کہ عورت نے میرے منہ سے منہ لگایا اور یہ تقبیل نہیں بلکہ صرف مس ہے اور مس میں اس وقت تک حرمت نہیں ہوتی جب تک مس بالشہوت نہ ہو اور جب عورت شہوت کی منکر ہے تو اس سے قسم لے لی جائے اگر وہ قسم کھالے تو حرمت نہ ہوگی

منہ یا رخسار پر بوسہ لیا تو انکارِ شہوت معتبر نہیں

سوال: اگر عورت یا مرد ہاتھ لگانے یا بوسہ دینے کا اقرار کرے اور شہوت کا انکار کرے تو فقط ماس کا قول کافی ہے یا قسم پر اس کی شہوت کا انکار قبول ہوگا؟

(۱) اگر دو شاہد گواہی دیں مس اور بوسہ کی مرد اور عورت پر اور وہ عورت یا مرد شہوت کا انکار کریں تو حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ کیونکہ مرد کا انتشار بھی شاہدوں کو دیکھنا مشکل ہے اور عورت کی شہوت تو ان کو دیکھنا ناممکن ہے شاید بظاہر مس یا بوسہ کی گواہی دیں گے پھر شہوت کا اقرار یا انکار تو عورت یا مرد پر منحصر رہا اس صورت میں گواہی پر حرمت ثابت ہوگی یا ان کے انکار پر حلت بدستور قائم رہیگی؟

بندہ فخر الدین۔ گھوٹکی ضلع سکھر (سندھ)

الجواب

(۱) بوسہ اگر منہ یا رخسار پر لیا ہے تو صحیح یہ ہے کہ انکارِ شہوت معتبر نہیں اور بوسہ کے معنی منہ چومنا یا رخسار چومنا ہے صرف منہ سے منہ ملانا یا رخسار پر منہ لگانا بوسہ نہیں اور ہاتھ لگانے میں انکارِ شہوت معتبر ہے مع الیمین۔ بدونِ یمین کے منکر کا قول معتبر نہیں۔

(۲) شاہدین کو شہادت علی المس میں مرد کے انتشار اور عورت کی حرکات کا مشاہدہ ضروری ہے اگر وہ مس کی شہادت بدون انتشار کے بیان کریں تو مرد کا انکار معتبر ہوگا مع الیمین

مساحقت موجب حرمتِ مصاہرت ہے یا نہیں؟

سوال : زید کی بیوی نے اس کی لڑکی بالغہ یا نابالغہ سے چپٹی کی یعنی جس طرح صحبت کرتے ہیں اسی طرح اس نے بھی کسی طریقہ سے اس کے ساتھ ایسا فعل کیا اور اس کے جسم کو دیکھنے سے اس فعل کا یقین ہے تو کیا لڑکی کا حکم بھی مثل لڑکے کے ہے؟ کہ جس طرح ابن الزوج کے ساتھ ایسا فعل کرنے سے حرمتِ مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس صورت میں بھی ہوگی یا نہیں بحوالہ کتاب تحریر فرمائیں۔

الجواب

اس صورت میں یعنی مساحقت میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوسکتی۔

قال فی الدر : أما غیرها أی غیر المشتهاة المزنیة فلا تثبت الحرمة بها اصلاً کوطی دبر مطلقاً أی سواء کان بصبی او امرأة اتی رجل رجلاً له ان یتزوّج با بنته لأن هٰذا الفعل لو کان فی الاناث لا یوجب حرمة المصاهرة ففی الذکر أولی۔ قال الشامی : ان العلّة هی الوطأ السبب للولد ولم یتحقق فی الصورتین اھ (ص ۴۱۶ ج ۲)

قلت : وکذا لم یتحقق الوطأ السبب للولد فی المساحقة اصلاً فلا حرمة بها۔

واللہ أعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۳ ذی قعدہ ۴۷ھ

هل یجوز للحنفی الافتاء بقول الشافعی فی مسئلة المصاهرة ام لا؟

سوال : غبّ إهداء السلام والتحیة اللائقة بالمقام۔ فیا سیّدی! قد جاءنا سوال بواقعة تخبرنا فیها ان افتینا فیها بحرمة المصاهرة تخشی الفتن وإن لم نفت بها لم نجد لها مساغاً فی المذهب حسب فهمنا فرفعنا الامر إلی علو مقامکم کی تطمئنّ الخواطر فهل یجوز لنا ان نفتی فیها بقول الامام الشافعی رحمه الله تعالیٰ؟ فالمرجو من مکارم أخلاقکم البهیة أن تفیدونا بما أراکم الله تعالیٰ لا زلتم حلال المعاقد داعیکم حسین احمد غفرله من دیوبند

الجواب : اَلحمدُ للّٰہ وَسَلَامٌ علی عباده الذین اصطفیٰ ۔ ثم السلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

وبعد فانا لا نجيز العمل بقول سيدنا الشافعي رحمه الله في مسئلة حرمة المصاهرة بوجوه:

الاول: عدم الحاجة إليه فانه لاضرر ولاحرج في طلاق امرأة بعينها والمفارقة عنها والتزوج بغيرها۔

والثاني: كثرة المفاسد وتفاقم الفتن في ترك قول الامام في المسئلة فان العوام إذا علموا بجواز العمل بقول غيره فيها تهوروا على المساس والنظر بشهوة إلى أمهات أزواجهم ونحوهن وعلى ارتكاب الزنا ومقدماته بحلائلهم اوبأزواج آبائهم ونحوها والآن يرتدعون من ذلك مخافة على النكاح۔

والثالث: قوة قول الامام في المسئلة فقد أجمع الصحابة على حرمة الوطى بامة قد وطيت امها أو بنتها قبلها وما ذلك الا لحرمة المصاهرة وبسط الدلائل في الجوهر النقي فليراجع۔ والله تعالى أعلم

حرره الاحقر ظفر احمد عفا عنه

۱۸/ ذی قعدہ ۴۶ھ

عورت دعوی کرے کہ خسر نے اس کے ساتھ بارہا زنا کیا ہے اور شوہر اس کی تصدیق نہ کرے تو کیا دو گواہوں کی شہادت سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

سوال: یہ ہے کہ ایک عورت نے دعوی ونالش کی کہ عورت کے زوج کے باپ نے اس سے بارہا جبراً زنا کیا جس کے دو گواہ بھی موقع کے ہیں۔ اس سے زنا تو ثابت نہیں ہوا مگر حرمت مصاہرت یعنی وہ عورت اس شخص کے بیٹے پر حرام ہو گی یا نہیں؟ جبکہ اس عورت کا شوہر عورت کے بیان کو بالکل تصدیق نہیں کرتا اور کہتا ہے کہ میرے کسی دشمن نے یہ جھوٹی تہمت میرے باپ پر کرنے کو میری زوجہ کو تعلیم دی ہے تاکہ وہ مجھ پر حرام ہو جائے اور وہ دشمن خود اس سے نکاح کر سکے اس حالت میں جبکہ شوہر عورت کے بیان کی تصدیق نہیں کرتا حرمتِ مصاہرت ثابت ہو گی یا نہیں؟ اور اس عورت کو زوج سے تفریق کی جائیگی

ﻋﮧ فان من العوام من لا يخاف الله تعالى ولا يتقيه حق تقاته ولكن اكثرهم يهابون من فساد انكحتهم أو أنكحة أقربائهم من الاباء والابناء

یا نہیں ؟ جواب سے سرفراز فرمایا جائے۔

سائل : ظہور الحق

میرج رجسٹرار و قاضی پوسٹ قاضی پور

الجواب

صورتِ مسئولہ میں قضاءً حرمتِ مصاہرت کا ثبوت نہیں کیونکہ یہ دو گواہ زنا کے شاہد ہیں اور زنا کے گواہوں کے لئے چار گواہوں سے کم کافی نہیں اس لئے یہ گواہ شرعاً حد کے قابل ہیں۔ اگر قاضی اسلام ہوتا تو ان پر حد جاری کرتا پس ان کی گواہی سے نہ زنا کا ثبوت ہوا نہ حرمت مصاہرت کا۔ البتہ چونکہ صورت مسئولہ میں عورت خود مدعی ہے اس لئے دیانۃً عورت کو یہ فتویٰ دیا جائیگا کہ اگر وہ اپنے بیان میں سچی ہے تو اس کو اپنے شوہر سے الگ ہو جانا واجب ہے مگر دوسرے شخص سے نکاح کرنا اس کو جائز نہیں۔ جب تک زوج اس کو طلاق نہ دے یا متارکت کے الفاظ استعمال نہ کرے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

از تھانہ بھون - ۱۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو بیوی حرام نہیں ہوگی

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین متین و مفتیانِ شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید کی شادی بکر کی لڑکی زبیدہ کے ساتھ ہوئی ہے کچھ دنوں کے بعد زبیدہ کی ماں کا انتقال ہو جاتا ہے اور بکر دوسری شادی کرتا ہے پھر زید اپنی اہلیہ کی سوتیلی ماں سے مرتکب زنا کا ہوتا ہے یا اس کو شہوت کے زور سے ہاتھ لگاتا ہے تو ان دونوں صورتوں میں زبیدہ اپنے خاوند زید پر حرام ہوتی ہے یا نہیں اگر حرام ہوگئی ہے تو حرام ہو جانے کے بعد اگر زید اپنی بیوی زبیدہ سے صحبت کرے تو اس کا کیا حکم ہے ؟ عرض کہ ان صور کے متعلق فقہ حنفیہ کی رُو سے مفصل جوابات مع حوالہ تحریر فرمائیں۔

سائل : عبدالرحمٰن عفا عنہ

الجواب

بیوی کی سوتیلی ماں سے زنا اور مس بالشہوت کرنے سے بیوی شوہر پر حرام نہیں ہوئی مگر زید کو سخت گناہ ہوا جلد اس گناہ سے توبہ کرے ورنہ وبال دنیا و آخرت کے لئے تیار رہے۔ فقط واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ ۲۹ ربیع الثانی ۴۸ھ

وطی ربیبہ سے بیوی کا حرام ہونا

سوال : اگر کوئی شخص پہلے ایک عورت سے نکاح کرے اور وطی کرتا رہے پھر اس عورت کی پہلے خاوند کی لڑکی سے یعنی ربیبہ سے نکاح جہالۃً کرے اور وطی کرے تو دونوں حرام ہوں گی یا نہیں ؟ احمد علی ۔ از ہوشیار پور محلہ سنہری مدرسہ سبیل الرحمۃ

الجواب

جس شخص نے اپنی ربیبہ عورت سے ہم بستری وغیرہ کی ہے اس پر اس کی بیوی بھی حرام ہوگئی جیساکہ پہلے سے ربیبہ حرام ہے

کما فی العالمگیریہ : و تثبت (أی حرمۃ المصاهرۃ) بالوطی حلالاً کان أو عن شبهۃ أو زنا کذا فی فتاوی قاضی خان : فمن زنا بامرأۃ حرمت علیہ أمّها وإن علت و ابنتها وان سفلت (ص ۵ ج ۲)

البتہ اگر وطی اور اس کے دواعی میں سے کوئی امر واقع نہ ہوتا تو محض نکاح بنت الزوجہ سے زوجہ حرام نہ ہوتی ۔

کما فی العالمگیریۃ ایضًا : وتثبت حرمۃ المصاهرۃ بالنکاح الصحیح دون الفاسد کذا فی محیط السرخسی ۔ فلو تزوّجها نکاحًا فاسدًا لا تحرم علیہ أمّها بمجرد العقد بل بالوطی هکذا فی البحر الرائق

وفیہ بعد أسطر : وکما تثبت هٰذہ الحرمۃ بالوطی تثبت بالمس والتقبیل والنظر إلی الفرج بشهوۃ ۔ کذا فی الذخیرۃ سواء کان بنکاح أو ملك او فجور عندنا کذا فی الملتقط قال أصحابنا : الربیبۃ وغیرها فی ذلك سواء هکذا فی الذخیرۃ ۔ و اللّٰہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ

خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ضلع مظفرنگر تھانہ بھون

۱۵ ر صفر ۴۵ھ

حرمتِ مصاہرت کے متعلق چند سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء

سوال : ایک غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل کی مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی

نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈال کر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر دوامالش
کرنا شروع کر دی اس ہیئتِ کذائی سے مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود
بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہوگیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہوگئی اور مالش
برابر ہوتی رہی اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف
متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی
اور نہ زید کی پھوپھی کی اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا۔ اور نہ ایسا ہو سکتا تھا
اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے مگر اس مالش کے دوران میں محض
پیروں کے حمائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش
ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گذرنے سے یہ کیفیت پیدا
ہوگئی تھی۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید نے بے
احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا۔ یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر
چلا گیا ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں
دیا۔ بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور اُلٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہوگیا کہ پاخانہ کے
اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نظر خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ
پر پڑی۔

تیسری غلطی یہ ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کپڑے اُتروانا
مقصود تھا چونکہ کپڑے کسی قدر سخت تھے لہذا زید سے یہ کہا کہ بھیا! میرے یہ کپڑے اپنے ہاتھ
سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں زید نے اس کی تعمیل کی مگر کپڑے اتارتے
وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی۔ مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی
نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہو سکتا ہے لہٰذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہو جانے
سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہوگیا ہو اور اب اپنی پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھانج
سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لہذا حضور والا از راہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل
جواب جلد ارسال فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوے اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے
یہ نکاح از روئے مذہبِ حنفیہ ناجائز ہے تو مذہبِ شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں؟

اور کوئی حنفی امام، امام شافعی رحؒ کے کسی مسئلہ پر عامل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

① اس واقعہ میں چونکہ اس شخص کا خیال اس عورت کی جانب نہ تھا بلکہ محض خیال کی وجہ سے شہوت ہوئی اس لئے اس واقعہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی ۔

لما فی الشامیة : (ص ۴۵۹ - ج ۲) قلت : ویشترط وقوع الشهوة علیها لا علی غیرها لما فی الفیض لو نظر إلی فرج ابنته بلا شهوة فتمنّی جاریة مثلها فوقعت له الشهوة علی البنت تثبت الحرمة وان وقعت علی من تمنّاها فلا ۔

البتہ اگر وہ عورت کہتی ہو کہ اس کو اس وقت شہوت تھی تو مفصل بات لکھ کر دوبارہ سوال کریں اور یہ بھی لکھیں کہ زید کو اس عورت کا قول صحیح معلوم ہوتا ہے یا نہیں ؟

② اس واقعہ میں نہ شہوت ہوئی نہ نظر جسم خاص کی طرف اور یہ دونوں شرط ہیں پس کوئی وجہ حرمتِ مصاہرت کی نہیں ۔

③ اس میں بھی مس بلا شہوت ہونے کی وجہ سے حرمتِ مصاہرہ کا احتمال نہیں ہے غرض ان ہرسہ واقعات میں کوئی واقعہ ایسا نہیں جس سے حرمتِ مصاہرہ ثابت ہوتی ہو ۔ پس زید اس عورت کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے ۔

احقر عبد الکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
۱۶ر شوال ۱۳۴۸ھ

الجواب صحیح

و إن ادعت المرأة الشهوة لما فی الدر المختار : و ان ادعت الشهوة فی تقبیله أو تقبیلها ابنه (و انکر الرجل فهو مصدق) لاهی الخ

وفی الشامی (ص ۴۶۴ - ج ۲) (قوله فهو مصدق) لانه ینکر الحرمة ، والقول للمنکر وهٰذا ذکره فی الذخیرة - فی المس لا فی التقبیل کما فعل الشارح فانه مخالف لما مشی علیه المصنف اولاً من أنه فی التقبیل یُفتیٰ بالحرمة مالم یظهر عدم الشهوة و قد مناعن الذخیرة نقل الخلاف فی ذلك فما هنا مبنی علی ما فی بیوع العیون اھ

ظفر احمد عفا عنہ

مسئلہ مصاہرت | **سوال** : واقعہ یہ ہے کہ ایک منکوحہ نے بوجوہ متعددہ تکالیف

خانہ داری اپنے شوہر کے مکان سے جاکر اپنے سسر پر تہمت لگادی کہ اس کے سسر نے اس کے ساتھ زنا کیا منکوحہ مذکورہ کا خاوند بغرض تحصیل علم دین غیر ملک گیا تھا جب وہ پردیس سے مکان میں آیا منکوحہ کے عم حقیقی نے داماد سے کہا کہ لڑکی قرآن مجید پکڑ کر حلف کرتی ہے کہ اس کے سسر نے اس سے زنا کیا لڑکی کی زبان بندی میرے نزدیک باور ہوئی اگر تم کو باور نہ ہو لڑکی سے دریافت کرو۔ تب داماد نے جواب دیا کہ میں بسواس کرتا ہوں کہ آپنے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے لیکن میں اس وقت کچھ نہیں پوچھوں گا۔ چچانے کہا یہ لڑکی تمہارے لئے عند القاضی حرام نہ ہوئی کیونکہ کوئی شاہد نہیں تم جاسوس کی طرح گواہ تلاش کرو۔ القصہ! لڑکی کے چچانے داماد کو حکم دیا کہ تمہاری بیوی ہے کہ تم لے جاؤ۔ لیکن لڑکی کے سوتیلے باپ نے نہیں دیا۔ پھر چچانے ایک کاغذ بطور زبان بندی کے اپنے ہاتھ سے لکھ کر اس پر داماد کا نام جعلی دستخط کر کے ایک مولوی صاحب کے پاس بھیجا اور اس کاغذ میں لکھا ہوا تھا کہ داماد نے واقعہ زنا کی تصدیق کی پس مولوی صاحب مذکور نے لڑکی اور اس کے سسر یعنی مدعیہ و مدعا علیہ سے کچھ بھی دریافت نہ کیا اور ان کی زبان بندی بھی نہیں لی فقط داماد کو بلا کر کہا کہ مطابق نوشتۂ ہذا کے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے واقعۂ زنا کی تصدیق کی داماد نے جواب دیا نہیں صاحب! میں نے ہرگز واقعۂ زنا کی تصدیق نہیں کی بلکہ اپنے چچا سسر کو فقط اتنا بولا ہوں کہ "میں بسواس کرتا ہوں آپنے میری زوجہ کی زبان بندی لی ہے" پس مولوی صاحب مذکور نے اس کاغذ ہی پر اعتماد کر کے زنا کے دعویٰ پر ثبوت حرمتِ مصاہرت کا ایک فتویٰ لکھ دیا۔ اس مولوی صاحب کے فتویٰ نویسی سے پیشتر دیگر دو مولوی صاحبان یہ حکم دے چکے کہ صورتِ مسئول عنہا میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

پس استفتاء یہ ہے کہ صورتِ مرقومۃ الصدر میں بلا ثبوتِ زنا فقط لڑکی کے چچا کے نوشتہ پر معتمد ہو کر حرمتِ مصاہرہ کا فتویٰ دینا صحیح ہے یا نہیں؟ اور نفس الامر میں بھی صورت مرقومہ میں حرمت ثابت ہوگی یا نہیں؟ جبکہ دو مولوی صاحبان نے عدم ثبوت حرمت کا حکم دیدیا پھر دوسرے مولوی صاحب کو اس کی تردید کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

یہ سوالات زائد ہیں اصل واقعہ کا حکم یہ ہے کہ اس قاضی یا مسلمان حاکم کے پاس

مقدمہ پیش کیا جائے جس کو اس قسم کے معاملات میں فیصلہ کرنیکا حکومت کی طرف سے اختیار دیا گیا ہو اگر حاکم مسلم اور قاضی نہ ہو تو کسی کو تراضی طرفین سے حَکَم بنا لیا جائے جس کے پاس مقدمہ پیش ہو وہ عورت کا دعویٰ سُنے اور گواہ طلب کرے اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو مدعا علیہ یعنی خاوند اور خسر سے حلف لیا جائے اگر گواہوں سے حرمتِ مصاھرہ ثابت ہو جائے یا خسر اور خاوند یمین سے انکار کر دیں تو قاضی حاکم یا حَکَم تفریق کر دے اور تفریق کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے بدون تفریق دوسری جگہ نکاح کرنا حرام ہے الا آنکہ خاوند کی طرف سے متارکت ہو جائے۔

کما قال صاحب الدر : لا يحل لها التزوّج بآخر إلا بعد المتاركة۔

وفي الشامي عن الحاوي : إلا بعد المتاركة أو تفريق القاضي اھ (ص۴۶۳ ج۲)

اور اگر مدعا علیہما حلف کر لیں تو نکاح قائم رہنے کا حکم دیدیا جائے لیکن نکاح قائم رہنے کا حکم دیدینے سے صرف قضاءً حلت کا فتویٰ دیا جائے گا مگر دیانۃً حلال ہونے میں تفصیل ہے یعنی جس کو حرمتِ مصاھرت کا علم ہو اس کے لئے تعلق ازدواج رکھنا حلال نہ ہوگا۔ اور جس کو علم نہیں وہ دیانۃً بھی معذور ہے پس واقعہ مسؤلہ میں اگر خاوند درحقیقت عورت کی تصدیق کر چکا ہو تو قضاء قاضی کے بعد بھی اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح اگر کوئی امر موجب حرمت مصاھرت کا خسر سے سرزد ہو گیا ہے تو اس کو اخفاء جائز نہیں اور چونکہ عورت ایسے واقعہ کی مدعیہ ہے جس سے یقیناً حرمت مصاہرت ہو جاتی ہے اس لئے اس کے واسطے کسی حال میں تمکین جائز نہیں لیکن اگر کوئی صورت ایسی ہوتی جس میں احتمال ہوتا تو قضاء قاضی کے بعد اس کو تمکین جائز ہو جاتی۔ مثلاً خسر کی جانب سے تقبیل واقع ہوتی اور عورت شہوت ہونے کا دعویٰ کرتی اور خسر حلف سے کہدیتا کہ شہوت سے ہرگز نہ تھا تو تمکین حلال رہتی۔

والمسئلة مصرحة في البدائع : حيث قال بعد نقل الاختلاف بين الامام و صاحبيه في نفاذ القضاء باطناً بشهادة الزور فيما هو له ولاية انشائية في الجملة وأجمعوا على انه لو ادعى نكاح امرأة وهي تنكر وتقول أنا أخته من الرضاع أو أنا في

ے خسر سے تو اس بات پر حلف لیا جائے کہ اس نے کوئی فعل موجب حرمتِ مصاھرہ کا نہیں کیا اور خاوند سے اس پر لیا جائے کہ مجھ کو عورت کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منہ

عدة من زوج آخر فشهد بالنكاح شاهدان وقضى القاضي بشهادتهما والمرأة تعلم أنها كما أخبرت لا يحل لها التمكين (ص ١٥ ج ٧)

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون
مورخہ یکم ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ

حسن المحاضرة فی تحقیق بعض شرائط حرمة المصاهرة

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی ایک رشتہ کی پھوپھی جو کہ عمر میں ادھیڑ اور زید سے بہت زیادہ عمر میں بڑی ہیں۔ زید اپنی ان پھوپھی کی اپنی ماں کے برابر عزت کرتا ہے اور اسی طرح سے پھوپھی بھی زید کو اپنے لڑکے کی طرح سمجھتی ہیں زید کی پھوپھی کی ایک لڑکی کا زید کے ایک سگے بڑے بھائی کے ساتھ نکاح ہوا تھا مگر عرصہ تین چار سال کا ہوا کہ زید کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا اب زید کی یہ بھاوج بیوہ ہیں اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد زید کی نگرانی و زیر پرورش ہیں۔ زید اور زید کی بیوہ بھاوج اور اس کی اولاد وغیرہ ایک ہی گھر میں رہتے سہتے ہیں اور سبھوں کا ایک گھر میں کھانا پینا ہے زید کے دوست واحباب عزیز واقارب کی یہ دلی خواہش ہے اور بہت کوشاں ہیں کہ زید کا نکاح زید کی اس بھاوج بیوہ کے ساتھ ہوجائے تاکہ یہ بیوہ زید کے گھر ہی میں رہے اور گھر کا شیرازہ نہ بکھرنے پائے اور زید کے بھائی مرحوم کی اولاد جو اس بیوہ سے پیدا ہو ہیں ان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے اور بدستور زید کی زیر نگرانی رہیں۔ اعزہ کا یہ خیال ہے کہ اس بیوہ کا نکاح اگر کسی غیر جگہ ہوگا تو گھر کا یہ سارا انتظام منتشر ہوجائیگا اور بچوں کو بھی تکلیف ہوگی نیز بیوہ کا ایسی صورتوں میں کسی دوسری جگہ نکاح ہونا بھی ایک امرِ محال سمجھا جاتا ہے۔ اگر اس بیوہ کا نکاح زید کے ساتھ نہ ہوا تو پھر یہ بیوہ ہمیشہ کے لئے نکاح کرنے سے محروم رہے گی اور ساری زندگی اس کی یوں ہی گذر جاے گی۔ بیوہ بیچاری ابھی نوجوان ہے اور اندازے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بھی یہ خواہش ہے کہ گھر ہی میں نکاح زید (دیور) کے ساتھ ہوجائے تو بہتر ہے۔ عزیز واقارب، دوست واحباب کے مجبور کرنے پر زید بھی راضی ہوگیا ہے کہ وہ اپنی اس بیوہ بھاوج کے ساتھ جو کہ کسی غیر جگہ مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر نکاح کرنے سے مجبور ہو رہی ہے نکاح کرکے خداتعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے مگر افسوس ہے کہ زید چند خاص وجوہات ومشکلات کی بناء پر جوکہ اس سے نادانستگی

اور غلطی سے عرصہ ہوا سرزد ہو گئی تھیں کہ جس کے باعث اس نکاح سے تأمل کر رہا ہے تا وقتیکہ کوئی شرعی حکم صادر نہ ہو اور اطمینان نہ ہو جائے ۔

پہلی غلطی یہ سرزد ہوئی کہ ایک مرتبہ زید کے سینہ میں درد ہونے لگا زید کی پھوپھی مذکورہ نے جو (زید کی بیوہ بھاوج کی ماں ہیں) از راہِ شفقت فرمایا کہ لاؤ میں تمہارے سینہ میں دوا یا تیل مالش کردوں تاکہ درد موقوف ہو جائے ۔ چنانچہ زید چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے زید کے کمر کی دونوں طرف اپنے دونوں پیروں کو ڈالکر جھکے ہوئے زید کے سینہ پر مالش شروع کردی ۔ اس ہیئتِ کذائی میں مالش ہونے کی وجہ سے زید کے عضو مخصوص میں خود بخود ایک خفیف سا انتشار پیدا ہو گیا یعنی عضو میں خفیف ایستادگی پیدا ہو گئی اور مالش برابر ہوتی رہی ۔ اس وقت زید اپنی طبیعت اور اپنے خیال کو دفع کرنے اور دوسری طرف متوجہ کرنے کی برابر کوشش کرتا رہا ۔ اس مالش ہونے کے وقت نہ زید کی کوئی نیت خراب تھی اور نہ زید کی پھوپھی کی ۔ اور نہ اس قسم کا خیال طرفین میں کبھی پیدا ہوا اور نہ ایسا ہو سکتا تھا اس لئے کہ زید ہمیشہ سے اپنی پھوپھی کو بزرگوں کی طرح سمجھتا ہے ۔ مگر اس مالش کے دوران محض کمر میں پیروں کے حائل کر دینے اور اس خاص صورت سے ایک عورت ذات کے ہاتھ سے مالش ہونے کی وجہ سے خود بخود زید کے دل میں کسی خفیف خیال کے گزرنے سے یہ کیفیت پیدا ہو گئی تھی ۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ زید کی پھوپھی غسل کر رہی تھیں یا خانہ میں تھیں زید بے احتیاطی سے بغیر آواز دئے ہوئے اندر مکان کے چلا آیا یا بغیر کھانسے ہوئے پاخانہ کے اندر چلا گیا ۔ ایسی حالت میں زید نے اپنی پھوپھی کو برہنہ دیکھ لیا مگر زید نے اپنی نگاہ کو جمنے نہیں دیا بلکہ فوراً نظر ہٹا لیا اور اُلٹے پیروں فوراً واپس ہوا جبکہ زید کو یہ معلوم ہو گیا کہ پاخانہ کے اندر کوئی شخص موجود ہے زید کی نگاہ خاص حصۂ جسم یعنی شرمگاہ پر نہیں پڑی بلکہ دیگر حصۂ جسم برہنہ پر پڑی ۔

تیسری غلطی یہ ہوئی ۔ ایک مرتبہ زید کی پھوپھی کو اپنے پیروں یا ہاتھوں کے کڑے اتروانا مقصود تھا چونکہ کڑے کسی قدر سخت تھے لھذا زید سے یہ کہا کہ بھیا ! میرے یہ کڑے اپنے

ہاتھ سے ذرا پھیلا دو تاکہ آسانی سے اُتر جائیں۔ زید نے اس کی تعمیل کی مگر کپڑے اتارتے وقت زید نے اپنی پھوپھی کی پنڈلی کھلی ہوئی دیکھی مگر کوئی شہوانی خیال طرفین میں قطعی نہیں تھا اور نہ اس کا گمان ہوسکتا ہے لھذا زید ان مذکورہ بالا وجوہات کے واقع ہوجانے سے یہ خیال کرتا ہے کہ شاید سسرالی رشتہ قائم ہوگیا ہو اب اپنی ان پھوپھی کی اولاد یعنی بیوہ بھاوج سے نکاح کرنا ناجائز ہو۔ لھٰذا حضور والا ازراہِ کرم اس مسئلہ پر توجہ فرمائیں اور مفصل جواب جلد ارشاد فرمائیں تاکہ زید اس پر کاربند ہوجائے۔ اور اگر خدانخواستہ اب اس کے لئے یہ نکاح ازروئے مذہب حنفیہ ناجائز ہے تو مذہب شافعیہ سے اجازت مل سکتی ہے یا نہیں۔ اور کوئی حنفی امام شافعی کے کسی مسئلہ پر عامل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

فقط والسلام۔ خادم فضل حق صدیقی

متعلم گورنمنٹ ہائی اسکول بہرائچ (اودھ) درجہ نہم سکشن (ب)

تنقیحات

(۱) پاؤں کس جگہ رکھے اور زید کے بدن سے اس عورت کا کون کون جسم لگا ہوا تھا؟

(۲) آخر کچھ نہ کچھ خیال تو دل میں اس وقت ہوگا خواہ اس عورت کا یا کسی اور عورت کا؟

(۳) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً خود بخود اسی کی طرف خیال ہوا تھا بعد میں دوسری طرف متوجہ کیا ہے جو واقعہ ہو مفصل لکھا جائے۔

(۴) کیا یہ اندازے سے لکھا ہے یا اس سے دریافت کرکے لکھا ہے؟

(۵) اس خیال کی تشریح کی جائے جب مسئلہ لکھا جاسکتا ہے۔

جوابِ تنقیح

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ مسئلہ دریافت طلب میں جو خاص باتیں دریافت فرمائی گئی ہیں اس کے متعلق عرض ہے:

(۱) زید اپنے سینہ پر مالش کرانے کے لئے زمین پر ایک چٹائی پر پیر سیدھا کرکے چت لیٹ گیا اور زید کی پھوپھی نے اپنا ایک پاؤں زید کے ایک کولے کے قریب اور دوسرا پاؤں دوسرے کولے کے قریب رکھا اور گھٹنے اور سرین اٹھائے ہوئے کمر سے خمیدہ ہوکر جس طرح زمین پر سے کوئی چیز جھک کر اٹھاتے ہیں زید کے سینہ پر ہاتھوں سے مالش کرنے لگیں یعنی زید عورت کے دونوں پیروں کے درمیان لیٹا ہوا تھا اور عورت کے دونوں

پاؤں زمین پر تھے صرف دونوں ہاتھ زید کے سینہ پر مالش کر رہے تھے اس کے سوا کوئی اور حصۂ جسم زید کے بدن سے نہیں لگا ہوا تھا۔

(۲) چونکہ اس واقعہ کو ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے تاہم زید اپنی یاد داشت اور ذہن پر زور دیکر یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ اسوقت دل میں کسی عورت کا خیال نہیں ہوا تھا نہ اس عورت کا اور نہ کسی دوسری عورت کا لیکن جسطرح کسی شہوت انگیز خیال سے کسی حیوان یا انسان کی شہوت انگیز کوئی حرکت کی طرف دیکھنے سے یا عضو مخصوص میں کسی کا ہاتھ لگ جانے سے از خود یہ کیفیت پیدا ہو جایا کرتی ہے حالانکہ اس وقت دیکھنے والے کی یہ نیت نہیں ہوتی کہ جس کی طرف دیکھا ہے یا عضو میں جس کا ہاتھ چھو گیا ہے اس سے کوئی ناجائز فعل کرے اگر عورت زید کے سرہانے بیٹھ کر سینہ پر مالش کرتی تو یہ کیفیت ہرگز پیدا نہ ہوتی لیکن چونکہ عورت اس خاص شکل سے زید کے جسم کے مقابل کھڑی ہو گئی اس لئے زید نے اسوقت اپنے دل میں یہ محسوس کیا کہ جسطرح ایک عورت ایک مرد کے اوپر آئی ہے اسی طرح مرد بھی عورت کے جسم کے اوپر آیا کرتا ہے بس ان وسوسات نے زید کے خیال کو منتشر کر دیا اور اسی وجہ سے زید میں یہ کیفیت خود بخود پیدا ہوئی اور اسی پیدا شدہ خیال کو دفع کرنے کی کوشش کرتا رہا مگر جو باتیں خاص جوش وشہوت کی حالت میں پیدا ہوا کرتی ہیں یعنی کامل ایستادگی یا بے خودی وغیرہ وہ قطعی نہیں تھیں۔ زید شروع سے آخر تک بے حس وحرکت زمین پر لیٹا رہا چونکہ زید کی پھوپھی ایک دیندار اور پابندِ صوم وصلوٰۃ عورت ہیں حج بھی کر چکی ہیں سن رسیدہ ہیں اور گھر میں مثل بزرگوں کے سمجھی جاتی ہیں۔ مگر جاہل ہیں۔ انہوں نے محض اپنی سادہ لوحی سے اور زید کو اپنا چھوٹا بیٹا خیال کر کے اس کے سینہ پر اس طرح بے احتیاطی سے مالش کرنے لگیں۔ بتقاضائے سن اور ان کی خدا ترسی کی وجہ سے ان کی نیت وارادہ پر یہ کسی طرح شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے دل میں ذرہ برابر بھی کوئی بُرا خیال پیدا ہوا ہوگا اور نہ کبھی اس قسم کی کوئی حرکت ان سے ظہور میں آئی اس لئے ان کا خیال دریافت کر کے نہیں لکھا گیا۔ بلکہ یقینی طور پر اندازہ کر کے لکھا گیا۔ زید اپنی پھوپھی سے اس قسم کی شرمناک بات کو بسبب ان کی بزرگی کے دریافت بھی نہیں کر سکتا ہے۔ فقط والسّلام۔

خادم فضل حق صدیقی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی۔

بدلیل ما فی الشامیۃ: فتمنی جاریۃ مثلھا فوقعت الشھوۃ علی من تمناھا فلا اھ (ص۴۵۹ ج۲)

پس سائل کو اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ اور سوال اول کے واقعہ ۲ و ۳ سے بھی حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی

و أیضًا فإن حدّ الشھوۃ فی حق الشاب ان ینتشر عضو أو یزداد انتشارًا ومعنی الانتشار الانفاظ کما فی القاموس ونفظ ذکرہ أی قام والغفظ الرجل علاہ الشبق ولم یوجد فی الصورۃ المسئول عنھا الانتشار وانما وجدت حرکۃ خفیفۃ من غیر شبق و قیام فقط

وفی قاضی خان: ودلیل الشھوۃ علی قول أبی الحسن القمی انتشار الآلۃ عند ذلک ان لم یکن منتشرًا قبل ذلک وان کانت منتشرۃ قبل ذلک فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ ثم ذکر معنی الشھوۃ فی حق الشیخ والعنین ثم قال، وقال عامۃ العلماء: الشھوۃ أن یمیل قلبہ إلیھا ویشتھی أن یواقعھا اھ (ص۱۶۸ ج۱) واللّٰہ تعالٰی أعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۵ر ذی قعدہ ۴۸ھ

تنبیہ: جواب مذکور لکھنے کے بعد حضرت حکیم الامت دام مجدہم کی خدمت میں بغرضِ ملاحظہ پیش کیا گیا تو فرمایا کہ جواب کا مدار دو باتوں پر ہے:

ایک یہ کہ شہوت محرمہ میں انتشار بمعنی نفوظ تام شرط ہے مجھے اس میں کلام ہے۔

دوسرے یہ کہ: انتشار کے ساتھ عورت ملموسہ یا منظورہ الی فرجہا کی طرف رغبتِ جماع و خواہش مواقعت شرط ہے۔ مجھے اس میں بھی کلام ہے بلکہ صرف لمس و نظر سے دل میں ہیجان ہو جانا اور عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے گو ملموسہ و منظورہ کے جماع سے ذہن خالی ہو۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ یہ ہیجان

غیر ملموسہ وغیر منظورہ کی طرف منصرف نہ ہوا ہو اگر لمس ہوا اور خواہشِ جماع غیر ملموسہ سے ہوئی تو حرمت نہ ہوگی اور اگر کسی سے بھی خواہش جماع نہ ہوئی مگر لمس سے دل میں ہیجان اور عضو میں حرکت پیدا ہوئی تو حرمت ہو جائیگی، احقر نے عرض کیا کہ قاضی خان کی عبارت اس باب میں صریح ہے کہ ملموسہ و منظورہ کے ساتھ شہوت جماع شرط ہے فرمایا، ممکن ہے کہ "یشتھی ان یواقعھا" بطور تمثیل کے لکھدیا ہو۔ اس کے بعد رائے ہوئی کہ اس سوال کو دوسرے علماء کے پاس بھیجا جائے تو یہ سوال بعبارتِ ذیل مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے علماء کے پاس بھیجا گیا جو مع ان کے جوابات کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ کیا فرماتے ہیں حضرات علماء دین اس مسئلہ میں کہ حرمتِ مصاہرت کیلئے جو مس بالشہوۃ حنفیہ کے نزدیک کافی ہے اس میں شہوت کی حقیقت کیا ہے۔ یعنی جن علماء نے صرف اشتہاءِ قلب ومیلانِ قلب کو کافی نہیں سمجھا بلکہ انتشار عضو یا زیادت انتشارِ عضو کو شرط قرار دیا ہے ان کے نزدیک انتشار سے کیا مراد ہے؟ آیا عضو میں کسی قدر حرکت پیدا ہو جانا جو پہلے نہ تھی کافی ہے یا پوری طرح عضو کا قائم ہو جانا شرط ہے اور ازدیادِ انتشار کے یہ معنی ہیں کہ حرکتِ سابقہ کے بعد عضو کو قیام ہو جائے یا یہ مراد ہے کہ قیام کے بعد عضو میں شدّت آجائے۔

دوسری بات قابلِ تحقیق یہ ہے کہ کیا شہوت کے یہ معنی ہیں کہ جس عورت کو چھولے ہے اس کی طرف میلان ہو اور اس سے مجامعت کی خواہش ہو؟ یا چھونے کے بعد گو یہ خیال پیدا نہ ہوا ہو مگر اس سے لذت حاصل ہوئی اور اس سے عضو میں انتشار پیدا ہو گیا۔ یہ بھی حرمت کے لئے کافی ہے؟ کیونکہ بعض دفعہ مس کرنے والے کو ممسوسہ کی طرف کسی قسم کا خیال نہیں ہوتا مگر جوانی کی وجہ سے خود مس کی لذت سے عضو میں انتشار ہو جاتا ہے جیسا کہ دو جانوروں کو مجامعت کرتے ہوئے دیکھ کر جوان کو انتشار ہو جاتا ہے حالانکہ ان میں کسی کے ساتھ مجامعت کا خیال اس کو نہیں ہوتا۔ عباراتِ فقہیہ اس باب میں مختلف ہیں اس لئے تردّد ہو گیا۔

عالمگیری میں ہے: وحدّ الشھوۃ انتشار الآلۃ او ازدیادہ ان کانت منتشرۃ

قاضی خان میں ہے: ودلیل الشھوۃ انتشار الآلۃ عند ذلك ان لم یکن منتشراً وان کانت منتشراً فعلامۃ الشھوۃ زیادۃ الانتشار والشدۃ (ص۱۶۸ ج۲)

اور قاموس میں ہے: انتشر الرجل انعظ ذکرہ اور نعوظ کے معنی لکھا ہے نفظ ذکرہ

قام و انفط الرجل و المرأة علاهما الشبق ۔ شبق اشتدت غلمته ۔ اور غلمه میں لکھا ہے
غلم و اغتلم غلب شهوته.غلم البعير هاج ۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت کی تفسیر انتشار ہے اور انتشار لغت میں قیامِ ذکر کو کہتے ہیں اور قاضی خان نے ازدیادِ انتشار کی تفسیر شدت سے کی ہے ۔ اس کا مقتضا یہ ہے کہ اگر مس بالشہوۃ ہو مگر عضو میں قیام پورا نہ ہو بلکہ کسی قدر حرکت ہو تو حرمت مصاہرت نہ ہوگی ۔ مگر درمختار میں ہے : الشهوة تحرّك الآلة او ازدیادہ ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عضو میں حرکت پیدا ہو جانا شہوت محرمہ کے لئے کافی ہے ۔
اب دریافت طلب یہ ہے کہ درمختار کی عبارت میں تحرک سے مراد انتشار کا درجۂ مذکورہ ہے یا عالمگیری و قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرک ہے ۔ نیز یہ کہ فقہاء کی عبارت میں انتشار سے وہی مراد ہے جو لغت میں مذکور ہے ۔ یا ان کے نزدیک انتشار کلی مشکک ہے کہ قیامِ کامل سے کم درجہ پر بھی صادق آسکتا ہے ۔
نیز شامی میں ہے : قلت : ويشترط وقوع الشهوة عليها لا على غيرها لما في الفيض : لو نظر إلى فرج ابنته بلا شهوة فتمنّى جارية مثلها فوقعت له الشهوة على البنت ثبتت الحرمة و إن وقعت على من تمنّاها (مع بقاء النظر إلى فرج البنت كما في قاضي خان) فلا اھ (ص ۴۵۹ ج ۲) وقاضی خان ص ۱۶۸ ج ۲ میں ہے : وقال عامة العلماء : الشهوة ان يميل قلبه إليها ويشتهي أن يواقعها اھ ۔ قاضی خان کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شہوت محرمہ میں عورت ملموسہ کی طرف قصد جماع کے ساتھ میلان ضروری ہے ۔ شامی کی عبارت بھی بظاہر اس کی مؤید ہے ۔ مگر شامی کی عبارت میں یہ احتمال جاری ہو سکتا ہے کہ وقوع الشہوۃ علیہا اس وقت شرط ہے جبکہ خلو ذہن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذہن کو منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو ۔ اگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو کہ نہ منظورہ و ملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے مگر مس و نظر سے شہوت پیدا ہو گئی اس کے حکم سے عبارت شامیہ ساکت ہے ۔ امید ہے کہ ہر دو سوال مراجعتِ کتب کے بعد بواضح طور سے حل کئے جائیں کہ اس میں خلجان ہے ۔ فقط

المستفتی : ظفر احمد عفاعنہ خادم دارالافتاء بالخانقاہ الامدادیہ تھانہ بھون

۹ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

الجواب

حامدًا و مصلّیاً و مسلّماً ۔ مس اور نظر میں شہوت کی حد جو کہ درمختار میں لکھی ہے "وحدّھا فیما تحرّك آلته أو زیادته به یفتی" علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں "قوله أو زیادته أی زیادة التحرك ان کان موجوداً قبلهما علی هٰذا" عالمگیری کی عبارت "وحدّ الشهوة إنتشار الآلة أو ازدیاده إن کانت منتشرة" اور اس کے بعد قاضی خان کی عبارت "ودلیل الشهوة انتشار الآلة عند ذلك ان لم یکن منتشرًا وإن کان منتشرًا فعلامة الشهوة زیادة الانتشار والشدة" ہر سہ کتب مذکورۂ بالا کی عبارات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر پہلے شہوت بالکل نہ ہو تو ابتدائے حدِ شہوت یہ ہوگی کہ انتشار پیدا ہوجائے۔ چنانچہ عالمگیری و قاضی خان کی عبارتوں میں صریح انتشار کا لفظ واقع ہے ۔ صاحبِ درمختار نے انتشار کی بجائے "تحرک الآلۃ" اور "زیادتہ" بولا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انتشار سے اس موقع میں تحرک الآلۃ ہی مراد ہے اور چونکہ تحرک الآلۃ کے بعد دو درجہ اور باقی ہیں ایک قیام ذکر دوسرا شدّت پس تحرک الآلۃ کے بعد زیادہ التحرک یا زیادۃ انتشار سے یقیناً قیامِ ذکر مراد ہوگا یعنی اگر تحرک آلہ پہلے سے ہو تو حرمت کے تحقق کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ نظر اور مس کی وجہ سے قیامِ ذکر ہوجائے اور اگر قیام ذکر پہلے سے موجود ہے تو اب تحققِ حرمت کے لئے شدت ضروری ہوگی ۔ گویا مطلب یہ ہوا کہ مس اور نظر سے پہلے جو حالت تھی اگر بعد المس والنظر وہی حالت رہی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوگی اور اگر اس میں تغیر ہوکر ترقی ہوگئی تو حرمت ثابت ہوجائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انتشار عرف میں عام ہے شہوت کی تینوں حالتوں پر انتشار کا اطلاق ہوتا ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں دوسری مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اگر انتشار ایک حالت کے ساتھ مخصوص ہوتا تو اس سے اعلیٰ مرتبہ کو زیادۃ الانتشار کے ساتھ تعبیر نہ کرتے بلکہ شدت یا کسی اور لفظ سے تعبیر کرتے دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر انتشار کو قیامِ ذکر کے ساتھ خاص کیا جائے اور زیادتِ انتشار سے شدّت مراد لی جائے تو انتشار کے اول مرتبہ یعنی تحرکِ آلہ کا کوئی حکم نہیں نکلتا اس وجہ سے کہ شہوتِ معتبرہ کے مقابل جو قول ذکر کیا ہے وہ یہ ہے

فی الشامی: وقیل حدّها أن یشتهی بقلبه ان لم یکن مشتهیاً أو یزداد إن کان مشتهیاً ولا یشترط تحرّك الآلة (ص ۲۸۱ ج ۲)

پس جبکہ شہوت غیر معتبرہ کی تعریف میں صرف اشتہاء قلب کو لیا گیا ہے اگر شہوت معتبرہ میں تحرکِ آلہ معتبر نہ ہوتا تو وہ یقیناً غیر معتبرہ میں داخل کیا جاتا۔ پس شہوت غیر معتبرہ میں اس کو داخل نہ کرنا خود اس امر کا قرینہ ہے کہ ابتدائی مرتبہ شہوت معتبرہ کا تحرک آلہ ہے۔ اس توجیہ پر یہ شبہ البتہ ہوتا ہے کہ فقہاء کی عبارات سے شہوت معتبرہ کے دو درجے معلوم ہوتے ہیں تحرکِ آلہ یا زیادتِ تحرک۔ یا یہ کہا جائے کہ انتشار اور زیادت انتشار اور مذکورہ بالا توجیہ کی بناء پر تین درجے ہو گئے ہیں۔ سو اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ تحقق حرمت کے لیے چونکہ ایک جبکہ پہلے سے شہوت نہ ہو یا شہوت قلبی ہو یا دو کا وجود (اس صورت میں جبکہ پہلے سے تحرک آلہ یا قیام ذکر ہو) کافی ہے۔ اس سے زیادہ کی ضرورت نہیں ہے اسی لئے صرف دو لفظوں پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اور چونکہ ہر دوسری حالت پہلی حالت سے اور کچھ زیادتی پر مشتمل ہوتی ہے اس لئے فقہاء کے کلام میں زیادہ کے ساتھ دوسری حالت کو تعبیر کیا گیا ہے پس اگر پہلے سے تحرک نہ ہو تو زیادت سے مراد قیام ہوگا اور اگر پہلے سے قیام ہو تو زیادت سے مراد شدت ہو گی جیساکہ قاضی خان کی عبارت سے واضح ہے۔

امر ثانی کے متعلق در مختار کا یہ قول: "والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعد" کافی ہے۔ علامہ شامی اس کے تحت لکھتے ہیں:

عن الفتح: وقوله بشهوة فی موضع الحال لیفید اشتراط الشهوة حال المس ولو مس بغیر شهوة ثم اشتهیٰ عن ذٰلك المس لا تحرم علیه اھ وکذا فی النظر کما فی البحر: لو اشتهی بعد ما غض بصره لا تحرم قلت: ویشترط وقوع الشهوة علیها الخ

پس اگر ابتداءً شہوت بالکل نہ ہو اور مس اور نظر کے وقت شہوت پیدا ہوئی، یعنی حالتِ مس اور حالتِ نظر موجود ہے اور اس سے تحرک آلہ پیدا ہو گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی اور اگر مس کے بعد ہاتھ علیحدہ کر دیا یا نظر دوسری طرف کر لی اور پھر تحرک آلہ ہوا تو اب حرمت ثابت نہیں ہو گی۔ نیز یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو ہاتھ لگا یا ہے میلان اسی کی طرف ہو اگر دوسرے کی طرف ہوگا تو حرمت ثابت نہ ہو گی جیساکہ مثال کی مندرجہ بالا عبارت سے واضح ہے۔ پس ثبوتِ حرمت کے لئے دو شرطوں کا وجود ضروری ہے ایک شہوتِ معتبرہ کا وجود عند المس اور عند النظر دو ملموسہ اور منظورہ کی طرف

میلان اور مجامعت کی خواہش دونوں میں سے اگر کوئی شرط فوت ہوجائے گی حرمت ثابت نہ ہوگی اور مثال کا مقصود اس جزئیہ کے ذکر کرنے سے " ویشترط وقوع الشہوۃ علیہا لاعلی غیرھا " کا اثبات ہے جو عام ہے کہ خلو ذہن ہو یا نہ ہو جیسا کہ مثال سے ظاہر ہے کیوں کہ نظر الی فرج البنت مطلقاً موجب حرمت نہیں جب تک خاص اسی کی طرف میلان نہ ہو اگر میلان دوسری طرف ہو تو حرمت نہ یہاں ثابت ہوگی اور نہ اس کے حق میں جس کی طرف میلان ہے کیوں کہ جس کی طرف نظر ہے اس کی طرف میلان نہیں اور جس کی طرف میلان ہے اس کی طرف نظر نہیں۔ پس اگر مس اور نظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو اور حالتِ مس اور نظر کی بقاء کے وقت ہی ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال پیدا ہوجائے تو حرمت ثابت ہوجائے گی اور اگر ملموسہ اور منظورہ سے مجامعت کا خیال نہیں ہو خواہ غیر کا ہوا ہو یا نہ ہوا ہو تو حسبِ تصریح " وقوع الشہوۃ علیہا " اس شرط کے فوت ہونے کی وجہ سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ کما ھو الظاہر۔ واللہ اعلم

رقمہ ضیاء احمد عفی عنہ

۱۵ ر ذی قعدہ ۴۸ھ

الجواب الثانی

از مولانا عبد الرحمٰن صاحب صدر المدرسین مظاہر العلوم سہارنپور

① بظاہر فقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ کے کلمات سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی خان کی عبارت میں انتشار سے مراد تحرکِ عضو ہے۔ چنانچہ بدائع الصنائع (ص ۲۶۰ ج ۲) کی عبارت میں انتشار کو بطورِ عطف تفسیر کے ذکر کیا ہے " وتحرّک الآلۃ وانتشارھا ھل ھو شرط تحقق الشہوۃ اختلف المشائخ فیہ الخ " صاحبِ بحر کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے (ص ۱۰۱ ج ۳) ولم یذکر المصنّف حدّ الشہوۃ للاختلاف فقیل لابد أن تنتشر آلتہ إذا لم تکن منتشرۃ أو تزداد انتشارًا إن کانت منتشرۃ۔ و قیل حدّھا أن یشتھی بقلبہ إن لم یکن مشتھیاً أو یزداد إن کان مشتھیاً ولا یشترط تحرّک الآلۃ وصحّحہ فی المحیط الخ ہر دو قولین کے تقابل سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے قول میں انتشار سے مراد تحرک ہے ورنہ دوسرے قول میں بمقتضائے تقابل ولایشترط انتشار الآلۃ کہنا چاہئے تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ فقہاءؒ کے کلام میں

انتشار سے مراد تحرک ہے جو کلی مشکک ہے استرخاء عضو کے بعد شدت قیام تک کے جتنے مراتب ہیں سب پر صادق ہے یعنی استرخاء کے بعد تشنج اور اس کے مابعد کے سب مراتب تحرک کے افراد ہوں گے۔ اور جمیع مراتب پر انفراداً اور اجتماعاً حرمتِ مصاہرت مرتب ہوگی۔ اور انتشار سے مراد وہ نہیں ہے جو لغویین نے لکھا ہے۔ یعنی قیامِ عضو۔

۲ شامی اور قاضی خان دونوں "اشتراط وقوع الشہوۃ علیہا لا علیٰ غیرھا" میں متفق اللسان ہیں۔ بلکہ لاعلیٰ غیرہا سے نفی وقوع الشہوۃ علی الغیر کی طرف قاضی خان نے تعرض نہیں کیا جس سے قاضی خان کی عبارت مشعر عموم ہوگئی "ای یمیل قلبہ الیہا ویشتھی ان یواقعہا اھ اعم من ان یکون قلبہ فی ھٰذہ الحالۃ مائلاً الیٰ غیرھا ام لا" شامی کی عبارت میں صرف ایک ہی احتمال ہے "یمیل قلبہ الیہا ولایمیل الیٰ غیرھا" البتہ شامی نے جو استدلال میں فیض کی عبارت پیش کی ہے اس عبارت میں وہ احتمال جاری ہو سکتا ہے جس کے متعلق مولانا ظفر احمد صاحب فرماتے ہیں مگر علامہ شامی کا عبارت فیض کے نقل کرنے کے بعد قید عدم خلو الذہن عند حدوث الشہوۃ کی طرف تعرض نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ علامہ شامی کے نزدیک اس قید کا اعتبار نہیں (کما ھو دابہٗ فی أمثال ھٰذہ العبارۃ من ذکر مفاھیم العبارات) ورنہ نقل عبارت کے بعد اس کی طرف حسب عادت تعرض فرماتے۔ نیز شامی کا "قلت : ویشترط الخ" درمختار کی اس عبارت کے ذیل میں "والعبرۃ للشہوۃ عند المس الخ" کہنا بظاہر اسی غرض کے لئے ہے کہ مصنف کی عبارت میں شہوت کا لفظ عام تھا یعنی شہوت منظورہ وملموسہ وغیرہا دونوں کو شامل تھا۔ شامی صرف اس اطلاق کی تقیید کے لئے "قلت الخ" فرمارہے ہیں جس سے بظاہر مقصود صرف عموم کا ابطال ہے اور تقیید ہے۔ باقی عدم خلو الذہن عند حدوث الشہوۃ اوعندعدمہ اس کی طرف درمختار کی عبارت میں اشارہ نہ شامی کا مقصود ہے بلکہ اس کے لحاظ سے تعمیم ہی شامی کا مقصود ہے کما مرّ واللہ اعلم

نوٹ : اس کے بعد یہ سب تحریرات مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو دی گئیں کہ وہ بھی ان کو دیکھ کر اپنی رائے لکھیں۔ انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا وہ بھی درج کیا جاتا ہے۔ ظفر احمد عفاعنہ

الجواب الثالث : من مولانا حبیب احمد کیرانوی

تحقیق متعلق بہ حرمت مصاہرہ باللمس والنظر :

خواہشِ جماع کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے خواہشِ اکل اور شہوت کی مثال ایسی ہے

جیسے بھوک ۔ پس جس طرح کبھی کسی شے کو بے بھوک کھانا چاہتا ہے یوں ہی کبھی آدمی بلاشہوت جماع کی خواہش کرتا ہے۔ پس شہوت نام ہے جماع تقاضائے طبعی کا۔ جیسے بھوک نام ہے خواہش غذا کی تقاضائے طبعی کا۔ اور خواہشِ جماع نام ہے تقاضائے نفس اور اس کی رغبت الی الجماع کا اور نہ ثبوت کے لئے رغبت الی الجماع لازم ہے اور رغبتِ جماع کیلئے شہوت ضروری ہے۔ کبھی یہ دونوں جمع ہوتے ہیں اور کبھی ایک دوسرے سے منفک۔ پھر چونکہ جماع ایک ایسا فعل ہے جو کہ طرفین کے ساتھ قائم ہے اس لئے رغبتِ جماع میں خیال طرفِ آخر ضروری ہے اور یہ خیال کبھی علی وجہ التعیین ہوتا ہے جیسے یوں کہ فلاں عورت کے ساتھ میں ایسا کروں اور کبھی لا علیٰ وجہ التعیین۔ مثلاً یوں کہ اسوقت کوئی عورت ہو جس سے میں ایسا کروں۔ جب یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو اب سمجھنا چاہئے کہ اگر مس ونظر فی حال الشہوۃ ہے تو اس کی چند صورتیں ہیں :

ایک یہ کہ وہاں شہوت کے ساتھ رغبتِ جماع نہ ہو۔

دوسرے یہ کہ رغبتِ جماع ہو مگر طرفِ آخر متعیّن نہ ہو۔

تیسرے یہ کہ طرفِ آخر متعیّن ہو مگر ملموسہ ومنظورہ نہ ہو۔ بلکہ غیر ملموسہ ومنظورہ ہو۔

چوتھے یہ کہ وہ خاص ملموسہ ومنظورہ ہو۔ پہلی تین صورتوں میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی اور چوتھی صورت میں بالاتفاق حرمتِ مصاہرت ثابت ہوگی کیونکہ یہاں شہوت ورغبت دونوں جمع ہیں " و تحرّك الآلة لاتنفك عن الشهوة في حال صحة المزاج وفي حال فساد المزاج كالعنّين أوعدم الآلة كالمرأة والمجبوب " ہو غیر ضروری اور اگر مس فی حال الرغبۃ الی الجماع بلاشہوت ہے تو اس میں اختلاف ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک تو اصلاً حرمت نہ ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک رغبت کے ساتھ شہوت شرط ہے اور بعض کے نزدیک اس میں تفصیل مذکور ہے۔ یعنی اگر خاص ملموسہ ومنظورہ سے جماع کی خواہش ہو اور اسی حالت میں لمس و نظر ہو تو حرمت ثابت ہوگی ورنہ نہیں۔ قائلین بالشہوۃ والانتشار کا قول : " و يشترط وقوع الشهوة عليها " اور قائلین بالرغبۃ کا قول : " وحدّ الشهوة أن يميل قلبه إليها ويشتهي جماعها " اس کی کافی دلیل ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لمس ونظر عن شہوۃ میں ملموسہ ومنظورہ کا متعیّن للجماع ہونا بالاتفاق ضروری ہے اور اختلاف صرف تفسیرِ شہوت میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شہوت صرف خواہشِ جماع کا نام ہے خواہ

تحرکِ آلہ یا تحرکِ قلب یا از دیاد تحرکِ آلہ یا قلب پایا جائے یا نہ پایا جائے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ شہوت میں میلانِ قلب ورغبتِ نفس کافی نہیں ہے بلکہ شہوت ایسی میلان ورغبتِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ ہیجان وجوش ہو جس کے لئے بحالت موجودگی آلہ وصحتِ مزاج تحرکِ آلہ اور بحالت عدم احد الشیئین تحرکِ قلب ضروری ہے۔ یہ دو مشہور قول ہیں۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ شہوت صرف اس خواہشِ جماع کا نام ہے جس کے ساتھ تحرکِ آلہ ہو اور تحرکِ قلب اس کے لئے کافی نہیں۔

" ذهب إليه محمد بن مقاتل الرازی وقال فی العناية هو أقرب إلى الفقه والظاهر انه ليس بقول ثالث بل هو داخل فی القول الثانی لأن عدم تحرّك الآلة إما أن يكون بسبب انعدامها كما فی المجبوب والمرأة أو يكون بسبب فساد مزاج الآلة مع صحة مزاج المرأ كما فی المجلوق أو يكون بسبب فساد مزاج المرأ كما فی الشيخ الكبير والعنين الاصلی والذی صار مثله لغلبة المرض وهو يقول بانتفاء الحرمة فی الصورة الثالثة فقط لا فی الصورتين الاولیين فيكون قوله مثل قول الآخرين لا غيره ثم أقول ومن جملة ما يدلّ على اشتراط وقوع الشهوة عليها انه صرّح فی فتح القدير : بانه لو استيقظ فطلب امرأته فأولج بين فخذی بنتها خطأً لا تحرم عليه الأم ما لم يزداد الانتشار اه لان هٰذه الشهوة لم تكن واقعةً عليها ولما ازداد الانتشار بالايلاج وقع الشهوة عليها وإن كان مخطئًا فی ظنّه أنها امرأته وقال أيضًا : لو أيقظ زوجته ليجامعها فوصلت يده إلى بنته منها فقرصها بشهوة وهی ممن تشتهی بظن أنها امرأته حرمت عليه الام حرمة مؤبدة ومعناه أنه إن كان الشهوة موجودة قبل وقوع اليد فلا تحرم له لمجرّد وقوع اليد لأن الشهوة لم تكن عليها حينئذٍ بل تحرم بالقرص بالشهوة لوقوع الشهوة عليها اذ ذاك وان لم تكن الشهوة موجودة اذ ذاك فعدم الحرمة بوقوع اليد والحرمة بالقرص ظاهر بوقوع الشهوة عليها حين القرص لا قبلها۔

(۱) قال فی البدائع : وتثبت باللمس فيهما عن شهوة وبالنظر إلى فرجها عن شهوة ولا تثبت بالنظر إلى سائر الأعضاء بشهوة ولا بمسّ سائر الأعضاء إلّا عن شهوة بلا خلاف۔ وتفسير الشهوة هی أن يشتهی بقلبه ويعرف ذلك باقراره

لانہ باطن لاوقوف علیہ لغیرہ وتحرک الآلۃ وانتشارھا ھل ھو شرط تحقق الشھوۃ اختلف المشائخ فیہ قال بعضھم: شرط، وقال بعضھم: لیس بشرط ھو الصحیح لأن المسّ والنظر عن شھوۃ یتحقق بدون ذلک کالعنّین والمجبوب ونحو ذلک اھ وقال أیضًا: لأن الحرمۃ انما تثبت عن النکاح لکونہ سبباً داعیاً الی الجماع اقامۃ للسبب مقام المسبب فی موضع الاحتیاط والقُبلۃ والمباشرۃ أولٰی بالتسبیب والدعوۃ من النکاح فکان أولٰی باثبات الحرمۃ اھ

ان عبارتوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نظر ولمس وہی موجبِ حرمت ہیں جو کہ مسبب عن الشہوۃ ہوں " واللمس فی حال الشھوۃ مسبب عن الشھوۃ " نہیں ویدلّ علیہ قول اللمس عن شھوۃ والنظر عن شھوۃ فان معناہ کون اللمس مسببا عن شھوۃ والنظر مسبباً عن شھوۃ قولہ: والقبلۃ والمباشرۃ فی التسبیب والدعوۃ أبلغ من النکاح۔ پھر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبلہ ولمس جو محرم ہیں تو وہ اس لئے محرم ہیں کہ وہ داعی الی الجماع ہیں اور لمس فی حال الشھوۃ من غیر میلان القلب الی الملموسۃ داعی الی جماع الملموسۃ نہیں لہذا وہ محرم ملموسہ بھی نہیں۔ اور عبارتِ شامی: "ویشترط وقوع الشھوۃ علیھا لاعلی غیرھا" میرے نزدیک اس باب میں نص ہے اور یہ احتمال ہے کہ یہ اس وقت شرط ہے جبکہ حدوثِ شہوت کے وقت خلو ذھن نہ ہو بلکہ دوسری طرف ذھن کے منتقل کرنے کی کوشش کی گئی ہو اور اگر مس ونظر سے شہوت پیدا ہونے کے وقت ذہن خالی ہو نہ منظورہ وملموسہ سے مجامعت کا خیال ہو نہ غیر سے اس میں خلجان ہے اھ صحیح نہیں کیونکہ اس صورت میں اگر شہوت علی غیرھا متحقق نہیں تو شہوت علیھا بھی تو متحقق نہیں و یشترط وقوع الشھوۃ علیھا مصرح ہے ولافرق بین ان یکون متعلق الشھوۃ غیرھا أو لم یکن ھناک متعلق الشھوۃ اصلا بعد ان لم یکن متعلق الشھوۃ ھی الملموسۃ اوالمنظورۃ لانہ لا دخل لمتعلق الشھوۃ بغیر الملموسۃ والمنظورۃ و عدمہ فی حرمۃ الملموسۃ والمنظورۃ کمالایخفٰی۔

(۲) قال فی ردالمختار: أما الشیخ والعنین فحدھما تحرک قلبہ أوزیادتہ ان کان متحرّکًا لا مجرّد میلان النفس فانہ یوجد فیمن لاشھوۃ لہ أصلاً کالشیخ الفانی اھ

اس سے معلوم ہوا کہ شہوت اور میلانِ نفس میں فرق ہے اور مدارِ حرمت شہوت ہے نہ کہ میلانِ قلب اور چونکہ عادۃً شہوت تحرکِ آلہ سے منفک نہیں ہوسکتی اسلئے انہوں نے شہوت اور میلانِ قلب میں امتیاز کے لئے تحرکِ آلہ کی شرط لگائی ہے اور کہا ہے کہ اگر تحرکِ آلہ ہوا تو سمجھا جائیگا کہ شہوت ہے، ورنہ سمجھا جائیگا کہ شہوت نہیں بلکہ صرف میلانِ نفس ہے جو کہ بلا شہوت کے بھی ہوتا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہوگئی تو معلوم ہوا کہ قیام شرط نہیں بلکہ تحرک کافی ہے

وقال فی خلاصة الفتاویٰ : قال فی المحیط : إن کان شیخًا أو عنّینًا فحدّ الشهوة أن یتحرك قلبه بالاشتهاء ان لم یتحرك وان تحرك زاد الاشتهاء وان کان شابًّا ان ینتشر آلته ویزداد ان کان متحرکًا حکاه العمی عن أصحابنا۔ وإلیه مال الامام خواهر زاده والامام السرخسی وکثیر من أصحابنا وهم یشترطون الانتشار وجعلوا الحدّ أن یشتهی جماعها اھ (ج-٢ ص٨) والظاهر من قوله : أن المشترطین للانتشار جعلوا حدّ الانتشار أن یشتهی جماعها وقال فی فتح القدیر وما ذکر فی حد الشهوة من أن الصحیح أن تنتشر الآلة أو تزداد الانتشار هو قول السرخسی وشیخ الاسلام وکثیر من المشائخ لم یشترطوا سوی أن یمیل قلبه الیها ویشتهی جماعها اھ وهٰذه العبارة أن ما وقع فی الخلاصة عن قوله : وکثیر من المشائخ وهم یشترطون الخ من خطأ الکاتب والصحیح أن کثیرًا من المشائخ لا یشترطون الانتشار وجعلوا الحدّ أن یشتهی جماعها وبالجملة ظهر من عبارة فتح القدیر أن المشائخ متفقون علی أنه یشترط أن یمیل قلبه إلیها ویشتهی جماعها وإنّما الاختلاف فی اشتراط الانتشار وعدمه ویظهر منه أمران : أحدهما : اشتراط وقوع الشهوة علی الملموسة والمنظورة ، والثانی : عدم اشتراط النعوظ التام لان اشتراط الانتشار انما هو للتمییز من میلان القلب وتمنّی الجماع والشهوة ۔ والله أعلم

وقوله : ما قال ابن همام : انه فرع علیه مالو انتشر وطلب امرأته فأولج بین فخذی بنتها خطأ لا تحرم أمّها ما لم یزداد الانتشار اھ فلا یصح عندی هٰذا التفریع علی مذهب من المذهبین لأنه إذا أولج بین فخذیها بالشهوة ظانًّا أنها أمّها فقد وقع الشهوة علی البنت حقیقة ولا یوثر الخطأ فی الظن لأنه قصد جماعها مع وجود الشهوة والانتشار فینبغی أن تحرم أمّها علی کلا القولین ،

والذين شرطوا زيادة الشهوة عند اللمس والنظر وقت وجود الشهوة قبلهما فمقصودهم انه يشترط ذلك إذا لم تكن الملموسة والمنظورة مقصودة بالجماع إذ ذاك وإن كانت هى المقصودة بالجماع كما فى مسئلة البنت فلا يشترط فيه الزيادة بل الشهوة الموجودة عند اللمس والنظر كافٍ فى التحريم لوقوع الشهوة عليها فى الواقع بعد ما كانت واقعةً على غيرها فى الخيال وح ينبغى أن يقيد المسئلة الذى طلب امرأته للجماع فوقع يده على بنته فقرصها بالشهوة بانه لم يكن مشتهياً عند الطلب والا تحرم عليها أمّها بمجرّد وقوع اليد عليها لوجود وقوع الشهوة عليها فى الواقع وان كانت واقعة على أمّها فى الخيال أو يقال هذا إذا كان يعلم أنها بنته لم يكن قصد لمسّها ولكن وقع يده عليها خطأً فانه لا تحرم عليه أمّها بمجرّد وقوع اليد لعدم وقوع الشهوة على البنت لا فى الواقع ولا فى الخيال والظن لكن لما قرصها بالشهوة وقع الشهوة عليها حقيقة فح تحرم عليه أمّها. فتدبّر فيه.

وليعلم أنه إذا هيّجت مرأة نفس رجل بحسنها أو كلاهما أو لوجه من الوجوه بحيث انتشر آلته وظهرت فيه آثار الشهوة ثم دعاه ذلك الهيجان إلى تقبيلها فقبّلها تثبت الحرمة سواء أراد الجماع أو لا لأن قصد الجماع وارادته ليس بشرط فى الحرمة وإنما الشرط هو الانبعاث الطبعى إلى جماعها وقد وجد ذلك لانه لا شك فى أنه وجد ههنا شهوة لوجود آثارها ولا شك أيضاً فى أن معنى الشهوة هو الاقتضاء الطبعى للجماع وايضاً فى ان هذه الشهوة عليها لا على غيرها ولا شك أيضاً فى أن هذه الشهوة دعته إلى التقبيل فلا شك فى ثبوت الحرمة لتحقق سببها وهو اللمس بالشهوة ولا تلتفت إلى قوله أى لم أشته جماعها وانما اشتهيتُ تقبيلها فقط لأنه إن اراد أنه لم يشته جماعها طبعًا فوجود الشهوة عليها مكذب له لأن الشهوة إنما هو الاقتضاء الطبعى للجماع وهى لا تنفك عن اقتضاء الجماع كما لا ينفك الجوع عن اقتضاء الغذاء وان أراد أنه لم يرده اختيارًا ولم يحس بذلك الاقتضاء الطبعى فلا يفيده هذا شيئًا لأنه ليس من شرط الحرمة إرادته وقصده للجماع ولا شعوره بالاقتضاء الطبعى، نعم إن كانت الشهوة وقعت على

غیرها ثم قبلها من غیر ان تدعوه هٰذہ الشهوة الی التقبیل لا تثبت الحرمة بهٰذا التقبیل لانّ هٰذا التقبیل لیست بالشهوة بل فی حالة الشهوة ومع الشهوة و فرق بینهما فاحفظه ینفعك ان شاء اللہ تعالیٰ ۔ انتهی ۔

خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مسئولہ میں اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوئی صرف علت میں گفت گو ہے ۔ احقر نے دو علتیں بیان کی تھیں ایک نفوط تام نہ ہونا ۔ دوسرے عورت لامسہ پر شہوت واقع نہ ہونا ۔ علماءِ ثلاثہ نے پہلی علت کو تسلیم نہیں کیا دوسری علت کو تسلیم کیا ۔ احقر بھی اس معاملہ میں ان کے ساتھ اتفاق کر کے پہلی علت سے رجوع کرتا ہے اور پہلے میں بھی نفوط تام کو شرط نہ سمجھتا تھا جیسا احقر کا فتویٰ مندرجہ امداد الاحکام جلد ۲ ص ۲۸۱ سے ظاہر ہے جس میں مفتی صاحب دیوبند کے اس امر کو رد کیا گیا ہے کہ حرمتِ مصاہرت کے لئے شہوت مع نفوط تام شرط ہے مگر بعد میں مجھے مفتی صاحب دیوبند کی رائے کی طرف میلان ہو گیا مگر اب علماءِ ثلاثہ کے بیان سے اپنی پہلی رائے کی صحت و پختگی واضح ہو گئی فالحمد للہ علی ذٰلک

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۳۰ ذیقعدہ ۱۳۴۸ھ

(امور تنقیح طلب در حرمتِ مصاہرت)

۱۔ شہوت مس سے پہلے ہوئی یا مس کے ساتھ یا مس کے بعد ؟

۲۔ اگر شہوت مس سے پہلے تھی تو مس سے حالت اولیٰ پر رہی یا زیادہ ہو گئی ؟

۳۔ عضو میں شہوت سے حرکت ہوئی یا نہیں ؟

۴۔ شہوت ملموسہ یا لامسہ پر واقع ہوئی یا نہیں یا اس سے جماع کی خواہش ہوئی یا نہیں یا اس کو چھوڑ کر کسی دوسری عورت سے خواہشِ جماع ہوئی ؟

۵۔ مجلس میں انزال تو نہیں ہوا ۔ یا مجلس کے بعد سکون شہوت سے پہلے تو انزال نہیں ہوا

۶۔ لمس و مس کن مواقع پر ہوا کیونکہ بعض مواقع کے مس میں دعویٰ عدمِ شہوت قضاءً مسموع نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

۳۰ ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

حکم حرمتِ مصاہرت از تقبیلِ فم ومعانقہ | **سوال** : ایک عورت دعویٰ کرتی ہے کہ اس کے خسر نے اس کے لب کا بوسہ لیا اور سینہ سے لگایا اور ایک مرتبہ مٹھائی بھی اس کے قبل زبردستی دبا کر سینہ سے لپٹا کر کھلائی تھی جو اس نے باہر حجرہ سے اگل دی۔ عورت ان واقعات کو شہوتِ نفسانیہ سے بتلاتی ہے اور خسر ان کا منشأ محبت وشفقتِ پدری بتلاتا ہے مگر خسر کی ایک تحریر جو خفیہ طور سے بہو کے نام آئی ہے یہ بتلاتی ہے کہ ان واقعات کا منشأ شہوتِ نفسانیہ ہے۔ پس صورتِ مسئولہ میں حرمتِ مصاہرت ثابت ہوتی یا نہیں۔ بیّنوا توجروا۔

الجواب

۱- قال فی الدر : تزوج بکرًا فوجدها ثیبًا وقالت ابوك فضنی ان صدقها بانت بلا مهر اھ (ص۴۵۷ ج۲) والعبرة للشهوة عند المس والنظر لا بعدهما وحدها فیهما تحرّك آلته او زيادته به يفتی اھ (ص۴۵۹ ج۲)

۲- قبّل امّ امراته فی ایّ موضع کان علی الصحیح جوهرة حرمت علیه امرأته ما لم یظهر عدم الشهوة ولو علی الفم کما فهمه فی الذخیرة وفی المس لا تحرم ما لم تعلم الشهوة لانّ الاصل فی التقبیل الشهوة بخلاف المس والمعانقة کالتقبیل وکذا القرص والعض بشهوة (ص۲۶۲ ج۲)

قال الشامی : وفی بیوع العیون خلاف هذا اذا اشتری جاریة علی انه بالخیار وقبّلها او نظر الی فرجها ثم قال لم یکن عن شهوة واراد ردّها صدّق ولو کانت مباشرة لم یصدّق ولو قبّل ولم تنتشر آلته وقال کان عن غیر شهوة یصدّق وقیل لا یصدّق ولو قبّلها علی الفم. وبه یفتی. فهٰذا کما تریٰ صریح فی ترجیح التفصیل واما تصحیح الاطلاق الذی ذکره الشارح فلم اره بغیره ثم ذکر الشامی عن القهستانی مایدلّ علی الحرمة فی التقبیل مطلقًا واستواء فی الفم والخدّ والذقن والرأس وقیل ان قبّل الفم یفتی بها وان قبّل غیره لا یفتی بها الا اذا ثبتت الشهوة اھ

قال الشامی : وظاهره ترجیح الاطلاق فی التقبیل لکن علمت التصریح بترجیح التفصیل تامّل اھ (ص۲۶۲ ج۲)

اقول وباللّٰه التوفیق : صورتِ مسئولہ میں احقر کے نزدیک حرمتِ مصاہرت اس وقت ثابت ہوگی جبکہ عورت یہ دعویٰ بھی کرے کہ جس وقت خسر نے اس کا بوسہ لیا

یا گلے سے لگایا یا سینہ سے لپٹا کر مٹھائی کھلائی اس وقت خسر کے عضوِ خاص میں انتشار پیدا ہو گیا تھا یا اگر پہلے سے انتشار تھا تو بوسہ لینے اور لپٹانے اور گلے لگانے کے وقت انتشار زیادہ ہو گیا تھا اگر عورت یہ دعویٰ نہیں کرتی تو حرمتِ مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ اگر وہ انتشار یا زیادتِ انتشار کا دعویٰ کرے اور شوہر کا دل قبول کرے کہ یہ سچی ہے تو شوہر پر یہ عورت حرام ہوگئی۔ للجزئیۃ الأولیٰ ۔ اور اگر وہ یہ سب دعویٰ کرے اور شوہر کا دل اس کے صدق کو قبول نہ کرے تو مرد پر عورت حرام نہیں۔ مگر اس صورت میں خود عورت کو شوہر سے علیحدگی واجب ہوگی کہ اپنی خوشی سے شوہر کو اپنے اوپر قابو نہ دے۔ لان المرأۃ کالقاضی لا یسع لها الا الحکم بعلمها اور گو بعض فقہاء نے تقبیل و معانقہ میں مطلقاً فتویٰ حرمت کا دیا ہے مگر واقعات پر نظر کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ گو بعض دفعہ تقبیل و معانقہ بالمحارم کا داعیہ شہوت سے پیدا ہوتا ہے مگر بعض دفعہ وقت تقبیل و معانقہ کے شہوت باقی نہیں رہتی بوجہ حیا و خوف وغیرہ کے۔ اور شرط حرمتِ شہوت عند المس والتقبیل ہے نہ شہوتِ سابقہ نہ لاحقہ ولهذا اقیّد حد الشهوة بزیادة الانتشار اذا کان منتشرًا قبل المسّ (جزئیہ ثانیہ) واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اس صورت میں بیٹے کو واجب ہے کہ اپنی بیوی کا باپ سے پردہ کرادے اور خلوت کا کبھی موقع نہ دے اور جس گھر میں بیٹا اور اس کی بیوی رہتے ہیں وہ گھر اگر باپ کی مِلک ہے تو اس گھر میں آنے سے باپ کو روکنے کا حق نہیں بلکہ بیٹے پر واجب ہے کہ دوسرا مکان کرایہ پر لے کر رہے یا بیوی کو اس کے باپ کے یہاں رکھے۔ نیز بیٹے کو باپ کا ادب و تعظیم لازم ہے اس میں کوتاہی عملاً نہ کرے گو دل کو نفرت ہو کہ طبعی نفرت معاف ہے۔ واللہ اعلم۔

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

از خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون

۱۵؍ ذی قعدہ ۴۹ھ

فصل فی ارتداد الزّوجین او احدھما

عورت کا "من شریعتِ تو نخواہم" کہنے کا حکم۔ نیز زوجین کے بت پرستی کرنے اور تین طلاقوں کے بعد ارتداد کا حکم

سوال : چہ می فرمایند علماء دین ومفتیانِ شرع متین اندرین مسئلہ کہ زوجۂ زید مسماۃ زبیدہ ہمیشہ تماشا می بیند بارے زیداورا زجر نمود وگفت تو تماشا مبین زیرا کہ تماشا در شریعتِ ما نامشروع است زوجہ گفت من تماشا دیدم وآئندہ نیز بینم، شریعتِ تو نخواہم حتی کہ زبیدہ بتقریبِ تماشا نیروزکفار ہمدران روز از شوہرش پنہان گشتہ بتماشا گاہ شامل گردیدہ علانیہ تماشا بدید درین متنازعہ زید وطن اقامتش کہ ملک برھما است فروھشتہ بوطنِ اصلی خود کہ ملک بنگالہ است بہ رفت۔ وبوقت نکاح ثانی افواہ افتاد کہ زید زوجۂ اولیٰ را ہر کہ مسماۃ بزبیدہ است ۳ سہ طلاق داد امّا گاھے او انکار کند وگاہے اقرار حالانکہ شاہدے برآن طلاق یافتہ نشود بعد ازان بملکِ برھما آمدہ بزبیدہ زناشوئی آغاز نھادو اہل محلّہ گرفت نمودند زید بتعلیم کدام جاھل بمصاحبت زبیدہ بیت خانہ برمارفتہ پیشِ بُت سجدہ نمودند وبعد توبہ ہردو تجدیدِ نکاح ساختہ زناشوئی می نمایند وبعد مرورِ ایام بتحریرِ سوالات سہ گانہ آئندہ نزدیک مفتی بنگالہ خط نوشت۔

۱- استخفاف وانکارِ شریعت زبیدہ۔

۲- بت پرستی زوجین۔

۳- سہ طلاق دادنِ زید زبیدہ را۔ ومفتی سوالِ اول را بالکل ترک ساختہ سوال دوم وسوم تحریر نمودہ جواب داد کہ بہ ۳ سہ طلاق یک طلاقِ رجعی واقع گردد فقط ومفتی ثانی ہر سہ سوال تحریر ساختہ جواب داد کہ شریک شدنِ زبیدہ بتماشا نیروزکفّار وانکارِ شریعت ہر دو کفراند۔ وبمجرّد وقوعِ این افعال نکاحِ ایشان باطل گردید وبعد ازان بر تقدیرِ راستی طلاقِ زید بزبیدہ واقع نشود۔ دلیلش قولِ ردّ المحتار است ومحلہ المنکوحۃ ای لو معتدۃ عن طلاق رجعی او بائن غیر ثلاث فی حرّۃ وثنتین فی امۃ اوعن فسخ لتفریق لأباء احدھما عن الاسلام او بارتداد احدھما الخ وزبیدہ انکارِ شریعت وتماشا بینی خود را اقرار کند وگواہ نیز موجود است امّا بعضے از مخالفان

باعث عدم بشمول سوال اول در فتویٰ اول سوال اول را دروغ میگویند اما دلیل شان ہیچ نیست اکنون بر زید مذکور چہ حکم مترتب شود بیّنوا بالدلیل ۔

الجواب

اگر زبیدہ کی حالت مجموعی بے پابندی شرع ظاہر ہوتی ہے اور غالب گمان یہ ہو کہ اس کے قلب میں شریعت کا استخفاف و بے حرمتی نہیں ہے تو اس کے قول "شریعتِ تو نخواہم" کا مطلب یہ ہوگا کہ زبیدہ کو شوہر کے قول پر اطمینان اور کامل وثوق نہیں ہوا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے یہی حکم شرعی ہے اس لئے اس نے جواب دیا کہ میں تیری شریعت کو نہیں جانتی اصل شریعت کی تحقیر مراد نہیں اور اگر پہلے سے اس کے افعال سے شریعت کے ساتھ لاپروائی اور بے اعتنائی آشکارا ہو تو سوال دوبارہ کیا جائے اور ہنود کے میلہ کی شرکت سے کافر ہونا تغلیظاً فقہاء نے لکھا ہے پس جو لوگ اس کو کفر جانتے ہیں پھر ایسا کرتے ہوں وہ کافر ہیں اور جو جاہل ایسا کرتے ہیں ان کو کافر کہنے میں جلدی نہ کی جائے ۔

۲ جیسا زید کے تین طلاق دینے پر گواہ نہیں ہیں تو اس کے اقرار پر بھی گواہ ہیں یا نہیں ۔ اگر اس کے اقرار پر دو گواہ ہوں تو ان گواہوں کو زید کی زوجہ کو مطلع کر دینا واجب ہے کہ زید نے ہمارے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا ہے اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی ۔ جو شخص تین طلاق سے واحدہ رجعی کا وقوع بتلاتا ہے وہ غیر مقلّد گمراہ ہے اور اگر اقرار پر بھی دو گواہ نہ ہوں اور اقرار زبیدہ کے سامنے بھی نہیں ہوا تو اس صورت میں زبیدہ پر تین طلاق واقع ہونے کا کوئی ثبوت نہیں زبیدہ کو زید کے پاس رہنا جائز ہے ۔ لیکن اگر زید نے واقع میں تین طلاق دی ہیں تو اس کو زبیدہ کے ساتھ شوہر کی طرح رہنا حرام ہے

۳ اس کے بعد جو زید اور زبیدہ نے بت کے سامنے سجدہ کیا ہے اس سے دونوں مرتد ہو گئے ان پر توجہ واستغفار و تجدید ایمان لازم ہے ۔ وفّقهما الله له و ثبّتنا علیہ الی یوم الممات ۔ آمین ۔ اس صورت میں حکم یہ ہے کہ اگر تین طلاق کا ثبوت پہلے ہو چکا ہے یعنی اقرار زید پر کم ازکم دو گواہ موجود ہوں تو اس ارتداد سے حلالہ ساقط نہ ہوگا حلالہ پھر بھی کرنا پڑے گا بدون حلالہ کے تین طلاق کے بعد کسی حال میں نکاح نہیں ہو سکتا ۔

قال فی الدر: اوحرّة بعد ثلاث وردة اھ

قال الشامی : ای لو طلّقها ثنتین وھی امۃ ثم ملکھا او ثلاثًا وھی حرّۃ فارتدّت ولحقت بدار الحرب ثم سبیت وملکھا لایحل لہ وطؤھا بملک الیمین حتی یزوّجھا فیدخل بھا الزوج فیطلقھا اھ (ص ۸۸۶ ج ۱)

ظفر احمد عفا عنہ

حکم نکاحِ مرتدّہ کہ بعد ازاں اسلام آوردہ اور اس سے متعلق مزید چند سوالات

سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین ان مسائل میں کہ زید مسلمان نے ہمراہ مسماۃ زینب مسلمہ نکاح کیا چند سال کے بعد زینب نے رابطہ ناجائز دوستی کا ہمراہ خالد مسلمان پیدا کرلیا اور زینب خالد کے گھر بارادۂ بد آنے جانے لگی ایک دن زید نے زینب کو کہا کہ چونکہ خالد تمہارا نامحرم ہے اس کے گھر مت جایا کرو اس پر زینب نے اس کو جواب دیا کہ میں جایا کروں گی اور ہرگز خالد سے باز نہ آؤں گی اس بات کو سن کر خالد کو بھی غصہ آیا اس لئے خالد نے زینب کو کہا کہ تو مذہب نصرانیت (عیسائیت) اختیار کرلے پھر مذہب عیسائیت اختیار کرلینے کے بعد حکّام وقت کے محکمہ میں دعویٰ منسوخیِ نکاح کا کرلینا جب تمہارے نکاح کو حکّام وقت توڑ دیں گے تو بعدہٗ پھر تم مسلمان ہوجانا پھر تو (یعنی زینب) اور میں (یعنی خالد) آپس میں نکاح شرعی کرلیں گے۔ الغرض خالد نے یہ حیلہ مسمّاۃ زینب کو سکھلایا بعدہٗ زینب نے خالد کے کہنے پر مدرسہ عیسائیوں کے گرجاگھر میں جاکر مذہبِ عیسائیت اختیار کرلیا اور بعدہٗ حکّام وقت کی عدالت میں بایں مضمون دعویٰ دائر کردیا کہ میں نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا ہے میرا نکاح زید سے قانونًا توڑ دیا جائے۔ اب التماس ہے کہ براہِ نوازش وکرم مندرجہ ذیل مسائل کے جواب سے مشکور وممنون فرمایا جائے۔

۱ جبکہ زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا ہے کیا بروئے شرعِ محمدی کے زید اور زینب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہ ؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اہل کتاب کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے اور مرتدہ کا نکاح نہیں ٹوٹتا بطور مفتیٰ بہ کے۔

۲ جبکہ خالد نے مسمّاۃ زینب کو مذہب عیسائیت اختیار کرنے کے لئے کہا اور اس کے کہنے پر زینب نے مذہب عیسائیت اختیار کرلیا تو خالد بروئے شرعِ محمدی کے کافر ہوجاتا ہے یا نہ ؟ اگر نہیں ہوتا تو رضا بالکفر، کفر کا مطلب کیا ہے ؟

۳ صورت متذکرہ میں علاوہ خالد کے جو شخص مسلمان مسماۃ زینب کی امداد دربارۂ فسخ نکاح کے کر رہے ہیں ان کے لئے کیا حکم ہے کیا ان کو مسماۃ زینب کی امداد کرنی چاہیے یا کہ نہ ؟

۴ اگر حکام وقت زیداور زینب کے نکاح کو توڑ دیں اور بعدہٗ پھر زینب مسلمان ہو جائے تو کیا زینب بروئے شرع محمدی کے خالد ترغیب دہندہ متذکرہ کے نکاح میں آسکے گی یا نہ ؟

۵ کیا اگر زینب کسی وقت مذہب عیسائیت سے تائب ہو کر مسلمان ہو جائے تو کیا اس کی توبہ منظور ہوگی یا نہ ؟ اور بصورتِ توبہ منظور ہونے کے اگر زینب مسمّٰی زید کو نکاح کرنا چاہے تو تجدیدِ نکاح کی جائے گی یا کہ نہ ؟

۶ اگر بالفرض زینب نے عمداً زباناً تو مذہب عیسائیت اختیار کر لیا ہو لیکن اس کا اعتقاد مذہبِ اسلام کا ہو تو پھر زینب کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟ فقہاء تو فرماتے ہیں کہ اعتقاد کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کما فی البحر: من تکلم بکلمۃ الکفر ھازلاً اولاعباً کفر عندالکل ولا اعتبار باعتقادہٖ الخ بیّنوا بالصحۃ وبالکتاب توجروا۔

الجواب

۱ نکاح تو ٹوٹ گیا مگر زینب کو زید کے سوا کسی دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے کا حق نہیں بلکہ زید جبر و قہر سے اُس کو اپنے قبضہ میں باندی بنا کر رکھے مگر اس سے مقاربت نہ کرے۔ کیونکہ اس میں روایات مختلف ہیں اس لئے احتیاط کے خلاف ہے اور اس عورت کو مجبور کیا جائے کہ مذہب اسلام کی طرف رجوع کرے اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کرلے تو پھر زید اس کو آزاد کر کے اس سے نکاح کرے۔ والمسئلۃ فی الدر مع الشامیۃ ص۴۶۹ ج۲ والعالمگیریۃ (ص۱۵۷ ج۳)

۲ خالد صورتِ مسئولہ میں کافر ہوگیا۔ تلقینِ کفر کفر ہے صرح بہ فی العالمگیریہ (ص۱۵۸)

۳ نکاح تو فسخ ہوگیا لیکن جو لوگ زینب کو زید سے الگ کرنے کی سعی کر رہے ہیں وہ گناہگار ہیں اور اگر وہ زینب کے کفر سے راضی ہیں تو ان کا بھی وہی حکم ہے جو خالد کا اوپر گزرا۔

۴ زینب کو زید کے سوا کسی سے بھی نکاح کرنے کا حق نہیں اس کو زید ہی کے پاس

رہنے پر مجبور کیا جائیگا۔ اگر وہ مرتد نہ ہوتی بلکہ طلاق یا خلع سے الگ ہوتی تو پھر کسی دوسرے سے نکاح کرنے کا حق تھا اب یہ حق ہرگز نہیں۔

۵ ہاں۔ توبہ ہر وقت قبول ہے اور وہ زید سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کر دیا جائے بلکہ زینب کو اسی پر مجبور کیا جائے

۶ زبان کا اعتبار اکراہ میں نہیں ہوتا اور جو شخص بدونِ اکراہ کے محض نفس کی خواہش یا لعب کے طور پر زبان سے کلمۂ کفر نکالے وہ کافر ہے اس وقت اعتقاد کا اعتبار نہ ہوگا۔ کیونکہ دین کے ساتھ لعب اور کھیل کرنا خود کفر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفی عنہ از تھانہ بھون۔ ۲۹ ربیع الثانی ۴۷ھ

عورتوں کے مرتد ہونے سے نکاح فسخ نہیں ہوتا

سوال: ایک عورت کافرہ کو ایک مجمع عام میں مسلمان بنایا گیا بعد از مسلمان بنانے کے ایک شخص زید اہل اسلام سے اسی مجمع میں نکاح کر دیا گیا یہ عورت بحالتِ کفر کافر کے نکاح میں تھی یعنی شادی شدہ تھی مگر اسلام سے قبل چھ ماہ اس عورت کی باقاعدہ ان کی جماعت میں فارغ خطی یعنی ان کے قواعد کے موجب طلاق ہوگئی تھی عین وقت اسلام وہ کسی کے نکاح میں نہ تھی اسلام سے مشرف کرکے اسی مجمع میں نکاح شرعی باقاعدہ پڑھایا گیا یہ عورت تخمیناً ۴ سال شوہر اسلامی کے ہمراہ رہی اولاد بھی ہوئیں۔ گردشِ زمن سے ایک اسلامی نے اس سے ناجائز تعلق پیدا کرنے کی غرض سے اس کی بہن کافرہ کو ورغلایا اس نومسلمہ کو اس کی بہن کافرہ کی معرفت و وساطت سے بہکا ورغلا کر نکلوایا۔ زید ناکح نومسلمہ نے اس شخص پر بھگا کر لیجانے کا مقدمہ دائر کیا اور ناجائز تعلق کرنے کا عورت کو ملزم چھوٹے بچوں کی وجہ سے نہیں بنایا صرف گواہی کے لئے بچا لیا تھا۔ بھگا کر لیجانے والے کو سخت جرم کی سزا میں مبتلا کر دیا جاتا مگر عورت نے اس کو بچانے کی خاطر مصلحت وقت دیکھ کر کورٹ میں کہدیا کہ مجھے یہ بھگا کر نہیں لے گیا۔ مجھ سے بدفعلی نہیں کی۔ اور میں تو اس کے نکاح میں نہیں ہوں اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں اس کے اسلام کا کورٹ کو ثبوت پہنچایا گیا مگر چونکہ مقدمہ دوسرے پر تھا اس کے بھگانے سے انکار پر اس کو رہا کر دیا۔ اس شخص نے موقع پاکر چند اشخاص کے ہمراہ اس عورت کو نائب قاضی کے پاس لیکر پہنچا، کہا کہ اس کو مسلمان کرکے نکاح پڑھا دیجئے۔ نائب قاضی نے دریافت کیا عورت سے کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام سکینہ ہے قاضی کو شبہ ہوا کہ یہ لوگ تو مسلمان کرکے

نکاح کرنے کو کہتے تھے اور یہ تو مسلمان معلوم ہوتی ہے۔ نائب قاضی نے نکاح سے انکار کر دیا وہ لوگ قاضی شہر کے پاس گئے وہاں سے رقعہ لکھوا کر لائے کہ ان کا سردست نکاح پڑھا دو تب قاضی نے نکاح پڑھایا۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ دوسرا نکاح شرعاً صحیح ہوگا یا نہیں؟

(۲) اگر کوئی عورت مسلمان یا نومسلمہ کسی اور مسلمان سے نکاح کرنا چاہے اور خاوند نہ چھوڑے تو مسلمان عورت مندر میں چلی جائے یا کفر کا کام کرلے اسی طرح نومسلمہ اپنے اسلام کا انکار کرے آیا یہ عورتیں اپنے یار بہکانے والے سے شرعاً نکاح کر سکتی ہیں یا نہیں؟ اور اسی طرح اسلام سے انکار کرنے سے ان کی مراد پوری ہوگی یا نہیں؟ بیّنوا توجروا

الجواب

(۱) اس عورت کا پہلا نکاح تو صحیح ہوگیا کیونکہ وہ اسلام لانے سے پہلے کافر مرد کے نکاح سے علیحدہ ہو چکی تھی اور دوسرا نکاح صحیح نہیں ہوا بلکہ یہ عورت بدستور زید کے نکاح میں ہے بوجہین الاول التردّد فی ارتدادھا[۱] بقولھا "اور نہ ہی مسلمان ہوئی ہوں" فان الظاھر انما نفت عنھا الاسلام کاذبۃ لمصلحۃ ولم ترد بذلک الخروج عن الاسلام۔ والثانی ما فی ردالمحتار[۲] (ص۴۶۹ ج۲) من فتوی الدبوسی والصفار وغیرھا بعدم وقوع الفرقۃ بارتداد الزوجۃ عن زوجھا واللہ تعالیٰ اعلم ـــ غرض دوسرے شخص سے اس کا نکاح باقی نہیں رکھا جا سکتا مگر احتیاط یہ ہے کہ دوسرے خاوند سے جبراً طلاق لیکر بعد عدت کے زید سے دوبارہ نکاح کر دیا جائے بشرطیکہ وہ اس عورت کو اب بھی رکھنا چاہتا ہو اور اگر نہ رکھنا چاہتا ہو تو سوال دوبارہ لکھا جائے وھذا کلہ بالقواعد ولم نرہ صریحًا۔

(۲) جو عورت اپنے خاوند سے علیحدہ ہونے کے لئے مرتد ہو اس کا نکاح دوسرے شخص سے نہیں ہو سکتا بلکہ اس کو جبر کر کے پہلے ہی خاوند سے نکاح کرنے پر مجبور کیا جائیگا وافتی الدبوسی والصفار بعدم وقوع الفرقۃ رداً علیھا بارادتہ کما تقدم۔

واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

خانقاہ امدادیہ

---

[۱] ھدایہ باب الاکراہ اور عالمگیریہ میں اخبار عن الکفر کاذباً سے مرتد ہو جائے گی تصریح موجود ہے۔

[۲] انما ذکرنا ھذا القول تأییداً واعتضاداً للتردد فی ارتداد المرأۃ ولا نفتی بہ فیما اذا کان الارتداد قطعیاً۔ ظفر

فصل فی الظہار والایلاء واللعان

شوہر نے کہا " اگر تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سے ریکا کرکے "

سوال : کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ ایک شخص اپنی عورت سے جھگڑا کرتے ہوئے عین جھگڑے میں یہ کہا کہ " اگر میں تیرے ساتھ جینا کروں تو تیرے پیٹ سے پیدا ہوئے سریکا کرکے "، یہ قول اس کا کیسا ہے ؟ اس قول سے نکاح فاسد ہوتا ہے یا طلاق واقع ہوتی ہے یا ظہار واقع ہوتا ہے یا لغو ہے ؟ بیّنوا توجروا

تنجاور کیل و اسل کوچۂ عطاران متصل مسجد
مدرس حافظ محمد عبد الجبار علاقہ مدراس

الجواب

یہ قول لغو ہے مگر ایسا کہنا مکروہ ہے اس سے گناہ ہوتا ہے باقی ظہار یا طلاق کچھ نہیں ہوا۔

قال فی الھندیة : لوقال : ان وطئتك وطئت امّی فلا شئ علیه اھ
(ص۱۴۷ ج ۔ ۲)

"تمہارے گھر جاؤں تو ماں کے گھر جاؤں" نہ طلاق ہے نہ ظہار

سوال : عرض یہ ہے کہ ایک آدمی نے غصّہ کی حالت میں اپنی بیوی کو کہا کہ میں اگر تمہارے گھر میں جاؤں تو اپنی ماں کے گھر جاؤں۔ اور مخفی نہ رہے کہ میں نے بھی اس کے جواب میں کہا کہ میں اگر تم کو بلاؤں تو اپنے باپ کو بلاؤں۔ اس مسئلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے۔ امید ہے کہ بالتوضیح و مدلّل بیان کرنے سے غایت درجہ کی مسرّت ہوگی۔

سائل : محمد عبد الباری
۵ گوراچاند مین مسجد کلکتہ

الجواب

اس لفظ سے کچھ نہیں ہوا نہ ظہار نہ طلاق کیونکہ عورت کے گھر کو ماں کے گھر سے تشبیہ

دیانۃ الفاظ ظہار سے ہے نہ الفاظِ طلاق سے۔

قال فی الدر : وان نوٰی بانت علی مثل امّی او کأمّی وکذا لو حذف علیّ خانیۃ ، برا او ظہارًا او طلاقًا صحت نیتہ ووقع مانواہ لانہ کنایۃ والاینو شیئًا أو حذف الکاف (بان قال : انت امّی یدلّ علیہ ماذکرہ عن الفتح من انہ لابدّ من التصریح بالاداۃ (شامی) لغا ویکرہ قولہ : انت امّی یا ابنتی ویا اختی ونحوہ اھ (ص ۹۵ ج ۲) قلت : وقولہ : ان دخلت بیتک دخلتُ بیت امّی اھون من قولہ : انتِ امّی فلما لغا ھٰذا العدم اداۃ التشبیہ فإلغاء ذلک اولی والسرّ فیہ ان بحذف اداۃ التشبیہ لایفید اللفظ معنی التحریم شرعًا وھو المدار لصحۃ الظہار والطلاق۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔ از تھانہ بھون

۲۱ رجب ۱۳۴۶ھ

بَابُ العِدَّۃ

نومسلمہ کی عدت کا حکم

سوال : ایک ہندو عورت مسلمان ہوئی اور وہ کسی شخص سے نکاح کرنا چاہتی ہے دو روز ہوئے ہیں مسلمان ہوئی تو اس کا نکاح پڑھایا جائے یا کہ نہیں؟ اور اگر پڑھایا جائے تو کب؟ کیا اس کے لئے بھی عدت ہے۔ جو حکم ہو اطلاع بخشیں۔ فقط

محمد حسین عفی عنہ بہاٹا پارہ

الجواب

جب کوئی ہندو عورت مسلمان ہوجائے تو اگر وہ پہلے سے کسی ہندو کے نکاح میں نہ تھی تب تو مسلمان ہوتے ہی اس کا نکاح ہوسکتا ہے اور اگر کسی ہندو کے نکاح میں تھی تو تین حیض گزرنے کے بعد اس کا نکاح پہلے شوہر سے ٹوٹیگا اس سے پہلے وہ اسی کافر کے نکاح میں ہے لھذا اس مدت میں اس کا نکاح کسی مسلمان سے بالکل درست نہوگا۔ پھر تین حیض گزرنے کے بعد جب نکاح ٹوٹ گیا تو اگر کافر نے اس سے صحبت نہ کی تھی صرف نکاح ہی ہوا تھا تو اب دوسری عدت کی ضرورت نہیں اور

اگر صحبت بھی کی تھی تو صاحبینؒ کے نزدیک دوسری عدّت کی اور ضرورت ہے اور امام صاحبؒ کے نزدیک ضرورت نہیں۔

قال فی العالمگیریۃ: واذا اسلم احد الزوجین فی دار الحرب[1] ولم یکونا من اھل الکتاب اوکانا والمرأۃ ھی التی اسلمت[2] فانہ یتوقف انقطاع النکاح بینھما علی مضی ثلاث حیض سواء دخل بھا اولم یدخل بھا کذا فی الکافی۔ (الی ان قال) وھذہ الحیض لاتکون عدّۃ ولھذا یستوی فیھا المدخول بھا و غیرالمدخول بھا ثم اذا وقعت الفرقۃ قبل الدخول بذلک فلاعدّۃ علیھا وان کان بعد الدخول والمرأۃ حربیۃ فکذلک وان کانت ھی المسلمۃ فکذلک الجواب عند ابی حنیفۃ رحؒ اھ

ظفر احمد

۶ رجادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

حاملہ کی عدّت مطلقاً وضع حمل ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کی بدفعلی دیکھ کر عرصہ تین سال کا ہوا چھوڑ کر پردیس چلا گیا۔ معلوم ہوا کہ اپنے ملک سے تھوڑے فاصلہ پر ہی ہندہ کے رشتہ دار وہاں جاکر زید کو لے آئے ہندہ نے اپنا مہر جو زید نے دیا تھا بخش کر خلع کرلیا۔ ہندہ مذکورہ فعلِ زنا سے حاملہ بھی ہے ایا اب پہلے شوہر کی عدت کے اندر جس سے وہ زنا کے سبب حاملہ ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح کردینا جائز ہے۔ یا بعد گزرنے عدّت کے؟ اس کا جواب بحوالۂ کتب جلد از جلد عنایت فرمائیں

راقم پیش امام عبدالحفیظ عفی عنہ کلمبندر
پوسٹ ضلع شمالی ارکاٹ

الجواب

صورتِ مسئولہ میں وضع حمل سے پہلے اس عورت کا نکاح کسی سے نہیں ہوسکتا کیونکہ

---

[1] قولہ فی دار الحرب وکذلک فی دار الاسلام فالقید اتفاقی

[2] قولہ والمرأۃ ھی التی اسلمت الخ اما اذا اسلم الزوج فقط لاینقطع النکاح بعد مضی ثلاث حیض ایضًا لصحۃ النکاح بالکتابیۃ بخلاف المشرکۃ فان زوجھا اذا اسلم یقع بینھما فرقۃ بعد ثلاث حیض

وضع حمل سے پہلے وہ عدت کے اندر ہے اور عدت میں شوہرِ سابق کا نکاح مرتفع نہیں ہوتا
قال فی الدر: والحامل مطلقاً ولو امۃ او کتابیۃ او من زنا تعتد بالوضع اھ
قال الشامی عن الحاوی الزاہدی: اذا حبلت المعتدۃ وولدت تنقضی به العدۃ سواء کان من المطلق او من زنا اھ (ص ۹۹۴ ج ۲)
اور اس حمل کو حملِ زنا اور اس کے پیدا ہونے کے بعد بچہ کو ولد الزنا نہیں کہہ سکتے۔
اگر شوہر اول اس کو حملِ زنا نہیں کہتا جب تو ظاہر ہے اور اگر وہ اس کو حملِ زنا کہتا ہے تو اس کا حکم لعان ہے۔ قاضی شرعی کے سامنے لعان ہو کر جب تفریق ہو جائے اس وقت یہ حمل اور ولد زوج اول سے منقطع النسب ہوگا اور بدون اس کے شوہر اول ہی کا شمار ہوگا۔
ففی الحدیث المشہور: الولد للفراش وللعاھر الحجر۔ واللہ اعلم
حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ
۱۸ ر محرم ۴۵ھ

عنّین کی زوجہ مطلقہ غیر مدخولہ پر خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے عدت لازم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک عورت کا نکاح اس کے ماں باپ نے ایک مادر زاد نامرد کے ساتھ کر دیا اس نے کئی سال تک اس کے ساتھ نباہ کیا۔ خواہش نے مجبور کیا۔ طلاق لے لی۔ اب اس عورت کو نکاح ثانی کی بہت عجلت ہے اور خواہش نے مجبور کر رکھا ہے۔ وہ عدت پورا کرنے کو نہیں مانتی، وہ کہتی ہے کہ جب میں اس کے ساتھ کبھی ہم بستر نہیں ہوئی تو پھر عدت کو کیوں پورا کروں
کاندھلہ ضلع مظفر نگر شمشیر جنگ

الجواب

قال فی الدر: والخلوۃ بلا مانع حسی وطبعی وشرعی کالوطئ ولو کان الزوج مجبوباً او عنیناً او خصیاً او خنثیٰ ان ظہر حاله فی ثبوت النسب وتاکد المہر والنفقۃ والسکنیٰ والعدۃ اھ (ص ۵۵۹ ج ۲)
اس سے معلوم ہوا کہ عنّین کی بیوی پر بھی عدت واجب ہے جبکہ وہ تنہا مکان میں ایک بار شوہر کے پاس رہ چکی ہو گو ہم بستری نہ ہوئی ہو۔ حررہ الاحقر ظفر احمد۔
۱۴ صفر ۴۵ھ

مسئلہ ممتدۃ الطہر | **سوال** : کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی پس اس حالت میں ایک سال گزرا حیض نہیں آیا عمر اس کی ۲۵ سال ہے اب اس عورت نے دوسرے سے نکاح کرلیا۔ نکاح کرنے کے بعد اس مرد کے گھر میں دو حیض آیا اور ایک قبل نکاح کے آیا تھا پھر حیض نہ آنے لگا اب اس نے بھی طلاق دیدی پس اس حالت میں چھ یا سات ماہ گزرا حیض نہیں آیا اب اس عورت سے مرد اول نے نکاح کرلیا۔ نکاح اس کا صحیح ہوا یا نہیں ؟ حکم صادر فرمائیں۔

تنقیح : اس سوال میں امورِ ذیل دریافت طلب ہیں ان کا مفصل جواب آنے پر جواب دیا جائیگا۔

(۱) مرد اول نے کتنی طلاق دی ایک یا دو یا تین ؟
(۲) اس عورت کو حیض طلاق دینے سے قبل کبھی آیا تھا یا نہیں ؟
(۳) طلاق کے کتنے روز بعد وہ حیض آیا جو نکاح ثانی سے قبل لکھا ہے۔

نوٹ : اول تو یہ لکھا ہے کہ ایک سال گزرا حیض نہیں آیا اب دوسرے نے نکاح کرلیا پھر لکھا کہ ایک حیض قبل نکاح کے آیا۔ اس میں صریح تعارض ہے۔ لہٰذا صاف طور پر صحیح واقعہ لکھنا لازم ہے۔

عبدالکریم عفی عنہ۔ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
۱۵ر جمادی الاولیٰ ۱۳۴۴ھ

جوابِ تنقیح

(۱) مرد اول نے تین طلاق دی۔
(۲) اس عورت کو حیض طلاق دینے کے قبل کبھی نہیں آیا۔
(۳) طلاق کے ایک سال بعد ایک حیض آیا پس دوسرے نے نکاح کرلیا پھر نکاح کے بعد اور دو حیض آیا۔ اب مرد ثانی نے تین طلاق دی پس اس طلاق کے بعد چھ ماہ گزرا بدون حیض کے مرد اول نے نکاح کرلیا۔

الجواب

مرد اول نے جو نکاح کیا ہے وہ صحیح نہیں ہوا کیونکہ زوج ثانی کی طلاق کے بعد عدت (یعنی تین حیض) پوری نہیں ہوئی حالانکہ اس عورت کی عدت تین حیض ہے۔

کما فی الدر المختار : (او بلغت بالسن) وخرج بقولہ (ولم تحض) الشابۃ الممتدۃ

بالطهر بان حاضت ثم امتد طهرها فتعتد بالحيض الى ان تبلغ بسن الاياس۔ جوهرة
وقال الشامی : (قوله : بلغت بالسن) ای خمسة عشر سنة عن العناية ومثلها لو بلغت بالانزال قبل هٰذه المدّة۔

یہ تو جب ہے کہ زوجِ ثانی کا نکاح صحیح ہوگیا ہو ورنہ اس کی طلاق کے بعد تین حیض گزر جانے پر بھی زوجِ اول سے نکاح جائز نہیں کیونکہ تحلیل کے لئے نکاح صحیح ہونا شرط ہے۔

کمافی الدر المختار مع الشامی ص۸۸۵ (لامطلقة بها) بالثلاث (لوحرة وثنتين لو امة حتى يطأها غيره ولو مراهقا بنكاح) نافذ خرج الفاسد والموقوف۔

اور نکاح زوجِ ثانی کی صحت اور بطلان کی تحقیق کی ضرورت پڑے تو امورِ ذیل مفصل لکھ کر سوال کیا جائے۔

① جب زوجِ اول نے طلاق دی تو عورت کی کیا عمر تھی؟
② اگر عمر ۱۵ سال سے کم تھی تو کوئی نشانِ بلوغ پایا گیا تھا یا نہیں؟
③ جو حیض طلاق سے سال بھر بعد آیا اس سے قبل کیا عمر بھر کبھی حیض نہیں آیا؟ فقط واللہ اعلم

احقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۹ رجادی الثانی ۴۴ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ
۱۹ رجادی الثانی ۱۳۴۴ھ

مرضعہ کی عدت کس طرح شمار ہوگی جبکہ بوجہ رضاع حیض بند رہتا ہے

سوال: مرضعہ (جس کو بوجہ رضاعت حیض بند رہتا ہے) کی عدت کس طرح شمار ہوگی بوجہ ارضاعِ ولد جو عورت طاہر ہو اس طہر ممتد میں وطی کے بعد طلاق دیجائے تو کوئی گناہ تو نہیں۔ آیا یہ طلاق سُنی ہوسکتی ہے؟

محمد امام مدوری مددگار مدرس مدرسہ اسطانیہ
قصبہ مدور تعلقہ چرٹیال ضلع نلگیڈہ حیدرآباد دکن

الجواب

مرضعہ مطلقہ کی عدت تین حیض ہے چاہے وہ تین حیض تین سال میں آئیں لانّ ذوات الحیض عدتهنّ ثلاثة قروء اور مرضعہ کو طلاق دینا طلاق فی الطهر ہے۔ پس اگر مرضعہ سے حالتِ

ارضاع میں وطی نہ کی ہو تو یہ طلاق سنت ہوگی ورنہ نہیں لان طلاق السنۃ ما کان فی الطھر لاوطی فیہ ولا یصح قیاسہ علی الحمل فان حبل الحامل لا یتصور ولا کذلک المرضعۃ۔ ولھذا استثنی الفقھاء الآیسۃ والصغیرۃ والحامل فقط حیث قالوا بجواز طلاقھن عقب الوطی لفقد توھم الحبل ولم یستثنوا المرضع کما یظھر من الدر والشامی ص۶۸۶ ج۲

واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

خانقاہ اشرفیہ - ۲۰ رشعبان ۴۶ھ

| خلع کی عدت ایک حیض ہے یا تین حیض |

سوال: خلع کی عدت کتنی ہے؟ تین حیض ہے یا ایک حیض؟ زید کہتا ہے کہ خلع کی عدت ایک حیض ہے اور نیل الاوطار کے ص۱۷۲ و ۱۷۳ کا حوالہ بھی دیا ہے۔ عمرو کہتا ہے کہ خلع کی عدت تین حیض ہوگی کیونکہ خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے حکم شرعی کس کے قول کے موافق ہے؟ مع حوالہ کتب حدیث جواب عنایت فرمائیں

الجواب

خلع کی عدت طلاق کی طرح تین حیض ہے جس کی دلیل مؤطا مالکؒ کی یہ روایت ہے

مالك عن نافع ان ربيعة بنت معوذ بن عفراء جاءت هي وعمتها الى عبد الله بن عمر فاخبرته انها اختلعت من زوجها في زمن عثمان فبلغ ذلك عثمان بن عفان فلم ينكره قال عبد الله بن عمر: عدتها عدة المطلقة۔ مالك انه بلغه ان سعيد بن المسيب وسليمان بن يسار وابن شهاب كانوا يقولون عدة المختلعة مثل عدة المطلقة ثلاثة قروء اھ (ص۲۱۵)

اور جن لوگوں نے خلع کی عدت ایک حیض بتلائی ہے وہ ابن ماجہ کی ایک روایت سے استدلال کرتے ہیں مگر اس کی سند ضعیف ہے۔ اس میں محمد بن اسحاق عبادۃ بن الولید بن عبادۃ بن الصامت سے راوی ہے اور وہ مجہول ہیں۔ دوسرے اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت عثمان نے ربیعہ بنت معوذ بن عفراء کو ایک حیض کی عدت بتلائی اور ان کا یہ فیصلہ ثابت بن قیس کی بیوی کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے موافق تھا اور ثابت بن قیس کے متعلق بخاری میں یہ الفاظ ہیں: "قال له: اقبل الحديقة وطلقها تطليقة" جس سے خلع کا حکم طلاق ہونا صاف ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۰ ربیع الثانی ۴۸ھ

وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے

سوال : کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صغر سنی میں اس کا نکاح دوسرے شخص سے ہو چکا تھا اور دخول نہ ہوا تھا بلکہ مساس بھی نہیں ہوا پس شوہر اول کو کچھ مال دیکر طلاق حاصل کی گئی اب زید جو اس سے نکاح کی تجدید کرے تو آیا انقضائے عدت کا انتظار واجب ہے یا نہیں ؟ اور عدت واجب ہے یا نہیں ؟ شبہ اس سے یہ ہوا کہ لڑکی کا پیدا ہونا حکماً موطوئۃ الأول ہونے کی خلامت ہے یا نہیں ؟ ۔ والسلام ۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ نکاحِ اول کے بعد زوجین میں مقاربت نہیں ہوئی بلکہ اصلاً مساس نہیں ہوا اور اس کے بعد دوسرے شخص سے نکاح لاعلمی میں ہوا اور لڑکی نکاح ثانی سے چھ ماہ بلکہ مدت زائدہ کے بعد پیدا ہوئی جو قولِ مفتی بہ کے موافق زوجِ ثانی سے ثابت النسب ہے تو اس لڑکی کا تولد وطی زوجِ اول کی دلیل نہ ہوگی اور طلاق زوج اول کے بعد عدت بھی واجب نہ ہوگی کیونکہ وجوب عدت ثبوتِ نسب کے تابع ہے جب اول سے ثبوتِ نسب نہیں تو عدت بھی واجب نہیں ۔

قال فی الدر : غاب عن امرأته فتزوجت بآخر وولدت اولادًا فالاولاد للثانی علی المذهب (ان اتت به لاكثر من ستة اشهر من عقد الثانی ۔ شامی) وعلله ابن الملك بانه المستفرش حقيقة فالولد للفراش الحقيقی وان كان فاسدًا اھ (ص۱۰۳۸ ج۲)

وفی البحر عن الفتح : واذا لم يثبت النسب لم تجب العدة اھ ۔ (ص۱۴۳ ج۴)

قلت : واذا لم تجب العدة لم تجعل موطوءة للزوج الاول ۔ والله اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۳۴۸ھ

مطلقہ ثلاث بعد انقضائے عدت نکاح ثانی اور صحبت کرانے کے مرتد ہوگئی مسلمان ہونے کے بعد زوج اول کے ساتھ بدون عدت پوری کئے نکاح جائز ہے یا نہیں ؟

سوال : تین طلاق والی عورت نے عدت گزار کر دوسرے خاوند سے نکاح کیا اور دوسرے شوہر سے صحبت کرانے کے بعد یہ عورت کافرہ ہوگئی تو پہلے شوہر سے جس نے تین طلاقیں دی ہیں اب بلا عدت پوری کئے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

الجواب : عدت پوری کئے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ۔

ففی الدر المختار عن کافی الحاکم : و ان لحقت المرتدۃ بدار الحرب کان لزوجها ان یتزوج اختها قبل ان تنقضی عدتها و ان عادت مسلمۃ کان لها ان تتزوج من ساعتها اھ (ص۳۱۳ ج۲) قلتُ : فقید اللحاق یشعر بانها لاتتزوج من ساعتها بدون اللحاق و تباین ۔ و اللہ اعلم ۔ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴/۱۲/۴۸

زنا کی عدّت نہیں ہے

سوال : بے شوہر والی عورت نے زنا کیا کرنے والے کے سوا اور مرد سے بلا عدت پوری کئے نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

بدون عدت کے نکاح کر سکتی ہے کیونکہ زنا کی کوئی عدت نہیں مگر زنا کے بعد سے ایک حیض آنے تک شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کرے (صرّح بہ فی الدر) ۔ اور اگر اس کو زانی کا حمل رہ گیا ہو تو مجامعت وضع حمل تک جائز نہیں ۔ و اللہ اعلم

حررہ ظفر احمد عفا عنہ

۱۴/ ذی الحجہ ۴۸ھ

فصل فی الحداد

بغرض دفعِ غم معتدۂ وفات کا گھر سے باہر نکلنا درست ہے یا نہیں ؟

سوال : معتدہ وفات جس کو شوہر کی وفات کا بہت صدمہ ہے ، تخفیفِ غم اور دل بہلانے کے لئے صبح سے شام تک کے واسطے اپنے والدین کے مکان پر جا سکتی ہے یا نہیں ؟ شب کے وقت شوہر کے مکان پر رہے گی ۔ نیز دن میں کسی رشتہ دار بیمار کو دیکھنے یا اس کی تجہیز و تکفین میں شرکت کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟

محمد کفایت اللہ عفی عنہ

الجواب

قال فی الدر : و تعتدان ای معتدۃ طلاق و موت فی بیت وجبت فیہ و لا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت و نحو ذلک من الضرورات فتخرج لاقرب موضع الیہ اھ

و فیہ ایضًا قبلہ : ومعتدۃ موت تخرج فی الجدیدین وتبیت اکثر اللیل فی منزلھا لان نفقتھا علیھا فتحتاج للخروج حتی لوکان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا الخروج "فتح" اھ (ص ۱۰۲۱ ج ۲)

صورتِ مسئولہ میں اگر طبیب حاذق مسلم یہ تجویز کر دے کہ اس بیوہ کو تخفیفِ غم کے لئے اس گھر سے نکلنا اور دوسرے گھر میں جاکر دل بہلانا ضروری ہے ورنہ یہ بیمار ہوجائے گی یا ہلاکت کا اندیشہ ہے تو خروج من البیت جائز ہے۔ پھر اگر دن میں نکلنا کافی ہو تو رات کو مکانِ زوج پر آنا واجب ہوگا ورنہ جب تک ضرورت ہو اس وقت تک رات اور دن بھی دوسرے مکان میں رہ سکتی ہے کیونکہ ضرورتِ شدیدہ اور حاجت کے وقت خروج جائز ہے۔ واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۵ر شوال ۱۳۴۴ھ

حکم خروج معتدۂ وفات از خانۂ شوہر بعذر

سوال : کیا فرماتے علماء دین اس مسئلہ میں عرصہ دو ماہ کا ہوا کہ زید کا انتقال ہوگیا۔ ایک زوجہ اور دو خورد سال بچے اور کچھ اثاثہ چھوڑا۔ زوجۂ زید عدت میں ہے بچے اس کے پاس ہیں جو کچھ اثاثہ تھا وہ سب زید کے بہن بھائیوں نے اپنے قبضہ میں کر لیا زید کی زوجہ اس وقت ہر طرح سے تنگ ہے اور زید کے بھائی اس کو ہر طرح کی تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ زید دوسرے شہر میں رہتا تھا چونکہ زید کی زوجہ کے والدین دوسرے شہر میں سکونت پذیر ہیں اس لئے وہ غیر شہر میں کسی طرح سے بھی اپنی دختر (زوجۂ زید) کی امداد نہیں کر سکتے۔ اور نہ زوجۂ زید کے والدین کے رشتہ داروں میں وہاں کوئی ایسا ہے کہ عدت تمام ہونے تک زوجۂ زید اور اس کے بچوں کی خورد ونوش اور ضروری اخراجات کی خبرگیری کرسکے۔ زوجۂ زید کے والدین اب یہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنی دختر (زوجۂ زید) کو اپنے شہر میں لاکر اس کی اور اس کے بچوں کی خبرگیری کریں۔ از روئے شرع شریف ایسی حالت میں زوجۂ زید اور اس کے بچوں کو وہاں سے اپنے شہر میں لانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب

قال فی الدر : وتعتدان ای معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ الا ان تخرج او ینھدم المنزل او تخاف انھدامہ او تلف مالھا او لا تجد کراء البیت و نحو ذلک من الضرورات فتخرج الی اقرب موضع الیہ

(وحکم ما انتقلت الیہ حکم المسکن الاصلی فلا تخرج منہ شامی صہ ۱۰۲۲)

صورتِ مسئولہ میں زوجۂ زید اپنے والدین کے شہر میں جا سکتی ہے کیونکہ مجبوری کی حالت ہے پھر اس کو چاہیئے کہ والدین کے گھر پہنچ کر عدت پوری کرے اور اس گھر سے قبل اتمام عدت بلا ضرورت دن کو بھی نہ نکلے اور رات کو نکلنا تو ضرورت سے بھی نہ چاہیئے لیکن اضطرار کی حالت مثل خوف ہدم وغیرہ ہر حال میں مستثنیٰ ہے۔ فقط

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۰ محرم ۱۳۴۵ھ

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ معتدۂ وفات دوسری ضروریات کے لئے گھر سے نکل سکتی ہے یا نہیں	**سوال**: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین دریں مسئلہ کہ ایک عورت عدّتِ موت گزار رہی ہے اس کا لڑکا

اور بہن بیمار ہیں اور علاج وغیرہ کے لئے کوئی مرد وغیرہ گھر میں ہے نہیں تو وہ حکیم کو مریضوں کی اطلاع کے لئے اور دوا کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں ؟ فقط والسلام

حافظ ولی محمد قنوجی

الجواب

ضرورتِ نفقہ کے علاوہ نکلنے میں اختلاف ہے اس لئے احتیاط اس میں ہے کہ صورتِ مذکورہ میں مکان سے باہر نہ جائے لیکن جب دوا وغیرہ کا انتظام کوئی اور نہ کرے اور دوا نہ کرنے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو یا خود اس عورت کو بدون علاج کے پریشانی ہو تو دوسرے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہے۔ سخت ضرورت کی مقدار چلی جایا کرے

ففی البحر الرائق (ص۱۵۳ ج ۴) بعد نقل کلام فتح القدیر (حتی لو کان عندھا کفایتھا صارت کالمطلقۃ فلا یحل لھا ان تخرج لزیارۃ ولا لغیرھا لیلاً ولا نھاراً) فالظاھر من کلامھم جواز خروج المعتدۃ عن وفاۃ نھاراً ولو کانت قادرۃ علی النفقۃ الخ واللہ اعلم

احقر عبد الکریم عفی عنہ

۱۱ شوال ۴۴ھ

دو بیویوں میں سے ایک کے مکان پر شوہر کا انتقال ہو جائے جبکہ دوسری بیوی بھی بغرض عیادت وہیں مقیم ہو تو وہ عدت کہاں پوری کرے	**سوال**: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس صورت میں کہ

حمداللہ خاں مرحوم کی دو بیویاں ہیں اور دونوں بیویوں کو ان کے شوہر حمداللہ خاں نے دو مکانات ان کی سکونت کے واسطے علیحدہ علیحدہ بنا دیئے ہیں جن میں وہ رہتی ہیں اور دونوں مکانات میں فاصلہ تقریباً دوسو قدم کا ہے۔ ایک بیوی مرض الموت حمداللہ خاں میں دوسری بیوی کے مکان میں جس میں حمداللہ خاں فوت ہوئے تیمار داری کے واسطے گئی تھی کہ حمداللہ خان فوت ہوگئے اور دونوں بیویوں میں موافقت بھی نہیں ہے اب جو بیوی دوسری کے مکان میں اپنے مکان سے گئی ہوئی ہیں ان کو اپنے مکانِ مسکونہ میں آکر عدت پوری کرنی جائز ہے یا نہیں ؟ یا اسی مکان میں جس میں حمداللہ خاں کی فوتی ہوئی عدت پوری کرنی چاہیئے ۔ بیّنوا توجروا ۔ فقط

سائل : احسان اللہ ولد حمداللہ خان مرحوم

از گڑھی عبداللہ خان، ضلع مظفرنگر

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس بیوی کو اپنے مکان میں چلا جانا جائز ہے[1]۔

قال فی الدر : طلقت او مات وهی زائرة فی غیر مسکنها عادت الیه فوراً لوجوبه علیها و تعتد ان ای مطلقة او معتدة الموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه الا ان تخرج الخ

قال الشامی : (قوله فی بیت وجبت فیه) و ما یضاف الیها بالسکنیٰ قبل الفرقة الخ

فیه ایضاً : قبل ذلك تحت قوله (ولا تخرج من بیتها الخ) ما نصّه والمراد ما یضاف الیها بالسکنیٰ حال وقوع الفرقة والموت (هدایه ص۱۰۲ ج۲) واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۷ رجمادی الاول ۴۶ھ

---

[1] بلکہ واجب ہے ، اشرف علی

بَابُ ثبوت النّسب و مُدّۃ الحَمل

حکمِ نکاحِ زن مطلقہ کہ حاملہ شدہ وبیانِ نسب ولدِ آن کہ از زوج باشد یا نہ درصورت اقرار وانکارِ او۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین بابت مسئلہ صورتِ ذیل کے وہ یہ کہ زید ھندہ کو جو کہ باقر کی منکوحہ ہے باقر کے گھر سے پوشیدہ نکلوا کر بھگالایا۔ غالباً عرصہ دو سال سے زید ہی کے پاس ہے اور باقر کو بھی پتہ چل گیا۔ جھگڑا آپس میں یا شاید قانونی چارہ جوئی کی ہوگی، عرصہ سے چلا آرہا ہے آخر نتیجہ یہ نکلا کہ زید کی جانب سے باقر کو کچھ روپیہ دے کر اس سے طلاق لے لی ہے۔ اس عرصہ میں (یعنی بحالتِ نزاع) ہندہ کو حمل رہا اور ساقط بھی ہوگیا جو کہ نہ معلوم باقر سے تھا یا زید سے وہ تو کہتی ہے کہ زید سے تھا اب وہ دوبارہ پھر حاملہ ہے بظاہر تو یہی خیال گزرتا ہے کہ یہ حملِ ثانی تو ضرور زید ہی سے ہوگا اور چونکہ خود بھی اقرار کرتی ہے اور نیز دوسرے باقر کا رہنا دور دوسرے شہر میں ہے اور زید کے گھر میں بلا تکلیف آنا بھی مشکل ہے اب ہندہ اور زید چاہتا ہے کہ ہم دونوں کا نکاح ہوجائے۔ لہٰذا عرض یہ ہے کہ اس ہندہ کی عدت کیا ہوگی تین حیض یا وضعِ حمل اور اس صورت میں یہ حملِ ثانی زید کا قرار دیا جائیگا یا باقر کا۔ اور چونکہ ثبوتِ نسب میں احتیاط مزید ہے جیسا کہ حضرت مولانا نے ایک دفعہ رسالہ "الامداد" میں تشریح کی تھی کہ میاں کو پردیس میں برسیں گزر گئیں اور گھر میں بچہ پیدا ہوگیا تو اسی کا کہلائیگا اس طرح یہاں بھی یہ احتمال ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کہ عجب نہیں ھندہ کا خاوند کسی طریق سے اس سے ہم بستر ہوگیا ہو اور وہاں ھندہ کے اس قول کا اعتبار ہوگا یا نہیں کہ یہ موجودہ حمل زید کا ہے۔ یا باقر سے معلوم کرنے کے بعد باقر کے قول کا اعتبار ہوگا۔ اگر باقر کا قول معتبر ہوگا تو انکار کی صورت میں تہمت کی وجہ سے لعان تو نہ ہوگا اول تو بایں وجہ کہ چونکہ پیشتر اس تحقیق کے طلاق وہ دے چکا۔ غرضیکہ باقر سے تحقیق کی ضرورت ہے یا محض زید اور ہندہ کے قول کا اعتبار ہوگا۔ امید کہ ان کے نکاح وعدت وغیرہ کے متعلق بالتشریح مطلع فرمائیں گے اور اگر حضرت مولانا مدظلہم اللہ تعالیٰ کے دستخط بھی کرادیں تو عوام کے لئے بھی مزید باعثِ اطمینان ہوگا اور اگر اتفاق سے حضرت سفر میں ہوں تو آں جناب ہی جواب باصواب سے جلد مشرف فرمائیں۔ اور ہاں کیا طلاق میں طلاق نامہ تحریر

شدہ مع ثبت انگوٹھا مُہر دستخطوں کے ہو تو محض تحریر کا اعتبار کرلیا جائیگا یا نہیں ؟
بینوا توجروا۔ فقط

الجواب

صورتِ مسئولہ میں اس عورت کی عدّت وضع حمل ہے قبلِ وضع حمل زید کو اس سے نکاح کرنا جائز نہیں اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تو وہ باقر ہی سے ثابت النسب ہوگا خواہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور اگر وقتِ طلاق سے چھ ماہ کامل یا زیادہ میں پیدا ہوا مگر دو سال کے اندر اندر ہی پیدا ہوگیا اور اس عرصہ میں عورت نے اپنی عدت تمام ہونے کا بھی دعویٰ نہ کیا تھا تو اس صورت میں بھی لڑکا باقر ہی کا ہوگا خواہ یہ مطلقہ رجعی ہو یا مطلقہ بائنہ۔ اور اگر وقتِ طلاق سے دو سال پورے یا زیادہ میں پیدا ہوا تو مطلقہ بائنہ ہونے کی صورت میں بدون اقرار باقر ثبوتِ نسب نہ ہوگا اور مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں اس وقت بھی نسب زوج سے ثابت ہوگا۔ اور اگر عورت وضع حمل سے پہلے انقضاء عدّت کا دعویٰ کر دے دراں حالیکہ یہ دعویٰ طلاق سے ساٹھ دن یا زیادہ گزر جانے کے بعد ہو تو اگر اس دعویٰ کے بعد چھ ماہ سے کم میں بچہ پیدا ہوا تب بھی شوہر اول ہی سے ثابت النسب ہوگا اور اگر دعویٰ انقضاء عدت کے بعد چھ ماہ کامل یا زیادہ میں بچہ پیدا ہوا تو پھر باقر سے ثبوتِ نسب نہ ہوگا۔ باقی اس صورت میں ھندہ اور زید کے اس قول کا اعتبار نہ ہوگا کہ یہ حمل باقر کا نہیں بلکہ زید کا ہے اور باقر سے پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں بلکہ وضع حمل سے پہلے ھندہ کا نکاح کسی طرح زید سے درست نہیں۔ اور جن صورتوں میں ثبوتِ نسب کا حکم دیا گیا ہے ان میں اگر باقر اس حمل کو اپنے سے نفی کرے تو مطلقہ رجعیہ ہونے کی صورت میں لعان کا حکم ہے اور مطلقہ بائنہ کی صورت میں لعان بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ لعان کے لئے بقاءِ زوجیت شرط ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مطلقہ رجعیہ سے بھی لعان نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کے لئے دارالاسلام اور قاضی شرط ہے۔ وھما منتفیان ھٰھنا۔ اور جب لعان نہ ہوسکے تو ولد زوج اول سے ہی ثابت النسب ہوتا ہے اب اس کی نفی کسی طرح نہیں ہوسکتی۔ البتہ جن صورتوں میں ثبوت النسب من الباقر کا حکم دیا گیا ہے اگر ولادت کے بعد باقر ولادت ہی کا انکار کردے اور یہ کہدے کہ اس عورت نے کچھ نہیں جنا یہ جھوٹ کہتی ہے کہ میں نے بچہ جنا ہے تو ثبوتِ نسب کے لئے اس میں یہ شرط ہے کہ یا تو طلاق کے وقت حمل ظاہر ہو یا ظاہر نہ ہو مگر زوج نے حمل کا اقرار کرلیا ہو یا اقرار نہ کیا ہو مگر مدت کے اندر ولادت واقع ہونے پر شہادت قائم ہوجائے جس میں صرف دایہ کی شہادت کافی نہیں بلکہ

دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ضروری ہیں اور جب وہ حمل کا یا مدت کے اندر ولادت کا اقرار کرے تو پھر اس کا یہ کہنا کہ یہ بچہ میرا نہیں یا حمل مجھ سے نہ تھا معتبر نہ ہوگا بلکہ لعان کی ضرورت ہوگی مطلقہ رجعیہ میں اور مطلقہ بائنہ میں اس کی بھی ضرورت نہیں اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں لعان نہیں ہوسکتا۔ اس لئے نفی ولد کی کوئی صورت نہیں۔

الدلائل

قال فی الدر : فیثبت نسب ولد معتدۃ الرجعی ولو بالاشھر لإیاسھا وان ولدت لاکثر من سنتین مالم تقر بمضی العدۃ والمدۃ تحتملہ (ای تحتمل المضی بان تکون ستین یومًا علی قول الامام وتسعۃ وثلاثین علی قولھما ثم جاءت بولد لایثبت نسبہ إلا اذا جاءت بہ لاقل من ستۃ اشھر من وقت الاقرار فانہ یثبت نسبہ للتیقن بقیام الحمل وقت الاقرار فیظھر کذبھا وکذا ھذا فی المطلقۃ البائنۃ والمتوفی عنھا اذا ادعت انقضائھا ثم جاءت بولد لتمام ستۃ اشھر لایثبت نسبہ ولاقل یثبت اھ شامی) کما یثبت بلادعوۃ احتیاطًا فی مبتوتۃ جاءت بہ لاقل منھما من وقت الطلاق لجواز وجودہ وقتہ ولم تقر بمضیھا کما مر ولو لتمامھا لا الا بدعوتہ لانہ التزمہ وان لم تصدقہ المرأۃ لا فی روایۃ (ای فی ان الولد منہ اھ شامی) وھی الاوجہ اھ

(ص ۱۰۲۶ تا ۱۰۲۸-ج ۲)

وفیہ ایضًا : ویثبت نسب ولد المعتدۃ بموت او طلاق ان جحدت ولادتھا بحجۃ تامۃ واکتفیا بالقابلۃ قیل وبرجل او حبل ظاھر وھل تکفی الشھادۃ بکونہ کان ظاھرًا فی البحر بحثًا نعم او اقرار الزوج بہ ای بالحبل ولو انکر تعیینہ تکفی شھادۃ القابلۃ اجماعًا اھ

(ص ۱۰۳۰ ج ۲)

وفیہ ایضًا : وسیجیٔ فی الاستیلاد ان الفراش علی اربع مراتب (ضعیف، وھو فراش الامۃ لایثبت النسب فیہ الا بالدعوۃ۔ ومتوسط، وھو فراش ام الولد فانہ یثبت فیہ بلادعوۃ لکنہ ینتفی بالنفی۔ وقوی، وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لاینتفی الا باللعان۔ واقوی، کفراش معتدۃ البائن فان الولد لاینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان وشرائط اللعان الزوجیۃ اھ شامی (ص ۱۰۲۷ ج ۲)

وفی الدر : فمن قذف فی دار الاسلام زوجتہ (اخرج دار الحرب لانقطاع الولایۃ اھ شامی) العفیفۃ عن فعل الزنا تہمتہ او من نفی نسب الولد وطالبتہ بہ لاعن اھ۔ ویسقط اللعان بالطلاق البائن ثم لا یعود وکذا یسقط بزناھا ووطیھا بشبہۃ اھ

وفی الدر ایضاً : ومتی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشہادۃ اوعدم الاحصان شامی) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج ۲ باب اللعان)

ھٰذا واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون

۱۷ رجب ۴۲ھ

مدّتِ حمل حنفیہ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ دوسال ہے اس پر شبہ اور اس کا جواب

سوال : عرض اینکہ درمیانِ زنان مشہور است کہ حملِ زن گاہے خشک شود، بعضے ۳ سال خشک باشد، بعضے چار سال بعضے زیادہ ازان ہم خشک باشد باز در شکم تازہ شود و بچہ تولّد شود این سخن درست است یا نہ حال آنکہ در کتب مسطوراست کہ "اکثر مُدّۃ الحمل سنتان" واین ہم مشہور است کہ تا زمانیکہ حمل خشک باشد زن راحیض ہم میشود این سخن ہم راست است یا نہ ؟ مع آنکہ در کتب مذکوراست کہ "ما رأتہ الحاملُ من الدّم فھو استحاضۃ" بیّنوا توجروا۔

السائل : رسول شاہ۔ ڈاکخانہ و ضلع کوہاٹ موضع ڈھوڈھ

الجواب

قال الزیلعی : واخرج الدارقطنی ومن جہتہ البیہقی عن الولید بن مسلم قال : قلت : لمالک بن انس ای حدیث عن عائشۃ انھا قالت : لاتزید المرأۃ فی حملھا علی سنتین قدر ظل المغزل فقال : سبحان اللہ من یقول ھٰذا ھٰذہ جارتنا امرأۃ محمد بن عجلان امرأۃ صدق وزوجھا رجل صدق حملت ثلاثۃ ابطن فی اثنی عشر سنۃ کل بطن فی اربع سنین اھ (ص ۵۱ ج ۲، نصب الرایہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دوسال سے زیادہ مدت تک حمل کا بطن میں رہنا امام مالکؒ

کے نزدیک بھی ممکن ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ عورتوں میں جو حمل کے خشک ہوجانیکا قصہ مشہور ہے یہ بھی کسی درجہ میں اصل رکھتا ہو۔ مگر حنفیہ نے حضرت عائشہ رضؓ کے اثر کی وجہ سے مدتِ حمل کو دوسال سے زائد نہیں مانا۔

اخرج البیھقی ثم البیھقی فی سننھا من طریق ابن المبارك عن داوٗد بن عبدالرحمٰن عن ابن جریج عن جمیلة بنت سعد عن عائشة رضؓ قلت: ما تزید المرأة فی الحمل علی سنتین قدر ما یتحول ظل عمود المغزل اھ (زیلعی ص ۵۱ ج ۲) قلتُ: سند صحیح رجاله رجال الصحیح وجمیلة بنت سعد صحابیة استشھد ابوھا یوم احد وھی حمل تزوجت زید بن ثابت الامام ذکرھا الحافظ فی الاصابة فی القسم الاول (ص ۴ ج ۸) ۔ وفی حاشیة الھدایة والظاھر ان عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھا قالته سماعًا لان العقل لا یھتدی الی معرفة المقادیر اھ (ص ۱۳۴ ج ۲)

پس جس صورت میں عورتیں یہ دعوی کریں کہ حمل خشک ہوگیا تھا حنفیہ وہاں یہ کہیں گے کہ خشک ہونے سے پہلے جس کو تم نے حمل سمجھا تھا وہ حمل ہی نہیں تھا بلکہ نفخ یا پانی ہوگا جس کو غلطی سے حمل سمجھ لیا گیا پھر اس کو خشک مان کر خواہ مخواہ مدتِ حمل دوسال سے بڑھا دی کیونکہ حمل میں نفخ کا احتمال بھی کچھ بعید نہیں۔

قال فی الفتح: اذ یحتمل کونه نفخًا او ماءً وقد اخبرنی بعض اھلی عن بعض خواصھا انه ظھر بھا حمل واستمر الی تسعة اشھر ولم یشکلکن فیه حتی تھیأت له بتھیئة ثیاب المولود ثم اصابھا طلق وجلست الدایة تحتھا فلم تزل تعصر العصرة بعد العصرة وفی کل عصرة تصب الماء حتی قامت فارغةً من غیر ولد اھ (شامی ص ۹۰۲ ج ۲) ۔ قلتُ: وھٰذا ھو جوابنا عن واقعة امرأة محمد بن عجلان وھو ظاھر التقریر۔ واللہ اعلم

اکثر مدّتِ حمل کے بعد اور نکاحِ ثانی سے اقل مدّتِ حمل کے اندر بچّہ پیدا ہوا تو اس کا نسب شوہر متوفیٰ سے ثابت ہوگا یا ناکحِ ثانی سے؟

سوال: ہمارے اطراف میں ایک منکوحہ کا حمل چھ یا سات مہینہ کی مدت کے بعد سوکھ گیا اور تین مہینہ کے بعد اس کے شوہر کا انتقال ہوگیا پھر تین برس کے بعد جس کے اندر مہینہ دو مہینہ کے فاصلہ پر کبھی کبھی خون بھی ظاہر ہوا دوسرا ایک مرد سے بغیر اطلاع دیئے صورت

صورہ کے ایک قاضی صاحب اور دو گواہ کے مقابل میں نکاح کیا اور نکاح ثانی سے دو مہینہ بعد پھر اگلا حمل ظاہر ہوا خوب احتمال ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہی وضع حمل ہوگی ۔ اب بحسب شرع شریف کہ اس منکوحہ اور نکاحِ ثانی پر کیا حکم ہے اور وہ ولد جو کہ مدتِ مذکورہ میں پیدا ہوئے ثابت النسب کس سے ہے اور حالتِ مذکورہ میں نکاح منعقد ہوا یا نہیں اگر نہیں ہوا تو قاضی صاحب پر کیا حکم ہے ؟ لوجہ اللہ جواب عنایت فرما کر ممنون فرمائیں توجروا عند اللہ العزیز ۔ زیادہ آفتابِ ہدایت بر سرِ عالمان تابان و درخشان باد ۔ بالنون والصاد ۔

الجواب

اگر نکاح ثانی کے بعد چھ ماہ سے قبل بچہ پیدا ہوا تو زوج ثانی کا نہیں ہو سکتا ۔ اور چونکہ زوجِ اول کی وفات سے دو سال بعد اس کی پیدائش ہے اس لئے اس کی طرف بھی منسوب نہیں ہو سکتا ۔

فی الدر : (واقلها ستة اشهر اجماعاً ص۱۰۲۵) (و) يثبت نسب ولد معتدة (الموت لاقل منهما من وقته) ای الموت و قال الشامی تحت قوله لاقل منهما : ای من سنتين ص ۱۰۲۹ ج ۲)

اور جب عدتِ وفات ختم ہو چکی کیونکہ تین سال گزر چکے وفاتِ زوج کو اور دو سال سے زائد زوجِ اول کا حمل نہیں رہ سکتا تو اس کا نکاح ثانی جائز ہو گیا مگر چونکہ محض روایات اس کے خلاف بھی ملی ہیں اس لئے احتیاطاً اس عورت کا نکاح بعد وضع حمل کے دوبارہ پڑھ لینا ضروری ہے اگر وضع حمل زوج ثانی کے دخول سے ۶ ماہ سے پہلے ہو۔ اور یہ جواب قواعد سے دیا گیا ہے جزئیہ نہیں ملا لہٰذا دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے ۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ
۱۶ محرم ۴۴ھ

الجواب صحیح
ظفر احمد عفا عنہ ۔ ۱۶ محرم ۴۴ھ

تفصیل الجواب

قال فی البحر : (ص ۱۴۳ ج ۱) وان کان (الوضع) لاکثر من سنتين منذ طلقها الاول ولاقل من ستة اشهر منذ دخل الثانی لم يلزم الاول

ولا الثانی بقی مالو جاءت به لاقل من سنتین من طلاق الاول وستة اشهر من دخول الثانی و ینبغی الحاقه بالاول اھ

وفی العالمگیریة : عدة الحامل ان تضع حملها کذا فی الکافی سواء کانت حاملاً وقت وجوب العدة اوحبلت بعد الوجوب کذا فی قاضی خان وسواء کانت عن طلاق او وفاة او متارکة او وطئ بشبهة کذا فی النهر ۔ وسواء کان الحمل ثابت النسب ام لا ۔ و یتصور ذلك فیمن تزوج حاملاً من الزنا کذا فی السراج الوهاج اھ (ص ۱۵۹ ۔ ج ۲)

اس سے معلوم ہوا کہ ۱ زوج اول کی طلاق یا موت سے دو سال بعد اور زوجِ ثانی کے دخول سے ٦ ماہ پہلے اگر بچہ پیدا ہوا تو وہ کسی سے ثابت النسب نہ ہوگا ۲ انقضاءِ عدت حاملہ کے لئے وضع حمل شرط ہے خواہ حمل ثابت النسب ہو یا نہ ہو ۔ اب رہا یہ کہ نکاح ثانی صحیح ہوا یا نہیں تو چونکہ قبل موت زوج اول یہ عورت حاملہ تھی جو خشک ہو گیا تھا اس لئے اس کی عدت وضع حمل کے سوا کچھ نہ تھی اور اس کا نکاح ثانی عدت میں ہوا اس لئے صحیح نہیں ۔ رہا یہ کہ حنفیہ کے یہاں تو اکثر مدتِ حمل دو سال ہے تو اس صورتِ مسئولہ میں تین سال تک اس کو حاملہ من الاول کیسے مانا جائیگا ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مدت لزوم نسب کے لئے ہے کہ اس سے زائد میں نسب زوج پر لازم نہ ہوگا باقی انقضاءِ عدت کے لئے نص سے وضع حمل معین ہے پس خشک حمل کے وضع کے بغیر مقتضاءِ نص یہ ہے کہ عدت تمام نہ ہوگی

قال ابن عابدین فی حاشیة البحر : قال فی النهر : فرع لو مات الحمل فی بطنها و مکث مدة بماذا تنقضی عدتها لم ار المسئلة وینبغی ان تبقی معتدة الی ان ینزل او تبلغ مدة الایاس اھ ۔ قال بعض الفضلاء قوله اوتبلغ مدة الایاس فیه انه مناف الآیة فتأمل اھ

وفی حاشیة الرملی نقلاً عن کتب الشافعیة لا تنقضی مع وجوده بعموم الآیة قال : ولا مبالاة بتضررها بذلك کما فی شرح المنهاج للرملی ۔

وفی حاشیة المنهج لابن قاسم : قال شیخنا الطبلاوی رحمه الله : افتی جماعة عصرنا بتوقف انقضاء عدتها علی خروجه والذی اقوله عدم التوقف اذا یئس من خروجه لتضررها بمنعها من التزوج اھ ولا شئ من قواعد مذهبنا یدفع ما قالوه فاعلم ذلك اھ ملخصاً (ص س ۱۳۳ ج ۔ ۴)

اس سے معلوم ہوا کہ وجود حمل خواہ میت ہی مانع انقضاء عدت ہے اور یہ کہ انقضاء عدت میں دو سال کی مدت معتبر نہیں اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حمل میت حمل ہی نہیں کیونکہ جماعتِ فقہاء نے اس کو عموم آیت "حَتّٰی یَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" کے تحت میں داخل کر کے مانع انقضاء کہا ہے پس حمل خشک بھی اسی کے مثل ہے بلکہ اس کا حمل ہونا بہ نسبت میت کے اظہر ہے اور جب وہ بوجہ حمل ہونے کے مانع ہے تو اس کا مانع ہونا اولیٰ ہے۔ اور علامہ خیر الدین نے فتویٰ شافعیہ کو نقل کر کے کہا ہے کہ یہ ہمارے قواعد کے خلاف نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ انقضاء عدت کا دو سال سے زائد مدت پر موقوف ہونا ہمارے قواعد کے خلاف نہیں اس سے اس تاویل کی تائید ہوتی ہے جو احقر نے اول میں لکھی ہے کہ یہ تخصیص مدت لزوم نسب کے لئے ہے۔

وقال فی رد المحتار بعد ذکرہ الاقوال المذکورة وبه ظهر انّ المراد من قوله اوتبلغ حدّ الایاس هو الایاس من خروجه وهل المراد منه نهایة حدّ الحمل وهو اربع سنین عند الشافعیة وسنتان عندنا او اعم من ذلك محتمل والذی ینبغی العمل بما قاله الجماعة لموافقته صریح الآیة اھ (ص۹۹۶ ج ۲)

اس سے بھی ظاہر ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک راجح یہی ہے کہ صورتِ مذکورہ میں انقضاء عدّت وضع حمل وخروج مافی البطن پر مطلقاً موقوف ہو اس میں نہایت مدتِ حمل کا اعتبار نہ ہوگا کیونکہ صریح آیت یہی ہے کہ عدت حاملہ وضع حمل ہے

وقد ذکرنا عن العالمگیریة: ان کون الحمل ثابت النسب غیر ضروری قلتُ: وهذا هو الراجح عندی ای ما قاله العلامة الشافعی۔ البتہ بحر میں خانیہ سے ایک جزئیہ نقل کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دو سال جو مدتِ حمل مقرر ہے وہ لزومِ نسب کے لئے بھی ہے اور انقضاء عدت کے لئے بھی

ونصّه فی الخانیة: المتوفی عنها زوجها اذا ولدت لاکثر من سنتین من وقت الموت یحکم بانقضاء عدتها قبل الولادة بستّة اشهر وزیادة فتجعل کانها تزوّجت بزوج آخر بعد انقضاء عدتها وحبلت من الثانی اھ (ص۱۳۶ ج-۴) ای لا نسیئ الظن بها بل نجعلها متزوّجة سرا کمسئلة الشرقی مع المغربیة ولا نجعلها حاملا اکثر من سنتین وهذا اوسع والاول احوط۔

اس روایت کا مقتضاء یہ ہے کہ صورتِ سوال میں مسماۃ مذکورہ کا نکاح ثانی صحیح

ہو گیا۔ بہر حال صحت نکاح ثانی مختلف فیہ ہے لہٰذا دوبارہ نکاح پڑھ لینا خروج عن الخلاف کے لئے ضروری ہے باقی نکاح خوان کو تو کسی صورت میں بھی گناہ نہیں ہوا کیونکہ اس کو صورت حال کی اطلاع ہی نہ تھی۔ والذی قلنا من صحۃ النکاح وعدمہ کلہ من القواعد ولم نجد جزئیۃ صریحۃ فیہ فلیتحقق و لیحرر من غیرنا ایضاً۔ واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

از تھانہ بھون۔ ۲۵ محرم ۱۳۴۴ھ

حکم نفی نسب بتہمت زنا و بیان احکام نسب

سوال: زید نے اپنی بیوی ھندہ حاملہ کو یہ کہہ کر طلاق دیدی کہ یہ حمل حرام کا ہے میرا نہیں۔ ھندہ اپنے میکہ چلی آئی اور وہاں اس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لڑکی زید سے ثابت النسب ہو گی یا نہیں؟ زید اور زید کی والدہ اور اس کے دیگر اعزہ سے بطور وراثت کے کچھ پائے گی یا نہیں؟ قول مفتیٰ بہ تحریر فرمائیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زید پر لعان واجب ہوتا۔ اگر یہ جگہ دار الاسلام میں ہوتی اور یہاں قاضی اسلام موجود ہوتا جب، بوجہ دار الحرب اور قاضی اسلام نہ ہونے کے لعان نہیں ہو سکتا بلکہ اب تو چونکہ زوجہ طلاق کی عدت پوری ہونے سے مطلقہ بائنہ ہو چکی ہے تو دار الاسلام میں بھی لعان نہیں ہو سکتا۔ تو شوہر کے نفی کرنے سے حمل یا ولد منتفی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ لڑکی زید ہی کی لڑکی ہے اور شرعاً وہ زید سے اور زید کے خاندان سے حقِ وراثت پانے کی کامل مستحق ہے۔

قال فی الدر: الفراش علی اربع مراتب: (الی ان قال) وقوی وھو فراش المنکوحۃ ومعتدۃ الرجعی فانہ فیہ لا ینتفی الا باللعان۔ واقوی، کفراش المعتدۃ البائن فان الولد لا ینتفی فیہ اصلاً لان نفیہ متوقف علی اللعان ومن شرائط اللعان الزوجیۃ اھ (ص ۱۰۲۷ ج ۲)

وفیہ ایضاً: متی سقط اللعان بوجہ ما (کعدم صلاح احدھما للشھادۃ او عدم الاحصان) لم ینتف نسبہ ابداً اھ (ص ۹۷۴ ج ۲، باب اللعان مع الشامی)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۲۷ رجب ۱۳۴۵ھ

ثبوتِ نسب کی ایک صورت کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنے وطن سے پردیس چلا گیا وہ کہتا ہے کہ قبل روانگی میری، میری

اہلیہ ۵ - ۶ یوم پیشتر حیض سے فارغ ہوئی بعد فراغت مواصلت ہوتی رہی بعد ازاں ۱۵
ذی الحجہ کو میں پردیس چلا گیا - بعد میرے جانے کے ماہِ محرم الحرام میں میری زوجہ کو گم ہیضہ
ہو گیا زندگی کی امید باقی نہ رہی تین مرتبہ دم رُک گیا لیکن بفضلہٖ تعالیٰ چھ یوم کے بعد رُو
بصحت ہوئی مگر صحت کلی نہ ہوئی کبھی حالت ان کی اچھی اور کبھی طبیعت ناساز ہو جایا کرتی رہی
علاج ابتداء سے ہوتا رہا یعنی قرب وجوار کے حکماء و اطبّاء کا علاج نہایت سعی و کوشش کے
ساتھ ہوتا رہا - یہ کیفیت مسلسل ایک سال چھ ماہ تک رہی مرض وبا پھر ترقی پذیر ہوا -
میری زوجہ جب بالکل لاغر ہو گئی اور نشست و برخاست سے مجبور ہو گئی تو مجھے مطلع کیا اور
میری طلبی کے خطوط روانہ کئے - میں پردیس سے پورے ایک سال پانچ ماہ ۲۰ یوم کے بعد
اپنے وطن پہنچا اور گردونواح کے حکماء سے دربارۂ علاجِ مریضہ تذکرہ و مشورہ کیا مگر چونکہ
وہ حضرات علاج کر کے پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے اس لئے ان لوگوں نے مجبوری ظاہر کی مگر
ایک صاحب نے جو کہ فی الحال شہر جونپور کے شفاخانہ میں سول سرجن ہیں اور ان کا نام ڈاکٹر
محمد حفیظ اللہ ہے مجھے یہ مشورہ دیا کہ تم مریضہ کو اعظم گڈھ کے زنانہ شفاخانہ میں داخل کر دو کیونکہ
وہاں ایک تجربہ کار لیڈی ڈاکٹر اس وقت موجود ہے علاج معقول ہو جائیگا ساتھ انہوں نے
یہ بھی فرمایا کہ اگر خدانخواستہ وہاں صحت یاب نہ ہو تو پھر جونپور کے شفاخانہ میں کہ جہاں میں خود
موجود ہوں لیکر آنا میں وہاں کے زنانہ اسپتال میں داخل کرا دوں گا ڈاکٹر موصوف کے مشورہ
پر میں نے عمل کیا اور مریضہ کو لیجا کر زنانہ اسپتال شہر اعظم گڈھ میں داخل کر دیا اور بحکم لیڈی
ڈاکٹر چند ایام وہیں مریضہ کے قیام کا انتظام کر دیا اور علاج ہونا شروع ہو گیا بعد چند روز کے
لیڈی ڈاکٹر نے کہا کہ اب مریضہ کو مکان میں لیجاؤ اور ہر چوتھے روز یہاں سے دوا لیجایا کرو
میں نے کچھ مدت تک ایسا ہی کیا اس طرح مریضہ کو رفتہ رفتہ صحت معلوم ہوتی رہی اسی اثناء
میں پہلی لیڈی ڈاکٹر کا تبادلہ کسی دوسرے مقام پر ہو گیا اور ان کے قائم مقام دوسری لیڈی
ڈاکٹر آئی - میں نے مناسب سمجھا کہ مریضہ کو لا کر اس کو بھی معائنہ کرا دینا چاہیئے - چنانچہ پھر دوبارہ
چند ایام وہیں قیام کر کے علاج کیا تو بظاہر کافی صحت معلوم ہونے لگی - ایک دن جدید لیڈی
ڈاکٹر نے کہا کہ وہ بیماری یعنی ورمِ جگر تو جاتا رہا مگر ابھی اور بیماریاں باقی ہیں اور ان بیماریوں کا علاج
بھی ممکن ہے مگر چونکہ مریضہ حمل سے ہے اسلئے تاوضع حمل علاج میں ترددات ہیں - ورنہ بچہ ضائع
ہونے کا اندیشہ ہے اس وجہ سے میری اہلیہ نے کہا کہ ابھی علاج تاوضع حمل ملتوی رکھا جائے

یہ سوچ کر اہلیہ کو مکان میں لایا اور پھر پردیس چلا گیا۔ اس عرصہ میں بھی صحبت گاہے گاہے ہوئی اور میرے پردیس جانے کے ۴۔ ۵ یوم کے بعد دختر تولد ہوئی۔ میں نے ہر طرح حساب کیا تو میرے سفر کو ایک برس گیارہ ماہ کئی دن ہوئے ہیں اور دوسری مرتبہ مکان جانے پر صرف پانچ ماہ اٹھارہ یوم قیام رہا۔ اب عرض یہ ہے کہ یہ لڑکی حرامی ہے یا حلالی؟ مفصل و مستند طریقہ سے ساتھ دلیل کے ارسال فرمایا جائے۔ کیونکہ اس کا جھگڑا و فساد کی حالت روز بروز خطرناک ہوتی جارہی ہے اس لئے دلیل طلب ہے۔ اگر کوئی رسالے اس کے متعلق ہوں تو بذریعہ وی۔ پی ارسال فرمائیں ورنہ اس کا نام بھی تحریر میں لایا جائے۔ ممکن ہے کہ فریقین میں صلح قائم ہو جائے لہذا نہایت ادب کے ساتھ عرض خدمت بابرکت ہوں کہ گستاخی معاف فرما کر جواب باصواب میں بہت عجلت فرمائی جائے۔ واجب تھا عرض کیا۔ عورت سے اس کے شوہر کو خاطری ہے کہ یہ عورت فرمان بردار اور پارسا ہے۔

المرقوم: ۱۵ / جنوری ۲۹ء

الجواب: اس لڑکی کے حرامی ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ حنفیہ کے یہاں اکثر مدتِ حمل دو سال ہے۔ ایک حمل دو سال تک پیٹ میں رہ سکتا ہے اور اس کی بہت سی نظائر موجود ہیں اور یہ لڑکی شوہر کی مواصلت سے دو سال کے اندر اندر پیدا ہوئی ہے پس اس کی حلالی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ محض مدّت کے زیادہ ہونے سے بلا وجہ شبہ کرنا جائز نہیں چونکہ زوجہ بعد قیام حمل کے سخت بیمار ہوگئی اور اس کی بیماری مسلسل رہی اس لئے بچہ رحم میں جلدی پرورش نہ ہو سکا، دیر میں پرورش ہوئی اس لئے دیر سے پیدا ہوا اور امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک تو چار سال تک بھی حمل پیٹ میں رہ سکتا ہے پس جو لوگ دیر میں بچہ ہونے سے عورتوں پر شبہ کرنے لگتے ہیں اور ان کی اولاد کو حرامی سمجھنے لگتے ہیں وہ سخت جرم و گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

قال اللہ تعالیٰ: وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ وقال: اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝

وفی الدر المختار ورد المحتار والعالمگیریۃ وغیرھا من کتب الفقہ: اکثر مدۃ الحمل سنتان بخبر عائشۃ رضی اللہ عنہا (ما تزید المرأۃ فی الحمل علی سنتین)

وعند الأئمة الثلاثة اربع سنین (ص ۱۰۲۵ ج ۲) واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ از تھانہ بھون

خانقاہِ امدادیہ

۱۰ ر شعبان ۴۷ھ

بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین رحمکم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو طلاق دیدی بعد ایک سال دوماہ کے اس سے ایک لڑکا پیدا ہوا لیکن اس نے ایک شخص کو بوقتِ حمل تہمتِ زنا کی لگائی تھی وہ قسم کھا کر بَری ہوگیا ہے اب نسب اس لڑکے کا اس کے شوہر سے ثابت ہوگا یا نہیں بیّنوا توجروا

المستفتی: محمد عبدالغفور۔ مقام خنڈل بہار بارڑہ پوسٹ آفس خنڈل نیا پاڑہ ضلع اکیب ملک برما

الجواب

صورتِ مسئولہ میں لڑکے کا نسب اس طلاق دینے والے سے ثابت ہے کیونکہ بدون لعان کے نسب منتفی نہیں ہوسکتا اور واقعۂ مذکورہ میں لعان ہوا نہیں بلکہ ان دیار میں بوجہ قاضی نہ ہونے کے لعان ہوتا ہی نہیں (گو حاکم مسلم جو انگریزوں کے مقرر کئے ہوئے ہیں وہ قاضی کے حکم میں ہیں مگر جہاں تک مجھ کو معلوم ہے کہ گورنمنٹ نے حکام کو لعان کا حکم نہیں دیا تاہم اگر لعان ہوا ہو تو سوال دوبارہ بھیجا جائے)

فی العالمگیریہ (ص ۱۵۳ ج ۲) وکذلک اذا کان من أھل اللعان فلم یتلاعنا فانہ لاینتفی النسب کذا فی شرح الطحاوی۔

علاوہ ازیں جو علماء کرام اس ملک کو دارالحرب کہتے ہیں ان کے نزدیک نفی ولد کی کوئی صورت ممکن نہیں کیونکہ دارالحرب میں لعان نہیں ہے۔ واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون

مورخہ ۱۲ ر ربیع الثانی۔

غیر منکوحہ (داشتہ) کی اولاد کا ثابت النسب نہ ہونا عورت اور اس کی اولاد کا میراث سے محروم ہونا

سوال: زید متوفی کے ایک لڑکا اور لڑکی تو اصلی منکوحہ سے ہیں اور تین لڑکے

ایک لڑکی عورت داشتہ غیر منکوحہ (بغیر نکاح والی) سے ہیں۔ عورت غیر داشتہ اپنے اصل خاوند سے جبرًا طلاق لے کر اور کسی جگہ غیر مردوں سے حرام کر کے ڈھائی تین ماہ کا حمل لیکر زید متوفی کے گھر میں رہی اور عورتِ داشتہ کو جو غیر حرام کا حمل تھا وہ زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر ایک حرام کا لڑکا جنا۔ اور اس عورت داشتہ نے زید متوفیٰ کے یہاں رہ کر دو لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفی کے نطفہ سے جنا۔ یہ تین لڑکے اور ایک لڑکی زید متوفیٰ کے گھر میں موجود ہیں اور عورت داشتہ کو زید متوفیٰ کے یہاں رہتے ہوئے عرصہ ۳۵ سال کے قریب ہوگیا اور اس عرصہ تک یہ عورت داشتہ زید متوفیٰ کے یہاں بغیر نکاح کے رہی اور اب زید متوفیٰ کا انتقال ہوئے چند ماہ گزر گئے بعد انتقال متوفیٰ کے اس کی اولاد حقیقی اور اولاد عورت داشتہ میں جھگڑا ہوا وراثت پر یہاں تک کہ جھگڑا عدالت میں چلا گیا۔ یہاں پر نکاح خوانی کا یہ قاعدہ ہے، جتنے بھی جے پور میں نکاح ہوئے وہ سب شہر قاضی کے رجسٹر میں درج ہوتے ہیں چیف، عدالت سے نکاح کا رجسٹر طلب کیا تو عورت داشتہ کا مرحوم زید متوفی سے کہیں نکاح ثابت نہیں ہوا۔ اب انصاف عدالت میں یہ ہے کہ شرع محمدی ایک کتاب ہے انگریزی میں، اردو میں اس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر کوئی عورت ۳۰ یا ۳۵ سال بغیر نکاح کے رہے تو اس کا نکاح سمجھا جائیگا اور وہ اور اس کی اولاد ورثہ کی مالک ہوگی۔ اب آپ سے دست بستہ گذارش ہے کہ بحوالہ کتب مع نامِ کتب اور صفحہ کے ارشاد فرمائیں کہ ایسا نکاح جائز سمجھا جائے گا یا نا جائز؟ ورنہ ورثہ کا مالک کون کون ہو سکتا ہے۔ زید متوفیٰ کے ذمہ ایک مہاجن کا کچھ روپیہ قرض تھا۔ زید متوفیٰ نے بوجہ قبضہ جائیداد مہاجن کے اپنے مکانوں کو اس عورت داشتہ کے مہر میں مصنوعی طور پر لکھ دیا کہ مہاجن قبضہ نہ کر سکے اب جس وقت اولاد زید متوفیٰ میں جھگڑا ہوا تو صرف اس سندِ مصنوعی کے علاوہ اور کوئی نکاح کا ثبوت نہیں۔

السائل: محمد بخش پورچہ۔ جے پور

الجواب: خدا کی پناہ! کس قدر تحریف ہے جو فقرہ کتاب "شرع محمدی" کا درج سوال ہے اس کو دیکھتے ہوئے وہ کتاب "برعکس نہند نام زنگی کافور" کی مصداق ہے۔ یہ قانون صراحۃً شریعتِ مقدسہ کے خلاف ہے۔ جب تک شرائط کے موافق نکاح نہ ہوا اس وقت تک وہ حرام کاری رہے گی، ہرگز نسب اور نکاح

ثابت نہ ہوگا زیادہ زمانہ گزرنے سے جرم اشد ہوجائیگا نہ کہ اس میں تخفیف۔ یہ بات تو عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس قانون کا خلافِ شرع ہونا ایسا بدیہی ہے کہ اس کے لئے کسی حوالہ کی ضرورت نہیں۔ جملہ اہل اسلام کے نزدیک یہ مسئلہ غلط ہے اور ہر کتاب میں اس کے خلاف مسئلہ موجود ہے۔ حتی کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ۔ غرض یہ کہ یہ عورت اور اس کی اولاد ہرگز وارث نہیں ہوسکتی۔ باقی رہا دوسرا معاملہ یعنی فرضی طور پر مہر میں جائیداد دیدینا سو اس کے متعلق مفصل واقعہ لکھا جائے تو حکم شرعی بتلایا جائیگا۔ یعنی اس کاغذ کی نقل اور اس تحریر کا واقعہ مفصل لکھا جائے تب اس کاغذ کے معتبر ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بتلایا جائے گا۔ البتہ اتنا ظاہر ہے کہ جب تک نکاح ثابت نہ ہوجائے اس وقت تک مہر کا ثبوت ممکن نہیں۔ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ از خانقاہ امدادیہ، تھانہ بھون

۴ ربیع الاول ۵۱ھ

تین طلاق ملنے کے بعد ایک عورت نے نکاحِ ثانی کیا۔ زوج نے قبل دخول طلاق دیدی پھر تیسرے شخص سے نکاح کیا، اس نے دخول کے بعد طلاق دی اور انقضاء عدت سے قبل زوج اول نے اس کے ساتھ وطی کیا اور عورت حاملہ ہوگئی تو یہ حمل کس سے تصور ہوگا۔

سوال: ما قولکم رحمکم اللہ تعالی اندر اینکہ شخصے زوجۂ خود را سہ طلاق دادہ اند باز نکاح خواہد کرد لھذا نکاح ثانی دادہ اند باؤ دخول نیافت طلاق دادہ است چنانچہ بموافق مذہب ابوحنیفہ درست نشد لھذا نکاح ثالث دادہ اند باؤ وطی یافت نشد وآن ناکح ثالث طلاق داد بعد انقضاء یک حیض زوج اول مطلق وطی نمود نطفہ قرار گرفت و عدت زوج ثالث تمام نیافت وآن حمل آیا آن زوج او باشد یا زوج ثالث بیّنوا بدلیل الکتاب وتوجروا عند اللہ الملک الوہاب

الجواب

درصورت مسئولہ چونکہ عدت زوج ثالث تمام نشدہ کہ درمیان عدت آثارِ حمل ظاہر گشت لھذا عدتِ این مطلقہ وضع حمل است قبل از وضع حمل نکاح زوج اول باین مطلقہ صحیح نخواہد شد واین حمل از زوج ثالث باشد لان الولد للفراش وللعاہر الحجر۔ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد۔ از تھانہ بھون۔ ۲۶ ذیقعدہ ۴۸ھ

کتابُ الرّضاع

مسئلہ رضاعت کی ایک صورت | **سوال** : زینب اور رقیہ دو عورتیں ہیں زینب کا ایک لڑکا بعمرِ دو سال اور رقیہ کی تین لڑکیاں ہیں اور ایک لڑکا ہے۔ رقیہ کے لڑکے نے زینب کا دودھ پیا اب زینب کے لڑکے کا نکاح رقیہ کی لڑکی سے درست ہے یا نہیں ؟

الجواب

رقیہ کے جس لڑکے نے زینب کا دودھ پیا ہے وہ تو زینب کی کسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا لیکن زینب کا لڑکا رقیہ کی لڑکیوں میں سے جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے کیوں کہ اس نے رقیہ کا دودھ نہیں پیا۔

اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب ؟ | **سوال** : اگر ایک لڑکے نے دودھ پیا ہے تو جس نے دودھ پیا ہے وہی حرام ہوگا یا سب حرام ہوں گے ؟

الجواب

جو لڑکا کسی عورت کا دودھ پیتا ہے اس کی اولاد پر وہی حرام ہوتا ہے اس لڑکے کا دوسرا بھائی جس نے دودھ نہیں پیا اس دودھ پلانے والی کی لڑکیوں پر حرام نہ ہوگا۔

رضاعت کی ایک صورت اور اس کا حکم | **سوال** : مسماۃ احمدیہ اور مسماۃ کلثوم دو عورتیں ہیں۔ مسماۃ احمدیہ کا ایک لڑکا بنام محمد حسین اور مسماۃ کلثوم کا ایک لڑکا بنام محمد صدیق اور تین لڑکیاں عظیمہ، کلیمہ، فسیحہ۔ مسماۃ کلثوم نے اپنے بیٹے محمد صدیق کو مسماۃ احمدیہ کا دودھ پلایا اس حال میں کہ محمد حسین کی عمر دو ڈھائی سال کی تھی اور محمد صدیق کی عمر چار یا چھ ماہ کی تھی اس صورت میں نکاح محمد حسین کا مسماۃ کلثوم کی کسی لڑکی سے بلا تفصیل ہو سکتا ہے یا نہیں ؟

الجواب

محمد حسین کا نکاح مسماۃ کلثوم کی کسی ایک لڑکی سے جس کو وہ چاہے جائز ہے کیونکہ محمد حسین نے مسماۃ کلثوم کا دودھ نہیں پیا ہے اس کے لئے مسماۃ کلثوم کی اولاد حرام نہیں

ایضاً، ایضاً، ایضاً | **سوال** : مسماۃ فاطمہ کی ایک لڑکی بنامِ سائرہ اور مسماۃ فاخرہ

کا ایک لڑکا بنام عین الحق ہے۔ فاطمہ نے عین الحق کو دودھ پلایا اس حال میں کہ عمر عین الحق کی ۵ ر ماہ کی تھی اور عمر لڑکی فاطمہ کی چھ سال کی تھی اور ایک لڑکا فاخرہ بعمر دس سال ہے۔ علاوہ عین الحق کے اب نکاح دخترِ فاطمہ اور لڑکا فاخرہ جو کہ علاوہ عین الحق کے ہے، درست ہے یا نہیں؟ اس لڑکی سے جس کی عمر ۶ ر سال کی تھی۔ بیّنوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ الوہّاب۔

عبد العزیز مدرس مدرسہ اسلامیہ مہوا
بسم اللہ خان۔ ضلع بستی۔ ڈاکخانہ بھنڈریار بازار

الجواب

فاخرہ کا جو لڑکا عین الحق کے علاوہ جس نے فاطمہ کا دودھ نہیں پیا اس کا نکاح فاطمہ کی جس لڑکی سے چاہے درست ہے اور عین الحق کا نکاح فاطمہ کی کسی لڑکی سے جائز نہیں۔

قال فی الدر: وتحل اخت اخیہ رضاعًا یصح اتصالہ بالمضاف کان یکون لہ اخ نسبی لہ اخت رضاعیۃ وبالمضاف الیہ کان یکون لاخیہ رضاعًا اخت نسبًا و بھا وھو ظاھر اھ (ص ۶۶۹ ج-۲)

۱۳ ر شعبان ۱۴۰۱ھ

رضاعی خالہ سے نکاح حرام ہے

سوال: بسمہ تعالیٰ، نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم۔ امّا بعد کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ زید نے خالدہ کا جھوٹا دودھ پیا خالدہ بقضائے الٰہی فوت ہوگئی اس کے ۳ سال بعد مادرِ خالدہ سے دوسری لڑکی آسیہ متولد ہوئی پس اس سے زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور خالدہ مرحومہ سے ایک بڑی بہن ہے اس سے زید کا عقد ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب

جب زید نے خالدہ کا دودھ پیا تو خالدہ کی ماں اس کی جدہ رضاعیہ اور خالدہ کی بہنیں اس کی رضاعی خالہ ہوگئیں لہٰذا زید کا نکاح خالدہ کی کسی بہن سے نہیں ہوسکتا نہ چھوٹی سے نہ بڑی سے۔ "لانہ یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب"

تنہا مرضعہ کی شہادت سے حرمتِ رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال: نحمدہٗ ونصلّی علی رسولہ الکریم۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس صورتِ مسئلہ میں کہ زید کی دو خالہ زاد بہنیں ہیں ایک چھوٹی خالہ سے جس کا نام "زکیہ" ہے اور دوسری بڑی خالہ سے جس کا نام "علیہ"

ہے اول زید کی نسبت شادی کا خیال اس کے بزرگوں نے " زکیہ " سے کیا مگر والدۂ زید رضامند نہ ہوئی اس زمانہ میں زید کی بڑی خالہ نے زید کی پھوپھی سے کہا کہ میں نے ہر چند والدۂ زید کو سمجھایا کہ وہ زید کی شادی " زکیہ " سے کردیں مگر اس کی حماقت ہے وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئی اس کے بعد بزرگانِ زید نے اس کی دوسری خالہ زاد بہن " علیہ " سے اس کی شادی کرنا چاہا مگر اس کی پھوپھی کو شبہ تھا کہ ایک بار " والدۂ علیہ " نے زید کو شیرخوارگی کی حالت میں گود میں لیکر اوپر سے آنچل ڈھک لیا تھا تو شاید دودھ پلا دیا ہو " والدۂ علیہ " سے اس شبہ کو ظاہر کیا تو اس نے صاف انکار کیا کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور اس وقت میری لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی اور میرے پستان میں دودھ مطلق نہ تھا اس بیان کے گواہ تین عورتیں اور ایک مرد ہے اب زید کی والدہ " زکیہ " ہی سے زید کی شادی پر رضامند ہیں۔ اس پر زید کی بڑی خالہ یعنی " والدۂ علیہ " نے یہ کہا کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے دونوں کی شادی کیسے ہو سکتی ہے ؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا اس صورت میں " والدۂ علیہ " پہلے زید اور زکیہ کی شادی میں ساعی تھی اور نیز اپنی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے وہ زید کو دودھ پلانے سے صراحۃً انکار کر چکی تھی اب ان کا یہ دعویٰ کہ میں نے زید اور زکیہ دونوں کو دودھ پلایا ہے شرعاً معتبر ہوگا حالانکہ زید کو دودھ پلانے کا دعویٰ نہ اس سے پہلے انھوں نے کہیں کیا اور نہ کوئی اس کا گواہ ہے بلکہ خود مدعیہ اس کے خلاف پہلے صاف صاف کہہ چکی ہے۔ بیّنوا توجروا

شریف الحسن عفی عنہ۔ مقیم میرٹھ

مبسملاً وحامداً ومصلیاً

صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح مسماۃ " زکیہ " سے بلاشبہ درست ہے۔

قال فی البحر عن الخانیۃ : وکما لا یفرق بینھما بعد النکاح ولا تثبت الحرمۃ بشھادتھن وکذلک قبل النکاح اذا اراد الرجل ان یخطب امرأۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح انھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لو شھدت بعد النکاح اھ (ص ۲۳۲ ج ۲) (الی ان قال) فی (ص ۲۳۳ ج ۳) والحاصل ان الروایۃ قد اختلفت فی اخبار الواحدۃ قبل النکاح وظاھر المتون انہ لا یعمل بہ وکذا الاخبار برضاع طار فلیکن ھو المعتمد فی المذھب اھ

وفی تنقیح الفتاوی الحامدیة عن التنویر والبحر وغیرهما عن القنیة:
امرأة کانت تعطی ثدیها صبیة واشتهر ذلک بینهم ثم تقول لم یکن فی ثدیی لبن حین القمتها ثدیی ولا یعلم ذلک الا من جهتها جاز لابنها ان یتزوج بهذه الصبیة اھ

وفیہ أیضاً: حجۃ الرضاع حجۃ المال وھو شہادۃ عدلین أو عدل وعدلتین ولا تثبت بشہادۃ النساء وحدھن لکن ان وقع فی قلبہ صدق المخبر ترک قبل العقد او بعدہ کما فی البزازیۃ۔ قال المنقح الشامی: ای ترک احتیاطاً اھ (ص ۳۵ ج ۱)
قلت: ولا احتیاط فی الصورۃ المسئولۃ لظھور کذبھا وغلبۃ الظن بہ لوقوع التناقض فی اقوالھا فقد اقدمت اولاً علی نکاح زید بھذہ الصبیۃ وسعت لہ ثم اقدمت علی نکاحہ ببنتھا۔ وانکرت صریحاً أن تکون أرضعتہ ثم ادعت الارضاع بعد مدۃ فلا یقبل قولھا والحال ھذہ لأنھا أقرت بعدم إرضاعھا زیداً ثم ادعتہ رجوع عن الاقرار والرجوع بعد الاقرار فی المعاملات لا یصح وصل ام فصل کما فی حاشیۃ الھدایۃ (ص ۲۲۳ ج ۳)

وفی الدر من باب الاقرار: اذا أقر بشیء ثم ادعی الخطأ فیہ لم یقبل الا فی مسئلۃ وھذا اقرار الطلاق بناءً علی إفتاء المفتی ثم تبین عدم الوقوع لم یقع دیانۃً اھ (ص ۲۳۷ ج ۴) لکونھا لا یعلمات الرضاع الا من غیرھا ولیست المرضعۃ کذلک فان الارضاع فعلھا لا فعلہ من غیرھا فرجوعھا عن اقرارھا الاول لا یصح ولا یوجب ایضاً۔ وفی عدۃ ارباب الفتوی فی نظیر ھذہ المسئلۃ ان امرأۃ ادعت الارضاع ثم انکرت ثم اقرت ما نصہ لا یعمل بالاقرار بعد رجوعھا عنہ کما فی شرح التنویر للعلائی والرأی لہ فی الاقدم والاجتناب ولا یجب علی الحاکم الشرعی منعہ بل لو قضی بالتفریق بشہادۃ امرأتین فی الرضاع لم ینفذ قضاءہ کما فی شرح التنویر اھ (ص ۲۲ ج ۱)

حاصل تمام عبارات کا یہ ہے کہ ایک عورت یا چند عورتوں کے قول سے ثبوتِ رضاعت نہیں ہو سکتی۔ پس اگر کوئی شخص کسی لڑکی کو پیغام نکاح دے اور ایک عورت یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ان دونوں کو دودھ پلایا ہے تو مرد کو جائز ہے کہ اسے جھوٹا سمجھ لے

بحرالرائق نے لکھا ہے کہ حاصل یہ ہے کہ ایک عورت کا قول باب رضاع میں ظاہر روایت کے موافق معتبر نہیں، یہی معتمد ہے مذہب ہیں۔ فتاویٰ حامدیہ، بحر اور تنویر وغیرہ نے نقل کیا ہے کہ ایک عورت کسی لڑکی کے منہ میں اپنی پستان دیتی ہو اور یہ بات مشہور ہو جائے پھر وہ یہ ہے کہ میری پستان میں دودھ نہ تھا تو اس عورت کے لڑکے کو اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔ فتاویٰ حامدیہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ رضاع کا ثبوت دو عادل (نیک) مرد و زن یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں سے ہو سکتا ہے۔ فقط عورتوں کے قول سے نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر مرد کے دل میں مخبر واحد کا صحیح ہونا غالب ہو تو احتیاط یہ ہے کہ نکاح نہ کرے۔ میں کہتا ہوں کہ صورتِ مسئولہ میں احتیاط کی بھی ضرورت نہیں کیونکہ جو عورت اب دعویٰ ارضاع کرتی ہے وہ اس سے پہلے خود زید اور زکیہ کے نکاح میں ساعی تھی اور والدۂ زید کو اس پر آمادہ کرتی تھی۔ نیز یہی عورت اپنی لڑکی کے ساتھ زید کے نکاح پر راضی اور آمادہ تھیں اور اس وقت یہ کہہ چکی تھی کہ میں نے زید کو دودھ نہیں پلایا اور جب اُسے گود میں لیکر آنچل ڈھکا لیا اس وقت میری پستان میں مطلق دودھ نہ تھا کیونکہ اس وقت میرے لڑکی کی عمر ساڑھے تین سال تھی۔ پس جب پہلے صراحۃً ارضاعِ زید سے انکار کر چکی ہے تو اب اس کا یہ قول جو پہلے قول کے صریح مناقض ہے، قابلِ قبول نہیں، نہ اس سے کچھ شبہ جوازِ نکاح میں ہو سکتا ہے جیساکہ درمختار میں ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ	نعم الجواب وھو عین الصواب
۲۰ ربیع الاول ۴۳ھ	اشرف علی
	۲۰ ربیع الاول ۴۳ھ

رضاعت کی ایک صورت

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور ھندہ کا نکاح ہوا سات سال کا عرصہ ہو چکا اب چند ماہ سے یہ ظاہر ہوا کہ زید اور ھندہ کو حامدہ نے جو ھندہ کی بھاوج ہے اور زید کے چچا زاد بھائی کی بیوی ہے ان دونوں کو ایامِ رضاعت کے اندر دودھ پلایا حامدہ کا بحلف شرعی بیان ہے کہ میں نے ان دونوں کو متواتر دودھ پلایا جبکہ ان دونوں کی عمریں ایک سال کے اندر تھیں۔ ھندہ کے والدین کے حکم سے اور اس حالت میں کہ مجھے

دودھ کی سخت تکلیف تھی اس کے بعد اپنے شوہر کو بھی دودھ پلانے کی اطلاع دے کر ان سے اجازت حاصل کرلی تھی والدہ زید کا بحلف شرعی بیان ہے کہ حامدہ کا زید کو ایک بار دودھ پلانا بذریعہ اس کی کہلائی مجھے معلوم ہے مگر ہندہ کے دودھ پینے کی بابت مجھ کو کوئی علم نہیں۔ نہ میں نے کسی سے سُنا۔ شوہر حامدہ کا بحلف بیان ہے کہ حامدہ کا ھندہ کو دودھ پلانا مجھے معلوم ہوا تھا اور مجھ سے اجازت بھی لی گئی تھی لیکن زید کے دودھ پینے کے متعلق مجھے کوئی علم نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ اور کوئی شہادت اس رضاعت کے متعلق موجود نہیں ہے پس اس صورت میں رضاعت کے ثبوت یا عدم ثبوت اور اس نکاح کے جواز یا عدمِ جواز کے متعلق کیا حکم ہے ؟ اور چونکہ یہ مسئلہ حلّت وحرمت کا ہے لہٰذا جلد از جلد جواب عنایت فرمائیں۔

المکرر - دوسرے روز ہندہ نے ایک عورت مسمّاۃ ظہورن ملازمہ حامدہ کو پیش کیا کہ زید کو ایک بار اور ھندہ کو متعدد بار حامدہ کو دودھ پلاتے ہوئے میں نے اپنی آنکھ سے دیکھی ہے اور اس زمانہ میں بھی میں حامدہ کی ملازمہ تھی۔

الجواب

ثبوتِ رضاعت کے لئے ایک مرد عادل (نیک پابندِ شرع) اور دو عورتیں عادلہ (نیک پابندِ شرع) یا دو مرد عادل ہونے چاہئیں۔ صورتِ مسئولہ میں حامدہ کے ہندہ اور زید دونوں کو دودھ پلانے پر شرعی شہادت موجود نہیں لہٰذا زید اور ھندہ کا نکاح فتوٰی شرعی سے جائز ہے اور ان دونوں کو تعلقِ زوجیت بھی رکھنا جائز ہے لیکن احتیاط اسمیں ہے کہ زید حالتِ موجودہ میں ھندہ کو طلاق دیکر الگ کردے۔ یہ احتیاط استحباب کا درجہ ہے زید پر ایسا کرنا واجب ولازم نہیں بشرطیکہ زید وھندہ حامدہ کے فعل کی تصدیق نہ کرتے ہوں اور اگر دونوں یا فقط زید حامدہ کے قول کی تصدیق کرتا ہو تو نکاح فاسد ہوجائیگا۔ اگر دونوں تکذیب کرتے ہوں یا صرف زید تکذیب کرتا ہو تو اس صورت میں وہ حکم ہے جو مذکور ہوا کہ نکاح بحالہ باقی ہے گو احتیاط پھر بھی علیحدگی میں ہے اور اگر ھندہ تصدیق کرے اور زید تکذیب کرے تب بھی نکاح جائز ہے لیکن اس صورت میں ہندہ زید سے قسم لیگی کہ تو قسم کھاکر کہہ کہ حامدہ نے ہم دونوں کو دودھ نہیں پلایا اگر وہ اس صورت میں قسم کھانے سے انکار کرے تو قاضی شرع ان میں تفریق کردے۔ اگر قاضی شرع نہ ہو تو مسلمان زید کو طلاق دینے پر مجبور کریں۔ واللہ اعلم

اور اگر وہ قسم کھالے تو پھر اس صورت میں ھندہ کو زید کے پاس رہنا ضروری ہوگا۔ فقط

قال فی الدر : و حجتہ حجۃ المال وھی شہادۃ عدلین او عدل و عدلتین لکن لا تقع الفرقۃ الا بتفریق القاضی (ای ان لم توجد المتارکۃ۔ شامی)

قال فی رد المحتار عن الھندیۃ : تزوّج امراۃ فقالت امرأۃ ارضعتکما فھو علی اربعۃ اوجہ : ان صدقاھا فسد النکاح و ان کذّباھا و ھی عدلۃ فالتنزہ المفارقۃ و یسعہ المقام معھا وکذا لو شھد غیر عدول او امرأتان او رجل و امرأۃ و ان صدقھا الرجل و کذّبتھا فسد النکاح و ان بالعکس لا یفسد و لھا ان تحلفہ و یفرق اذ نکل اھ (ص ۶۷۸ ج۔۲)   واللہ اعلم

حرّرہ ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۴۔ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

تحقیق اختلاف روایات درباب ثبوت رضاع

سوال : ایک عورت مسماۃ زینب کہتی ہے کہ میں نے مسماۃ کریمہ کو بسنِ صغیری اپنا دودھ پلایا ہے اور ایک عورت دوسری بھی گواھی دیتی ہے کہ ہم نے زینب کو کریمہ کو دودھ پلاتے ہوئے دیکھا تھا دوسرا کوئی گواہ نہیں اب اس زینب کے قول اور دوسری عورت کی گواھی سے اُخ زینب کو کریمہ کے ساتھ نکاح کرنا درست ہے یا نہیں ؟ اور رضاعت ثابت ہے یا نہیں اگر نہیں تو ذیل کی عبارت کا کیا مقصد ہے

ففی الفتاوی الھندیۃ والمصریۃ : و إذا قالت ھذا ابنی رضاعًا و اصرّت علیہ جاز لہ ان یتزوّجھا لانّ الحرمۃ لیست الیھا قالوا: و بہ یُفتیٰ فی جمیع الوجوہ کذا فی البحر الرائق (ص ۲۷۱ ج۱)

اور فتاویٰ قاضیخان میں ہے : وان اراد الرجل ان یخطب امراۃ فشھدت امرأۃ قبل النکاح أنھا ارضعتھما کان فی سعۃ من تکذیبھا کما لو شھدت بعد النکاح

اور فتاویٰ بزازیہ میں ہے : ولا تثبت بشھادۃ الواحدۃ سواء کانت اجنبیۃ او ام احد الزوجین۔ انتھی۔

اگر درست ہے تو زیرین عبارتوں کا کیا مقصد ہے ؟ :

ففی البزازیۃ : صغیر و صغیرۃ بینھما شبھۃ الرضاع ولا یعلم ذلک حقیقۃ

لاباس بالنکاح بینھما اذا لم یخبر به واحد فان اخبره واحد عدل ثقة یؤخذ بقوله ولا یجوز النکاح بینہما و ان اخبر بعد النکاح فالاحوط ان یفارقھا الخ

اور ردالمحتار میں ہے : لوشھدت به امرأة قبل النکاح فھو فی سعة من تکذیبھا لکن فی محرمات الخانیة ان کان قبله والمخبر عدل ثقة لایجوز النکاح وان بعده وھما کبیران فالاحوط التنزہ انتھی۔ بینّوا توجروا

احقر غلام محمد ملک - قریہ قادر بخش سندھ

الجواب

اصل یہ ہے کہ ثبوتِ رضاع میں روایات مختلف ہیں۔ بعض روایات سے شہادتِ عادلہ واحدہ کا کافی ہونا بھی معلوم ہوتا ہے جیساکہ اخیر کی عبارات سے مفہوم ہوتا ہے اور ظاہر روایت جو متون میں مذکور ہے اس کا مقتضا یہ ہے کہ بدون دو عادل مرد یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتوں کے ثبوتِ رضاع نہیں ہوسکتا اور مذہب میں معتمد بھی یہی ہے۔

قال فی الدر : وحجته حجة المال وھی شھادة عدلین او عدل وعدلتین اھ

قال الشامی : وافاد انه لایثبت بخبر الواحد امرأة کان او رجلاً قبل العقد او بعده وبه صرّح فی الکافی والنھایة تبعاً لما فی رضاع الخانیة الی ان قال بعد نقل الروایات المفیدة لثبوته بخبر الواحد لکن قال فی البحر بعد ذلك ان ظاھر المتون انه لایعمل به مطلقاً فلیکن ھو المعتمد فی المذھب ـ قلتُ : وایضاً ھو ظاھر کلام الکافی للحاکم الذی جمع کتب ظاھر الروایة وفرّق بینه وبین قول خبر الواحد بنجاسة الماء او اللحم ـ فراجعه من کتاب الاستحسان اھ (ص ۶۷۸ ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں فتویٰ کی رُو سے ان دونوں میں نکاح درست ہے لیکن تقویٰ اور ورع یہ ہے کہ نکاح نہ کیا جائے اور ہوگیا ہے تو مفارقت کرلی جائے

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون
۲۳ر ذی الحجہ ۴۴ھ

مدّتِ رضاعت کے بعد دودھ پلانے سے رضاعت کا معتبر نہ ہونا

سوال : تین برس کی لڑکی اگر نکاح کے بعد داماد کی ماں یعنی نابالغہ بیٹی نے شوہر کی ماں

کی پستان میں منہ میں ڈالا بشرطیکہ اس پستان میں مطلقاً دودھ نہیں اب فقط خوشدامن کی پستان میں منہ دینے سے رضاعی بہن ہوگی یا نہ اور حرام ہوگی یا نہیں ؟

الجواب

صورتِ مسئولہ میں رضاع متحقق نہیں ہوا کیونکہ رضاع مدتِ رضاع میں دودھ پینے کو کہتے ہیں اور یہاں نہ دودھ پیا گیا اور نہ وہ بچی اتنی عمر کی ہے جو رضاع کے لئے شرط ہے

وفی تنویر الابصار : حولان ونصف عنده وحولان عندهما وهو الاصح (شامی ص ۶۶۱ ج ۲)

وایضاً فیه : ويثبت التحريم فی المدة وقال الشامی تحت قوله فی المدة فقط اما بعدها فانه لا یوجب التحريم ۔ بحر (ص ۲۶۲ ج ۲)

وقال الشامی تحت قول الدر : (فلو التقم الخ) وفی القنية امراة كانت تعطى ثديها صبية واشتهر ذلك بينهم ثم تقول لم يكن فی ثديي لبن حين القمتها فی ثديي ولم يعلم ذلك الا من جهتها جاز لابنها ان يتزوج بهذه الصبية اه (ص ۶۶۴ ج ۲) واللہ اعلم

الاجوبۃ صحیحۃ

ظفر احمد عفا اللہ عنہ

۲۶ ؍ ذی قعدہ ۴۳ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال** : کیا رضاعت کے ثبوت کے لئے شہادت اس قدر کافی ہے کہ بچہ کو ایک عرصہ تک گود میں پستان منہ میں لیتے دیکھا ہے یا دودھ کا معاینہ ضروری ہے اگر معاینہ ضروری نہیں تو بعض کا کہنا کہ پستان دوھنے سے رقیق سا پانی نکلتا تھا دودھ نہیں تھا اور بعض کا کہنا ہے کہ کچھ بھی نہیں نکلتا تھا مخل فی الشہادۃ ہے یا نہیں مرضعہ کا انتقال ہوگیا ہے

الجواب

اگر رضاع کا دعوٰی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں کرتی ہوں (جن میں ایک دایہ بھی ہوسکتی ہے) تو ان کا بیان لکھا جائے کہ وہ کیا کہتی ہیں پھر جواب دیا جائیگا

احقر عبد الکریم عفا اللہ عنہ
۸ ؍ ربیع الثانی ۴۴ھ

الاجوبۃ صحیحۃ
ظفر احمد عفا اللہ عنہ
۸ ؍ ربیع الثانی ۴۴ھ

بیٹے کی اختِ رضاعیہ سے نکاح جائز ہے

سوال : ایک عورت ایک شیر خوار لڑکا چھوڑ کر مرگئی وہ لڑکا اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اور لڑکے کی ایک نابالغہ خالہ ہے اس خالہ کے ساتھ لڑکے کے باپ نے نکاح کیا ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ یہ نکاح درست ہے یا نہیں ؟

محمد یاسین خان

موضع الکدیہ پوسٹ بوگیہ ضلع جبسر

الجواب

فی الدر : (فیحرم منه ما یحرم من النسب الا ام اخیه واخته واخت ابنه وبنته الخ » اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص اپنی سالی سے نکاح کرسکتا ہے

صحیح

احقر عبدالکریم

ظفر احمد عفا عنہ

۵ ر ذی قعدہ ۴۲ھ

آٹا گوندھتے وقت پستان سے دودھ گر کر آٹے میں مل گیا تو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں شوہر اس کو کھا سکتا ہے

سوال : ایک عورت آٹا گوندھ رہی تھی اور اس کی پستان سے دودھ نکل کر آٹے میں گر کر مل گیا اب وہ اس گھر کا آٹا کھا سکتی ہے یا نہیں اور کون کون کھا سکتا ہے۔ سنا ہے کہ خاوند کو حرام ہے اور عورت کو مکروہ ہے اور بچوں کو جائز ہے۔ اس مسئلہ سے تفصیل کے ساتھ مطلع کریں۔ فقط زیادہ حد ادب۔ پٹیالہ خادم فتح محمد

الجواب

آٹے میں دودھ گرنے سے اس آٹے کا کھانا موجب حرمت نکاح نہ ہوگا لانه لیس فی معنی الرضاع لاسیما بعد اقرانه بالخبز اور نہ اس سے رضاع ثابت ہوگا البتہ دودھ جزو انسان ہے جس کا استعمال قصداً جائز نہیں چاہے کھانے ہی میں ہو پس اس سے احتراز اولیٰ ہے لیکن چونکہ وہ پکتے میں جل جائیگا اور شئی قلیل ہے اس لئے احتراز واجب نہیں اس کی روٹی سب کو کھانا جائز ہے۔ لما فیه من الحرج وهو مرفوع عن الامة ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد از تھانہ بھون

۱۶ ر شعبان ۴۵ھ

رضاع کے متعلق ایک مفصل فتوی

سوال : بخدمت اقدس حضرت مخدومی و معتمدی جناب مولانا اشرف علی صاحب ادام اللہ بقاءکم ورزقنا اللہ لقاءکم ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مرجو کہ عنایت مربیانہ فرمودہ از ارسالِ اجوبہ اسئلہ بندہ را مفتخر وممتاز فرمایند۔ امید کہ در ارسالِ اجوبہ دیر نہ فرمایند۔ اجوبہ مدلّل ومؤید بعباراتِ فقہیہ ارشاد فرمایند کہ جمیع علماء در اسئلہ ذیل رجوع بآں حضرت بابرکت نمودہ اند صرف بہ آمدنِ اجوبہ از آں حضرت نزاع و مخاصمہ دینی ایشان مدفوع ومرفوع خواھد شد ۔

حقیقت ہمین طور است کہ درمیانِ ولی محمد نامی ومسماۃ حوا رضاع مشتہر شدہ بود از یکی مولوی صاحب پرسیدند مولوی صاحب تفحص نمود نزد مولوی صاحب مادرِ ولی محمد وخواھرِ مرضعہ گفتند کہ مارا مسماۃ خواھرِ مرضعہ اولی کہ اکنون فوت شدہ است گفتہ بود کہ من ولی محمد را شیرِ خود در مدتِ رضاع دادہ ام مولوی صاحب گفت چونکہ شاہدان دیگر نیستند لہذا ولی محمد را میرسد کہ باخواھرِ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح می تواند کرد ہمین تحریر را ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر برد ، مولوی صاحب دیگر ولی محمد را گفت تو درین بارہ چہ میگوئی ولی محمد قرآن شریف بہ سر برداشتہ ہمین اقرار وتصدیق نمود

اقرار وتصدیقِ ولی محمد وھو ھذا

مرا مسماۃ ہاتل کہ زنِ برادرِ من است گفتہ کہ تو طفلِ شیر خوارہ بودی وگریہ میکردی برائے تسلی تو ترا پیش خواھرِ خود کہ مسماۃ حوا بود می بردم وحوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستانہائے خود بدہ پس مرا حوا می گفت کہ اکنون ولی محمد را شیرِ خود نوشانیدم یعنی پستانہائے خود دادم اورا زیر دارو مرا عام مردمان دیگر ہمسایگان وخویشان ماہستند ہم گفتہ کہ تو در صغر (مدت رضاع) پستانہای حوا باخان محمد کہ پسرِ حوا بود نوشیدۂ اکنون آن مردمان مردہ اند ۔ اکنون من میگویم کہ آن کسان را کہ مرا گفتہ کہ تو پستانہائے مسماۃ حوا نوشیدۂ حکایت وشہادتِ ایشان صدق است تاھنوز نکاحِ من باحوا ثانیہ (خواھرِ حوا مرضعہ) نشدہ است باقی نامزدگی ہست نشانِ انگشتِ چپ ولی محمد ☐ پس مولوی صاحب دیگر گفت رضاع ثابت است ولی محمد را نمیرسد کہ باخواھرِ مسماۃ حوا کہ ہم حوا نام دارد نکاح کند حوا ثانیہ خالہ رضاعیہ ولی محمد می شود وولی محمد اقرار مع الثبات وتصدیق شرعیہ نمودہ است ۔

درین اثناء بر گفتۂ مولوی صاحب اول اعتماد نمودہ واز گفتۂ مولوی صاحب دیگر بی اعتنائی

کردہ ولی محمد با خواہر ثانیہ کہ خواہرِ مرضعۂ اوست نکاح نمود۔ آخرالامر ولی محمد و پدرِ حوا ثانیہ برائے فیصلہ شرعیہ محکم گرفتند محکم اولاً از ولی محمد پرسید کہ تو این اقرار و تصدیق نزد مولوی صاحب فلاں (دیگر) کردہ و محکم آن اقرار و تصدیق خواند ولی محمد گفت ہر چہ درین بیان مرقوم می باشد مرا تا یتے نمی شود کہ ہمان بیان است یا نہ باقی نشان ترا انگشتِ من پس محکم از حافظ عبد اللہ کہ شاہد بر اقرار و تصدیقِ او بود پرسید حافظ عبد اللہ دست بر قرآن شریف داشتہ گفت من شاہدے مید ہم کہ پیش من ولی محمد نزد مولوی صاحب دیگر ہمین اقرار ..... الخ نمودہ است و در اقرار خود ولی محمد گفتہ کہ بقسم صدق است و دستخط بر شہادت اقرارِ من است بعدہ محکم از مولوی شفیع محمد پرسید آن گفت کہ من شاہدے می دہم بقسم کہ نزد من ولی محمد تحریر مولوی صاحب اول بیاورد چونکہ در آن تحریر بیان ولی محمد مرقوم نہ بود از و پرسیدم او قرآن شریف بر سر داشتہ اقرار و تصدیق نبشتہ ..... الخ بعینہٖ نمود پس محکم صاحب خدا می داند بر کدامین دلیل حکم بجواز نکاح نمود ہر چند کہ گفتہ شد محکم صاحب تعجیل در حکم نباید تفتیش نمودہ و با علماء دیگر صفائی کردہ حکم باید کرد مگر محکم صاحب نہ صفائیؔ و تفتیش منظور کرد و رنہ از حکم جواز باز ماند۔ از جوابات مسئولہ ہمیں ہم مرہونِ منّت فرمایند۔

سوالِ اوّل: در فتاوای عالمگیریہ است در باب رضاع ولو جحد الاقرار فشہد اثنان علی الاقرار فرق بینہما۔ مراد ازین اقرار مطلق اقرار است یا اقرار مع الثبات است؟ گرفتن شہود عند انکار الاقرار در مطلق اقرار است یا در اقرار مع الثبات؟ اگر اقرارِ رضاع بدون ثبات کرد پس در انکار ازین اقرار ہم قاضی را میرسد از گواہان گواہی شرعی گرفتہ تفریق نماید یا اقرار مع الثبات شرط گرفتن شہود عند الانکار است و بدون اقرار مع الثبات در صورت انکار اقرار مطلق شود نمی تواند گرفت۔

سوال دوم: در رجوع عن اقرار الرضاع و جحود عن الاقرار فرق است یا نہ؟

سوال سوم: چنانچہ تصدیق زوج مر مرضعہ را نکاح را فاسد میگرداند کذٰلک تصدیقِ زوج مر شہودِ رضاع را نکاح را فاسد می گرداند۔

سوالِ چہارم: اگر زوج زوجۂ خود را گفت ھٰذہ اختی و بعدہ بلا انقطاعِ نفس گفت وھو صدق اقرار مع الثبات خواہد شد یا نہ یا در اقرار مع الثبات

درمیان کلام "هٰذه اختی" ومیان کلام "هو صدق مع انقطاع نفس وتاخیر... ومجلس دیگر شرط وضروری است۔

سوالِ پنجم: ثبات چنانچه بالفاظ "هو حق او صدق او کما قلت ونحوه" متحقق می شود یا نہ؟ — در اشباہ است در بابِ شہادات "وهٰذا مشروط بما اذا لم یثبت علی اقراره بان قال هو حق او صدق او کما قلت او شهدعه علیه بذلك شهود الخ"

السّائل: بندہ شفیع محمد مسجدی پوسٹ قاضی محمد عارف
تعلقہ میہڑ ضلع لاڑکانہ سندھ بمعرفت قاضی عبدالکریم

الجواب

صورتِ مسئولہ میں چونکہ ولی محمد نے ایک عالم کے سامنے قرآن سر پر رکھ کر اقرارِ رضاعت کیا ہے اور یوں کہا ہے کہ: "من میگویم کہ آن کسان کہ مرا گفتہ اند کہ تو پستانہائے مسمّاۃ حوا نوشیدۂ حکایت وشہادتِ ایشان صدق است الخ۔ اور اس اقرار پر دو گواہ موجود ہیں۔ تو اگر یہ دونوں گواہ عادل ہوں تو مسمّٰی ولی محمد کا نکاح حوا ثانیہ سے درست نہیں ہوا دونوں کو ایکدوسرے سے متارکت وتفریق واجب ہے

قال فی البحر: وینبغی ان یکون الفساد فی الرضاع الطاری علی النکاح امّا لو تزوّج امرأة فشهد عدلان انها اخته ارتفع النکاح بالکلیة حتی لو وطئها یحد ویجوز لها التزوّج بعد العدّة من غیر المتارکة (ص۲۳۰ ج-۳)

وقال فی ردالمحتار: بخلاف ما اذا شهد علی اقراره او قال هو حق او نحوه فانه یدل علی علمه بصدق المخبر وانه جازم به فلا یقبل رجوعه بعده اھ (ص ۶۷۷ ج-۲)

سوالات زائدہ کا جواب حسب ذیل ہے

۱ عبارت عالمگیریہ میں اقرار سے مطلق اقرار مراد ہے اگر کوئی شخص اقرار رضاع کا منکر ہو جائے تو مطلق اقرار پر شہادت قبول کی جائیگی مگر مشہود علیہ رجوع کر سکتا ہے

عہ عطف علی قوله قال هو حق تحت قوله بان فافهم

اقرار مع الثبات پر شہادت لینے کی ضرورت نہیں اگر مشہود علیہ رجوع نہ کرے اگر مطلق اقرار پر شہادتِ عادلہ قائم ہوگئی تو قاضی تفریق کرسکتا ہے کیونکہ حجیت اقرار کے لئے ثبات شرط نہیں اگر مقر نے رجوع نہ کیا ہو بلکہ ثبات کی شرط صرف عدمِ صحت رجوع کے لئے ہے۔ کما یظہر من الدرّ والشامیۃ وغیرہما من المتون والشروح۔

۲ جحود عن الاقرار اور رجوع عن الاقرار میں فرق ظاہر ہے۔ جحود کے یہ معنی ہیں کہ یوں کہے کہ میں نے اقرار ہی نہیں کیا اور رجوع عن الاقرار میں اقرار کو تسلیم کرکے اس اقرار کی تکذیب و تغلیط کرتا ہے کہ میں نے اس اقرار میں غلطی کی تھی صحت رجوع عن الاقرار میں یہ شرط ہے کہ اقرار سابق مع الثبات نہ ہو اور اگر شہادتِ عادلہ سے اقرار سابق کا مع الثبات والاصرار ہونا ثابت ہو جائے تو رجوع معتبر نہ ہوگا۔

۳ ہاں تصدیقِ مرضعہ وتصدیق شہود رضاع دونوں موجبِ اقرار رضاع ومستلزم فساد نکاح ہیں لافادتہما اقرار الرضاع واثباتہ واللہ اعلم۔

۴ جب اقرار رضاع کے بعد "ھو صدق او حق او ھو کما قلت ونحوہ من الالفاظ المؤکدۃ استعمال کئے جائیں خواہ متصلاً یا منفصلاً تو یہ اقرار مع الثبات ہوگا

لما فی الدر: ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ ھو حق کما قلت ونحوہ اھ (ص۶۶ ج۲) وقولہ بعدہ یعم المتصل والمنفصل کلیہا وانما لم یشترط اتحاد المجلس لان التاکید من بیان المقرر وبیان التفسیر والتقریر یجوز موصولاً ومفصولاً کما حققہ الاصولیون (ص۲۰۳ نور الانوار)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ

۱۹ ربیع الثانی س۴۶ھ

ضمیمۂ متعلق سوال بالا

سوال: در حق شخصے ولی محمد نسبت رضاع از حوا مشہور بود ولی محمد از جہت تحقیق نسبت یک مولوی محمد ملوک نامی را گرفتہ آورد کہ شرعی تحقیق کردہ حکم نماید اگر رضاع ثابت بحجت شرعیہ شود فبہا والّا ہمشیرۂ حوا را نکاح کند مولوی محمد ملوک آمدہ تحقیق کرد وخوب تفتیش نمود معلوم شد کہ مسماۃ ھائل راخبر است ہائل را طلبید ہائل گفت کہ من ولی محمد را در خوردگی نزد حوا بُردم کہ او را حفاظت کند بعدہٗ وقتیکہ از جہت برداشتن می آمدم حوا می گفت کہ من او را پستان دادہ ام من بچشم خود گاہے ولی محمد را شیر نوشاندہ از حوا ندیدم بنا بر خبرِ حوا حکایت رضاع مشہور کردم و بجز ہائل ہیچ

شاہد پیدا نشد کہ از رضاع خبر دہد وشہادت ادا کند مولوی صاحب حکم کرد رضاع ثابت نیست و ولی محمد را میرسد کہ ہمشیرۂ حوا را النکاح کند وتحریر نوشتہ داد کہ از مولوی صاحب شفیع محمد تصحیح کنانید آید مولوی شفیع محمد و ولی محمد را گفت کہ من ترا حلف دادہ می پرسم کہ تو چہ میگوئی ؟ بعدہ مولوی صاحب اورا بہ مسجد شریف بردہ کلام اللہ شریف بر سرش دادہ پرسید کہ چہ حال ست۔ در جواب مولوی صاحب الفاظیکہ مولوی صاحب در اقرار نامہ نوشتہ از و نشانِ قبولیت گرفت اقرار نامہ بعینہ در زیر ثبت است بنا برین اقرار مولوی محمد شفیع تحریر کرد کہ رضاع ولی محمد از حوا ثابت است کہ نزدم تصدیقِ مخبران کردہ و تصدیق اقرار بعدہ ولی محمد بر آن اقرار مستقیم نماند و اصرار نہ کرد بلکہ گفت کہ من اقرار نہ کردہ ام مرا نسبتِ رضاع ہیچ خبر نیست مولوی صاحب بر سرم قرآن شریف در مسجد داد از ہیبتِ کلام اللہ شریف پریشان شدم و ندانستم کہ چہ گفتم بعدہ از اقرار جحود کردہ ہمشیرۂ خود را نکاح کرد از جہت تصفیۂ این فیصلہ یک محکمے مقرر کردند محکم از ولی محمد پرسید کہ تو نزد مولوی شفیع محمد تصدیق کردۂ گفت نہ، مولوی شفیع محمد شہادت داد کہ ولی محمد نزدم تصدیق کردہ و دیگر یک شاہد حافظ عبد اللہ نامی گفت کہ من یاد ندارم کہ اقرار رضاع و تصدیق کرد یا نہ ؟ بعدہ چون اقرار نامہ شنید گفت بلے این چنین در جواب مولوی شفیع محمد گفت محکم حکم کرد کہ رضاع ثابت نیست آیا درین صورت حکم محکم صحیح است یا نہ ؟ و رضاع ولی محمد از حوا ثابت می گردد یا نہ واقرار و تصدیق کہ ولی محمد کردہ بدون اصرار و دوام مثبت رضاع قابل اخذ شہادت میشود یا نہ ؟ بلکہ از جہت عدم اصرار و ثبات حجت نیست و اخذ شہادت بی سود۔ بیّنوا توجروا

الجواب

درصورتِ مسئولہ خود اقرارِ ولی محمد مثبت حکم حرمت رضاع و مفید محرم نیست فضلاً عن التکلّف لاثباتہ علیہ، زیرا کہ ولی محمد بر زبانِ خود نہ گفتہ است کہ من شیرِ حوا نوشیدہ ام یا خواہر حوا خالہ رضاعیہ ام می باشد بلکہ غایۃ الامر آن است کہ تصدیق گواہان بگفتن مولوی شفیع محمد نمودہ و آن نیز اگرچہ بموجبِ تفوّہ بما لا یتفقہ کلامی بود کہ قائل از حقیقتِ آن آگاہ نبود امّا اگر تنزّل از ان کردہ تسلیم تصدیقِ او کنیم تاہم اقرار رضاع بدان ثابت نمی گردد چہ اقرار بہ تصدیق آن شہود ثبوت می پذیرد کہ شہادتِ اوشان نیز مثبت رضاع باشد و درصورتِ مسئولہ شہادتِ اوشان کہ حسب سماع است و فقط بہ اشاعت ناقل خبر بہ اسماع آنان رسیدہ و خود ناقل نیز مقر بروئیت خود نیست بلکہ خبر سماع از خواہر خود حوا میکند

چنانکہ فیصلۂ مولوی محمد ملوک صاحب وبیانِ ولی محمد برآن دلالت می دارد لھذا بتصدیقِ چنین شہود اقرار برضاع ثابت نخواھد شد واگر ازان ہم تنزّل نمائیم و فرض کنیم کہ این تصدیق شہود عیانی است و تصدیق شہود اقرار است چنانکہ صاحبِ درالمختار تصدیقِ شہود را اقرار گفتہ است ۔

حیث قال فی کتاب الشہادۃ واما قولہ صدقوا اوھم عدول صدقۃ فانہ اعتراف بالحق فیقضی باقرارہ انتھٰی (ص۴۱۵ جلد رابع رد المحتار مطبع مصری)

تاہم مفید مقصود محرم نیست زیراکہ بعد اقرار ثبات مقر بر اقرار نیز شرط برائے تفریق بین الزوجین است وآن درین صورت مفقود است ۔

قال فی الدر المختار (ص ۴۴۷ جلد ثانی رد المحتار مطبع مصری) فی باب الرضاع قال لزوجتہ ھٰذہ رضیعتی ثم رجع عن قولہ صدق لان الرضاع مما یخفی فلا یمنع التناقض فیہ ولو ثبت علیہ بان قال بعدہ ھو حق کما قلت ونحوہ ھکذا فسر الثبات فی الھدایۃ وغیرھا فرق بینہما انتھٰی

وولی محمد را کہ مولوی شفیع محمد اقرار بہ اجراء کلام کنانیدہ است دران فقط اقرار است کہ رجعت ازان صحیح است وثبات بر اقرار کہ بعد از اقرار باشد چنانکہ لفظ بعدہ در عبارتِ مذکورہ برآن دلالت می دارد یافتہ نمی شود پس حکم مولوی شفیع محمد بحرمت رضاع باوجود انکار ولی محمد وگفتنِ او مرا خبرے از سخنِ او نیفتادہ کہ چہ گفتہ من فقط الفاظ را حسب گفتنِ او می گفتم خلافِ شریعت است

والحاصل ان الثبات علی الاقرار ھو ان یقول بعد الاقرار انہ حق او ھو کما قلت او ما یفید ذلک المعنیٰ کما تبین من عبارۃ الدر المختار التی نقلناھا سابقًا وکما صرح بہ فی فتح المعین حاشیۃ المسکین شرح الکنز حیث قال: قال لزوجتہ ھی امی او اختی او بنتی من الرضاع و اصرّ علی ذلک بان قال بعدہ ھو حق کما قلت فرق بینھا ولم یصر بل قال أخطأت او نسیت لم یفرق انتھٰی فالبعدیۃ المصرح بھا فی ھاتین العبارتین تستلزم ان یکون الاقرار سابقًا علی الثبات ومن المعلوم ان غایۃ ما یثبت فیما نحن فیہ من کلام ولی محمد ھو تصدیق الشہود فان ولی محمد قال (ان شہادۃ الشہود صادقۃ) فلو جعلتم ھٰذا التصدیق اقرارًا کما تشھد بہ عبارۃ الدر فی کتاب الشہادۃ فاین اللفظ الدال علی الثبات الذی یکون بعد الاقرار

وان جعلتموہ ثباتًا علی الاقرار فاین الاقرار السابق علی الثبات فعلم انہ لیس ھٰھنا الاّ الاقرار المعرّیٰ عن الثبات ۔ قد تقرر انہ یجوز الرجوع عنہ ۔ ھذا ما ظھر لی فی ھٰذا الباب واللہ اعلم بالصواب ۔

حرّرہ الفقیر محمد ابراھیم الیاسینی تجاوز اللہ عنہ

ھٰذا ھو الحق الصریح والجواب الصحیح وانا المصدّق

الفقیر محمد قاسم المتوطن فی گڑھی یاسین نشان مہر

برسر کوثر محمد قاسم است

نقل اقرار نامہ ولی محمّد

مرا مسماۃ ہاتل کہ زن برادرِ من است خبر کردہ بود کہ ترا از جہت نظر داری نزد ہمشیرۂ خود مسمّاۃ حوا می بُردم و حوا را می گفتم کہ ولی محمد را پستان بدہ بعدہ مرا می گفت کہ الحال پستان اورا دادہ ام و شیر نوشانیدہ ام باخود برداشتہ ببردم مرا و دیگر آدمیان از جوار و اقربا نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند دریں وقت میگویم کہ آن آدمیان کہ مرا گفتہ اندکہ تو از حوا شیر نوشیدۂ حکایتِ اوشان و شاھدے راست ست ، من تا ہنوز بہ حوا صغیرہ (ہمشیرۂ حوا کلان کہ از نسبت رضاع مشہور بود) نکاح نکردہ ام باقی نامزدگی شدہ است ۔

الجواب من جامع امداد الاحکام

اس سوال میں اور پہلے سوال میں جو مولوی شفیع محمد صاحب نے بھیجا تھا فی الجملہ تخالف ہے ۔ پہلے سوال میں مسماۃ ہاتل کو لکھا ہے کہ مر گئی ہے ، اب زندہ نہیں اور اس سوال میں مسمّاۃ ہاتل کو زندہ ظاہر کیا ہے اور یہ کہ اس کو طلب کر کے اس سے بیان لیا گیا لیکن بہرحال قاعدۂ فقہیہ یہ ہے کہ "المرأ یؤخذ باقرارہ" مسمّٰی ولی محمد نے مسمّاہ ہاتل کا جو بیان اپنے اقرار میں ظاہر کیا ہے اور اس پر قسم کھائی ہے وہی اس پر حجّت ہے ۔ بیّنہ اور شہادت کی ضرورت تو وہاں ہو جہاں مقر کا اقرار موجود نہ ہو ۔ پھر مسمّٰی ولی محمد نے اپنے اقرار میں صرف مسمّاہ ہاتل پر مدار نہیں رکھا بلکہ دوسروں سے بھی سماعِ رضاع بیان کیا ہے کہ مرا دیگر آدمیان از جوار و اقرباء نیز عام می گفتند کہ تو از حوا بمعہ خان محمد در صغارت پستان نوشیدۂ الحال آن آدمیان مردہ اند اور مسمّٰی ولی محمد اگر اسی بیان پر اکتفا کرتا تو اس سے اقرار رضاع بحوا ثابت ہو جاتا کیونکہ ولی محمد نے

یہ سب بیان حلف کے ساتھ دیا ہے مگر اس کے بعد وہ کہتا ہے "دریں وقت من میگویم که آں آدمیان که مرا گفته اند که تو از حواشیر نوشیدهٔ حکایت اوشاں وشاهدے راست است" اور یہ ثبات ہے مجیب کا اسی کو اقرار سمجھنا اور یہ کہنا کہ اس کے بعد ثبات کہاں ہے نہایت عجیب ہے اور اگر بالفرض مان لیا جائے کہ یہی اقرار ہے تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اقرار مع الثبات ہے اور اس نے جو در مختار کے قول "ولو ثبت علیه بان قال بعده الخ" سے یہ سمجھا ہے کہ ثبات کے لئے اقرار کے بعد ہونا ضروری ہے، صحیح نہیں بلکہ بعدہٗ کی قید محض تمثیل و توضیح ہے ورنہ ثبات مع الاقرار بھی ہو سکتا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ ابن عابدین علی البحر (ص۲۳۴ ج-۳)

صریح هذه النقول و منطوقها مع العلم بوقوع العطف التفسیری فی الکلام الفصیح شاهد بان المراد بالثبات والدوام والاصرار واحد- و بان الثبات علیه لا یحصل الا بالقول بان یشهد علی نفسه بذلك او یقول حق او کما قلت او فی معناه کقوله هو صدق او صواب او صحیح او لا شك فیه عندی و لا ریب ان قوله هو صدق اکد من قوله هو کما قلت اهـ

اس میں صاف بتلایا گیا ہے کہ شہادت علی الرضاع یعنی قسم اور شہادت کے لفظ سے رضاع کا اقرار بھی ثبات میں داخل ہے اور ظاہر ہے کہ قسم و شہادت مقسم بہ سے مقدم ہوتی ہے نہ مؤخر اور بحر و درر وغیرہ میں بھی کسی نے "بعدہٗ" کی قید بیان نہیں کی۔ پس ہمارے نزدیک تفسیر ثبات کی یہی ہے کہ اقرار مؤکد ہو چنانچہ عبارتِ بحر میں "هو صدق" کو "هو کما قلت" سے مؤکد ہونے ہی کی وجہ سے ثبات میں داخل کیا ہے۔ پس اگر اقرار مؤکد ہوگا خواہ یمین سے خواہ اس قول کے ساتھ کہ یہ بیان صحیح ہے تو ثبات کا تحقق ہو جائیگا اور رجوع قبول نہ ہوگا کیونکہ ثبات تاکید ہے اور تاکید مفیدِ جزم ہے۔

قال الشامی : بخلاف ما اذا شهد علی اقراره او قال هو حق او نحوه فانه یدل علی علمه بصدق المخبر و انه جازم به فلا یقبل رجوعه بعده الخ (ص۶۴۴ ج-۲)

اس سے صاف معلوم ہوا کہ ثبات کے بعد اس لئے رجوع صحیح نہیں کہ وہ علم بصدق مخبر اور جزم بہ پر دال ہے اور یہ فائدہ ہر اس کلام سے حاصل ہو سکتا ہے جس میں تاکید موجود ہو خواہ اقرار کے ساتھ تاکید ہو یا اقرار سے منفصل ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اقرارِ ولی محمد مع الثبات متحقق ہے۔ اب اس کا اس بیان سے رجوع کرنا اور یہ کہنا کہ میں نے قرآن کی دہشت سے

یہ کہا تھا اور بے خبری میں کہا تھا سب لغو ہے۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۹ر جمادی الاول ۴۶ھ

مسئلہ رضاعت | **سوال** : اگر کسے کہ درحق او البتہ نسبت رضاع مشہور بود ازو پرسیدہ شد کہ تو چہ می گوئی؟ او قرآن شریف بر سر داشتہ گفت کہ مرا ایک زن خبر کردہ کہ رضاع ہست تصدیق آں قول نہ کرد نہ تکذیب این را اقرار بہ رضاع گفتہ شود یا نہ؟ بلکہ از جہت اقرار تصدیق ضرور است؟

الجواب

اس صورت میں محض اخبار رضاع ہے اقرار ثبوت رضاع نہیں۔ کیونکہ قائل نے یہ نہیں کہا کہ میں اس کے قول کی تصدیق کرتا ہوں اور محض ایک عورت کا بیان ثبوت رضاع میں حجت نہیں اور قرآن سر پر رکھنا بدون لفظ قسم کے قسم نہیں اور ہو بھی تو اس سے محض اخبار مرأۃ پر جزم کا اظہار ہوا اس کی تصدیق پر تو جزم نہیں ہوا۔ ھٰذا ما علمتہ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۸ر شعبان ۱۳۴۶ھ

رضاعی بھتیجی سے نکاح حرام ہے | **سوال** : کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو آپس میں ایک دوسرے کے علی الترتیب حقیقی ماموں بھانجے ہیں عمرو نے ایام طفولیت میں زید کی والدہ یعنی اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا ہے اس وقت نانی کی عمر ۳۵ سال کی تھی اور جس زمانے میں عمرو نے اپنی حقیقی نانی کا دودھ پیا اس زمانہ میں زید کی عمر دو سال کی تھی اب تجویز یہ ہے کہ زید کی جو ایک ہندہ نامی لڑکی ہے اس کو عمرو کی زوجیت میں دیا جائے لھٰذا اس مسئلہ کا جواب باصواب مع حوالہ کتب مستند تحریر فرما کر ارسال کریں فقط بیّنوا توجروا۔ المستفتی : محمد حشمت اللہ ایاضی چوک برہانپور

الجواب

عمرو کا نکاح زید کی کسی لڑکی سے بھی جائز نہیں کیونکہ زید و عمرو رضاعاً بھائی ہوگئے پس زید کی لڑکی عمرو کی بھتیجی ہوتی اور بھتیجی سے نکاح حرام ہے۔

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم : یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب " متفق علیہ

والمسئلۃ مصرحۃ فی سائر کتب الفقہ واللہ اعلم

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

۲۴ر شوال

تنہا مرضعہ کی شہادت ثبوتِ رضاعت کے لئے کافی نہیں ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ھندہ کے ہاں دختر تولّد ہوئی۔ ولادت کے وقت اس لڑکی کے منہ میں دانت بھی دو عدد موجود تھے ایسے بچہ کو عام طور پر منحوس خیال کیا جاتا ہے اس لڑکی کے ماموں مسمّٰی زید کی منشا اپنے بیٹے کے ساتھ اس لڑکی کو منسوب کرنے کی تھی ہندہ بھی رضامند تھی مگر عام طور پر یہ مشہور ہوگیا کہ زید کی بیوی نے ہندہ کی بیٹی کو دودھ اپنا پلا دیا ہے۔ ہندہ فوت ہوگئی ہے اور اس کا خاوند بھی فوت ہوگیا گویا عام خیال کے مطابق اس لڑکی کا منحوس ہونا بھی مسلّم ہوگیا مگر زید اپنے خیال پر قائم ہے اور ان خیالات کو لغو قرار دیتا ہے چنانچہ اپنے لڑکے کے ساتھ ھندہ کی لڑکی کا عقد کرنے کا سب انتظام زید نے درست کرلیا۔ برات آموجود ہوئی مگر چونکہ سب میں یہ بات مشہور ہوچکی تھی کہ اس لڑکی کو زید کی بیوی نے دودھ پلایا ہے۔ پس ناکح نے عدم جواز کا فتوٰی دیکر نکاح پڑھانے سے انکار کر دیا۔ زید اور دیگر معتبر اشخاص کہتے تھے کہ دراصل دودھ نہیں پلایا گیا۔ یہ صرف اس لڑکی کی نحوست سے بچنے کے لئے زنانہ وہم کی بناء پر ایک چال کی گئی لوگ کہتے تھے کہ خود زید کی عورت کہہ چکی ہے کہ میں نے دودھ پلایا ہے۔ آخر زید کی بیوی سے دریافت کیا گیا۔ پہلے تو وہ کچھ ہچکچائی پھر اس نے بھری مجلس میں بہ ایں الفاظ اقرار کیا کہ ھندہ کی اس لڑکی کو جبکہ وہ بیس۲۰ یوم کی تھی ضرور گود میں لیکر اپنی چھاتی اس کے منہ میں دی تھی صرف اس بناء پر کہ یہ منحوس لڑکی میرے بیٹے سے منسوب نہ ہوسکے اور میں نے یہ بات اس غرض سے عام لوگوں میں مشہور کردی تھی لیکن درحقیقت نہ اس لڑکی نے میری چھاتی دبائی نہ کوئی گھونٹ دودھ کا اس نے پیا۔ فوراً ہی میں نے گود سے ہٹا کر الگ لٹا دیا بعد ازاں ہرگز ہرگز کبھی چھاتی بھی اس کے منہ میں نہیں دی۔

زید کی بیوی نے حلفیہ برسرِ مجلس مذکورہ بیان دیا جب اس کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا گیا اور ایمان جاتے رہنے کا خوف دلایا گیا جب بھی اس نے مذکورہ بیان ہی کی تائید کی اور یہ بھی کہا کہ یہ بیان میرا اگر غلط ہو تو میرا منہ کالا ہو اور جہنم نصیب ہو۔ اس پر ناکح نے ہندہ کی لڑکی کا نکاح زید کے بیٹے کے ساتھ پڑھا دیا کہ از روئے فقہ تین گھونٹ دودھ کے پی لینے

سے بھی مانع نکاح نہیں چہ جائیکہ مرضعہ کے قول کے موافق مطلق کوئی گھونٹ دودھ کا پیا ہی نہیں۔ اگر یہ جھوٹ کہتی ہے تو اس کا وبال اس کی گردن پر ہوگا۔ ہم نے حجت تمام کردی پس کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں ؟ نیز کیا یہ بات ٹھیک ہے کہ تین گھونٹ تک ممانعت یا حرمتِ نکاح ثابت نہیں ؟

الجواب

یہ نکاح صحیح ہوگیا کیونکہ ثبوتِ رضاع کے لئے دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت ضروری ہے اور صورتِ مسئولہ میں صرف ھندہ کی شہادت بیان کی جاتی ہے جو ناکافی ہے پھر ھندہ نے بھی صرف چھاتی کا منہ میں دینا بیان کیا ہے، دبانے اور دودھ نکلنے کا اور بچی کے دودھ پینے سے وہ حلف کے ساتھ منکر ہے لہذا رضاع کا ثبوت کسی درجہ میں نہیں ہوا اور افواہی شہرت قابلِ اعتبار نہیں۔ اسی طرح اس لڑکی کو منحوس سمجھنا ہی جائز نہیں۔ شریعت میں اس نحوست کی کوئی اصل نہیں اور جو لوگ ایسی بے اصل باتوں کے معتقد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کبھی بطورِ سزا کے دنیا میں ان پر کوئی وبال واقع کردیتے ہیں پس اس عقیدے سے توبہ کرنا چاہئے۔

حضرات تابعین وتبع تابعین میں بعضے بچے ماں کے پیٹ سے دانت نکالے ہوئے پیدا ہوئے اور بڑے درجہ کے عالم ہوئے جن سے آج تک برکتیں پھیل رہی ہیں (منھم الضحاک الراوی عن ابن عباس روی عنہ التفسیر والحدیث والقرأۃ) نیز ناکح کا یہ قول بھی غلط ہے کہ تین گھونٹ سے حرمتِ رضاع نہیں ہوتی۔ حنفیہ اس کے قائل نہیں۔ ہمارے مذہب میں ایک گھونٹ سے بھی حرمتِ رضاع ثابت ہوجاتی ہے۔ جبکہ بیّنہ سے ثبوت ہوجائے۔ والمسئلۃ مشھورۃ فی الفقہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ محرم الحرام ۴۸ھ

رضاعت کا ایک مسئلہ | **سوال** : دو سگی بہنیں ہیں جن دونوں کا نکاح دو سگے بھائیوں سے ہوا ان میں سے ایک کا لڑکا ہے اور دوسری کی ایک لڑکی ہے ان کا ارادہ تھا کہ آپس میں ہی اپنی اولاد کی شادی کریں ان کی نند ہے جس کے تعلقات دونوں بھاوجوں سے کشیدہ ہیں۔ وہ گوارا نہیں کرتی کہ ان کی آپس میں رشتہ داری ہوکر اتحاد بڑھے۔ ایک روز لڑکا والی عورت (بڑی بہن) اپنے بچہ کو سوتا چھوڑ کر کسی کے یہاں چلی گئی بعد میں لڑکا جاگ اٹھا۔ چھوٹی

بہن اور نند مذکورہ اس کے پاس تھی نند نے باصرار ادھر اُدھر کی باتیں ملا کر لڑکے کو اس کی خالہ سے (جو لڑکی کی ماں ہے) دودھ پلوا دیا جو اپنی لڑکی اس لڑکے کے نکاح میں دینا چاہتی تھی۔ دودھ پلاتے وقت اس کو بالکل یاد نہ رہا کہ مجھے تو اس لڑکے یا اس کے بھائی سے اپنی لڑکی کا رشتہ کرنا ہے۔ بعد میں دوسری بہن نے آکر یاد دلایا۔ مگر لڑکا دودھ پی چکا ہے اور نند اپنا کام کر چکی تھی۔ اب فتویٰ درکار ہے کہ جیسے روزہ میں بھولے سے کھانا کھانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیا یہ بھول شرعاً معاف ہو کر اب بھی ان دونوں بہنوں کے بچوں کا آپس میں نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ والسلام

السائل: عبدالمتین۔ از تھانیسر ضلع کرنال

الجواب

صورتِ مسئولہ میں حرمتِ رضاع ثابت ہوگئی۔ اب اس لڑکے کا اس خالہ کی کسی لڑکی سے نکاح جائز نہیں، قطعاً حرام ہے۔ بھول چوک کا اول تو اس قصہ میں کچھ لگاؤ ہی نہیں ہے بلکہ قصداً پلایا ہے۔ بھول چوک تو اس کو کہتے ہیں کہ مثلاً اپنا بچہ سمجھ کر اندھیرے وغیرہ کی وجہ سے دوسرے بچہ کو دودھ پلا دیا جائے۔ دوسرے اس بارے میں بھول چوک معاف نہیں ہوتی۔ البتہ جس لڑکے نے دودھ پیا ہے اس کے بھائی کا اس لڑکی سے نکاح جائز ہے۔

واللہ اعلم۔ کتبہ الاحقر عبدالکریم عفی عنہ۔

۲۷ جمادی الاول ۴۸ھ

الجواب صحیح

وما تضمّنه کلام السائل من ان الحرام لایباح الّا لامرٍ واجبٍ غیرمسلم فان الفطر فی رمضان حرامٌ ومع ذلک نیباح لامرٍ جائزٍ کسفر۔ کذا فی فتح الباری (ص۲۹۱ ج-۱) قلتُ: والاصل فیہ ما قالہ فقہائنا قد یفتقر ضمناً ما لا یفتقر قصداً (الاشباہ ص۹۶) واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ

۲۷ جمادی الاوّل ۴۸ھ

مسئلہ رضاعت | سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ہندہ اور صابرہ دونوں حقیقی بہنیں ہیں اور رشید و قادر دو حقیقی برادر۔ صابرہ نے قادر

کی والدہ کا دودھ پیا جبکہ اس کی والدہ بیمار تھی یہاں پر قادر کو صابرہ کی ماں کا دودھ انہیں ایام میں جبکہ اس کا سینہ پکا ہوا تھا کھینچانے کی غرض سے ایک دن دیا گیا کہ قادر ہوشیار ہو گیا تھا طاقت دودھ نکالنے کی رکھتا تھا ممکن ہے کہ پیا بھی ہو لیکن دوسرے دن علیحدہ کر لیا گیا ١ کیا یہ دونوں (صابرہ وقادر) بھائی بہن ہوئے جبکہ صورت شک کی ہے ٢ اور نیز کیا ھندہ اور رشید بھی رضاعی بھائی بہن ہوئے جنہوں نے دودھ بالکل ایک دوسرے کی ماں کا نہیں پیا؟ ۔صورتِ مسئولہ ٢ میں عقدِ ہندہ ورشید کا ہو چکا ہے ایک بچی بھی موجود ہے یہ عقد جائز ہوا یا نہیں اولاد کا کیا حکم ہے؟ اگر یہ دونوں رضاعی بھائی بہن ہوئے تو کیا اب طلاق کی ضرورت بھی ہوگی؟ بیّنوا توجروا ۔ خادم محمد نور عفی عنہ

الجواب

ہندہ سے رشید کا نکاح جائز ہے گو قادر کا دودھ پینا متیقّن یا مظنون بھی ہو۔

کما فی الشامی (ص ۴۱۹ ج ۲) فرع فی البحر عن آخر المبسوط لو کانت ام البنات ارضعت احد البنین وام البنین ارضعت احدی البنات لم یکن للابن المرتضع من ام البنات ان یتزوّج واحدۃ منھن وکان لاخوتہ ان یتزوّجوا بنات الاخریٰ الا الابنۃ التی ارضعتہا امّھم وحدھا لانہا اختھم من الرضاعۃ فقط واللہ اعلم

کتبہ الاحقر عبد الکریم عفی عنہ

ازخانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر

۲۹ ربیع الثانی ۵۰ھ

دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانے سے حرمتِ رضاع ثابت نہیں ہوتی

سوال: کیا فرماتے ہیں علماءِ دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسماۃ ولیما اور رسول بخش دونوں حقیقی بہن و بھائی ہیں مسماۃ ولیما کا ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شمس الحق رکھا گیا جب شمس الحق کی عمر تین سال کی ہوئی اس وقت شمس الحق کی ماں کا انتقال ہو گیا۔ اسی دوران رسول بخش کی بیوی سے ایک لڑکا پیدا ہوا اور ضائع ہو گیا اس وقت رسول بخش کی بیوی نے شمس الحق کو دودھ پلایا جس وقت رسول بخش کی بیوی نے دودھ پلایا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی بعد ازاں رسول بخش کی بیوی کے دو تین لڑکے پیدا ہو کر ضائع ہو گئے اس کے بعد رسول بخش کی بیوی سے لڑکی پیدا ہوئی۔ اب دونوں میں عقد شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ فقط رسول بخش

۲۱ ذیقعدہ ۵۷ھ

الجواب

اگر یہ بات صحیح ہے کہ رسول بخش کی بیوی نے جس وقت شمس الحق کو دودھ پلایا تھا اس وقت شمس الحق کی عمر تین سال کی تھی تو اس صورت میں شمس الحق کا نکاح رسول بخش کی لڑکی سے درست ہے کیونکہ دو برس سے زائد کی بچہ کو دودھ پلانا جائز نہیں اور نہ اس سے حرمتِ رضاع ثابت ہوتی ہے ـــــ فلانہ لارضاع بعد الحولین و انما الرضاعة من المجاعة صرح بہ اصحاب المتون من اھل المذھب ۔ واللہ اعلم

ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ

٢٦ ذی قعدہ ۴۸ھ

باب الحضانۃ

نابالغ کے حقِ حضانت وولایت مال میں دادی، ہمشیرہ اور پھوپھی زاد بھائی میں کون مقدم ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ محمد اختر نابالغ پسرِ منظور حق مرحوم کے عزیز حسب ذیل ہیں:

١ مسماۃ شمس النساء۔ حقیقی دادی۔ ٢ مسماۃ حسینہ۔ حقیقی ہمشیرہ۔ ٣ انوار احمد۔ حقیقی بہنوئی اور محمد اختر کا پھوپی زاد بھائی۔ ان میں شرعاً محمد اختر کا ولی فی النکاح یا ولی فی المال کون ہے اور اس ولی کو کیا کیا اختیارات حاصل ہیں۔ ولی فی النکاح اور ولی فی المال دونوں کے متعلق شرعاً جو کچھ حکم ہو مفصل بیان فرمائیں۔

الجواب

صورتِ مسئولہ میں محمد اختر کا ولی فی النکاح اس کی حقیقی دادی ہے۔

قال فی الدر: فان لم یکن عصبة فالولایة للام ثم لأم الاب وفی القنیة عکسہ اھ (ص ۵١٢ ج ٢)

اور ولی فی النکاح کے اختیارات یہ ہیں کہ بلوغ سے پہلے بدون اس کی اجازت کے بچہ کا نکاح صحیح نہیں ہوسکتا اور ولی فی المال ان ورثاء مذکورین میں سے کوئی نہیں۔

قال فی الشامی: فان الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی و نائبہ فقط اھ (ص ۵٠٩ ج ٢)

پس اگر نابالغ کے باپ نے کسی شخص کو وصی بنایا ہو خواہ انہی ورثہ میں سے یا کسی اور کو وہ ولی فی المال ہوگا ورنہ پھر ولایتِ مال اس کو ہوگی جس کو حقِ حضانت حاصل ہو اور صورتِ مسئولہ میں حقِ حضانت بھی دادی ہی کو حاصل ہے۔

لما فی الدر : ثم ای بعد الام ام الام ثم ام الاب اھ (ص ۱۵۰ ج ۲)

وقال فی الکفایۃ : و ان لم یکن احد من ھٰؤلاء الاربعۃ (ای الأب ووصیہ والجد ووصیہ) جاز قبض من کان الصبی فی عیالہ وحجرہ ولم یجز قبض من لم یکن فی عیالہ لانہ اذا کان فی عیالہ فلہ علیہ ضرب ولایۃ الخ (ص ۴۹۴ ج ۷ - مع الفتح)

وفی الھدایۃ : ونوع آخر ما کان من ضرورۃ حال الصغار وھو شراء ما لابدّ للصغیر منہ وبیعہ واجارۃ الاظآر وذلک جائز ممن یعولہ وینفق علیہ کالاخ والعم والام والملتقط اذا کان فی حجرھم (ج ۴ ص ۲۶۰)

وفی الحامدیۃ : قولھم : ان عائل الیتیم یملک بیع ما لابد منہ خاص بغیر العقار من نحو المنقولات امّا العقار فلیس لہ بیعہ اھ (ص ۲۹۶ ج ۲)

ولی فی المال کے اختیارات یہ ہیں کہ یتیم کو کوئی شخص کچھ ھبہ کرے تو اس پر قبضہ کر کے اس کی حفاظت کرے یتیم کی جائیداد وغیرہ کی حفاظت کرے۔ خود یا بواسطہ وکیل کے اور جس چیز کی اُس کے لئے خریدنے کی ضرورت ہو خریدے اور اس کی اشیاءِ منقولہ میں سے جس چیز کا بیع کرنا مصلحت ہو اس کی بیع کردے لیکن جائیداد و مکاناتِ غیر منقولہ کی بیع نہیں کرسکتا واللہ اعلم۔

حررہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ ر محرم الحرام ۴۵ھ

اس صورت میں حقِ حضانت حقیقی خالہ کو اور ولایتِ نکاح نانا حقیقی کو حاصل ہے	سوال : کیا فرماتے ہیں علماءِ دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلم سُنی حنفی نے تین نابالغ لڑکیاں

(۱۰ ر سال ، ۸ ر سال، ۵ ر سال) اور ایک نابالغ لڑکا (۶ ر سال) بوقتِ انتقال چھوڑا۔ اور پھر شخصِ مذکور کی موت کے چھ ماہ بعد ان کی اہلیہ یعنی ان چار بچوں کی ماں بھی گذر گئیں۔ فی الحال ان نابالغ بچوں کے قرابت داروں میں ایک حقیقی پھوپھی نانا حقیقی ایک حقیقی خالہ ہیں۔ حقیقی نانا کے بہت سے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں بچوں کی حقیقی نانی ۲۵ ر سال قبل گذر گئیں سوتیلی نانی موجود ہیں اور سوتیلی نانی ہی کے سارے بچے حقیقی نانا کے ساتھ ہیں۔ خالہ حقیقی

کے شوہر جو پیشہ سرکاری ملازمت میں ہیں شہر بشہر بدلتے رہتے ہیں ایک شہر میں دو تین سال بھی مستقل طور پر قیام نہیں کر سکتا۔ پھوپھی نانالغ بچوں کے ساتھ ہمیشہ بیوہ ہو کر رہ رہی ہیں اور ہمیشہ اپنے بھائی مرحوم (بچوں کے والد) کے ساتھ رہی ہیں اور ایک شہر ہی میں مستقل رہنے والی ہیں، لاولد ہیں خالہ کے بچے متعدّد چھوٹے چھوٹے ہیں لٰہذا صورتِ مذکورہ بالا میں بچوں کا ولی شرعًا کون مقرر ہو سکتا ہے اور حقِ ولایت اور حقِ حضانت کس کو حاصل ہے؟ بیّنوا توجروا۔

الجواب

اگر خالہ حقیقی کے شوہر ان لڑکیوں کے محرم ہوں اور خالہ حقیقی باوجود ایسی ملازمت کے بھی حضانت پر راضی ہو تو خالہ حقیقی حقِ حضانت میں مقدّم ہے ورنہ پھوپھی کو حقِ حضانت حاصل ہوگا۔

قال فی الدر: ثم الخالات کذلک ای لابوین لام ثم لاب ثم العمّات کذلک اھ (ص ۱۰۵۰ ج ۲ مع الشامی)

وفیہ: والحاضنۃ یسقط حقها بنکاح غیر محرمہ ای الصغیر وکذا بسکناها عند المبغضین له اھ (ص ۱۰۵۲ ج ۲)

اور حقِ ولایت نکاح نانا حقیقی کو ہے۔

قال الشامی بعد کلام طویل عن فتح القدیر وقیاس ما صحّح فی الجدّ والاخ من تقدم الجد تقدم الجد الفاسد علی الاخت اھ فثبت بهٰذا ان المذهب ان الجدّ الفاسد بعد الام قبل الاخت اھ کلام البحر (ج ۲ ص ۵۱۳) باب الولی واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ از تھانہ بھون

۱۶ / محرم ۱۳۴۵ھ

احکامِ حضانت اور یتیم کے مال وزمین میں حاضنہ کے تصرف کا حکم	سوال مسـ محمد اسماعیل زوجہ۔ ابنین صغیرین۔ عم وصهرِ عم۔ ابن العم عبدالمجید شفاعت اللہ عبدالغفور

اب سوال یہ ہے کہ محمد اسماعیل مرحوم کی زوجہ ان کے نابالغ دونوں لڑکوں کی ماں ہے اب ان دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی صورتِ مرقومہ بالا میں سے کون ہوں گے اور نکاح کے کون اور مال وجائیداد کے انتظام وحفاظت

کے ولی کون ہوں گے تحریر فرما کر عند اللہ ثواب حاصل فرمائیں۔

الجواب ھوالموفق للصدق والصواب

من بعض علماءِ بنگال

محمد اسماعیل مرحوم کے نابالغ دونوں لڑکوں کی پرورش کے ولی لڑکوں کی ماں ہے۔ کذا فی کتاب الحضانۃ۔ اور نکاح کے واسطے مرحوم کے دونوں چچے شفاعت اللہ وعبد المجید ولی ہیں مگر عبد المجید ذوالقرابتین ہونے کی وجہ سے اقرب ہے۔

درمختار باب الولی میں ہے: الولی فی النکاح العصبۃ بنفسہ وھو من یتصل بالمیت بلا توسط انثیٰ علیٰ ترتیب الارث والحجب۔

اور مال وجائیداد کے انتظام وحفاظت کے بارے میں ردالمحتار باب الولی میں مذکور ہے: الولی فیہ الاب ووصیہ والجد ووصیہ والقاضی ونائبہ وقال الطحطاوی فی باب الولی تحت قول صاحب درالمختار (لا المال) اما الولی فیہ فالاب ووصیہ و وصی وصیہ والجد کذلک والقاضی ووصیہ کما ذکرہ المصنّف متناً کما سیأتی۔

پس صورتِ مسئولہ میں بوجہ فقدانِ وصیِ اَب وَجَد کے مال کے انتظام وحفاظت قاضی یا نائب قاضی کے ساتھ متعلق رہیگا۔

اب دوسرا سوال یہ ہے کہ: محمد اسماعیل مرحوم کی اولادِ صغار ریاست پٹرہ غیر مسلم راجہ کے عملداری میں رہنے والے ہیں اور یہاں مسلمان حاکم یا قاضی وغیرہ کچھ نہیں ہیں۔ اب مرحوم کے ترکہ کس کے حوالہ کیا جائے۔

الجواب

مرحوم کے کنبہ والے ومحلہ دار سب ملکر کسی کو حَکَم مقرر کر کے ترکہ کو حَکَم کی ذمہ داری میں رکھیں کیونکہ حَکَم اموال کے بارے میں مثل قاضی کے ہے۔ درمختار باب التحکیم میں ہے: والحاصل انہ کالقاضی الا فی مسائل۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ: عبد المجید محمد اسماعیل مرحوم کے چچا اور خسر ذوالقرابتین ہے اور کنبہ اور محلہ کے معتمد لوگوں میں سے بھی ہے لہٰذا ان کو نابالغوں کے مال وجائیداد کی حفاظت وانتظام کے لئے حَکَم بنانے میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟

الجواب: اگر عبد المجید واقعی اوصافِ مذکورہ فی السؤال کے ساتھ متصف ہے

تو محلہ والوں کے مشورہ سے مرحوم کی اولادِ صغار عاقل بالغ ہونے تک ان کے مال وجائیداد کی حفاظت و انتظام کے لئے عبدالمجید ہی کو حکم بنانے میں کوئی حرج نہیں بلکہ افضل معلوم ہوتا ہے

واللہ اعلم

راقم سید واجد علی عفا اللہ عنہ ساکن اسلام آباد
ڈاکخانہ کھوالی ضلع ٹپرہ اسٹیٹ

۳۰ / ۱ / ۴۵ھ

تفصیل الجواب من جامع امداد الاحکام

قال فی الهداية : و اذا وهب لليتيم هبة فقبضها وليه وهو الاب ووصی الاب او جدّ اليتيم او وصيّه جاز لأنّ لهٰؤلاء ولاية عليه لقيامهم مقام الاب. وان كان فی حجر أمّه فقبضها له جائز لأنّ لها الولاية فيما يرجع الى حفظه وحفظ ماله وهٰذا من بابه لانه لا يبقى الا بالمال فلابد من ولاية التحصيل. و قال صاحب الكفاية تحت قوله " لأنّ لهٰؤلاء الخ " و ان لم يكن من هٰؤلاء اربعة جاز قبض من كان الصبی فی حجره وعياله ولم يجز قبض من لم يكن فی عياله لانه اذا كان فی عياله فله عليه ضرب ولاية الخ (مع فتح القدير ص ۴۹۴ ج-۷)

و فی الهداية ايضاً : ونوع آخر ما كان من ضرورة حال الصغار وهو شراء ما لابدّ للصغير منه وبيعه واجارة الآظار و ذلك جائز ممن يعوله وينفق عليه كالاخ والعم والام والملتقط اذا كان فی حجرهم و اذا ملك الملتقط هٰذا النوع فالولی اولی به الا انه لايشترط فی الولی ان يكون الصبی المذكور فی الفرع الاول (ص ۲۶۳ ج ۳)

و فی الفتاوی الحامدية : نعم و يجوز شراء ما لابد للطفل منه وبيعه لاخيه و عمّه و امّه و ملتقطه ان هو فی حجرهم دفعاً للضرر عنه وتوجّر امّه فقط وكذا ملتقطه علی الاصح (الی ان قال) وجاز ايضاً شراء ما لابد للصغير منه كالنفقة والكسوة واستيجار الظئر ونحو ذلك وبيعه ای بيع ما لابدّ منه ايضاً للصغير لاخ وعم وام هو ای الصغير فی حجرهم دفعاً للضرر عنه اھ (ص ۲۹۵ ج ۲)

و فيه ايضاً : ثم ان ما مرّ من ان عائل اليتيم يملك بيع ما لابدّ منه خاص بغير العقار من نحو المنقولات فليس له بيعه ولو مع وجود المسوغات لما فی الدر المختار :

وھذا ای بیع العقار للمسوغ لو البائع وصیاً لا من قبل ام واخ فانھما لایملکان بیع العقار مطلقاً ولاشراء غیر طعام وکسوۃ الخ (ص ۲۹۶ ج-۲)

مجیب اول کا یہ جواب تو بالکل صحیح ہے کہ ان صغیرین غیر بالغین کا حقِ حضانت ماں کو حاصل ہے البتہ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر یہ صغیرین دونوں لڑکے ہیں تو ماں کو حقِ حضانت سات برس کی عمر تک ہے۔ جب یہ لڑکے سات سال کے ہوجائیں اس کے بعد حقِ حضانت ولی اقرب عصبہ کو ہے اور اگر ان میں سے کوئی لڑکی بھی ہے تو حقِ حضانت لڑکی کے بالغ ہونے تک ہے۔

قال فی الدر: والحاضنۃ اما او غیرھا أحق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدّر بسبع وبہ یفتی والام والجدّۃ احق بھا ای بالصغیرۃ حتی تحیض ای تبلغ فی ظاھر الروایۃ اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

نیز مجیب اول کا یہ جواب بھی صحیح ہے کہ ولایت نکاح صغیرین میت کے دونوں چچا کو حاصل ہے مگر مجیب نے ایک چچا کو بوجہ ذوالقرابتین ہونے کے جو ترجیح دی ہے اس ترجیح کی کوئی دلیل بیان نہیں کی اور قواعد سے یہ ترجیح صحیح نہیں کیونکہ علاقۂ مصاہرت کو ولایت نکاح میں کچھ دخل نہیں اسکی وجہ سے ایک عصبہ کو دوسرے عصبہ پر کوئی ترجیح ہوسکتی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان صغیرین کا ولی ہر چچا بدرجہ مساوی ہے ان میں سے جو بھی صغیرین کا نکاح اول کرے گا نافذ و معتبر ہوگا بشرطیکہ کفو سے کرے اگر یہ صغیر لڑکی ہو اور صغار ذکور میں رعایت کفاءت مختلف فیہ ہے۔

قال فی الدرّ: ولو زوّجھا ولیان مستویان (کأخوین شقیقین) قدم السابق فان لم یدر او وقعامعاً بطلا اھ (ص ۵۱۵ ج ۲)

قال الشامی تحت قول الدر وان کان المزوّج غیرھما لایصح النکاح من غیر کفؤ مثل قول الکنز ولو زوّج طفلہ غیر کفؤ او بغبن فاحش صحّ ولم یجز ذلک لغیر الاب والجد ومقتضاہ ان الاخ لو زوّج اخاہ الصغیر امرأۃ ادنی منہ لایصح وفیہ مامرّ عن الشرنبلالی من ان الکفاءۃ لاتعتبر للزوج اھ (ص ۵۰۰ ج ۲)

اور مجیب اول نے ولایتِ مال و حفظِ جائیداد کے متعلق جو تکلف کیا ہے اس کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ بر تقدیر فقدان اب وجد ووصی ایشان ولایتِ حفظ مال و انتظام جائیداد اس ولی کو حاصل ہے جس کو حقِ حضانت حاصل ہے جیسا کہ جزئیاتِ مذکورہ سے

مستفاد ہوتا ہے پس صورتِ مسئولہ میں ولایت حفظِ مال و انتظام جائیداد بھی صغیرین کی ماں کو حاصل ہے جب تک کہ اس کو حقِ حضانت حاصل ہے جس کی حد اوپر مذکور ہو چکی خواہ وہ خود انتظام کرے یا کسی معتبر شخص کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ انتظام کرائے البتہ ماں کو صغیرین کی جائیداد کی بیع کا حق حاصل نہیں اور منقولات میں سے بھی بلا ضرورتِ شدیدہ کسی شئی کو بیع نہیں کر سکتی۔ فقط واللہ اعلم

حرّرہ الاحقر ظفر احمد عفا عنہ۔

۸، صفر ۴۵ھ

بچے کے غیر محرم سے حاضنہ کا نکاح مُسقط حقِ حضانت ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین رحمکم اللہ اس مسئلہ میں کہ دو لڑکیاں نابالغ یتیم ہیں ماں باپ کا انتقال ہو گیا ہے نانی، دادی بھی زندہ نہیں ہیں لیکن خالائیں اور پھوپھیاں، تین چچا بھی ہیں اور ماموں بھی، ابتداء سے ان لڑکیوں کی مجھلی خالہ نے ان کو پالا ہے ان کی والدہ مرحومہ کی زندگی میں بھی اور ڈھائی تین مہینہ تک بعد انتقال کے بھی۔ مرتے وقت ان کی والدہ نے اسی خالہ کے حوالہ بھی ان کو کیا تھا۔ یہ مجھلی خالہ ان لڑکیوں کی والدہ مرحومہ سے عمر میں بھی بڑی ہے اور شادی بھی مرحومہ کی شادی سے ۵ / ۶ سال قبل ہوئی ہے۔ اس خالہ کی کوئی اولاد نہیں ہے، لا ولد ہے۔ اب ان لڑکیوں کو ان کی والدہ مرحومہ کے انتقال کے ڈھائی تین مہینہ کے بعد ان کی پھوپھیوں نے اپنے یہاں بلا کر روک لیا ہے اور خالہ کے پاس بالکل آنے نہیں دیتیں خالہ ان کے فراق میں بہت بے قرار ہے۔ اس نے مثل اولاد کے بچپن سے اب تک پالا ہے محبت کے باعث آب دیدہ رہا کرتی ہے۔ یہ لڑکیاں اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ اور خالائیں سب ایک ہی مکان میں جو ان کے نانا کا ہے اب تک رہتی تھیں اور خالائیں اب بھی اس مکان میں بدستور ہیں، خالہ دعویدار ہے کہ میرا حق سب سے زیادہ ہے یہ لڑکیاں مجھ کو بغرضِ پرورش ملنی چاہئیں۔ ایک پھوپھی جس کی ابھی شادی نہیں ہوئی ہے اور دوسری پھوپھیوں سے چھوٹی ہے اس کے پاس یہ لڑکیاں اب ہیں وہ پھوپھی بھی اب دعویدار ہوئی ہے کہ لڑکیوں کی پرورش میں کروں گی میرا سب سے زیادہ حق ہے اس واسطے کہ جو خالہ دعویدار ہے و نیز دیگر خالہ پھوپھیاں سب شادی شدہ ہیں اور سب کے شوہر لڑکیوں کے غیر محرم ہیں لہٰذا سب کے حقوق جاتے رہے صرف اب میں حقدار ہوں جو خالہ دعویدار ہے اس نے بھی شادی کر لی ہے اس کا شوہر بھی لڑکیوں کا محرم نہیں ہے۔ خالہ یہ جواب

ہے کہ میں نے اب دوسرا شوہر نہیں کیا۔ میری شادی کو سولہ برس ہو چکے ہیں پہلے شوہر ہونے سے گو وہ لڑکیوں کا نامحرم ہی ہو حق پرورش نہیں جاسکتا کیونکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی کو ان کی خالہ کے سپرد فرمایا تھا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں پیشتر سے تھیں۔ اور فرمایا تھا کہ خالہ بمنزلۂ ماں کے ہے۔ اگر پہلے کے شوہر غیر محرم ہونے سے حق جاتا رہتا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسے اس خالہ کو حوالہ فرماتے حالانکہ حضرت جعفر حضرت حمزہ کی صاحبزادی کے غیر محرم اور چچیرے بھائی تھے۔ حضرت شاہ اہل اللہ صاحب برادر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے بھی کنز الدقائق کے ترجمے میں جس کا نام "احسن المسائل کامل ترجمہ کنز الدقائق" ہے اور جو مطبع مجیدی کانپور میں ۱۹۱۹ء کو چھپی ہے، اس بات کو خوب صاف فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں: پھر اسی (سگی سوتیلی کے) ترتیب سے خالائیں۔ اگر خالائیں بھی نہ ہوں تو اس ترتیب سے پھوپھیاں اور جو عورت بچہ کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق جاتا رہے گا۔ (ف) یعنی جس سے اب اس عورت نے دوسرا نکاح کیا ہے وہ اس بچہ کا قریبی رشتہ دار نہیں ہے تو اب اس بچہ کی پرورش کرنے میں اس عورت کا حق نہ رہا۔ ص ۱۲۶

تو سوال یہ ہے کہ مذکورۂ بالا صورت میں لڑکیاں کس کو بغرض پرورش ملنی چاہئیں۔ کس کا حق ہے؟ اور خالہ اور پھوپھی میں کس کس کی بات صحیح اور شرع کے موافق ہے؟ جواب مدلل، مشرح اور مفصل درکار ہے۔ بیّنوا توجروا

حسین محمد صالح محلہ از مولمین پوسٹ بکس ۱۰۸

الجواب

چھوٹی پھوپھی کا یہ قول صحیح ہے کہ خالہ کا شوہر چونکہ یتیم لڑکیوں کا محرم نہیں ہے اس لئے خالہ کا حقِ حضانت ساقط ہوگیا۔

قال فی الدر: تثبت للام الا ان تکون مرتدۃ أو فاجرۃ او متزوّجۃ بغیر محرم الصغیر اھ

قال فی الشامی: ومثلہ (فی سقوط حقّ الحضانۃ) لو تزوّجت باجنبی وصارت الحضانۃ لغیرھا کالاخت فانہ لا یلزمھا ان تربیہ او ترضعہ عند الام (ص۱۰۴۴ ج ۲)

اور خالہ نے جو دلیل بیان کی ہے اس کی صحت اس پر موقوف ہے کہ اول یہ ثابت کردے کہ بنت حمزہ کی کوئی پھوپھی بغیر نکاح کے اس وقت موجود تھی اور جب خالہ اور پھوپھی

سب کے سب صغیر یتیم کے نامحرم کے نکاح میں ہوں تو اس صورت میں خالہ مقدم ہوگی
پس بصورتِ موجودہ چھوٹی پھوپھی ان یتیم لڑکیوں کی پرورش کا زیادہ حق رکھتی ہے بشرطیکہ
وہ بالغ ہو اور پرورش کے قابل ہو اگر اس چھوٹی پھوپھی نے کسی وقت ان یتیم لڑکیوں کے نامحرم
سے نکاح کرلیا تو حق حضانت پھر چچا کی طرف عود کریگا اگر اس وقت بھی یہ لڑکیاں نابالغ ہوں۔
قال فی الدر: ثم الخالات ثم العمات ثم العصبات بترتیب الارث الخ (۲ج ۱۰۵)

حررہ الاحقر ظفر احمد عفاعنہ
۲ ررجب ۱۳۴۵ھ

لڑکا سات سال کا ہو تو ماں کو اس کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ولی عصبہ کو ہے

سوال: عبدالغفور ایک شخص ہے جو اپنے حقیقی چچا کے پاس رہتا تھا بعد انتقالِ چچا کے عبدالغفور کی چچی نے دوسرے شخص سے شادی کرلی جو کہ عبدالغفور کی مرضی کے خلاف ہوئی۔ لیکن یہ عقد ہونے پر کیا کرسکتا تھا چچا کے صرف دو لڑکے ہیں جو نابالغ ہیں ایک کی عمر دس برس ہے اور دوسرے کی عمر بارہ یا تیرہ برس ہے۔ اب عبدالغفور لڑکوں کی پرورش خود کرنا چاہتا ہے اور جس شخص سے عبدالغفور کی چچی نے عقد کیا ہے اس کے ذریعہ سے وہ پرورش کرانا نہیں چاہتا اور یہ ہی عدالت میں عبدالغفور کو بھتیجا قرار دیا گیا ہے سوائے اس ایک بھتیجے کے اور کوئی حقیقی رشتہ دار نہیں ہے۔ اب عدالت نے فتویٰ طلب کیا ہے کہ تم فتویٰ پیش کرو کہ آیا تم اپنے چچا کے لڑکوں کے اور کل مال و جائیداد وغیرہ کے شرعی حقدار ہو یا نہیں؟ لھذا براہ کرم جواب سے فوراً مطلع فرمائیں کہ یہ شخص یعنی عبدالغفور اپنے چچا کے لڑکوں کو شرعاً ان کی والدہ سے لیکر خود پرورش کرسکتا ہے یا نہیں؟ عبدالغفور کے چچا کو مرے ہوئے تین برس ہوگئے ہیں اور لڑکے دونوں اپنی والدہ کے پاس ہیں بعد انتقال والد ان کی پرورش آج تک ان کی والدہ ہی نے کی ہے اور جو کچھ مال اسباب جائیداد چچا کا ہے اس کا مالک کون ہے؟ اور کس کے تحت میں وہ رہے جب تک لڑکے بالغ نہ ہوں۔

عبدالغفور تھانوی بیرون جالوری دروازہ حویلی جوشی
ابنا داس جی۔ جودھ پور

الجواب

قال فی الدر: والحاضنۃ اما أو غیرھا أحق بہ ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبہ یُفتیٰ لانہ الغالب اھ

قال الشامي : وفی شرح المجمع : واذا استغنی الغلام عن الخدمة الاب اوالوصی اوالولی علی أخذه لانه أقدر علی تادیبه وتعلیمه اھ

وفی الخلاصة وغیرھا : واذا استغنی الغلام وبلغت الجاریة فالعصبة اولی یقدم الاقرب فالاقرب اھ (ص ۱۰۵۴ ج ۲)

ان نصوص سے معلوم ہوا کہ صورتِ موجودہ میں جب نابالغ بچوں کی عمر ۷ سال سے زیادہ ہے تو اب ماں کو ان کی پرورش کا حق نہیں بلکہ ان بچوں کے ولی عصبہ کو یعنی میت کے بھتیجے عبدالغفور کو ان کی پرورش کا حق ہے اور وہی میت کی جائیداد کی حفاظت وانتظام کا حقدار ہے باقی ملکیت کا اس جائیداد میں اس کو کوئی حق نہیں کیونکہ جب میت کے لڑکے موجود ہیں تو ان کے سامنے بھتیجے کو میراث کچھ نہیں مل سکتی۔ ہاں وہ ان کے بلوغ تک جائیداد وغیرہ کا انتظام کرسکتا ہے اور اس انتظام کا معاوضہ حاکم کی رائے میں جتنا مناسب ہو وہ پاسکتا ہے اس سے زیادہ اس کو اور کچھ حق نہیں سب میت کے لڑکوں کا ہے جو فرائضِ شرعی سے معلوم ہوسکتا ہے۔

از خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون

۱۴ر شعبان ۴۳ھ

بالغ ہونے تک لڑکیوں کی پرورش کا حق ماں کو ہے | **سوال** : جناب مولانا صاحب السلام علیکم!

طلاق دی ہوئی عورت کے پاس لڑکیاں جن میں ایک کی عمر چھ سال اور دو کی عمر تین سال ہے رکھنا جائز ہے یا ناجائز؟ اور طلاق دی ہوئی عورت اپنے میکے یعنی اپنی ماں کے گھر رہتی ہے مرد کے مکان سے کوئی نسبت نہیں اور نہ کبھی آئندہ رہ سکتی ہے دونوں لڑکیوں کی نانی وغیرہ کہتی ہیں کہ ابھی بالکل بچہ ہے یہیں رہیں گی۔ مرد اس وجہ سے دریافت کرنا چاہتا ہے کہ طلاق دی ہوئی عورت کی بڑی بہن جس کی بیوہ ہونے کو آٹھ دس برس ہوا اس نے ابھی تک دوسرا نکاح نہیں کیا اس وجہ سے اس کی ساس وسسر بہت کرتے ہیں اور محبت سے پہلے کی طرح رکھ رہے ہیں اسی وجہ سے وہ دوسرا نکاح کرتی ہے اسی خیال سے اگر مرد لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے اور وہیں خرچ بھیجے تو خرچ کی بدولت اور بچوں کی محبت کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس کا کیا حکم ہے لڑکیوں کو طلاق دی ہوئی عورت کے پاس رکھے یا اپنے ماں باپ یعنی لڑکیوں کے دادا، دادی کے گھر رکھے اور مرد کو پورا یقین ہے کہ اگر خرچ طلاق دی

ہوئی عورت کے پاس گھر جائیگا بچوں کے واسطے تو وہ ہرگز ہرگز دوسرا نکاح نہیں کرسکتی ہے فقط ۔ خاکسار محمد عزیز خطوط نویس الٰہ آباد سٹی پوسٹ آفس الٰہ آباد

۱۶ر اپریل ۱۹۳۰ء یوم چہار شنبہ

الجواب

جب تک زوجہ مطلقہ دوسرا نکاح نہ کرے اس وقت تک وہ ان لڑکیوں کے بالغ ہونے تک ان کی پرورش کا حق رکھتی ہے ۔ باپ کو لازم ہے کہ اس سے لڑکیوں کو بلا وجہ الگ نہ کرے بلکہ لڑکیوں کا خرچ ان کی ماں ہی کے پاس بھیجتا رہے اور جو وجہ شبہ کی سائل نے بیان کی ہے اس سے ماں کا حقِ پرورش باطل نہیں ہو سکتا۔ اگر وہ اپنی اولاد کی محبت اور پرورش کی وجہ سے دوسرا نکاح نہ کرے تو اس میں حرج کیا ہے بلکہ اس کو صبر کا اجر ملیگا نکاح ثانی اس عورت پر لازم ہے جو رسم و رواج کی وجہ سے اس سے رُکتی ہو حالانکہ اس کو اپنی عفت محفوظ نہ رہنے کا خطرہ ہو اور جس کو یہ خطرہ نہ ہو بلکہ اپنی اولاد کی پرورش کرنے کے لئے اپنے کو خاک میں ملادے اس پر نکاحِ ثانی لازم نہیں ۔ واللہ تعالیٰ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہِ امدادیہ

۱۹ر ذی قعدہ ۱۳۴۸ھ

باپ، ماں کی خالہ، دادا، دادی میں کون احق بالحضانت ہے ؟

سوال : ایک عورت سات برس کی لڑکی چھوڑ کر اور اس کو اپنی خالہ کے سپرد کرکے مرگئی اور اس لڑکی کے حسب ذیل اقارب ہیں : ایک ماں کی خالہ مذکورہ جو لڑکی کو خوشی سے پرورش کر رہی ہے اور باپ جو اس مذکورہ کی پرورش پر راضی ہے اور دادا ، دادی جو کہ لڑکی کو اس مذکورہ پرورش کنندہ سے لینا چاہتے ہیں ۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا صورتِ مذکورہ میں دادا ۔ دادی اس لڑکی کو جبرًا اس مذکورہ پرورش کنندہ سے شرعًا لے سکتے ہیں یا نہیں ؟ بیّنوا توجروا

الجواب

فی الدر : فی باب الحضانۃ ثم بعد الام أمّ الام ثم أمّ الأب وان علت ثم الاخت ثم الخالات ثم العمّات ثم خالۃ الامّ ثم خالۃ الاب ثم عمّات الامّھات والآباء ثم العصبات بترتیب الارث اھ (ص ۱۰۵ ج ۲)

پس صورتِ مسئولہ میں اس لڑکی کا حقِ حضانت دادی کو ہے ماں کی خالہ اور باپ کو نہیں

ہے وہ اگر بچہ کی پرورش کرنا چاہیں تو دادی کی اجازت سے کر سکتے ہیں بدون اس کے نہیں
فان لمن لہ حق الحضانۃ لہ اسقاط ھٰذا الحق ایضاً۔ واللہ اعلم

از خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون
۲۳ر ذی قعدہ ۴۸ھ

حاضنہ ایام حضانۃ میں بچے پر صرف کی ہوئی رقم بچے کے مال سے اس کی ملک میں اگر مال ہو لے سکتی ہے ورنہ باپ کے ذمہ ایام حضانۃ کا خرچ لازم ہوگا

سوال: فاطمہ مرحومہ کے تعلقات آخر میں خراب ہو گئے تھے کیونکہ اس کا شوہر باوجود بلانے کے نہیں آیا تھا۔ چنانچہ مرتے وقت فاطمہ مرحومہ نے اپنی والدہ کو یہ وصیت کی تھی کہ میرا تمام سامان اور روپیہ پیسہ اور میرا لڑکا ان سب کو اپنے پاس رکھنا اپنے شوہر کے متعلق یہ کہا تھا کہ اس کو کچھ نہ دینا جب لڑکا جوان ہو جائے تو سب کچھ اس لڑکے کو دیدینا۔ مرحومہ کی ماں یعنی بچہ کی نانی نے پرورش کرتے وقت یہ نیت کی تھی کہ اگر لڑکے کے باپ نے مجھ سے اچھے تعلقات نہ رکھے تو میں اس سے پرورش کا پورا صرفہ لوں گی۔ چنانچہ بچے کے باپ نے تعلقات خراب کر لئے، ملنا جلنا ترک کر دیا، بچے کو جب دس سال کا ہو گیا تو زبردستی بذریعہ عدالت بچے کی نانی سے لے لیا بچے کی نانی نے صرفۂ پرورش کا مطالبہ بچے کے باپ سے کیا تو بچے کے باپ نے انکار کر دیا۔ بچہ کی نانی نے پرورش میں اور تعلیم میں اور عقیقہ و ختنہ کی تقریب میں کافی رقم صرف کی اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بچے کی نانی زرِ مہر اور مرحومہ کے دیگر ترکہ سے مذکورۂ بالا رقم سے لے سکتی ہے یا نہیں؟

خادم عبدالمجید

الجواب

چونکہ نانی کو اس صورت میں حقِ حضانت حاصل تھا اس لئے اس نے جسقدر رقم بچے کے کھانے کپڑے میں اور تعلیم میں صرف کی ہو وہ بچہ کے حصہ میں سے جو اس کو اپنی ماں کے ترکہ میں سے ملا ہو لے سکتی ہے اور جو رقم تقریبات میں خرچ کی ہے وہ نہیں لے سکتی اور شوہر کے حصے میں سے اس وقت لے سکتی ہے جبکہ بچہ کا حصہ نفقہ کے لئے کافی نہ ہو۔

والمسئلۃ فی الشامیۃ ص۱۴۵ ج۲۔ واللہ اعلم۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ
۲۶ر محرم ۴۹ھ

باپ حاضن اپنے مالدار صغیر بیٹے کا کھانا اپنے ایندھن سے پکائے تو ایندھن کے عوض اس میں سے باپ کو کھانا جائز ہے یا نہیں؟

سوال: ایک شخص اپنے صغیر لڑکے کا حاضن ہے اور صغیر مالدار ہے اور صغیر کے مال سے صغیر کے لئے باپ اپنا ایندھن لکڑی وغیرہ جلا کر کھانا پکاتا ہے تو کیا باپ کے لئے جائز ہے کہ اس کھانے میں سے اپنی مؤنت اور ایندھن کے عوض میں کچھ کھالیا کرے یا نہیں ؟

الجواب

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

اگر باپ غنی ہے تو اس کو صغیر کے مال میں سے نہ کھانا چاہئے ہاں ایندھن کا عوض نقد لے سکتا ہے جبکہ ایندھن کی مقدار معین صغیر کے لئے جلانے سے پہلے الگ کردی جائے باقی مؤنت کے عوض نہیں لے سکتا لعدم تحقق الاجارۃ۔ اور فقیر ہے تو مؤنت کا عوض بھی لے سکتا ہے لا لکونہ اجرۃ بل لکون الاب محتاجا الی مالہ ۔ اور بدون مؤنت کے بھی حاجت کے وقت بقدر ضرورت کھا سکتا ہے ۔ واللہ اعلم ۔

۷ ر ذی الحجہ ۴۹ھ

کتاب النفقات

فصل فی نفقة الزوجة وسکناھا

زوجہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کا مال خرچ نہیں کرسکتی۔

سوال: ھندہ زوجۂ زید ہے اور زید پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے تو کیا پورا پچاس روپیہ ماہوار ھندہ کا نفقہ زید کے ذمہ واجب ہیں یا کس قدر؟ اور اگر اس کی پوری آمدنی پچاس روپیہ کی ہندہ کے پاس امانت رہتی ہو تو کیا وہ ان سب کے صرف کر دینے کی بلا رضامندی شوہر خود مالک و مختار ہے یا نہیں؟

الجواب

اگر ھندہ کو سب رقم خرچ کرنے کی زید نے اجازت دیدی ہو تو وہ سب صرف کرسکتی ہے ورنہ نہیں اور اجازت دینے کی صورت میں زید کو اپنے باپ کی حق تلفی کا گناہ ہوگا اور اگر ھندہ زید کو اغوا کرتی ہے کہ تو اپنے باپ کی خدمت نہ کر تو اس کو بھی گناہ ہوگا اور بھائی بہن اگر اپاہج نہیں ہیں تو زید کے ذمہ ان کا نفقہ نہیں ہے واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

عورت کے ناشزہ ہونے کی صورت میں اس کا نان نفقہ اور مہر کا مطالبہ کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے نکاح کیا بعد چار پانچ ماہ کے ھندہ نے اپنے والدین کے گھر جانے کی غرض سے زید سے دو روز کی مہلت چاہی زید نے دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ہندہ کو اس کے والدین کے گھر روانہ کیا۔ ہندہ اپنے ماں باپ کے گھر جاتے وقت زیورات وغیرہ جو نکاح کے وقت ڈالے گئے تھے ہمراہ لے کر گئی لیکن ہندہ اپنے اقرار کے موافق دو روز کے بعد نہیں آئی۔ یہاں تک کہ چار پانچ مہینہ تک آئی نہیں۔ زید بھی ھندہ کے اقرار پر نہ آنے کی وجہ سے خفا ہو کر خاموش ہو گیا بعد دو چار ماہ کے زید نے کسی کو یوں کہلا بھیجا کہ اس وقت تیری مرضی کیا ہے کہ اس طرح اپنے والدین کے گھر بیٹھی ہوئی ہے تو اس کے جواب میں ھندہ یوں کہتی

ہے کہ میں زید سے ناراض ہوں، میرا اس کے پاس آنا نہ ہوسکے گا، مجھے نان نفقہ اور مہر ادا کرنا چاہیئے اور زیورات وغیرہ جو بوقتِ روانگی ہمراہ لے گئی تھی اس سے انکار کرتی ہے کہ میں نے کچھ نہیں لایا۔ تمام زیورات وغیرہ زید کے گھر میں ہیں وہ بھی مجھے دینا چاہیئے۔ تو زید کہتا ہے کہ ھندہ تو اپنے اقرار پر ثابت نہیں رہی کہ دو روز کے بعد آنے کے اقرار پر ماں باپ کے گھر بیٹھ گئی۔ دوسرے بلوانے پر بے باکانہ طور پر نان ونفقہ اور مہر چاہنا۔ زیورات وغیرہ ہمراہ لیجاکر اس سے انکار کرنا اور پھر زیورات کا چاہنا لہٰذا یہ نان ونفقہ اور مہر کی حقدار نہیں اور کوئی حق اس کا میرے پاس ثابت نہیں پس دریں صورت زید کا قول صحیح ہے یا ہندہ کا؟
بیّنوا بالتفصیل توجروا بالآخرة۔

الجواب

اگر مہر کل مؤجل ہے تب تو عورت کو قبل از موتِ زوج یا طلاق، مطالبۂ مہر کا کوئی حق نہیں اور اگر بعض معجل ہے تو مہرِ معجّل کے مطالبہ کا ھندہ کو حق حاصل ہے۔ اور نفقہ کا حکم یہ ہے کہ اگر مہر کُل مؤجل ہے تو اس کے وصول کرنے کے لئے ھندہ کو زوج سے رُکنے کا حق نہیں اس صورت میں وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔ اور اگر کل مہر یا بعض معجل ہے اور ھنوز ھندہ کو وصول نہیں ہوا تو اس کے وصول کرنے کے لئے شوہر سے رُکنے کا اُسے حق حاصل ہے۔ اس صورت میں وہ ناشزہ نہ ہوگی اس کو نفقہ بھی ملیگا۔ اور اگر مہرِ معجّل اس کو مل چکا ہے تو اب اس کو رُکنے کا حق حاصل نہیں ہے وہ ناشزہ ہے جس کے لئے نفقہ نہیں۔

قال فی الخلاصة: ولو کان المهر الیٰ أجل لیس لها ان تمنع نفسها لاستیفائه لا قبل حلول الاجل ولا بعدهٔ وکذا لو کان البعض عاجلاً والبعض آجلاً فاستوفت العاجل (ص ۳۳ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۵۰ھ

> اگر عورت شوہر کے ساتھ سفر میں جانے سے انکار کردے تب بھی اس کے لئے نفقہ واجب ہے۔

سوال: زید "گیا" کا رہنے والا ہے۔ اب اس کو تھانہ بھون میں مدتِ طویلہ قیام کرنے کا ارادہ ہے۔ اس نے اپنی زوجہ کو بھی ساتھ لانا چاہا اس نے انکار کر دیا اور ساتھ نہیں آئی۔ اس صورت میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے یا نہیں؟
سائل۔ اکرام الحق گیاوی

الجواب

صورتِ مسئولہ میں زوجہ کے لئے نفقہ ہے۔

قال فی الدر : و یسافر بها بعد اداء کله مؤجلاً و معجلاً اذا کان ماموناً علیها والا لا یؤدکله او لم یکن ماموناً لا یسافر بها و به یفتی کما فی شرح المجمع واختاره فی ملتقی الابحر و مجمع الفتاوی واعتمده المصنف و به افتی شیخنا الرملی لکن فی النهر والذی علیه العمل فی دیارنا انه لا یسافر بها جبراً علیها وجزم به البزازی وغیره وفی المختار وعلیه الفتوی اهـ

قال فی الشامیة ومثله فی الابحر : ذکر اولاً انه اذا اوفاها المعجل فالفتوی علی انه یسافر بها کما فی جامع الفصولین ـ وفی الخانیة : وفی الولوالجیة انه ظاهر الروایة ثم ذکر عن الفقیهین ابی القاسم الصغار و ابی اللیث انه لیس له السفر مطلقاً بلا رضاها لفساد الزمان لانها لا تأمن علی نفسها فی منزلها فکیف اذا خرجت وانه صرح فی المختار بان علیه الفتوی ـ وفی المحیط : انه المختار ـ وفی الولوالجیة : ان جواب ظاهر الروایة کان فی زمانهم اما فی زماننا فلا وقال فنجعله من باب اختلاف الحکم باختلاف العصر والزمان ثم قال فقد اختلف الافتاء والاحسن الافتاء بقول الفقیهین من غیر تفصیل واختاره کثیر من مشائخنا کما فی الکافی وعلیه عمل الفقهاء فی زماننا ـ کما فی انفع الوسائل اهـ ولا یقال انه اذا اختلف الافتاء لا یعدل من ظاهر الروایة لان ذلك فی ما لا یکون مبنیاً علی اختلاف الزمان ـ کما افاده کلام الولوالجیة ـ وقول البحر فنجعله اهـ

وفیه : وبعد ایفاء المهر اذا اراد ان یخرجها الی بلاد الغربة یمنع من ذلك لان الغریب یؤذی و یتضرر لفساد الزمان ـ

ـہ ما اذن الغریب ما اسقاه ∴ کل یوم یُهَیِّنُه من یراه

کذا اختاره الفقیه و به یفتی ـ قال القاضی : قول الله تعالیٰ : اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَیْثُ سَكَنْتُمْ من قول الفقیه ـ قیل : قوله تعالیٰ : وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ فی آخره دلیل قول الفقیه لانا قد علمنا من عادة زماننا مضارة قطعیة فی الاغتراب بها اهـ (ص ۵۹۰ و ۵۹۱ ـ ج ۲)

وفی الدر فی باب النفقۃ : بخلاف ما اذا خرجت من بیت الغصب او ابت الذھاب الیہ او السفر معہ او مع اجنبی بعثہ لینقلھا فلھا النفقۃ الخ

قال الشامی : قولہ ، او السفر معہ ای بناءً علی المفتیٰ بہ من انہ لیس لہ السفر بھا لفساد الزمان فامتناعھا بحق قولہ اومع اجنبی الخ ھذا مفھوم بالاولی لانھا اذا استحقت النفقۃ عند امتناعھا عن السفر معہ فمع الاجنبی بالاولی الخ واللہ اعلم

(ص ۱۰۶۵ ج ۲)

۲۶ ؍ صفر ۱۳۸۱ھ

ناشزہ مطلقہ کے نان ونفقہ کا شوہر کے ذمہ واجب نہ ہونا

سوال : بکر نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنے گھر سے اپنی خوشی سے اپنے حقیقی بھائی بڑے زید کے گھر بھیجا۔ جب بکر لینے گیا تو ھندہ نے بکر کے ساتھ چلنے سے انکار کیا اور ہندہ خلاف مرضی بکر اپنے شوہر کے، زید کے ساتھ جو ھندہ کا نامحرم ہے اور پردہ ضروری ہے رہنا چاہتی ہے بکر نے حسبِ حکم شرعی ہندہ کو بذریعہ نوٹس اطلاع دیدی کہ زید تیرا نامحرم ہے، پردہ کیا جائے اور ھندہ کا زید کے ساتھ رہنا ناجائز ہے اور جب تک ھندہ زید کے گھر رہیگی خلاف مرضیٔ شوہر ہے اور شرعاً ناجائز ہے، نان ونفقہ نہیں دیا جائیگا اس نوٹس بکر کی ہندہ نے کچھ پرواہ نہ کی اور نہ حکم شرع کی تعمیل میں پردہ کیا بدستور زید کے ساتھ ہندہ رہتی ہے اور زید اس کو رکھا ہوا ہے لانے نہیں دیتا۔ بکر سے جھگڑا کرنے کو تیار ہے جبکہ شرعاً زید کو ھندہ کے رکھنے کا کوئی حق نہیں ہے اور جس کی اطلاع زید کو دی گئی ہے مگر زید حکم شرع کی کچھ پرواہ نہیں کرتا یہ گمان غالب ہے کہ زید اور ھندہ کا ناجائز تعلق ہوگیا ہے اسی وجہ سے ھندہ خلاف مرضی شوہر وخلاف حکم شرع نامحرم کے ساتھ رہنا چاہتی ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر ھندہ کو طلاق دیدے تو ایامِ عدت طلاق کا نان ونفقہ دینا ہوگا یا نہیں؟ سید محمد عابد حسین - از آگرہ

الجواب

نفقہ واجب نہ ہوگا البتہ اگر وہ طلاق کے بعد شوہر کے گھر میں چلی آئے تو پھر عدت کا بھی واجب ہوگا۔

قال فی الدر : بخلاف حرۃ نشزت فطلقت فعادت۔

وفی رد المحتار : ای ان المرأة اذا نشزت فطلقها زوجها فلها النفقة والسکنٰی اذا عادت الی بیت زوجها (الی ان قال) ونکاح الحرۃ حال الطلاق سبب لوجوب النفقة الا انها فوتت بالنشوز فاذا عادت وجبت اھ (ص ۱۰۹۰ ج ۲) واللہ اعلم

۱۸ رجادی الاولیٰ ۱۳۸۱ھ

زوجہ اور والدین میں نا اتفاقی کی صورت میں اگر زوجہ علیحدہ گھر کا مطالبہ کرے

سوال : والدین اور زوجہ کے درمیان نا اتفاقی کی صورت میں کیا شوہر اس امر کا مجاز رکھتا ہے کہ والدین سے علیحدگی اختیار کرے ؟

الجواب

قال فی الدر، وفی البحر، عن الخانیة : یشترط ان لا یکون احد من احماء الزوج یؤذیها اھ ـ قال الشامی و ذکر الخصاف ان لها ان تقول لا اسکن مع والدیك واقربائك فی الدار فافرد لی دارًا ـ قال صاحب الملتقط هذه الروایة محمولة علی الموسرة الشریفة وما ذکرنا قبله ان افراد بیت فی الدار کافٍ انما هو فی المرأة الوسط اعتبارًا فی السکنٰی بالمعروف اھ (ص ۱۰۹۲ ج ۲)

اگر زوجہ غنیہ اور شریفہ ہے اور وہ والدینِ زوج کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ان سے الگ رہنا چاہتی ہے تو شوہر کے ذمہ واجب ہے کہ اس کو الگ مکان میں رکھے اور اگر زوجہ متوسط الحال ہے تو شوہر پر اس کو جدا گھر میں رکھنا واجب نہیں ـ لیکن اگر وہ اپنی راحت کے لئے جدا رہنا چاہے تو جائز ہے بلکہ اگر ساتھ رہنے میں والدین کے حقوق تعظیم وغیرہ ضائع ہونیکا اندیشہ ہو یا نزاعات کی وجہ سے قطع رحم کا خوف ہو تو الگ ہو جانا ضروری ہے واللہ اعلم

۸ رشعبان ۱۳۸۱ھ

حکم نفقہ زوجۂ ناشزہ اور کن امور میں زوج کی اطاعت زوجہ پر واجب ہے

سوال : کوئی امر خواہ بروئے شریعت ہو یا خلافِ شریعت وہ قولِ علماء ہو، جو کچھ شوہر بیوی کو حکم کرے وہ حکم بیوی کو ضرور اس پر حق بجانب عمل کرنا چاہئے ورنہ اس کی حکم عدولی پر شوہر کو حق ہے کہ وہ اس عورت کا نان و نفقہ ضرور بند کر دے ـ

اس لئے بہ امید طلب جوابِ شافی درین امورِ مرقومۂ بالا مستدعی خدمتِ عالی

ہوں کہ تردیدِ فتویٰ اس کے معہ قلمی دستخط ومعہ حوالہ آیتِ قرآنی وحدیثِ صحیح وقولِ علماء سے ضرور پتہ مرحمت فرماکر احقر کو مشکور فرمائیں گے۔

الجواب

عورت کو شوہر کی اطاعت انہی امور میں واجب ہے جو شرعًا مباح ہوں اور اگر وہ نافرمانی کرے تو صرف نافرمانی اور عدول حکمی سے شوہر کو نان ونفقہ بند کرنے کا حق نہیں ہے بلکہ جب وہ بلا اجازتِ شوہر کے اس کے گھر سے چلی جائے جب ناشزہ ہوگی۔

قال العلامة عبدالحی فی فتاواہ ناقلاً عن شرعة الاسلام وعلیها ان تطیعها فی الامور الشرعیة ولوامر ان تنقل الحجر من جبل وان لا تخرج من بیته الا باذنه اھ (ص ۲۳ ج ۲ مع الخلاصة

قلت: ولکن لو خرجت الی ابویها او الی محارمها فی المدة التی لها الخروج فیها وقد ذکرناها فی الجواب الثانی فلا تکون ناشزة فی الاثم نعم لا تکون لها نفقة حینئذٍ واللہ اعلم

یکم رجب ۱۳۴۰ھ

> سال بھر میں زوجہ کے والدین اور عزیز واقارب سے ملنے کی مدت اور اس عرصہ کے نفقہ کا حکم

سوال: اور یہ بھی تحریر فرمائیں گے کہ شوہر کی نارضامندی پر عورت اپنے خویش واقارب خصوصًا اپنی خالہ کے یہاں اور اپنے حقیقی بھائی کے یہاں جاسکتی ہے یا وہ لوگ مرقوم بالا اس کے یہاں آمد ورفت کر سکتے ہیں یا نہیں ویا خط وکتابت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اگر وہ لوگ طرفین میں سے یہ تعلقات بروئے شریعت رکھ سکتے ہیں تو آمد ورفت کتنے کتنے عرصہ پر کر سکتے ہیں۔ سال بھر میں ایک بار یا دوبار یا مہینہ میں ایک بار یا ہر ہفتہ میں۔ امید کہ شافی جواب سے مطلع فرمائیں گے۔ فقیر حاجی محمد عبداللطیف القادری عفاعنہ

ازکلکتہ۔ از ضمیمہ ۵۲

الجواب

والدین سے ایک شہر میں ہفتہ میں ایک بار اور شہر سے باہر ہر مہینہ میں ایک بار عورت کو ملنے کا حق ہے اگر والدین نہ آسکتیں تو وہ خود جاسکتی ہے اور وہ آسکیں تو ہر ہفتہ خود وہی آکر

مل جائیں ہاں سال میں دو چار دفعہ جس طرح عرف و دستور ہے خود بھی جا سکتی ہے اور محارم غیر والدین سے شہر کے اندر اور شہر سے باہر سال بھر میں ایک بار ملنے کا عورت کو حق ہے اور محارم کو خط و کتابت کا بھی حق ہے اور وہ عورتعہ کے پاس خود بھی آسکتے ہیں اور شوہر کو یہ حق البتہ ہے کہ ان کو اپنے گھر کے اندر رہنے سے روک دے پس وہ اگر اس سے مل لیں اور بات چیت کر لیں اور کچھ دیر بات کر کے واپس چلے جائیں اگر رات کو بھی رہنا چاہیں تو زوج سے اجازت لینے کی ضرورت ہے۔

قال فی الدر: ولا یمنعها من الخروج الی الوالدین فی کل جمعة ان لم یقدرا علی اتیانها علی ما اختاره فی الاختیار ولو کان ابوها زمناً فاحتاجها فعلیها تعاهده ولو کافراً وان ابی الزوج اھ

قال الشامی: وهل لها النفقة الظاهر لا وان کانت خارجة من بیته بحق کما لو خرجت لفرض الحج اھ (ص ۱۹۴ ج ۲)

وقال الشامی: فقوله المختار مقابلة القول بالشهر فی دخول المحارم کما افاده فی الدر والفتح الی ان قال بعد کلام طویل عن البحر ان الصحیح المفتٰی به من أنها تخرج للوالدین فی کل جمعة باذنه وبدونه وللمحارم فی کل سنة مرّة باذنه وبدونه اھ ـ وقال قبل ذلك وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج الیهما واشار الی نقله فی شرح المختار والحق الاخذ بقول ابی یوسف إذا کان الابوان بالصفة التی ذکرت (ای لا یقدران علی اتیانها) ولا ینبغی ان یأذن لهما فی زیارتها فی الحین بعد الحین علی قدر متعارف اما فی کل جمعة فهو بعید اھ (ص ۱۰۹۳ ج ۲) وجمعت بین روایتی الشهر والجمعة بکونهما فی بلد الزوج او خارجه ولعلّه جمع حسن.

لیکن اگر عورت بلا اذنِ زوج کے جائے گی تو ظاہر یہ ہے کہ نفقہ کی مستحق

عہ قال فی الدر ولا یمنعهما من الدخول علیها فی کل جمعة وفی غیرهما من المحارم فی کل سنة ـ (قلت: صححہ الشامی خلافاً لمن قال له المنع من الدخول) لها الخروج ولهم الدخول، زیلعی ویمنعهم من الکینونة وفی نسخة من البتوتة ولفظ مسکین من القرار۔

نہ ہوگی اگرچہ وہ حق عہ جانے کا رکھتی ہے۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون ۲۹ رجادی الثانی سـ

ایسی دو بیویوں کے نفقہ کا حکم جن میں ایک کی اولاد زیادہ ہو

سوال : فیض گنج، فیض رساں حضرت مولانا صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ احقر کی دو زوجہ ہیں ایک زوجہ سے ایک لڑکی ہوئی اور دوسری زوجہ سے پانچ لڑکے اور ایک لڑکی ہے۔ پانچوں لڑکوں میں بڑا لڑکا تقریباً ۱۴ سال ہے اور سب اس سے چھوٹے ہیں۔ میں یہ دریافت کرتا ہوں کہ میری جو کمائی ہے اس میں سے دونوں زوجہ کو کس طرح سے دوں اور دونوں زوجہ علیحدہ علیحدہ مکان میں رہتی ہیں اور جو لڑکے لڑکیاں ہیں ان کے رشتہ وشادی وغیرہ کا جو خرچ ہوئے دونوں گھروں میں سے کیا جائے یا کہ جن بیوی کی اولاد ہو اس گھر سے خرچ کیا جائے اور زمینداروں میں عام رواج ہے کہ کپاس وغیرہ کھیتوں میں سے چُن کرلاتی ہیں دونوں زوجہ اپنی چنی ہوئی علیحدہ علیحدہ رکھیں یا کہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔ تحریر فرمائیں۔ نقط والسلام

مرسلہ احقر میاں چٹن الدین از مقام مونہ ڈیبودر

جھلا چوہدری محمد حیات خان صاحب ضلع گجرات

الجواب

جس شخص کی دو بیویاں ہوں اور دونوں صاحب کی اولاد ہوں ان کو زوجین میں مساوات اس طرح کرنا چاہیئے کہ ہر زوجہ کا نفقہ الگ مقرر کرے اور اس میں دونوں بیویوں کو برابر رکھے اور اولاد کا نفقہ علیحدہ مقرر کرے اور دونوں کی اولاد کو فرداً فرداً احاجت کے لحاظ سے برابر رکھے یعنی ایک کی ضروریات دس روپے میں مہیا ہوسکتی ہوں اس کے دس روپیہ اور ایک کی ضروریات پانچ روپیہ میں مہیا ہوں اس کے پانچ روپیہ مہیا کرے گو مجموعہ ایک کی طرف زیادہ ہو مثلاً ہر بیوی کا ماہوار پندرہ روپیہ مقرر کردے اور ہر لڑکے لڑکی کا دس روپیہ ماہوار۔ اس

عہ ۱۱ھ اگر عورت شوہر کی اجازت سے جائے چاہے کہیں جائے تو ظاہر یہ ہے کہ عورت مستحق نفقہ ہے مگر یہ کہ شوہر شرط کرے کہ میں نفقہ نہ دوں گا۔ قال فی العالمگیریۃ : الکبیرۃ اذا طلبت النفقۃ وھی لم تزف الی بیت الزوج فلھا اذا لم یطالبھا الزوج بالنقلۃ فان کان الزوج طالبھا بالنقلۃ فان لم تمتنع عن الانتقال۔

صورت میں زیادہ اولاد والی کی طرف جو زیادہ رقم جائے گی وہ بیوی ہا کے نفقہ میں زیادتی
نہیں بلکہ یہ زیادتی اولاد کی وجہ سے ہے اس پر دوسری بیوی اگر اعتراض کرے تو
لغو ہے اور متفرق اخراجات شادی وغیرہ کے اس ضابطہ سے علیحدہ ہیں جن میں یہ شخص مختار
ہے۔ اس جواب سے سائل کے سب سوالات کا جواب نکل آیا۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون۔ خانقاہِ امدادیہ اشرفیہ
۳ رجب ۴۶ھ

فصل فی نفقۃ الأولاد والآباء والاُمہات

دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کا نفقہ شرعاً واجب نہیں۔	(سوال) ہندہ کہتی ہے کہ زوجہ کی اولاد جو دوسرے خاوند رافضی ہے وہ شوہر حال اہل سنت کی اولاد ہے اور شوہر

اہل سنت کو مثل اولادِ خود زوجہ کی خدمت واجب ہے۔

الجواب :- دوسرے شوہر پر بیوی کی پہلی اولاد کی خدمت شرعاً واجب نہیں واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

باپ اگر حاجتمند ہو تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ھے	(سوال) شوہر کے باپ بھائی اہل سنت جو زوجہ کی اولاد دختری بالغ منکوحہ والدہ مستطیعہ سے ہر طرح زیادہ حاجت

مند ہیں غیر مستحق بتلاتی ھے۔

الجواب :- جب ماں باپ حاجت مند ہوں تو اس کا نفقہ غنی اولاد کے ذمہ واجب ھے

واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

رسالہ "خیر الارشاد فی العدل بین الاولاد" یعنی اولاد میں برابری اور مساوات کی تحقیق	(سوال) (۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا کس کس امر میں اور کس حد تک شرعاً ضروری ہے

اور کس درجہ کی ضروری ھے؟ اگر نابالغ اور بالغ لڑکی اور لڑکے کے حکم میں فرق ہو تو اسکو بھی ظاہر فرمادیا جائے۔ اور آیا یہ برابری ماں کے ذمہ بھی، یا صرف باپ کے ذمہ ھے؟ اور صرف اولاد کے حق میں ھے یا دیگر وارثان شرعی کے حق میں بھی ھے؟

(۲) تبرعات اور نفقات میں برابری کے احکام جدا جدا تحریر فرمائے جائیں۔

(۳) اس قسم کی برابری بوجہ اولاد کے مختلف الحال ہونے کے بظاہر بہت دشوار ھے، مثلاً ایک کی کم عمر ہے ایک کی زیادہ عمر ہے ایک اپنے پاس ہے ایک دور ہے ایک غنی ہے ایک محتاج ہے ایک کی ضروریات زیادہ ہیں، مثلاً کالج میں پڑھتا ہے ایک کی کم ہیں، مثلاً مکتب میں پڑھتا ہے ایک کی شادی میں کم خرچ ہوتا ہے، ایک کی شادی میں زیادہ، ایک لڑکی ہے جس کو جہیز اور

زیور کی ضرورت پڑتی ہے ایک لڑکا ہے جسکی شادی میں ان اخراجات کی ضرورت نہیں، ایک کی شادی آج ہے ایک کی دس برس یا کم وبیش مدت کے بعد ہے غرض حاجات اور حالات اسقدر متخالف ہوتے ہیں کہ عطا میں برابری کرنا نہایت دشواری ہے، اگر واجب ہو تو اسکی سہل صورت تجویز فرمائی جائے، اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر ایک پیسہ یا چیز دی تو کیا سب بچوں کو خواہ حاضر ہوں یا غائب ایک ایک پیسہ تقسیم کیا جائے؟

(۴) نانی نانا یا دادی، دادا وغیرہ کے ذمہ تو اس قسم کی برابری ضروری نہیں؟

(۵) اوپر تو صرف چند جزئیات کا حوالہ ہے، دیگر صدہا جزئیات اس معاملہ میں ہو سکتی ہیں علاوہ جواب کلی کے جہانتک ممکن ہوسکے جزئیات کے متعلق بھی احکام تحریر فرمائے جائیں تاکہ عمل کے وقت دشواری یا خلط نہ ہو چونکہ اس معاملہ میں عام طور پر غفلت ہے اسلئے مفصل اور اگر ضرورت ہو تو مدلل احکام قلمبند فرمادینے کی بظاہر ضرورت معلوم ہوتی ہے تاکہ ہر عاملین کو اس طرف توجہ ہو اور عاملین کو ادائے حقوق میں سہولت ہو۔ بینوا توجروا۔

السائل: خواجہ عزیز الحسن صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر
مدارس اسلامیہ لکھنؤ فرنگی محل۔

الجواب:- قال فی الدر، عن الخانیۃ: ولا بأس بتفضیل بعض الاولاد فی المحبۃ لانہا عمل القلب وکذا فی العطایا ان لم یقصد بہ الاضرار وان قصدہ یسوی بینہم یعطی البنت کالابن عند الثانی وعلیہ الفتوی ولو وھب فی صحتہ کل المال للولد جاز واثم اھ (ص ۵۸۷ ج ۴)

وفی البدائع: وینبغی للرجل ان یعدل بین اولادہ فی النحلی بقولہ سبحانہ وتعالیٰ: إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ، ولما روی ان بشیراً ابا النعمان اتی بالنعمان الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحدیث وھذا اشارۃ الی العدل بین الاولاد فی النحلۃ وھو التسویۃ بینہم ولان فی التسویۃ تالیف القلوب والتفضیل یورث الوحشۃ بینہم فکانت التسویۃ اولیٰ ولو نحل بعضاً وحرم بعضاً جاز من طریق الحکم لانہ تصرف فی خالص ملکہ لاحق لاحد فیہ الا انہ لا یکون عدلاً سواء کان المحروم فقیہاً تقیاً اوجاہلاً فاسقاً علی قول المتقدمین من مشائخنا واما علی قول المتأخرین

منہم لا بأس ان یعطی المتأدبین والمتفقہین دون الفسقۃ الفجرۃ اھ (ص۱۲۷ ج ۲)
وفی البحر: یکرہ تفضیل بعض الاولاد علی البعض فی الھبۃ حالۃ الصحۃ الا لزیادۃ فضل لہ فی الدین وان وھب مالہ کلہ لواحد جاز قضاءً وھو آثم کذا فی المحیط، وفی الخلاصۃ: المختار التسویۃ بین الذکر والأنثیٰ فی الھبۃ ولو کان ولدہ فاسقاً فاراد ان یصرف مالہ الی وجوہ الخیر ویحرمہ عن المیراث ھذا خیر من ترکہ لان فیہ اعانۃ علی المعصیۃ ولو کان ولدہ فاسقاً لا یعطی لہ اکثر من قوت یومہ ولو اتخذ لولدہ ثیاباً ثم اراد ان یدفع الی آخر لیس لہ ذالک الا ان یبین وقت الاتخاذ انہ عاریۃ اھ وقال محشیہ: قال الرملی: وفی الحاوی الزاھدی دفع لولدہ الصغیر قرضاً فاکل نصفہ ثم اخذہ منہ ودفعہ لآخر یضمنہ اذا کان دفعہ لولدہ علی وجہ التملیک واذا دفعہ علی وجہ الاباحۃ لا یضمن قال عرف بہ ان مجرد الدفع من الاب الی الصغیر لا یکون تملیکاً وانہ حسن اھ (ص۲۸۸ -ج ۷)
وفی الخلاصۃ: رجل لہ ابن وبنت اراد ان یھب لھما شیئاً فالافضل ان یجعل للذکر مثل حظ الانثیین عند محمد وعند ابی یوسف بینھما سواء ھو المختار لورود الآثار ولو اعطی بعض ولدہ شیئاً دون البعض لزیادۃ رُشدہٖ لا بأس بہ وان کانا سواء لا ینبغی ان یفضل اھ (ص۴۰۰ ج ۴ کتاب الھبۃ)
قلت: ویلحق بالرشد فقرہ ایضاً کما لا یخفیٰ۔
وقال العینی فی شرح البخاری: وقال المھلب: وفی الحدیث دلالۃ علی انہ لا تلزم المعدلۃ فیما یھبہ غیر الاب لولدغیرہ اھ (ص ۲۷۱- ج - ۶)
وفیہ ایضاً: احتج بہ ای بحدیث النعمان بن بشیر من اوجب التسویۃ فی عطیۃ الاولاد وبہ صرح البخاری وھو قول طاؤس والثوری واحمد واسحاق وقال بہ بعض المالکیۃ ثم المشھور عند ھؤلاء انھا باطلۃ وعن احمد یصح ویجب علیہ ان یرجع وعنہ یجوز التفاضل ان کان لہ سبب کاحتیاج الولد لزمانتہ اودینہ او نحو ذالک وقال ابو یوسف: تجب التسویۃ ان قصد بالتفضیل الاضرار وذھب الجمھور الی ان التسویۃ مستحبۃ

فان فضل بعضاً صح وکرہ وحملوا الامر علی الندب والنھی علی التنزیۃ واجاب عن حدیث النعمان من حمل الامر بالتسویۃ علی الندب بوجوہ نذکرھا بالتفصیل الیٰ ان قال الخامس ان عمل الخلیفتین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنھما بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی عدم التسویۃ قرینۃ ظاھرۃ فی ان الامر للندب اما اثر ابی بکر فاخرجہ الطحاوی (بسند صحیح) عن عائشۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وان ابا بکر الصدیق نحلھا جاد عشرین وسقاً من مالہ بالغابۃ فلما حضرتہ الوفاۃ قال: واللہ یا بنیۃ ما من احد من الناس احب الیٰ غنی بعدی منک ولا اعز علی فقرا بعدی منک وانی کنت نحلتک جاد عشرین وسقاً فلو کنت جددتہ واحرزتہ کان لک وانما ھو الیوم مال الوارث الحدیث قال الشافعی وفضل عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عاصماً بشیٔ وفضل ابن عوف ولد ام کلثوم اما اثر عمر فذکرہ الطحاوی ایضاً کما ذکرہ البیھقی عن الشافعی واخرج عبد اللہ بن وھب فی مسندہ قال بلغنی عن عمرو بن دینار ان عبد الرحمٰن بن عوف نحل ابنتہ من ام کلثوم بنت بنت عقبۃ اربعۃ آلاف درھم ولہ ولد من غیرھا اھ (ص ۲۷۵، ۲۷۶ ج ۶)

ان نصوص سے امور ذیل مستفاد ہوئے

(۱) تسویہ بین الاولاد عطایا اور ھبات میں ہے نفقات میں نہیں کیونکہ احادیث و اقوال فقہاء لفظ عطیہ وھبہ سے مقید ہیں نفقات میں کسی نے وجوب یا استحباب عدل کی تصریح نہیں کی وقیود الفقہ احترازیۃ، تسویۃ فی النفقۃ زوجات میں واجب ہے اولاد کے متعلق اسکی کوئی تصریح نہیں ملی باوجود تتبع کثیر کے۔

(۲) تسویہ بین الاولاد عطایا میں بھی حنفیہ وجمہور آئمہ کے نزدیک واجب نہیں بلکہ مستحب ھے اور ترک تسویۃ مکروہ تنزیھی ھے اور اگر قصداً اضرار ہو تو مکروہ تحریمی ھے وعلیہ یحمل قول المحیط اثم فیجتمع مع قول العینی وحملوا النھی علی التنزیہ۔

(۳) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو کسی خاص وجہ سے ھبہ کیا جائے یا زائد دیا جائے اور دوسروں کو نہ کیا جائے اور اضرار آخرین کا قصد نہ ہو تو جائز ھے۔

(۴) اگر ایک لڑکے یا لڑکی کو اسکی دینداری یا طلب علم دین وغیرہ کی وجہ سے زیادہ

دیا جائے تو مضائقہ نہیں اسی طرح ایک کو بوجہ فقر کے زیادہ دیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔
(۵) فاسق اولاد کو صالح کے برابر دینا لازم نہیں بلکہ فاسق کو قوت سے زیادہ نہ دیا جائے

اب سوالات کے جوابات معروض ہیں

(۱) اولاد کے ساتھ برابری کرنا ان عطایا وھبات میں مستحب ہے جو ان کی ملک کردی جائیں باقی نفقہ یعنی ماکول ومشرب وملبوس میں بقدر حاجت متفق علیہ جو کہ مقدار واجب نفقہ کی ھے تسویہ واجب ومستحب نہیں اگرچہ تملیکاً ہو اور قدر واجب قدر کفایت ھے یعنی ما یتضرر بالنقص منہ اور قدر واجب سے زائد نفقہ میں بھی اگر وہ بطور ھبہ کے نہ ہو بلکہ بطریق اباحت و عاریت کے ہو تسویہ نہ لازم ھے نہ مستحب بلکہ باپ کو اختیار ھے کہ جسکو جیسا چاھے کھلائے اور جیسا چاھے پہنائے البتہ اگر بطور ھبہ کے قدر واجب سے زائد نفقہ دیا جائے تو رعایت تسویہ مستحب ہے اور قدر واجب سے زائد نفقہ کی اباحت وعاریت میں بھی اگر تفضیل سے اولاد میں وحشت وکراھت کا اندیشہ ہو تو اس میں بھی تسویہ مستحب ہوگا " لان علۃ التسویۃ فی العطایا ھی الاحتراز عن الوحشۃ بینھم والحکم یدور مع علتہٖ "
اور یہ تسویہ ماں باپ دونوں کے حق میں ہے دیگر وارثان شرعی کے حق میں نہیں۔ دوسروں کو بلا کراھت جائز ہے کہ ایک شخص کے ایک لڑکے کو دیں یا زائد دیں اور دوسروں کو نہ دیں۔
(۲) اس کا جواب نمبر ایک کے جواب سے معلوم ہوگیا۔
(۳) اس سوال میں نفقات وتبرعات کو خلط کیا گیا ہے سو اوپر گذر چکا کہ نفقات میں تسویہ ضروری نہیں نہ وجوباً نہ استحباباً پس اگر ایک لڑکا کم عمر ہے دوسرا بڑا ھے تو ان دونوں میں نفقہ واجبہ کے اندر کمی وزیادتی بلاکراھت جائز ہے اسیطرح ایک اپنے پاس ھے ایک دور ھے ان میں بھی نفقہ واجبہ کے اندر کمی زیادتی جائز ھے کیونکہ نفقہ واجبہ ہر بیٹے کی قدر کفایت سے مقدر ھے اور اس صورت میں قدر کفایت ہر ایک کی جدا ھے پس رعایت تسویہ ضروری نہیں نہ مستحب۔ رہا یہ کہ ایک غنی ھے، ایک محتاج ھے تو نفقہ واجبہ میں تو تسویہ ضروری نہیں جبکہ نفقہ واجبہ ہر ایک کا متفاوت ہوتا ہو اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو جب بھی محتاج کو نفقہ واجبہ سے زائد دینا جائز ہے جبکہ مقصود اسکو نفع پہونچانا ھے اور دوسرے کا اضرار مقصود نہیں۔ اور اگر ایک کالج میں پڑھتا ہے اور ایک مکتب میں تو اگر ان دونوں کا نفقہ واجبہ بھی متفاوت ہو تو اس میں کمی زیادتی کا مضائقہ نہیں اور اگر نفقہ واجبہ متفاوت نہ ہو تو محض کالج میں پڑھنا

زیادت استحقاق کا سبب نہیں کیونکہ یہ طلب دین یا رشد و احتیاج سے خارج ہے اس صورت میں مستحب ہے کہ دونوں کو نفقہ واجبہ سے زائد میں برابر رکھا جائے جسکی سہل صورت یہ ہے کہ جتنی رقم کالج والے کو زائد دی جاتی ہے اسی کے برابر دوسرے کیلئے بعد تملیک کے رقم جمع کر دی جائے یا اسکو محفوظ رکھکر آئندہ برابری کا قصد رکھا جائے اور شادی میں جو خرچ ہوتا ہے وہ محض تبرع وھبہ ہے اسمیں اولیٰ یہ ہے کہ اسکی رعایت رکھی جائے کہ ایک لڑکے کی شادی میں جتنا خرچ ہوا اتنا ہی دوسرے لڑکے کی شادی میں کیا جائے اور جتنا ایک لڑکی کو جہیز دیا جائے اُتنا ہی دوسری کو دیا جائے یعنی ذکور کو ذکور کے برابر اور اناث کو اناث کے برابر رکھا جائے اور یہ رعایت اس خرچ میں مستحب ہے جو والد اپنے اختیار سے کرتا ہے اضطراری میں نہیں، مثلاً ایک کی شادی قریب جگہ ہوئی۔ دوسرے کی دور جگہ ہوئی جسکی وجہ سے کرایہ آمد و رفت میں تفاوت ہو گیا باقی اس کا مضائقہ نہیں کہ لڑکی کی شادی میں بوجہ جہیز دینے کے لڑکے کی شادی سے زیادہ خرچ ہو جائے کیونکہ یہ تفاوت بھی مثل اضطراری کے ھے لڑکیوں کو بوجہ اُنکی احتیاج کے کہ وہ کسب سے عاجز ہیں جہیز دیا جاتا ہے اور لڑکوں کو اسکی ضرورت نہیں ہوتی اور عموماً لڑکوں کو اس سے اعتراض بھی نہیں پیدا ہوتا البتہ اگر کسی جگہ لڑکوں کو اسپر اعتراض ہوتا ہو، وہاں مستحب ھے کہ ذکور و اناث کی شادی میں بھی تسویہ کیا جائے، بہرحال مدار تسویہ خوف وحشت و عدم خوف پر ہے اگر کہیں زیادت سے باھم وحشت کا خطرہ ہو وہاں تسویہ مستحب ہے ورنہ زیادت بلا کراہت تنزیہیہ جائز ہے جبکہ قصد اضرار نہ ہو اور ایک کو کسی خاص وجہ سے جو شرعاً وجہ معتبر ہو مثلاً رشد و علم و تقویٰ و احتیاج وغیرہ ہو، زیادہ دیا جائے پس اگر ایک بچہ کو اسکی ضد پر پیسہ دیا جائے تو دوسرے چھوٹے بچوں کو بھی دیا جائے جو حاضر ہوں باقی بڑوں کو دینا یا صغار غائبین کو دینا ضروری نہیں کیونکہ ان کو نہ دینے سے توحش وغیرہ کا خطرہ نہیں۔

(۴) نانا، نانی، یا دادا، دادی کے ذمہ باپ کی موجودگی میں یہ تسویہ ضروری نہیں اور باپ کی عدم موجودگی میں جسکی پرورش میں یہ لڑکے ہوں وہ بمنزلہ باپ کے ھے اُسکو تسویہ مستحب ہے بالتفصیل الذی تقدم اور جس کی پرورش میں نہ ہوں ان پر تسویہ لازم نہیں، وھذا بالقیاس ولم اراہ صریحاً لان العائل کالاب فی کثیر من

الاحکام، البتہ اگر نانا، نانی، یا دادا، دادی ایک لڑکی یا لڑکے کی اولاد کو زائد دیں دوسرے کی اولاد کو کم یا دوسرے کی اولاد کو بالکل نہ دیں اور اس تفضیل سے باہم خود نانا، نانی، یا دادا، دادی کی اولاد میں توحش و نفرت پیدا ہونیکا اندیشہ ہو تو قیاس کا مقتضی یہ ہے کہ رعایت تسویہ ان پر بھی لازم ھے یعنی استحباباً اسلئے کہ عرفاً نواسوں اور پوتوں کو دینا اپنی بیٹی یا بیٹے کو دینا شمار ہوتا ہے فرجع الی تفضیل بعض ولدہ علی الآخر۔

(۵) چونکہ یہ تسویہ حنفیہ کے نزدیک مستحب ہے جبکہ قصدِ اضرار نہ ہو اسلئے جتنی سہولت سے رعایت ہوسکے کی جائے اور زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔ واللہ اعلم

از تھانہ بھون خانقاہ اشرفیہ

۱۷ ربیع الثانی ۴۵ھ

فصل فی نفقۃ ذوی الارحام

بہن کا نفقہ اور اس کے مصارفِ نکاح بھائی کے ذمہ ہیں یا نہیں

(**سوال**) ہندہ کا شوہر تقریباً پچاس روپیہ ماہوار پیدا کرتا ہے اور سوائے اسکی زوجہ اور زوجہ کی اولاد کے باپ بھائی حاجتمندوں کو کچھ نہیں دیتا۔ اب شوہر ہندہ نے اپنی بہن کی شادی اپنے باپ اور اپنی رائے سے بلا شرکتِ دیگر برادران مفلوک کردی ہے۔ اب وہ اس شادی کا صرفہ باپ بھائی سے لینا چاہتا ہے تو کیا باپ بھائی اسکے ذمہ دار ہیں یا نہیں؟

الجواب:- اگر اس نے یہ کہکر خرچ کیا تھا کہ میں باپ اور بھائیوں سے یہ رقم وصول کرلونگا اور انہوں نے بھی اسکو قبول کرلیا تھا تب تو ان سے لینے کا حقدار ہے ورنہ کچھ بھی نہیں۔ واللہ اعلم

چچا کے ذمہ بھتیجے کے نفقہ کا حکم

(**سوال**) زید کی بیوی کا نواسہ جو اسکے ماں باپ رافضی سے ہے اور جسکو بعد پرورش ہونے کے وہ ماں باپ اپنے پاس رکھیں گے

اور زید کے برادر زادہ حقیقی ہے تو زید کی بیوی اپنے نواسہ کو متبنی بنلا کر اپنے شوہر کی آمدنی سے اس کی تعلیم دلاتی ہے اور اگر اہل سنت زید کا بھائی چاہتا ہے کہ میرے بچہ کو بھی تعلیم دی جائے تو زوجۂ زید حارج ومانع ہے تو کیا ایسی صورت میں زید کی زوجہ کا نواسہ، زید کی آمدنی سے تعلیم پانیکا مستحق ہے؟ یا برادر زادہ زید مستحق ہے؟ یا دونوں نہیں؟ بینوا توجروا

المستفتی: ظہور الحق تیسیری ڈاکخانہ تترون ضلع سہارنپور

الجواب: - زید کے ذمہ اسکی بیوی کے نواسہ کا کوئی حق نہیں اور اگر برادر زادہ کا باپ زندہ ہے تو اس کا بھی کچھ حق نہیں اور اگر اس کا باپ زندہ نہیں اور اس کی خبر لینے والا زید کے سوا کوئی نہیں تو زید کے ذمہ اپنے برادر زادہ کی خبرگیری لازم ہوگی واللہ اعلم

۲۷ ربیع الثانی

یتیم کے مال سے اس کے معلم کو تنخواہ اور ضیافت کرنا جائز ہے یا نہیں۔

(سوال) عرض یہ ہے کہ مسئلہ ذیل کے حکم سے واقف فرماکر مسرور فرماویں وہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں محلہ کے سب لوگ ملکر بچوں کی تعلیم کیلئے معلم رکھتے ہیں اس میں یتامی بھی شامل رہتے ہیں۔ اس میں دریافت یہ ہے کہ جو یتیم کا مال علیحدہ ہے اُس سے اس کے وارث بالغ چچا یا بھائی کیلئے اس یتیم کے مال سے معلم کی تنخواہ ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور جو یتیم اپنے بھائی یا چچا کے ساتھ مخلوط ہیں وہ بھائی یا چچا کیلئے یتیم کے مال مخلوط سے معلم کی تنخواہ اور خورد ونوش دینا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: - قال فی الدر: له ان ینفق فی تعلیم القرآن والأدب ان تأهل لذالك والا فلینفق علیه بقدر ما یتعلم القراءة الواجبة فی الصلوٰة مجتبیٰ اھ

قال الشامی: وفی الخلاصة وغیرها: ان کان صالحاً لذالك جاز وصار لوصی مأجوراً والا فعلیه ان یتکلف فی تعلیم قدر ما یقرأ فی صلاته اھ فلم یقیده بالقراءة الواجبة تامل۔

وفی القنیة: ولا یضمن ما انفق فی المصاهرات بین الیتیم والیتیمة وغیرها فی خلع الخاطب او لخطیبة وفی الضیافات المعتادة والهدایا

المعھودۃ ، وفی الاعیاد ان کان لہ منہ بد وفی اتخاذ ضیافۃ لختنہ للاقارب والجیران ما لم یسرف فیہ وکذا المؤدبہ ومن عندہ من الصبیان وکذا العیدین وقال بعضھم : فی ضیافۃ المؤدب والعیدین اھ (ص ۱۰۷ ج ۵)

اگر یتیم لڑکا تعلیم قرآن وادب کے قابل ہو یعنی جو پڑھایا جاتا ہے اسکو پڑھ سکتا ہو یا پڑھ سکنے کی امید بظن غالب ہو تو اسکی تعلیم میں اس کے مال سے معلم کی تنخواہ دینا ولی کو جائز ہے اور معلم کو تنخواہ لینا بھی جائز ہے اور اگر اس میں تعلیم حاصل کرنیکی قابلیت نہ ہو تو صرف اتنی مقدار کی تعلیم دی جائے جس سے اسکو نماز پڑھنا آجائے اور اس مقدار میں اس کے مال سے ولی کو تنخواہ دینا جائز اور معلم کو لینا جائز ہے اسکے بعد جائز نہیں اور اس میں یتیم مختلط وغیر مختلط دونوں کا ایک ہی حکم ہے۔ واللہ اعلم

۲۹ ر ربیع الثانی ۴۵ھ

حکم نفقۂ ذوی الارحام | **(سوال)** میری ایک اخیافی بہن گیارہ بارہ برس کی ہے اسکے والد کا انتقال ہو گیا ہے۔ شادی ہو گئی ہے خاوند چھوٹا ہے اور لڑکی بھی بالغ نہیں ہوئی اور اس کے چار بھائی حقیقی ہیں بڑا بھائی میں ہوں اور حقیقی بھائی میں سے جو بڑا ہے اسکی شادی ابھی ہوئی ہے معمولی کاروبار کر کے بچوں کا گذارہ کرتا ہے۔ اور بہن اسکے ہمراہ رہتی ہے مگر بھابی سے جنگ وجدال ہوتی ہے اور بھابی مارتی رہتی ہے اور خدمت بھی زیادہ لیتی ہے اس لئے بہن پریشان غمگین رہا کرتی ہے اور احقر کو یاد کرتی رہتی ہے اور حقیقی بھائی میں سے دوسرا بھائی ڈابھیل فارسی وغیرہ پڑھتا ہے بیس برس کی عمر ہے اور اس سے چھوٹا ملازمت کرتا ہے اور فضول خرچی کرتا ہے ان صورتوں میں ہر ایک پر اس کا نان ونفقہ وغیرھا اور نگرانی وغیرہ ضروری اور فرض ہے یا کسی پر زیادہ ہے؟ اور میں آئندہ سال تعلیم وغیرہ کی غرض سے رہنا چاہتا ہوں اور اسیطرح دوسرا بھائی جو ڈابھیل پڑھتا ہے تعلیم کیلئے رہے تو بہن کا کوئی حق آنکی وجہ سے گنا ھگار تو نہ ہونگے؟ بینوا توجروا

عبد الرحمٰن انا وادی عفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی ، رجب

الجواب :۔ والنفقۃ لکل ذی رحم محرم (الی قولہ) ویجب ذالک علی قدر المیراث (ھدایہ ص۴۲۵ ج۲)

مسئلہ لصہ ۲۴

ھندہ ۵

مسئلہ				
اَخ لام	اَخ لھما	اَخ لھما	اَخ لھما	اَخ لھما
۱ / ۴	۵	۵	۵	۵

صورت مسئولہ میں اس بہن کے نان ونفقہ کے چھ سہام میں سے پانچ حصہ اسکے حقیقی بھائیوں کے ذمہ ہیں اور ایک حصہ اسکے اخیافی بھائی کے ذمہ ہے یعنی جوان میں سے غنی ہو یا غنی نہ ہو لیکن کمانے والا ہو اگر کوئی حقیقی بھائی اس کا نان ونفقہ نہ دے تو پھر وہ کالعدم قرار پاکر باقی بھائیوں پر اسی نسبت سے نفقہ ہوگا اگر حقیقی بھائی سب کے سب نفقہ نہ دیں تو پھر اخیافی بھائی کے ذمہ کل نفقہ ہوگا جبکہ وہ غنی یا کمانے والا ہو اور سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس بہن کو اس کا حقیقی بھائی ساتھ رکھتا ہے اور نان نفقہ دیتا ہے تو اگر وہ تنہا اسکے کل نفقہ کا خوشی سے متحمل ہے تو باقی بھائیوں پر وجوب نفقہ نہیں اور اگر وہ تنہا کل نفقہ دینے پر راضی نہ ہو تو بقیہ حقیقی بھائیوں پر چھ سہام میں سے پانچ سہام میں علی السواء اسکے نفقہ میں شرکت واجب ھے اور اخیافی بھائی پر چھٹے حصّہ کی شرکت واجب ھے نیز سب بھائیوں پر اس بہن کو بھاوج کے عذاب سے بچانا واجب ہے اور اس میں حقیقی اور اخیافی بھائی سب برابر ہیں انکو چاھیئے کہ بڑے بھائی کو سمجھائیں کہ اپنی بیوی کو ان افعال سے روکے اور کوشش کے ساتھ اس کا انتظام کریں کہ اگر اس میں کامیابی نہ ہو تو بہن کو کسی اور معتبر عورت کے پاس رکھیں اور سب بھائی حقیقی چھ سہام میں سے پانچ سہام میں شرکت کرکے علی السواء اس کا نفقہ بھیجتے رہیں اور اخیافی بھائی چھٹا حصّہ نفقہ کا ادا کرے بشرطیکہ ان میں سے کوئی مُعسِر معذور نہ ہو اور اس وقت غنی ہو یا کمانے پر قدرت رکھتا ہو اور جب تک حقیقی بھائی نفقہ میں کوتاہی کریں اخیافی بھائی پر کل نفقہ کا وجوب نہ ہوگا۔ واللہ اعلم

قال فی الحامدیہ: بعد التفصیل فی نفقات الاقارب: القسم السابع اذا کانوا حواشی فقط (ومرادنا بالحواشی من لیس اصلاً ولا فرعاً) یعتبر فیہ الارث ای اھلیتہ وحقیقتہ (اذ لا یتحقق الا بعد الموت) وعند الاستواء فی المحرمیۃ واھلیۃ الارث یترجح الوارث حقیقۃً ففی خال وابن عم علی الخال لانہ رحم محرم اھل للارث عند عدم ابن العم ولا شئ علی ابن العم وان کان المیراث کلہ لہ لانہ غیر محرم ولا تجب نفقۃ علی غیر محرم اصلاً اھ (ص۹۶ ج-۱)

قلت: وفی الصورۃ المسئولۃ الاخوۃ کلھم سواء فی المحرمیۃ

واھلیۃ الارث فالنفقۃ علی کلھم علی قدر میراثھم من الاخت کما قال فی الحامدیۃ فی العمۃ والخالۃ ان النفقۃ علیھما اثلاثاً کارثھما اھ (صفحہ مذکورہ) واللہ اعلم۔

(تنبیہ) واعلم ان الفقہاء جعلوا المعسر العاجز عن الکسب کالعدم ولم یجعلوا الموسر الممتنع عن اداء النفقۃ ولا العاجز المکسوب کذالک کالعدم لان القاضی یجبرھما علیھا ولکن بلادنا لا قاضی فیھا ولا یمکن اجبار الممتنع علیھما اصلاً فجعلنا الممتنع ایضاً کالعدم واوجبنا کل النفقۃ علی الباقین بقدر ارثھم وھو ھذا ھو الظاھر عندی ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً واللہ اعلم

۱۱ رجب ۳۶ھ

اِمدادُ الاحکام

امداد الفتاویٰ کا تکملہ جو سنہ ۱۳۴۰ئہ کے بعد کے فتاویٰ پر مشتمل ہے

تالیف

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ نگرانی

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ دار العلوم کراچی ۱۴